وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

16
الله رسول محمد
سلسلة خدمة الحديث النبوي

احادیث مبارکہ کا عظیم ترین مجموعہ

شرح السنة

تالیف:
أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي
٤٣٣ - ٥١٦ هـ

ترجمہ: ابو ثمامہ محمد عبداللہ سلیم حفظہ اللہ تحقیق و تخریج: ابو القاسم محمد محفوظ اعوان حفظہ اللہ

نظر ثانی: عبداللہ یوسف ذہبی حفظہ اللہ تقریظ: شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

فہرست مضامین

(19)...... كِتَابُ الْبُيُوعِ
تجارت کے احکامات

(1)...... بَابُ إِبَاحَةِ التِّجَارَةِ
تجارت جائز ہے

ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ...... ''اے ایمان والو! تم دوسرے کا مال باطل طریقے کے ساتھ نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس میں رضا مندی کے ساتھ تجارت ہو۔ (سورۂ نساء: ۲۹)

(٢٠٢٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ وَمِجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأَثَّمُوا مِنَ التِّجَارَةِ فِيهَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کی منڈیاں تھیں، جب اسلام آیا تو صحابہ نے ان منڈیوں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾ ...... ''موسم حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔'' عبداللہ بن عباس کی قراءت میں اسی طرح ہے، (قراءاتِ سبعہ میں ''فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ'' کے الفاظ نہیں ہیں)۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، قتادہ کہتے ہیں: لوگ تجارت کیا کرتے تھے لیکن تجارت انہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی تھی۔ جب کوئی حق پیش آجاتا تو وہ اسے ادا کیا کرتے تھے۔

(٢٠٢٤) أخرجه البخاري: ٢٠٩٨.

(٢٠٢٥)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ السَّمْعَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، وَقَبِيصَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْحَسَنِ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ۔))

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچا اور امانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

شرح امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور صرف ثوری عن ابی حمزہ کی روایت سے ہی معروف ہے، ابوحمزہ کا نام عبداللہ بن جابر ہے۔

(2)......بَابُ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ

کاروبار کرنا اور رزق حلال کمانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾...... ''اے ایمان والو! جو حلال مال تم کماتے ہو اس میں سے خرچ کرو۔'' (سورۂ بقرہ: ٢٦٧) حلال کو طیب اور حرام کو خبیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ﴾...... ''جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کرلو۔'' (سورۂ نساء: ٣)

﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا﴾...... اس آیت میں بھی ازکیٰ سے مراد حلال لیا گیا ہے۔ (سورۂ کہف: ١٩)

اسی طرح قرآن میں حکم ہے ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾...... ''جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' (سورۂ جمعہ: ١٠)

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾...... ''آپ دیکھتے ہیں کہ کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' (سورۂ نحل: ١٤)

مطر کہتے ہیں کہ سمندر میں تجارت کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو بھی ذکر کیا ہے وہ حق ہے، پھر انہوں نے (دلیل میں) مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

(٢٠٢٦)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصٍ التَّاجِرُ، حَدَّثَنَا

(٢٠٢٥) ضعيف، أخرجه الترمذي: ١٢٠٩.

(٢٠٢٦) أخرجه البخاري: ٢٠٧٢.

مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التِّرْمِذِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ ح وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُويْهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ......

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ صَاحِبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ حَدَّثَهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ)) قَالَ: ((وَكَانَ دَاوُدُ لا يَأْكُلُ إِلا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔))

مقدام بن معدیکرب جو کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز نہیں کھا سکتا، اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر ہی کھایا کرتے تھے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ابراہیم بن موسیٰ سے روایت کیا ہے۔

(۲۰۲۷)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ:......

نَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ، فَكَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُسْرَجَ دَابَّتُهُ، وَكَانَ لا يَأْكُلُ إِلا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔)) قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ۔ قَالَ: فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا رَبِّ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: أَيُّوبُ: بَلَى يَا رَبِّ، وَلٰكِنْ لا غِنَى بِي عَنْ تَرَكَتِكَ))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان کر دیا گیا تھا، آپ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور اس سے پہلے کہ زین ڈالا جائے، قرآن پڑھ لیا کرتے تھے نیز آپ اپنے ہاتھ سے کما کر ہی کھایا کرتے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر نہا رہے تھے کہ ان پر ایک سونے کی مکڑی گر گئی، حضرت ایوب علیہ السلام اسے اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دی: اے ایوب! کیا میں نے تجھے ان چیزوں سے بے پروا نہیں کیا جو تو دیکھ رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! جی ہاں اے اللہ! مگر میں آپ کی برکت سے تو بے پروا نہیں ہوسکتا۔''

(۲۰۲۷) أخرجه البخاري: ۳٤۱۷، ۲۰۷۳.

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی حدیث عبداللہ بن محمد سے اور دوسری حدیث اسحق بن نصر سے روایت کی ہے۔

(٢٠٢٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَأَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ، وَلا يَقْبَلُ إِلا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ وَقَالَ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبُّ يَا رَبُّ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، مَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اپنے رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اے پیغمبر و پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔'' نیز ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں۔'' پھر آپ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو بڑا لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال اور غبار آلود ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کر یا رب یارب پکارتا ہے (دعائیں کرتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کا ہوتا ہے اور اسے غذا بھی حرام کی ہی دی جاتی ہے تو اس کی دعائیں کیسے قبول ہوں گی۔''

شرح اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو کریب کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

(٢٠٢٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّاوُدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَدَّلُ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ النُّفَيْلِيِّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَابِطٍ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لِكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: ((أُعِيذُكَ

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ کعب بن عجرہ سے فرما رہے تھے

(٢٠٢٨) أخرجه مسلم: ١٠١٥.

(٢٠٢٩) اسناده قوى على شرط مسلم، أخرجه احمد: ١٤٤٤٨.

بِـالـلّٰـهِ مِنْ إِمَارَةِ السُّفَهَاءِ)) قَالَ: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُـولَ الـلّٰـهِ؟ قَـالَ: ((أُمَـرَاءُ سَيَكُـونُـونَ مِنْ بَـعْدِي، مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَـانَهُـمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوا مِنِّي وَلَسْتُ مِـنْهُـمْ وَلَـنْ يَرِدُوا عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَمَنْ لَمْ يَـدْخُـلْ عَـلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَأُولَئِكَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ، وَأُولَـئِكَ يَرِدُونَ عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ يَا كَعْبَ بْنَ عُـجْـرَـةَ! الـصَّلَاـةُ قُـرْبَانٌ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَ الـصَّـدَقَةُ تُـطْـفِـئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ الـنَّـارَ، يَـا كَـعْبَ بْنَ عُجْرَةَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ النَّارُ اَوْلٰی بِهِ.))

تھے: ''اور میں بیوقوفوں کی حکومت سے تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! بے وقوفوں کی حکومت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد کچھ حکمران ہوں گے جو آدمی ان کے پاس جائے گا، ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا اور ظلم پر ان کی اعانت کرے گا، نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ حوض پر میرے پاس آئے گا، اور جو لوگ ان کے پاس نہیں جائیں گے، نہ ان کے جھوٹ کو سچ کہیں گے، نہ ظلم پر ان کی مدد کریں گے تو ایسے لوگ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں اور یہ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔اے کعب بن عجرہ! نماز اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے، روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو، اے کعب بن عجرہ! جو گوشت حرام سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ آگ اس کی زیادہ حقدار ہے، اے کعب بن عجرہ۔''

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: حدیث میں ظالم حکمرانوں کے پاس جانے کو ناپسند کیا گیا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بادشاہوں کے دروازوں پر اسی طرح فتنے ہوتے ہیں جس طرح اونٹوں کے باڑوں میں ہوتے ہیں، تم اگر ان کی دنیا سے کچھ لو گے تو وہ تمہارے دین سے دوگنا لے لیں گے۔ وہب بن منبہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

(٢٠٣٠)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ يَحْيَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا نَاجِحُ بْنُ نَذِيرٍ الْمُحَارِبِيُّ، بِالْكُوفَةِ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ دُحَيْمٍ الشَّيْبَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَازِمٍ، حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّبَّاحِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ......

عَـنْ عَبْـدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الـلّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے

(٢٠٣٠) اسناده ضعيف وقال الدارقطنى فى العلل: والصحيح انه موقوف ...... أخرجه الامام احمد فى المسند: ٣٦٧٢.

بَيْنَكُمْ أَخْلاقَكُمْ ، كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ ، وَمَنْ لا يُحِبُّ ، وَلا يُعْطِي الدِّينَ إِلا مَنْ يُحِبُّ ، فَمَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّينَ فَقَدْ أَحَبَّهُ ، وَلا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لا يَسْلَمُ ، أَوْلا يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتَّى يَسْلَمَ ، أَو يُسْلِمَ قَلْبُهُ وَلِسَانُهُ ، وَلا يُؤْمِنُ حَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ)) قَالُوا: وَمَا بَوَائِقُهُ؟ قَالَ: ((غَشْمُهُ ، وَظُلْمُهُ ، وَلا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ ، وَلا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيهِ ، وَلا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ ، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لا يَمْحُو السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ ، وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّءَ بِالْحَسَنِ ، إِنَّ الْخَبِيثَ لا يَمْحُو الْخَبِيثَ۔))

رزق کو آپس میں تقسیم کر دیا ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کو بھی تقسیم کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ دنیا تو ہر آدمی کو دیتے ہیں خواہ اس سے محبت کرتے ہوں یا نہیں، لیکن دین صرف اس آدمی کو دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ جسے اللہ تعالیٰ دین عطا کر دیں اس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوتی ہے، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! انسان اس وقت تک ایک محفوظ یا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان محفوظ یا مسلمان نہ ہو، اور جب تک اس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔'' صحابہ نے پوچھا: تکلیفوں سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصب کرنا اور ظلم کرنا، جو آدمی بھی حرام مال کما کے اس سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتے اور جو اس میں سے خرچ کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو وہ پیچھے چھوڑ کر مرتا ہے (حرام مال میں سے) وہ اسے جہنم کے مزید قریب کر دیتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ سے ختم نہیں کرتے بلکہ گناہ کو نیکی سے ختم کرتے ہیں، بے شک حرام، حرام کو ختم نہیں کر سکتا۔''

شرح: امام صاحب فرماتے ہیں: صباح بن محمد بن ابو حازم بجلی احمسی کوفی پر علماء نے کلام کی ہے اور یہ وہی آدمی ہے جو حدیث ”استحیوا من اللّٰہ حق الحیاء“ کا راوی ہے۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں: میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ ایک کاریگر دن میں ایک درہم کماتا ہے جو اس کے بچوں کے اخراجات کے لیے کافی ہے لیکن باجماعت نماز ادا نہیں کرتا یا نماز تو باجماعت ادا کرتا ہے لیکن چوتھائی درہم حرام کماتا ہے جو اس کے بچوں کے اخراجات کے لیے ناکافی ہے تو اس کے لیے کیا افضل ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: وہ درہم کمائے اور نماز اکیلا ہی پڑھ لے تو یہ افضل ہے۔

(3)......بَابُ الإِتِّقَاءِ عَنِ الشُّبُهَاتِ
مشتبہات سے بچنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ ......''اوران کے مال واولاد میں سے اپنا بھی ساجھا لگا۔'' (سورۂ اسراء:۶۴)

کہا گیا ہے: مال میں شیطان کی مشارکت یہ ہے کہ حرام ذرائع سے کمایا جائے اور گناہ کے کاموں پہ خرچ کیا جائے اور اولاد میں مشارکت یہ ہے کہ حرام کاری کی جائے، ازہری کہتے ہیں: اس کی تفسیر یہ ہے کہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے انہیں حرام کرنے کی دعوت دینا اور حرام اولاد کو جنم دینا۔

(۲۰۳۱)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ......

قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((الْحَلالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِعِرْضِهِ وَدِينِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الْمُشَبَّهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، أَلا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلا وَهِيَ الْقَلْبُ۔))

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چرائے، قریب ہے کہ وہ جانور کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے، سن لو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام چیزیں ہیں، سن لو! بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑا سارا بدن بگڑ گیا سن لو! وہ ٹکڑا دل ہے۔''

شرح اس روایت کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''جو کوئی شبہ کی چیزوں کو اپنائے گا وہ حرام کا مرتکب بھی ہو جائے گا۔''

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث تقویٰ کی بنیاد ہے کہ جب کسی چیز کی حلت وحرمت کا معاملہ آدمی پر مشتبہ ہو

(۲۰۳۱) أخرجه البخاري: ۵۲، ۲۰۵۱، ومسلم: ۱۵۹۹.

جائے تو تقویٰ یہی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ دے۔ اگر وہ اسے چھوڑے گا نہیں بلکہ اپنائے رکھے گا تو یہ چیز اسے حرام کی طرف کھینچ لے جائے گی جیسا کہ مروی ہے: نبی ﷺ ایک کھجور کے پاس سے گزرے جو گری ہوئی تھی تو فرمایا: ''اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہوسکتی ہے تو میں اسے کھا لیتا۔''

(صحیح بخاری: ۲۰۵۵، صحیح مسلم: ۱۰۷۱)

حسان بن ابوسفیان فرماتے ہیں: تقویٰ اختیار کرنے کی اس سے زیادہ آسان صورت میں نے نہیں دیکھی کہ مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کیا جائے، اسی بنا پر اگر آدمی کو اپنے گھر سے کوئی ایسی چیز ملے جس کی ملکیت کا اسے یقین نہیں تو تقویٰ یہی ہے کہ اس سے اجتناب کرے اگرچہ اس کا استعمال کرنا اس کے لیے حرام نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے قبضے میں ہے اسی طرح جس آدمی کا مال مشکوک ہو یا اس میں سود وغیرہ کی آمیزش ہو تو اس کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ اس سے پرہیز کرے تاہم جب تک اس کے اصل کی حرمت کا یقین نہ ہو اس پر فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، نبی ﷺ نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ کر اس سے گھر کھانے کے لیے کچھ جو بطور قرض لیے تھے۔ (صحیح بخاری: ۲۷۰۰) حالانکہ وہ سودی معاملہ کیا کرتے تھے اور شراب کی آمدن کو حلال جانتے تھے۔

عطاء کہتے ہیں: جب تم بازار جاؤ تو یہ پوچھے بغیر خرید لو کہ یہ چیز کہاں سے آئی ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ حرام ہے تو پھر اس سے اجتناب کرو۔

سلمان کہتے ہیں: اگر آپ کا کوئی دوست سودی کاروبار کرتا ہو اور وہ آپ کو کھانے کی دعوت دے یا کوئی چیز بطور تحفہ دے تو اسے قبول کر لو کیونکہ آپ کے لیے وہ تحفہ ہے اور اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا۔

حسن بصری سے دریافت کیا گیا: اگر میرا پڑوسی کاہن ہو اور وہ مجھے کوئی چیز تحفہ دے یا دعوت ولیمہ دے تو کیا میں قبول کر لوں؟ آپ نے جواب دیا، جی ہاں! آپ کے لیے وہ تحفہ ہے اور گناہ اس کے ذمہ ہے، اسی طرح سعید بن جبیر، مکحول اور زہری کہتے ہیں کہ اگر مال میں حرام وحلال مل جائے تو اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک یقین نہ ہو جائے کہ جو چیز اسے کھلائی جا رہی ہے یا تحفے میں دی جا رہی ہے وہ حرام بعینہٖ ہے تو ایسی چیز کا استعمال جائز نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: بادشاہ سے سوال نہ کرو، اگر بغیر مانگے کچھ دے دے تو قبول کر لو کیونکہ جتنا وہ آپ کو دیتے ہیں اس سے زیادہ آپ کے حلال مال سے وصول کر لیتے ہیں۔

مختار ثقفی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو تحائف بھیجتا تھا تو وہ قبول کر لیا کرتے تھے، عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے دوران عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف مال بھیجا تو انہوں نے قبول کرنے سے

انکار کر دیا، جب لڑائی ختم ہوگئی تو قبول کر لیا۔ حجاج نے سعید بن جبیر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قیام رمضان کرائیں۔ جب وہ فارغ ہوئے تو حجاج نے آپ کو کالے رنگ کا ریشمی کوٹ دیا تو آپ نے اسے پہن لیا۔

ابن سیرین سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بادشاہوں کے تحائف قبول کر لیا کرتے تھے جب کہ قاسم بن محمد قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ابن سیرین اور سعید بن مسیّب بھی قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ سعید بن مسیّب سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا: ہم سے بہتر انسان نے ان حکمرانوں سے بہتر حکمرانوں کے تحائف کو رد کر دیا تھا۔

امام صاحب فرماتے ہیں: تمام شبہات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ جس کے حلال یا حرام ہونے میں کوئی اصل نہ ہو ایسی اشیاء کو ترک کر دینا تقویٰ ہے۔

(۲) جس کے حلال یا حرام ہونے کی کوئی اصل موجود ہو تو اسی اصل پر عمل کیا جائے گا اور جب تک یقین نہ ہو جائے اس اصل کو ترک نہیں کیا جائے گا، اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک آدمی نماز کے لیے وضو کرتا ہے پھر اسے وضو ٹوٹ جانے کا شک ہو جاتا ہے تو جب تک اسے یقین نہ ہو جائے وہ نماز پڑھتا رہے گا اسی طرح اگر صحرا میں پانی ہو اور اس کی طہارت مشکوک ہو تو اسے پاک ہی سمجھا جائے گا کیونکہ پانی اصلاً پاک ہے، اسی طرح اگر کسی آدمی کے پاس بیوی بھی ہو اور لونڈی بھی اور اسے شک ہو جائے کہ آیا اس نے بیوی کو طلاق دی ہے یا لونڈی کو آزاد کیا ہے تو جب تک طلاق یا آزادی کا یقین نہ ہو جائے کوئی بھی اس پر حرام نہ ہوگی اگرچہ اس میں اصل حرمت ہے جیسا کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرنے یا لونڈی کو خریدنے میں شک ہو جائے یا بکری کے گوشت میں شک ہو جائے کہ یہ مذبوح ہے یا مردار تو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک عورت کے ملک اور بکری کے مذبوح ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اسی طرح اگر کسی کی بیوی اجنبی عورتوں میں یا مذبوح بکری مردار بکریوں میں مل جائے تو اس وقت تک ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے جب تک کہ اپنی بیوی اور مذبوح بکری کو پہچان نہ لے۔ جس نے مشابہات کو چھوڑا اس نے اپنی عزت اور دین کو محفوظ کر لیا۔ یہ حدیث جرح وتعدیل کے جائز ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص اپنے کاروبار اور معیشت میں مشابہات سے نہیں بچتا تو وہ اپنے دین اور عزت کو طعن کے لیے پیش کرتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اشتباہ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آدمی کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس کی حلت وحرمت کا حکم اس پر مشتبہ ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر تو وہ خود عالم ہے تو اجتہاد کرے اور اگر عام آدمی ہے تو علماء سے پوچھ لے۔ اجتہاد کے بغیر یا علماء سے پوچھے بغیر اسے جائز سمجھ کر اپنا لینا جائز نہیں۔

(۲۰۳۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ هَيْثَمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْبُوشَنْجِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ الدَّيْنَوَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ

(۲۰۳۲) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ۲۵۱۸، والنسائي: ۵۷۲۷.

أَحْمَدُ بْنُ شُعَيْبٍ النَّسَائِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانٍ الْبَلْخِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مَرْيَمَ......

عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ، قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:؟ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْهُ: ((دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ.))

ابو حوراء کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا یاد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ یاد کیا ہے: ''جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ دے اور جو شک میں نہیں ڈالتی اسے اپنا لے۔''

شرح امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: ابو الحوراء سعدی کا نام ربیعہ بن شیبان ہے اور ابن ابی مریم کا نام برید بن ابی مریم سلولی بصری ہے اور ابو مریم کا نام مالک بن ربیعہ ہے۔

(۲۰۳۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَرَجِ الْمُظَفَّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّمِيمِيُّ الْجُرْجَانِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ حَمْزَةُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ السَّهْمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَسَدُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالَ بِحِلٍّ أَوْ حَرَامٍ.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ مال کمانے میں حلال وحرام کی پروانہیں کریں گے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے آدم عن ابن ابی ذئب عن سعید المقبری سے روایت کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا يَبِعْ فِي سُوقِنَا إِلَّا مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِي الدِّينِ))

''ہمارے بازار میں صرف وہی آدمی تجارت کرے جو دین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔''

(حسن الاسناد، ترمذی: ٤٨٧)

(۲۰۳۳) أخرجه البخاري: ۲۰۵۹، ۲۰۸۳.

(4)......بَابُ كَسْبِ الْحَجَّامِ

حجام کی کمائی

(٢٠٣٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا أَبُو عَلِيٍّ زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

عَنِ ابْنِ مُحَيِّصَةَ أَحَدِ بَنِي حَارِثَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِجَارَةِ الْحَجَّامِ، فَنَهَاهُ، فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ، وَيَسْتَأْذِنُهُ، حَتَّى قَالَ: ((اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ، أَوْ أَطْعِمْهُ رَقِيقَكَ))

ابن محیصہ جو کہ بنو حارثہ میں سے ہیں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سینگی لگانے کی مزدوری لینے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ ان کے بار بار اجازت مانگنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اونٹ کے سامنے ڈال دے یا اپنے غلام کو کھلا دے۔''

شرح اس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے سفیان عن زھری عن حرام بن سعد بن محیصة کی سند سے روایت کیا ہے کہ محیصہ نے نبی ﷺ سے پوچھا۔

امام صاحب فرماتے ہیں: حجام کی آمدن کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کچھ لوگوں کے نزدیک حرام ہے اور کچھ کے نزدیک اگر حجام آزاد ہے تو اس کی کمائی حرام ہے اور اگر غلام ہے تو حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق اپنے جانوروں کو کھلا دے یا اپنے مالکوں پر خرچ کر دے، جبکہ اکثر علماء کے نزدیک حلال ہے اور نہی تنزیہی ہے کہ یہ کاروبار باعزت نہیں ہے تاہم اسے چھوڑ کر کوئی اچھا اور باعزت کاروبار کرنے کی ترغیب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے تکرار کرنے پر اسے غلاموں کو کھلانے کا حکم دیا، اگر اس کی اجرت حلال نہ ہوتی تو غلام کو کھلانا بھی جائز نہ ہوتا کیونکہ غلام کو وہی مال کھلا سکتا ہے جو اس کی ملکیت ہے (یعنی وہ مال اس کی ملکیت ہے اسی لیے غلام کو کھلانا جائز ہے) اس کے جواز کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

(٢٠٣٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ......

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَجَمَ رَسُولَ اللّٰهِ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو طیبہ نے رسول

(٢٠٣٤) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٤٢٢، والترمذي: ١٢٧٧، وابن ماجه: ٢١٦٦.

(٢٠٣٥) أخرجه البخاري: ٢١٠٢، ٢٢١٠، ومسلم: ١٥٧٧.

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو طَيْبَةَ ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ۔

اللہ ﷺ کو سینگی لگائی تو آپ ﷺ نے اسے ایک صاع کھجوریں (اجرت) دینے کا حکم دیا اور اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ اس کے خراج میں تخفیف کردو۔

شرح اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حمید سے روایت کیا ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کے متعلق حکم دیا تھا کہ ((أُشْكُمُوْه)) ......''اس کو مزدوری دو۔'' (مرسل، مسند شافعی: ۹۳۱، سنن بیهقی: ۱۹۵۱۹)

(۲۰۳۶)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ ، عَنْ حُمَيْدٍ......

عَنْ أَنَسٍ ، أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ ، فَأَعْطَاهُ صَاعَيْنِ ، وَأَمَرَ مَوَالِيَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ ضَرِيبَتِهِ ، وَقَالَ: ((إِنَّ أَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ ، وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ لِصِبْيَانِكُمْ مِنَ الْعُذْرَةِ ، وَلا تُعَذِّبُوهُمْ بِالْغَمْزِ۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں آپ کو ابوطیبہ نے سینگی لگائی تھی تو آپ ﷺ نے اسے دو صاع دیے اور اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا ٹیکس کم کردیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچوں کے حلق کی تکلیف کا بہترین علاج سینگی اور قسط بحری ہے لہٰذا انہیں انگلی سے دبا کر تکلیف نہ دو۔''

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لونڈیوں کی کمائی سے روکا ہے، یہ ممانعت اس آدمی سے متعلق ہے جو اپنی لونڈی پر ٹیکس مقرر کرتا ہے جس کی ادائیگی مالک کو کرنا لونڈی پر لازم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے تنزیہاً منع کیا ہے تحریماً نہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ اس بنا پر لونڈی گناہ اور حرام کمائی میں ملوث ہو جائے گی بالخصوص جب اگر اس کے پاس کوئی ہنر نہ ہو البتہ اگر اس کے پاس کوئی ہنر ہو تو اس سے کمائی کروانا جائز ہے۔

(۲۰۳۶) أخرجه البخاري: ۵۶۹۶، ومسلم: ۱۵۷۷.

رافع بن رفاعہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کی کمائی سے روکا ہے الا یہ کہ اس کے پاس کوئی ہنر ہو۔

(حسن، ابوداود: ٣٤٢٦)

ایک اور حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لونڈی کی کمائی سے روکا ہے حتی کہ یہ معلوم ہو کہ وہ کہاں سے کما کر لاتی ہے۔ (حسن، ابوداود: ٣٤٢٧)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ میں ارشاد فرمایا: بچے کو کمائی پر مجبور نہ کرو کیونکہ وہ چوری کرنے لگ جائے گا اور بے ہنر لونڈی کو کمائی پر مجبور نہ کرو ورنہ وہ بدکاری کرنے پر لگ جائے گی جب اللہ نے تم سے درگزر کیا ہے تو تم بھی ان سے درگزر کرو اور پاکیزہ کمائی کھاؤ۔

(5)......بَابُ تَحْرِيْمِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالدَّمِ

کتے اور خون کی قیمت حرام ہے

ارشاد ربانی ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾...... ''مردار اور خون تم پر حرام ہے۔'' (سورۂ مائدہ: ٣)

(٢٠٣٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ......

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ۔

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع کیا ہے۔

شرح: حلوان اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی آدمی کو (تحفہ) دی جائے اور ''حَلَوْتُ الرَّجُلَ أَحْلُوهُ حُلْوَانًا'' سے لیا گیا ہے۔ اس سے مراد رشوت ہے بعض کے نزدیک اس کی اصل ''حلاوت'' ہے اور اسے میٹھی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب کسی کو میٹھی چیز کھلائی جائے تو ''حَلَوْتُ الرَّجُلَ'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی کو شہد کھلایا جائے تو ''عَسَلْتُهُ'' کہا جاتا ہے۔

(٢٠٣٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَحْمَدَ الْقَفَّالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ أَحْمَدُ بْنُ الْفَضْلِ الْبُرُونَجِرْدِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَمْدَانُ الصَّيْرَفِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَالِبٍ

(٢٠٣٧) أخرجه البخاري: ٢٢٣٧، ٢٢٨٢، ومسلم: ١٥٦٧ .

(٢٠٣٨) صحيح، أخرجه البيهقي: ٦/ ١٢٦ .

التَّمَّامُ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامٍ هُوَ ابْنُ حَسَّانٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ سِيرِينَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت اور گانے کی قیمت سے منع کیا ہے۔

شرح: امام صاحب فرماتے ہیں: بدکار عورت کی کمائی اور کاہن کی شیرینی کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ "مهر البغی" سے مراد وہ رقم ہے جو آدمی کسی عورت کو بدکاری کے عوض دیتا ہے، اور "حلوان الکاهن" سے مراد وہ رقم ہے جو کاہن (غیب دان) کہانت کے عوض لیتا ہے، اور کہانت کرنا باطل عمل ہے اس کی اجرت لینا ناجائز ہے۔

"زمارة" بدکار عورت کو کہتے ہیں، احمد بن یحیٰ کہتے ہیں: خوبصورت اور بدکار عورت کو "زمارة" کہتے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: بدکار عورت کی کمائی کی حرمت کی وضاحت دوسری حدیث میں مهر البغی کے الفاظ کی گئی ہے۔ازہری کہتے ہیں: ممکن ہے کہ گانے والی عورت کی کمائی کو حرام قرار دیا ہو کیونکہ گانے کو بھی "زمیر" کہتے ہیں یعنی خوبصورت آواز۔بعض راویوں نے "را" کو پہلے ذکر کیا ہے یعنی "الرمز" اس کا مطلب ہے: آنکھوں اور ہونٹوں سے اشارہ کرنا جیسا کہ بدکار عورتیں کرتی ہیں مگر "زا" کو پہلے لانا زیادہ بہتر ہے۔

کتے کی قیمت اکثر علماء کے نزدیک اسی طرح حرام ہے جس طرح کاہن کی شیرینی اور بدکار عورت کی کمائی حرام ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حرام کہا ہے، اس بارے میں سیدنا علی، ابن مسعود، جابر، ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، حسن، حکم اور حماد بھی اس کی حرمت کے قائل ہیں، شافعی، اوزاعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، اصحاب الرائے کے نزدیک کتے کی خرید وفروخت جائز ہے ورنہ کتوں کی نسل ختم ہو جائے گی، عطاء اور نخعی کے نزدیک جن کتوں کو پالنا جائز ہے ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور جن کتوں کو پالنا ناجائز ہے ان کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔جن کے نزدیک کتے کی بیع جائز نہیں ان کے نزدیک ایسے شخص پر تاوان نہیں ہے جو کتے کو مار دے، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: کتے کی بیع تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی اسے مار دے تو اس پر تاوان لازم ہے جیسا کہ ام ولد (وہ لونڈی جس سے مالک کی اولاد ہو) کو بیچنا تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی اسے قتل کر دے اس پر اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

ابوسفیان اور جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت لینے سے منع کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ١٥٦٩)

صحابہ میں سے ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے طاؤس اور مجاہد اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے بلی کی بیع کو مکروہ قرار دیا ہے، جبکہ جمہور علماء کے ہاں بلی کی بیع جائز ہے۔ عبداللہ بن عباس، حسن بصری، ابن سیرین، حکم، حماد، مالک، سفیان ثوری، اصحاب الرائے، شافعی، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کچھ علماء نے اس حدیث کی تشریح میں کہا ہے کہ جنگلی بلی کی بیع حرام ہے۔

(٢٠٣٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ، حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ......

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ ، وَثَمَنِ الدَّمِ ، وَكَسْبِ الْبَغِيِّ ، وَلَعَنَ آكِلَ الرِّبَا ، وَمُوكِلَهُ ، وَالْوَاشِمَةَ ، وَالْمُسْتَوْشِمَةَ ، وَالْمُصَوِّرَ۔

عون بن ابو جحیفہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور خون کی قیمت لینے اور بدکار عورت کی کمائی سے منع کیا ہے اور سود کھانے کھلانے والے اور جسم میں رنگ بھرنے والی اور بھروانے والی اور تصویر بنوانے پر لعنت کی ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے، جس میں بدکار عورت کی کمائی کی جگہ لونڈی کی کمائی کے الفاظ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں، نجس ہونے کی وجہ سے خون کی بیع حرام ہے جبکہ بعض علماء نے خون کی بیع کی ممانعت کو سینگی لگانے والے (حجام) کی اجرت کی ممانعت پر محمول کیا ہے اور اسے نہی تنزیہی قرار دیا ہے۔

اسی طرح لونڈی کی کمائی کی ممانعت بھی تنزیہی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بدکاری کو ذریعہ آمدن بنائے بالخصوص اگر اس کے پاس کوئی ہنر نہ ہو۔ مقصود یہ ہے کہ لونڈی پر ایسا ٹیکس مقرر نہ کیا جائے جس کی روزانہ ادائیگی اس پر لازم ہو، سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت اس لیے کی ہے کہ وہ دونوں سود کے کام میں شریک ہیں اگرچہ لینے والا فائدے کا خواہش مند ہے اور دینے والا خسارے میں ہے۔

مصور سے مراد وہ آدمی ہے جو جانداروں کی تصویریں بناتا ہے کیونکہ جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی وہ جانداروں کی شکل پر بنے ہوتے تھے، درختوں وغیرہ کی تصویریں بنانے والا اس میں شامل نہیں ہے۔

(6)......بَابُ تَحْرِيمِ ثَمَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ

شراب اور مردار کی قیمت حرام ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ ......"تم پر مردار اور خون (کھانا) حرام

(٢٠٣٩) أخرجه البخاري: ٢٠٨٦، ٢٢٣٨.

ہے۔‘‘(سورۂ مآئدہ:۳)

(۲۰۴۰)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولَ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ: ((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيرَ، وَالأَصْنَامَ)) فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: ((لا، هُوَ حَرَامٌ)) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ: ((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا، جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ۔))

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: ’’بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے کہ وہ کشتیوں پر لگائی جاتی ہے اور چمڑے رنگنے کے کام آتی ہے نیز لوگ اسے چراغ جلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’وہ حرام ہے۔‘‘ پھر اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی رقم استعمال کر لی۔‘‘

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: شراب اور مردار کی حرمت اس بات کی دلیل ہے کہ نجس عین چیزوں کی بیع حرام ہے خواہ بعض حالات میں ان سے استفادہ ضروری ہو نیز اس میں یہ دلیل بھی پائی جاتی ہے کہ رنگنے سے پہلے مردار کا چمڑا بیچنا حرام ہے کیونکہ وہ نجس عین ہے، البتہ دباغت کے بعد اس کی خرید وفروخت کرنا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’جو چمڑا رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔‘‘

(صحیح مسلم: ٣٦٦)

البتہ امام مالک اسے بھی ناجائز کہتے ہیں۔ غیر مأکول اللحم اور مردار جانوروں کی ہڈیوں کی خرید وفروخت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ان کی خرید وفروخت اور ہر قسم کا تصرف حرام ہے۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ ہڈیوں میں جان نہیں ہوتی چنانچہ انہیں موت بھی نہیں آتی لہٰذا بدبو زائل ہونے

(۲۰۴۰) أخرجه البخاري: ۲۲۳٦، ومسلم: ١٥٨١.

کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہیں اسی لیے وہ ہاتھی دانت کو بھی پاک کہتے ہیں، امام زہری کہتے ہیں: میں نے بہت سے علمائے سلف کو دیکھا ہے وہ ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھی استعمال کیا کرتے تھے اور اس کی بوتل میں تیل ڈالا کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

ابن سیرین اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں: ہاتھی دانت کی تجارت جائز ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ "فاطمہ کے لیے ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔"

(ضعیف الاسناد منکر، ابوداود: ٤٢١٣)

جو لوگ ہاتھی دانت کی تجارت جائز نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "عاج" سے مراد ہاتھی دانت نہیں بلکہ کچھوے کی ہڈی مراد ہے جو مچھلی کی ہڈی کی طرح پاک ہے۔

خنزیر کی بیع کی حرمت بھی ہاتھی دانت کی بیع کے حرام ہونے کی دلیل ہے نیز اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بے فائدہ جانوروں کی بیع بھی ناجائز ہے جیسے شیر، بندر، ریچھ، سانپ، بچھو، چوہا، چیل، گدھ اور حشرات الارض وغیرہ۔

یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی عیسائی کی شراب انڈیل دے یا اس کے خنزیر کو قتل کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ دین میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

بتوں کی بیع کی حرمت اس بات کی دلیل ہے کہ ہر اس تصویر کی بیع حرام ہے جو لکڑی، لوہے، سونے یا چاندی وغیرہ کسی دھات کی بنی ہوئی ہو نیز تمام آلات موسیقی جیسے ستار، بانسری، سارنگی وغیرہ کی تجارت بھی حرام ہے۔ اگر تصویر اور آلات موسیقی کو توڑ دیا جائے تو ان کی دھات کی تجارت جائز ہے جس سے وہ بنے ہوئے تھے خواہ سونا یا چاندی ہو، خواہ لوہا ہو یا لکڑی۔

امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نہی میں ہر وہ تصویر شامل ہے جو کاغذ وغیرہ پر بنی ہو لیکن مقصود تصویر ہو کاغذ مقصود نہ ہو البتہ جو تصاویر برتنوں پر بنی ہوتی ہیں وہ برتنوں کے حکم میں ہی ہوتی ہیں جیسا کہ دیواروں، چھتوں، چادروں اور پردوں وغیرہ پر بنی ہوئی تصاویر ہوتی ہیں ان کی بیع ناجائز نہیں ہے۔ گھریلو تصاویر کا بھی یہی حکم ہے۔

اس حدیث میں خنزیر کے بال فروخت کرنے کی حرمت کی بھی دلیل ہے البتہ اس کے بالوں سے استفادہ کرنے میں اختلاف ہے، ابن سیرین، حکم، حماد، شافعی، احمد اور اسحاق اسے ناجائز کہتے ہیں جبکہ حسن، اوزاعی، مالک اور اصحاب الرائے جائز کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ باقی جانوروں کی نجاست کو بالواسطہ استعمال کرنا جائز ہے چنانچہ ان کے ہاں پاخانے کے ساتھ تنور گرم کرنا اور مردار کی ہڈیوں سے آگ جلانا جائز ہے۔ اسی طرح زمین میں گوبر وغیرہ کی کھاد ڈالنا بھی جائز ہے، نیز کہتے ہیں اگر پلید پانی سے آٹا گوندھا ہو تو وہ اونٹ یا کتے کو کھلا دے، کتے اور خنزیر

کے علاوہ باقی جانوروں کا چمڑا اپنے گھوڑے کو پہنا سکتا ہے، پلید تیل کے ساتھ چراغ جلانا بھی جائز ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس بارے میں اختلاف کیا ہو کہ اگر کسی کا جانور مر جائے تو وہ اس کا گوشت اپنے کتوں کو کھلا دے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کی ہڈی ٹوٹ جائے وہ اس کی جگہ مأکول اللحم جانور کی پاکیزہ ہڈی لگالے نیز کشتیوں پر خنزیر کی چربی نہ لگائی جائے۔

(۲۰۴۱)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلا بَاعَ خَمْرًا، فَقَالَ: قَاتَلَ اللَّهُ فُلانًا بَاعَ الْخَمْرَ، أَمَا عَلِمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ، فَجَمَلُوهَا، فَبَاعُوهَا۔))

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ ایک آدمی نے شراب بیچی ہے تو انہوں نے فرمایا: فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ ڈالا''

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے علی بن عبداللہ اور حمیدی سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوبکر بن ابوشیبہ، زہیر اور اسحاق بن ابراہیم سے روایت کیا ہے اور ان سب نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے۔ ''قاتل اللہ الیھود'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے یا ان پر لعنت کرے، باب مفاعلہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں فعل کے باہمی تبادلہ کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن کبھی یکطرفہ فعل کے معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسے سافرت میں نے سفر کیا ''فجملوھا'' اس سے مراد ہے کہ انہوں نے اسے پگھلا کر ڈل بنا لیا چنانچہ اس کا نام ''شحم'' (چربی) نہ رہا۔

(۲۰۴۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ......

(۲۰۴۱) أخرجه البخاري: ۲۲۲۳، ومسلم: ۱۵۸۲.

(۲۰۴۲) أخرجه مسلم: ۱۵۷۹.

عَـنِ ابْـنِ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْـنَ عَبَّاسٍ عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰـهِ بْـنُ عِبَّـاسٍ: أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاوِيَةَ خَمْرٍ، فَقَالَ لَهُ الـنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ شُرْبَهَا؟ فَسَارَّ الرَّجُلُ إِنْسَانًا إِلَى جَنْبِهِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((بِـمَ سَـارَرْتَـهُ؟)) فَـقَالَ: أَمَرْتُهُ أَنْ يَبِيعَهَا، فَـقَـالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الَّـذِي حَـرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا)) فَفَتَحَ الْمَزَادَتَيْنِ حَتَّى ذَهَبَ مَا فِيهِمَا۔

عبدالرحمٰن بن وعلہ مصری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے انگور سے نچوڑی گئی شراب کے متعلق پوچھا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شراب کا ایک مشکیزہ تحفہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پینا حرام ٹھہرایا ہے؟'' تو اس نے اپنے پاس والے آدمی سے سرگوشی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو نے اس سے کیا سرگوشی کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے اسے حکم دیا ہے کہ اسے بیچ ڈالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اس کو پینا حرام کیا ہے اس نے اسے بیچنا بھی حرام کیا ہے۔'' چنانچہ اس نے اس مشکیزے کے دونوں بند کھول دیے حتی کہ ساری شراب بہ گئی۔

شرح یہ روایت ایک غریب سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ کہتے ہیں: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الخَمْرِ عَشَرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالـمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالمُشْتَرِي لَهَا، وَالمُشْتَرَاةُ لَهُ۔ ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت کی ہے، نچوڑنے والا، نچڑوانے والا، پینے والا، اٹھانے والا، جس کے پاس اٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والا، بیچنے والا، اس کی قیمت کھانے والا، خریدنے والا، جس کے لیے خریدی جائے۔ (حسن صحیح، ترمذی: ۱۲۹۵، ابن ماجہ: ۳۳۸۱)

(۲۰۴۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ......

عَـنْ أَنَـسِ بْـنِ مَـالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَأَبَا طَلْحَةَ الأَنْصَارِيَّ، وَأُبَيَّ بْـنَ كَـعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ، وَتَمْرٍ، فَجَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ الخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ابوعبیدہ بن جراح، ابوطلحہ انصاری اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو انگور اور کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ کوئی آدمی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: شراب حرام ہو چکی ہے، ابوطلحہ کہنے لگے: انس اٹھو

(۲۰۴۳) أخرجه البخاري: ۲٤٦٤، ومسلم: ۱۹۸۰.

فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: قُمْ يَا أَنَسُ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ، فَاكْسِرْهَا، فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا، فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى تَكَسَّرَتْ۔ اور اس مٹکے کو توڑ دو چنانچہ جب میں اٹھا اور اپنے پتھر کے برتن کو نیچے سے مار کر توڑ دیا۔

شرح: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یحییٰ بن قزعہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو الطاہر عن ابن وھب سے روایت کیا ہے۔ ان دونوں نے مالک سے روایت کیا ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ انگور اور کھجور کے علاوہ باقی چیزوں سے بنایا جانے والا مشروب بھی خمر (شراب) کہلاتا ہے اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے، نیز ان کے شراب گرا دینے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا اور اس کی تردید نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ شراب کو پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اگر کوئی طریقہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ بتا دیتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کے چمڑے کو پاک کرنے کے لیے دباغت کا طریقہ بتایا تھا جبکہ یحییٰ بن عباد سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا شراب کا سرکہ بنا لیا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' (صحیح مسلم: ۱۹۸۳)

نیز انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کے متعلق پوچھا جنہیں ورثہ میں شراب ملی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو بہا دو۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ہم اس کا سرکہ نہ بنا لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' (صحیح، ابوداود: ۳۶۷۵) اگر اسے پاک کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو آپ انہیں شراب گرانے کا حکم نہ دیتے جبکہ یتیم کے مال کی حفاظت کرنا بھی واجب ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، مالک، شافعی اور احمد کا قول بھی یہی ہے نیز سفیان اور ابن مبارک رحمہم اللہ نے بھی اسے مکروہ کہا ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ پتہ چلنے کے بعد شراب کو سرکہ بننے تک گھر میں رکھنا مکروہ ہے۔ ان کے نزدیک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے گھر شراب کا ہونا مناسب نہیں، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے یہ پسند نہیں کہ کسی مسلمان کو وراثت میں شراب ملے اور وہ اسے سرکہ بننے تک گھر میں رکھے رہے۔ لیکن اگر وہ سرکہ بن جائے تو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا سرکہ بنانے کا کیا طریقہ ہے کہ جس سے آدمی گناہ گار بھی نہ ہو تو انہوں نے کہا: تیز سرکہ لے کر اسے رس (جوس) پر ڈال دو کہ اس کے نیچے دب جائے تو اس میں جوش (نشہ) پیدا نہیں ہوگا اور سرکہ بن جائے گا، ایسی ہی بات امام احمد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کسی مسلمان کے گھر میں شراب ہو البتہ اس پر سرکہ ڈال دیا جائے تا کہ وہ بھی بدل کر سرکہ بن جائے۔

عطاء بن ابی رباح، عمر بن عبدالعزیز اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے شراب کا سرکہ بنانے کی اجازت دی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسے مٹکے کو توڑ دینا مشروع ہے جو صرف شراب کے لیے استعمال ہوتا ہے البتہ اگر وہ کسی اور کام بھی آ سکتا ہو تو پھر اسے نہ توڑا جائے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے جنگ خیبر کے دن ہماری آگ جلتی دیکھی جو گھریلو گدھوں کا گوشت پکانے کے لیے جلائی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان ہانڈیوں کو توڑ دو اور جو کچھ ان میں ہے اسے گرا دو۔'' یہ حکم آپ نے گھریلو گدھے کا گوشت کھانے کی حرمت کو واضح کرنے کے لیے بطور تاکید ومبالغہ دیا تھا تا کہ ان پر اس کی حرمت واضح ہو جائے، ہانڈیوں کو تڑوانا مقصود نہ تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم گوشت گرا کر ہانڈیوں کو دھو نہ لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، انہیں دھولو۔'' (صحیح بخاری: ٤١٩٦، صحیح مسلم: ١٨٠٢)

نیز بت، صلیب، طبلہ وغیرہ دیگر آلات موسیقی کو توڑا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جلد ہی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام منصف حاکم بن کر اتریں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔'' (صحیح، ابوداود: ۴۳۲۴)

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو پھاڑ دیا تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

(صحیح بخاری: ٥٩٥٤، صحیح مسلم: ٢١٠٧)

اگر آلات موسیقی ایسے ہوں کہ تاریں کھولنے کے بعد کسی جائز مصرف میں استعمال ہو سکتے ہوں تو انہیں نہ توڑا جائے۔ ابوشریح کے پاس ایک طنبورہ (ستار) کا فیصلہ لایا گیا جسے کسی نے توڑ دیا تھا۔ آپ نے اس کا کوئی تاوان نہ ڈالا۔

(7)......بَابُ السُّهُوْلَةِ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

خرید وفروخت میں آسانی کرنا

(٢٠٤٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، حدَّثني مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى۔))

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو خرید و فروخت اور مطالبہ کرتے وقت نرمی سے پیش آتا ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، نیز ایک روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی قوم کے آدمی کو (اس لیے) معاف کر دیا کہ جب وہ بیچتا تو نرمی کرتا جب خریدتا تو نرمی کرتا جب فیصلہ کرتا تو نرمی کرتا اور جب مطالبہ کرتا تو نرمی کرتا۔''

(٢٠٤٤) أخرجه البخاري: ٢٠٧٦.

(٢٠٤٥)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخبرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ يُونُسَ......

عُنْ عَطَاءِ بْنِ فَرُّوخَ، أَنَّ عُثْمَانَ اشْتَرَى مِنْ رَجُلٍ أَرْضًا، فَأَبْطَأَ عَلَيْهِ، فَلَقِيَهُ، فَقَالَ لَهُ: مَا يَمْنَعُكَ مِنْ قَبْضِ مَالِكَ؟ قَالَ: إِنَّكَ غَبَنْتَنِي، فَمَا أَلْقَى أَحدًا مِنَ النَّاسِ إِلا وَهُوَ يَلُومُنِي، قَالَ: وَذَلِكَ يَمْنَعُكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاخْتَرْ مِنْ بَيْنِ أَرْضِكَ، وَمَالِكَ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَدْخَلَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ رَجُلا كَانَ سَهْلا مُشْتَرِيًا، وَبَائِعًا، وَقَاضِيًا، وَمُقْتَضِيًا۔))

عطاء بن فروخ سے روایت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی سے زمین خریدی لیکن قبضہ لینے میں تاخیر کردی، ایک دن وہ آدمی آپ سے ملا، تو اس نے پوچھا آپ کو اپنا مال قبضے میں لینے سے کیا رکاوٹ ہے؟ تو آپ نے کہا: تو نے مجھے دھوکا دیا ہے، میں جس آدمی سے ملا ہوں اس نے مجھے ملامت کی ہے۔ اس نے پوچھا: یہی چیز رکاوٹ ہے؟ آپ نے کہا: ''جی ہاں۔'' تو اس نے کہا: زمین اور مال میں سے جو چیز پسند کرتے ہو لے لو، پھر کہنے لگا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے ایک آدمی کو جنت میں داخل کر دیا اس لیے کہ وہ خرید وفروخت کرتے وقت اور فیصلہ یا مطالبہ کرتے وقت نرمی سے پیش آتا تھا۔''

(8)......بَابُ كَرَاهِيَةِ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ

بیچتے وقت قسم کھانا مکروہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ ......''اپنی قسموں کو آپس میں دھوکے کا ذریعہ نہ بناؤ۔'' (سورۂ نحل:٩٤)

(٢٠٤٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخبرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخبرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَخبرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ......

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((الْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: ''قسم سے سامان فروخت ہوجاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔''

(٢٠٤٥) حسن ...... أخرجه النسائي: ٤٦٩٦ .

(٢٠٤٦) أخرجه البخاري: ٢٠٨٧، ومسلم: ١٦٠٦ .

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حرملہ بن یحییٰ عن ابن وہب عن یونس سے روایت کیا ہے۔

"مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ" اس وقت بولا جاتا ہے جب خریدار اور خواہش مند زیادہ ہوں۔

ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجارت میں زیادہ قسمیں کھانے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ سامان تو بیچ دیتی ہے لیکن برکت ختم کر دیتی ہے۔'' (صحیح مسلم: ١٦٠٧)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کی طرف نہیں دیکھے گا، نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، احسان جتلانے والا، شلوار (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا، جھوٹی قسم کے ذریعے سامان بیچنے والا۔'' (صحیح مسلم: ١٠٦)

"الْمَنَّان" کے دو مفہوم ہیں: (١) یہ الْمِنَّة سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نیکی کو گننا یعنی احسان جتلانا، اگر صدقے میں ہو تو اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اگر نیکی میں ہو تو عمل بیکار ہو جاتا ہے۔

(٢) "الْمَنّ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کمی کرنا۔ مراد ہے خیانت کرنے والا اور حق میں کمی کرنے والا۔ قرآن مجید کی آیت ﴿إِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ﴾ ...... ''یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کم نہیں ہوگا۔'' میں بھی ممنون کا معنی کمی ہے، اسی طرح موت کو بھی ''ممنون'' کہتے ہیں کیونکہ اس سے تعداد کم ہوتی ہے۔

(9)......بَابُ خِيَارِ الْمُتَبَايِعِيْنِ مَادَامَافِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ

لینے اور دینے والے کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ مجلس عقد میں موجود ہوں

(٢٠٤٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلا بَيْعَ الْخِيَارِ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر بیع خیار نہ ہو تو جب تک بائع اور مشتری جدا نہ ہو جائیں ہر ایک کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے۔''

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: بائع اور مشتری کے لیے خیار مجلس کو ثابت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء کے نزدیک بیع کو فسخ کرنے یا برقرار رکھنے کا اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس جگہ سے الگ نہ ہو جائیں۔ عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو، حکیم بن حزام، عبداللہ بن عمر اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں نیز شریح، سعید بن مسیّب، حسن بصری، شعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، زہری، اوزاعی، ابن مبارک، شافعی، احمد،

(٢٠٤٧) أخرجه البخاري: ٢١٠٧، ٢١٠٩، ومسلم: ١٥٣١.

اسحاق، ابوعبیداور ابوثور رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

نخعی کہتے ہیں: خیار مجلس ضروری نہیں بلکہ محض ایجاب وقبول سے ہی بیع لازم ہو جاتی ہے۔ امام مالک، ثوری اور اصحاب الرائے اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے حدیث میں مذکور جدا ہونے کے الفاظ کو رائے اور گفتگو کے جدا ہونے پر محمول کیا ہے۔

مگر پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ عام آدمی کو بھی یہ معلوم ہے کہ بیچنے والے کی ملکیت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک خریدار اسے قبول نہ کر لے چنانچہ حدیث کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو عام لوگوں کو معلوم ہو بے فائدہ ہوتا ہے، نیز اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی چیز خریدتے اور بیع کو پختہ کرنا چاہتے تو تھوڑا چل کر اپنے ساتھی سے دور چلے جاتے پھر پلٹ کر آتے، چنانچہ آپ بھی اس سے مراد جسمانی علیحدگی ہی لیتے تھے اور راوی حدیث دوسروں کی نسبت حدیث کے مفہوم کو بہتر جانتا ہے۔

ابو الوضیء فرماتے ہیں: ایک دفعہ کسی غزوہ کے دوران میں ہمارے ایک ساتھی نے اپنا گھوڑا کسی آدمی کو بیچ دیا۔ رات گزارنے کے بعد جب ہم سفر کرنے لگے تو وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑا لے آیا تو آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''خرید وفروخت کرنے والے جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں دونوں اختیار رکھتے ہیں۔''

(صحیح، ابوداود: ٣٤٥٧، ابن ماجه: ٢١٨٢)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خرید وفروخت کرنے والے دونوں اس وقت اختیار رکھتے ہیں جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں الا یہ کہ بیع خیار ہو (تو علیحدہ ہونے کے بعد بھی اختیار برقرار رہے گا) اور بیچنے والے کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے ساتھی سے اس لیے جدا ہو کہ اس کا ساتھی بیع فسخ نہ کرے۔''

(حسن، ابوداود: ٣٤٥٦، ترمذی: ١٢٤٧، نسائی: ٤٤٩٥)

یہ بھی دلیل ہے کہ علیحدگی سے جسمانی علیحدگی مراد ہے "خشية ان يستقيله" سے مراد بیع فسخ کرنے کا ڈر ہے، کیونکہ اقالہ کا تعلق تو مجلس عقد سے نہیں ہوتا بلکہ علیحدگی کے بعد بھی اسی طرح درست ہوتا ہے جس طرح پہلے درست ہوتا ہے۔

"الا بيع الخيار" اس کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کہے "اختر" پسند کر لے، دوسرا کہے "اخترت" میں نے پسند کر لیا، تو اس طرح بیع لازم ہو جائے گی اور اختیار ختم ہو جائے گا خواہ مجلس قائم ہی ہو۔ بعض نے اس سے خیار شرط مراد لیا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو بیع اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک علیحدگی نہ ہو جب علیحدگی ہو جائے گی تو اختیار ختم ہو جائے گا اور بیع لازم ہو جائے گی الا یہ کہ دونوں نے تین دن تک بیع فسخ کرنے یا برقرار رکھنے کی شرط لگائی ہو تو تین دن تک اختیار باقی رہے گا، لیکن یہ ایک بعید تاویل ہے کیونکہ استثناء تو کلام کے ظاہری مفہوم سے

ہے اور وہ ہے اختیار کو ثابت کرنا نیز اثبات سے استثناء نفی ہوتا ہے اور نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے اس مفہوم کے غلط ہونیکی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

(٢٠٤٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اخْتَرْ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیچنے اور خریدنے والوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اختیار رکھتا ہے جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں یا ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو اختیار دیدے۔''

شرح موسیٰ بن اسماعیل نے حماد سے یہی الفاظ روایت کیے ہیں ''أَوْ يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اخْتَرْ۔'' یا ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو اختیار دے دے۔

ابن جریج نے نافع سے یوں روایت کیا ہے: ''أَوْ يَكُونُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَإِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ'' یا ان کی بیع بیع خیار ہو۔ اگر بیع خیار ہوگی تو بیع واجب ہو جائے گی۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اختیار سے مراد علیحدہ ہونے سے پہلے پہلے بیع کے لازم کرنے کا اختیار ہے، بعض نے اس کی تاویل یوں کی ہے کہ اگر سودا کرتے وقت خیار مجلس کی نفی کی شرط لگا لے تو بھی بیع درست ہوگی، اور خیار مجلس ختم ہو جائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ کی اس بارے میں دو رائے ہیں ایک تو یہ کہ ایسی بیع درست نہیں اور دوسری یہ کہ بیع تو درست ہے مگر اختیار نہیں ہے۔

(٢٠٤٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ، مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، وَكَانَا جَمِيعًا، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَتَبَايَعَا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی باہمی لین دین کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اس وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک دونوں علیحدہ نہ ہو جائیں یا ان میں سے ایک

(٢٠٤٨) أخرجه البخاري: ٢١٠٩، ومسلم: ١٥٣١.

(٢٠٤٩) أخرجه البخاري: ٢١١٢، ومسلم: ١٥٣١.

عَلَى ذَلِكَ، فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ يَتَبَايَعَا، وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ، فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ۔))

دوسرے کو اختیار ہوتا ہے جب تک دونوں علیحدہ نہ ہو جائیں یا ان میں سے ایک دوسرے کو اختیار دیدے اور دونوں اس (اختیار) پر سودا طے کریں تو بیع واجب ہو جائے گی اور اگر سودا کرنے کے بعد وہ آپس میں جدا ہو جائیں اور ان میں سے کوئی بھی سودا ترک نہ کرے تو بھی بیع واجب ہو جائے گی۔"

شرح اس حدیث کی صحت متفق علیہ ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے قتیبہ سے بیان کیا ہے۔

(۲۰۵۰)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ......

أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كُلُّ بَيِّعَيْنِ لا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتَّى يَتَفَرَّقَا إِلا بَيْعَ الْخِيَارِ۔))

عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر بیع خیار نہ ہو تو خرید وفروخت کرنے والے دونوں کے درمیان اس وقت تک سودا نہیں ہوتا جب تک دونوں جدا نہ ہوں۔"

شرح اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے محمد بن یوسف عن سفیان عن عبداللہ بن دینار کی سند سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے علی بن حجر سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اگر بیع میں اختیار موجود ہو تو خریدار کو ملکیت نہیں ملتی، امام شافعی کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں سے صحیح قول یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری دونوں کو برابر کا اختیار ہے جیسے خیار مجلس یا مشروط اختیار تو حق ملکیت موقوف ہوگا۔ اگر سودا پکا ہو جائے تو ملکیت کا فیصلہ خریدار کے حق میں ہوگا اور مدت اختیار میں جو فوائد ہوں گے وہ خریدار کو ملیں گے، اور اگر سودا ٹوٹ جائے تو ملکیت کا فیصلہ بیچنے والے کے حق میں ہوگا اور اس دوران جو فوائد ہوں گے وہ بائع کو ہی ملیں گے نیز مدت اختیار میں خریدار کا تصرف غیر نافذ اور بائع کا تصرف نافذ ہوگا اور اس کی جانب سے بیع فسخ ہو جائے گی۔

لیکن اگر حق اختیار کسی ایک کو تھا تو اسی کی ملکیت ہوگی اور اختیار کی مدت سے پہلے دوسرے کا تصرف نافذ نہیں

(۲۰۵۰) أخرجه البخاري: ۲۱۱۳، ومسلم: ۱۵۳۱.

ہوگا، اگر اختیار بائع کو تھا اور اس نے بیع میں تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا اور اس کی طرف سے بیع فسخ ہو جائے گی اور اگر اختیار خریدار کو تھا اور اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف بھی نافذ ہوگا اور سودا پکا ہو جائے گا۔

نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے عبداللہ بن عمر! وہ (اونٹ) تمہارا ہے، تم جو چاہو کر سکتے ہو۔'' (صحيح بخاري: ٢١١٥، ٢٦١٠)

تو وہ اونٹ آپ نے جدا ہونے سے پہلے ہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ طاؤس کہتے ہیں: جو آدمی اپنی مرضی سے سامان خرید کر بیچ دیتا ہے تو اس کا منافع اسی کو ملے گا۔

(٢٠٥١)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ......

رَفَعَهُ إِلَى حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَّقَا، وَبَيَّنَا، بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا، وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔))

سیدنا حکیم بن حزام کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خرید وفروخت کرنے والے جب تک علیحدہ نہ ہو جائیں دونوں اختیار رکھتے ہیں، پھر اگر وہ سچ بولیں اور صاف صاف بیان کر دیں تو ان کی تجارت بابرکت ہوتی ہے اور اگر مال کے عیب کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی تجارت سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔''

شرح اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے محمد بن مثنیٰ عن یحییٰ بن سعید عن شعبہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں وضاحت ہے کہ اگر بیچنے والے کو اپنی چیز میں کوئی نقص معلوم ہو تو وہ اسے نہ چھپائے۔ عداء بن خالد کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے لکھ کر دیا تھا: ''یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے عدّاء بن خالد سے خریدا ہے اور مسلمانوں کی باہمی تجارت میں دھوکہ، برائی اور حیلہ بازی نہیں ہوتی۔''

(حسن، ترمذی: ١٢١٦، ابن ماجه: ٢٢٥١)

قتادہ کہتے ہیں: ''غائلہ'' سے مراد زنا، چوری اور غلام کا بھاگ جانا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''غائلہ'' کا معنی حیلہ ہے یعنی اس بیع میں تیرے ساتھ کوئی ایسا حیلہ اختیار نہیں کیا جائے گا جس سے تیرا مال لوٹ لیا جائے ''اغتالی فلان'' وہاں بولا جاتا ہے جب کوئی حیلے (دھوکے) کے ذریعے سے مال ضائع کر دے۔

(٢٠٥١) أخرجه البخاري: ٢٠٧٩، ومسلم: ١٥٣٢.

اور داء سے مراد جنون، کوڑھ اور پھلبہری وغیرہ ہے جس کی وجہ سے سودا (غلام وغیرہ) واپس کر دیا جاتا ہے۔

اور ”خبیثۃ“ سے مراد وہ چیز ہے جو خبیث الاصل ہو جیسے وہ غلام جو کسی ایسی قوم میں سے ہو جنہیں بوجہ معاہدہ غلام بنانا درست نہ ہو۔

نیز ہر حرام چیز خبیث ہوتی ہے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی آدمی کو بھی ایسا سامان بیچنا جائز نہیں جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس میں کوئی خرابی ہے الا یہ کہ اس کے متعلق بتا دے۔ (صحیح، ابن ماجہ: ۲۲٤٦)

ابراہیم سے پوچھا گیا کہ بعض غلام فروش یوں کہہ کر غلام بیچتے ہیں کہ یہ کل ہی خراسان سے آیا ہے، آج ہی سجستان سے آیا ہے تو انہوں نے اسے بہت زیادہ ناپسند کیا۔

(10)......بَابُ خِيَارِ الشَّرْطِ

شرط کے ذریعے اختیار رکھنا

(۲۰۵۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلا ذَكَرَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لا خِلابَةَ)) قَالَ: فَكَانَ الرَّجُلُ إِذا بَايَعَ، يَقُولُ: لا خِلابَةَ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھ سے ہمیشہ تجارت میں دھوکہ ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تو کوئی چیز خریدے تو کہہ دیا کر دھوکہ نہ کرنا۔“ لہٰذا وہ آدمی جب بھی کوئی چیز خریدتا تو کہہ دیتا تھا دھوکہ نہ کرنا۔

شرح اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے عبداللہ بن یوسف، عن مالک اور امام مسلم رحمہ اللہ نے علی بن حجر عن اسماعیل بن جعفر عن عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے۔

”الخِلَابَة“ یہ خَلَبْتُ الرَّجُلَ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے: دھوکہ دینا، عربی کی ضرب المثل ہے: ”اِذَا لَمْ تَغْلِبْ فَاخْلُبْ“ یعنی جب تو کسی چیز پر غالب نہ آسکے تو دھوکے سے لے لے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو آزاد اور جوان آدمی پر پابندی لگانے کو درست نہیں سمجھتے کیونکہ اگر پابندی لگانا جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر پابندی لگا دیتے جبکہ آپ کو اس کی کم عقلی اور دھوکہ خوری کا علم ہو چکا تھا، جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آزاد اور بالغ شخص اگر ناسمجھ ہو اور مال ضائع کر رہا ہو تو اس پر پابندی لگا دی جائے گی۔ سیدنا علی، سیدنا عثمان، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم، امام احمد اور امام اسحاق اس بات کے قائل ہیں۔

(۲۰۵۲) أخرجه البخاري: ۲۱۱۷، ۲٤۰۷، ومسلم: ۱۵۳۳.

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس بات کے بھی قائل ہیں اگر وہ فاسق ہے تو بھی اس پر پابندی لگائی جائے گی خواہ مال ضائع نہ بھی کرتا ہو۔

اسی حدیث کو قتادہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جس میں ہے کہ اس شخص کے گھر والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! اس پر پابندی لگا دیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تجارت سے منع کر دیا، وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! میں تجارت کیے بغیر رہ نہیں سکتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو تجارت کرتا ہے تو کہہ دیا کر: دھوکہ نہ دینا۔'' (صحیح، ابوداود: ۳۵۰۱، ترمذی: ۱۲۵۰، نسائی: ٤٤٩٧)

اس آدمی کا نام حبان بن منقذ بتایا گیا ہے۔

اس حدیث کے مفہوم اور دھوکے کی وجہ سے سودا توڑنے کے جواز میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث حبان بن منقذ کے لیے خاص ہے اور یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی کی بیوع کے لیے مشروط کیے تھے تاکہ اگر اس کی تجارت میں دھوکہ پایا جائے تو اس تجارت کو واپس کیا جا سکے، بعض کہتے ہیں: حدیث عام ہے اور جو آدمی بھی سودا کرتے وقت یہ الفاظ کہے گا اسے اختیار ہو گا کہ وہ دھوکے کی صورت میں بیع واپس کر دے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ اس کا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی خرید وفروخت کرتے وقت اختیار کا حق رکھنے کی شرط لگا لے۔ اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایسا آدمی سودا کر لے جس پر پابندی عائد نہیں کی گئی تو دھوکے کی وجہ سے اس کو سودا واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر خریدار صاحب بصیرت نہ ہو تو دھوکے کی صورت میں اسے سودا واپس کرنے کا اختیار ہے، ابوثور کہتے ہیں: اگر اتنا بڑا دھوکہ ہو کہ عام طور پر لوگ ایسا دھوکہ نہیں دیتے تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث بیع میں خیار شرط کے جائز ہونے کی دلیل ہے جبکہ جمہور علماء کے نزدیک تین دن سے زائد جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی تین سے زائد شرط لگائے گا تو بیع فاسد ہو جائے گی امام شافعی اور ابوحنیفہ کا یہی قول ہے، کیونکہ اختیار سے بیع کا مقصد ختم ہو جاتا ہے، قیاس تو یہی کہتا ہے کہ خیار شرط کو جائز قرار نہ دیا جائے لیکن انہوں نے تین دن تک اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی ایسا جانور خرید لے جس کا دودھ روکا ہوا تھا تو اسے تین دن تک (واپس کرنے کا) اختیار ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۵۲۴) لہٰذا حدیث کے بغیر اس (مدت) میں اضافہ کرنا جائز نہیں، ابن ابی لیلیٰ اور ابو یوسف کہتے ہیں: اگر وقت مقرر ہو تو تین دن سے زائد بھی جائز ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: چیز کے حساب سے ضرورت کے مطابق اختیار جائز ہے چنانچہ کپڑے کی بیع میں دو یا تین دن، جانور کی بیع میں ایک ہفتہ، گھر کی بیع میں ایک مہینہ اور زمین کی بیع میں ایک سال کا اختیار جائز ہے۔ ہر اس سودے میں اختیار کی شرط لگانا جائز نہیں جس میں دونوں طرف سے نقد کی شرط لگائی گئی ہے جیسے سونے کی بیع یا غلہ کے

عوض غلہ کی بیع یا ایک طرف سے نقد کی شرط لگائی گئی ہے جیسے بیع سلم، کیونکہ ان بیوع میں قبضہ شرط ہے تا کہ جب وہ دونوں جدا ہوں تو سودا پختہ ہو چکا ہو اور خیار شرط اس بات کے منافی ہے۔ اسی طرح ''اجارہ'' میں بھی خیار شرط درست نہیں ہے۔

(11)......بَابُ وَعِيْدِ آكِلِ الرِّبَا
سود خور کے لیے وعید

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ قیامت میں بالکل اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ حالت ان کی اس وجہ سے ہو گی کہ انہوں نے کہا تھا کہ خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے۔'' (سورۃ البقرہ:۲۷۵)

''مِنَ الْمَسِّ'' مس سے مراد جنون ہے، یعنی جیسے مجنون آدمی دورہ جنون کی حالت کے وقت کھڑا ہوتا ہے، جسے اونٹ اپنے ہاتھ یعنی اگلی ٹانگوں سے مارے تو اس کے لیے ''خبط'' بولا جاتا ہے۔ ''خبط'' ہاتھوں سے، ''الرمح'' ٹانگوں سے اور ''الزين'' گھٹنوں سے مارنے کو کہتے ہیں۔

﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾..... ''مال اور اولاد میں ان کا ساجھی بن جا۔'' (سورہ بنی اسرائیل:۶۴)

اس آیت کی تفسیر میں عطاء کہتے ہیں: اولاد میں ساجھ سے مراد زنا اور مال میں ساجھ سے مراد سود ہے، قرآن مجید میں ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا ﴾ ...... ''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سود کو چھوڑ دو۔'' (سورۂ بقرہ:۲۷۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیت سب سے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آیت: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ میں ''فَاْذَنُوْا'' سے مراد ''فَاعْلَمُوْا'' ہے۔...... ''یعنی تم جان لو کہ یہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ ہے۔'' (سورۂ بقرہ:۲۷۹)

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾...... ''وہ اس کے ساتھ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' (سورۂ بقرہ:۱۰۲)

اس آیت میں بھی ''باذن اللّٰه'' سے ''بعلم اللّٰه'' مراد ہے۔

بعض نے ''فَاْذَنُوْا'' کو ''فَآذِنُوْا'' پڑھا ہے یعنی اپنے پچھلوں کو جنگ کے متعلق بتا دو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ﴾...... ''اللہ تعالیٰ سود کو تباہ کرتا ہے اور اس کی برکت کو ختم کر دیتا ہے۔'' (سورۂ بقرہ:۲۷۹)

(٢٠٥٣)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا الْقَاضِي أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْقُرَشِيُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ......

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ، أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ فَإِنْ كَانَ أَحَدٌ رَأَى فِيهَا رُؤْيَا، قَصَّهَا عَلَيْهِ، فَيَقُولُ فِيهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَسَأَلَنَا يَوْمًا: ((هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رُؤْيَا؟)) فَقُلْنَا: لَا، قَالَ: ((لَكِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، فَأَخَذَا بِيَدِي، فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مُسْتَوِيَةٍ، أَوْ فَضَاءٍ، فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ جَالِسٍ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِهِ، وَبِيَدِهِ كَلُّوبٌ مِنْ حَدِيدٍ يُدْخِلُهُ فِي شِدْقِهِ، فَيَشُقُّهُ حَتَّى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْآخَرِ مِثْلَ ذَلِكَ، وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهُ هَذَا، فَيَعُودُ فِيهِ، فَيَصْنَعُ بِهِ مِثْلَ ذَلِكَ، قَالَ: قُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالَا: انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلَى قَفَاهُ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِهِ بِفِهْرٍ، أَوْ صَخْرَةٍ يَشْدَخُ رَأْسَهُ، فَإِذَا ضَرَبَهُ، تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهُ، فَلَا يَرْجِعُ إِلَى هَذَا حَتَّى يَلْتَئِمَ رَأْسُهُ، وَعَادَ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ، فَعَادَ إِلَيْهِ، فَضَرَبَهُ، فَهُوَ يَفْعَلُ بِهِ

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر پڑھنے کے بعد ہماری طرف منہ کرکے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ ”آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟“ اگر کسی نے رات کو خواب دیکھا ہوتا تو وہ اسے بیان کردیتا اور آپ اس کی وہ تعبیر بیان کرتے جو اللہ کو منظور ہوتی، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا: ”کیا آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟“ ہم نے عرض کی کہ کسی نے نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لیکن میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو آدمی میرے پاس آئے۔ انہوں نے میرے ہاتھ تھام لیے اور مجھے میدانی یا خالی جگہ کی طرف لے گئے، ہم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سر کے پاس ایک آدمی کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکس (کنڈی) ہے، جسے وہ بیٹھنے والے کے جبڑے میں ڈال کر سر کے پیچھے (گدی) تک چیر دیتا ہے پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا ہے، اسی دوران اس کا پہلا جبڑا صحیح اور اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اور پھر پہلے کی طرح وہ اسے دوبارہ چیرتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو میرے ساتھ کے دونوں آدمیوں نے کہا کہ آگے چلو، چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو سر کے بل لیٹا ہوا ہے اور دوسرا

(٢٠٥٣) أخرجه البخاري مقطعا: ٨٤٥، ١١٤٣، ١٣٨٦، ٢٠٨٥، ٢٧٩١، ٣٣٥٤.

ذَلِكَ ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالا: انْطَلِقْ ، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَا إِلَى بَيْتٍ قَدْ بُنِيَ بِنَاءَ التَّنُّورِ ، أَعْلاهُ ضَيِّقٌ ، وأَسْفَلُهُ وَاسِعٌ ، تُوقَدُ تَحتَهُ نَارٌ ، فَإِذَا أُوقِدَتِ ، ارْتَفَعُوا حَتَّى كَادُوا يَخْرُجُونَ مِنْهَا ، فَإِذَا خَمَدَتْ ، رَجَعُوا فِيهَا ، وَفِيهَا رِجَالٌ ، وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالا: انْطَلِقْ ، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى نَأْتِيَ عَلَى نَهْرٍ مِنْ دَمٍ ، فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ ، وَعَلَى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ ، فَأَقْبَلَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهْرِ ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ ، رَمَى الرَّجُلَ بِحَجَرٍ فِي فِيهِ ، فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ بِحَجَرٍ ، فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ ، فَقُلْتُ لَهُمَا: مَا هَذَا؟ قَالا: انطَلِقْ ، فَانطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ ، فِيهَا شَجَرَةٌ عَظِيمَةٌ فِي أَصْلِهَا شَيْخٌ ، وَصِبْيَانٌ ، وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يَحُشُّهَا ، وَيُوقِدُهَا ، فَصَعِدَا بِي فِي الشَّجَرَةِ ، فَأَدْخَلانِي دَارًا وَسْطَ الشَّجَرَةِ ، فَلَمْ أَرَ دَارًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا ، فِيهَا رِجَالٌ شُيُوخٌ ، وَشُبَّانٌ ، وَفِيهَا نِسَاءٌ ، وَصِبْيَانٌ ، ثُمَّ أَخْرَجَانِي مِنْهَا ، فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ ، فَأَدْخَلانِي دَارًا أُخْرَى هِيَ أَحْسَنُ مِنَ الأُولَى ، وَأَفْضَلُ ، فِيهَا شُيُوخٌ وَشَباب ، فَقُلْتُ لَهُمَا: إِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَانِي مُنْذُ اللَّيْلَةِ ،

شخص ایک بڑا پتھر لیے اس کے سر پر کھڑا ہے، اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا ہے۔ جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا ہے تو سر پر لگ کر وہ پتھر دور چلا جاتا ہے اور وہ اسے جا کر اٹھالاتا ہے۔ ابھی پتھر لے کر واپس نہیں آتا کہ سر دوبارہ درست ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح پہلے تھا، واپس آ کر وہ پھر اسے مارتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان دونوں نے کہا: آگے چلیے، چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک گھر میں آئے جو تنور کی شکل پر بنا ہوا تھا جس کا اوپر والا حصہ تو تنگ تھا لیکن نیچے سے خوب فراخ تھا، نیچے آگ بھڑک رہی تھی، جب شعلے بھڑک کر اوپر اٹھتے تو اس میں جلنے والے لوگ بھی اوپر اٹھ آتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اب وہ باہر نکل جائیں گے لیکن جب شعلے دب جاتے تو وہ لوگ بھی نیچے چلے جاتے، اس تنور میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا آگے چلیے، ہم چل دیے، اب ہم خون کی ایک نہر کے اوپر تھے، نہر کے اندر ایک آدمی کھڑا تھا اور اس کے کنارے ایک آدمی کھڑا تھا جس کے سامنے پتھر رکھا ہوا تھا، نہر کا آدمی جب باہر نکلنا چاہتا تو پتھر والا شخص اس کے منہ پر اتنی زور سے پتھر مارتا کہ وہ اپنی پہلی جگہ پر چلا جاتا اور اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کی کوشش کرتا تو وہ شخص اس کے منہ پر اتنی ہی زور سے پھر پتھر مارتا کہ وہ اپنی اصلی جگہ پر نہر میں چلا جاتا، میں نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلو، چنانچہ ہم اور آگے بڑھے حتی کہ ایک ہرے بھرے باغ میں پہنچے، جس میں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس کی جڑ میں ایک بڑی عمر والے بزرگ اور کچھ بچے

فَـأَخْبِـرَانِی عَمَّا رَأَیْتُ؟ قَالا: نَعَمْ أَمَّا الرَّجُلُ الَّـذِی رَأَیْـتَ یُشَقُّ شِدْقُهُ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ کَذَّابٌ یَتَـحَـدَّثُ بِـالْکَذْبَةِ، فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّی تَبْلُغَ الآفَـاقَ، فَهُـوَ یَـصْـنَـعُ بِـهِ مَا تَرَی إِلَی یَوْمِ الْـقِیَـامَةِ وَأَمَّـا الـرَّجُلُ الَّذِی رَأَیْتَـهُ یُشْدَخُ رَأْسُـهُ، فَـإِنَّ ذَلِكَ رَجُـلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّیْلِ، وَلَمْ یَعْمَلْ بِمَا فِیهِ بِالنَّهَارِ، فَهُوَ یُعْمَلُ بِهِ مَا رَأَیْتَ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَأَمَّا الَّـذِی رَأَیْـتَ فِـی الْبَیْـتِ، وَالتَّنُّورِ، فَهُمُ الزُّنَاةُ، وَأَمَّا الَّذِی رَأَیْتَ فِی نَهْرِ الدَّمِ، فَذَاكَ آکِلُ الرِّبَا، وَأَمَّا الشَّیْخُ الَّذِی رَأَیْتَ فِی أَصْلِ الشَّجَرَةِ فَـذَاكَ إِبْـرَاهِیمُ وَأَمَّا الصِّبْیَانُ الَّذِی رَأَیْتَ حَوْلَهُ، فَأَوْلادُ النَّاسِ، وَأَمَّا النَّارُ الَّتِی رَأَیْتَ، وَالرَّجُلُ یُوقِدُهَا فَتِلْكَ النَّارُ، وَذَلِكَ مَـالِكٌ خَـازِنُ النَّارِ، وَأَمَّا الدَّارُ الأُولَی الَّتِی دَخَـلْـتَ، فَـدَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِینَ، وَأَمَّا هَذِهِ الـدَّارُ، فَـدَارُ الشُّهَدَاءِ، وَأَنَا جِبْرِیلُ، وَهَذَا مِیـکَـائِیـلُ، ثُمَّ قَالا: ارْفَعْ رَأْسَكَ، فَرَفَعْتُ رَأْسِی، فَإِذَا فَوْقِی مِثْلُ السَّحَابِ، قَالا: ذَاكَ مَنْزِلُكَ، فَقُلْتُ دَعَانِی فَلآتِی مَنْزِلِی، فَقَالا: إِنَّـهُ قَدْ بَقِیَ لَكَ عَمَلٌ لَمْ تَسْتَکْمِلْهُ بَعْدُ، فَلَوْ قَدِ اسْتَکْمَلْتَهُ أَتَیتَ مَنْزِلَكَ۔))

بیٹھے ہوئے تھے، درخت کے قریب ہی ایک شخص اپنے آگے آگ سلگا رہا تھا اور اس میں ایندھن ڈال رہا تھا۔ وہ دونوں مجھے لے کر اس درخت پر چڑھے اور درخت کے درمیان میں ایک گھر کے اندر لے گئے۔ اس سے زیادہ حسین گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس گھر میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے تھے، میرے ساتھی مجھے اس گھر سے نکال کر پھر ایک اور درخت پر چڑھا کر مجھے ایک اور گھر میں لے گئے جو پہلے گھر سے زیادہ خوبصورت اور افضل تھا۔ اس میں بھی بہت سے بوڑھے اور جوان تھے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم نے مجھے رات بھر خوب سیر کروائی کیا اس کی تفصیل بھی بتاؤ گے جو کچھ میں نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ جو آدمی آپ نے دیکھا ہے کہ اس کا جبڑا پھاڑا جا رہا تھا وہ جھوٹا آدمی تھا جو جھوٹی باتیں بیان کیا کرتا تھا، اس سے وہ جھوٹی باتیں دوسرے لوگ سنتے۔ اس طرح ایک جھوٹی بات دور دور تک پھیل جایا کرتی تھی، اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا، جس شخص کو تم نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا تو وہ ایک ایسا انسان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ رات کو پڑا سوتا رہتا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا، اسے بھی یہ عذاب قیامت تک ہوتا رہے گا جنہیں آپ نے تنور جیسے گھر میں دیکھا تو وہ زانی تھے، اور جسے آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خور تھا، اور وہ بزرگ جنہیں آپ نے درخت کی جڑ میں بیٹھے دیکھا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے، جو بچے آپ نے ان کے اردگرد دیکھے ہیں وہ لوگوں کی (نابالغ) اولاد تھی، جو آگ آپ نے دیکھی تھی وہ جہنم ہے اور جو شخص آگ جلا رہا تھا وہ

دوزخ کا داروغہ مالک تھا، وہ گھر جس میں آپ پہلے داخل ہوئے وہ جنت میں عام مومنوں کا گھر تھا اور یہ گھر (جس میں آپ اب کھڑے ہیں) شہداء کا گھر ہے اور میں جبرائیل ہوں، یہ میکائیل ہیں، پھر انہوں نے کہا: اپنا سر اٹھاؤ۔ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اوپر بادل کی طرح کوئی چیز ہے۔ میرے ساتھیوں نے کہا: یہ تمہارا مکان ہے۔ اس پر میں نے کہا: مجھے اپنے مکان میں جانے دو تو انہوں نے کہا: ابھی آپ کی عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں کی۔ اگر آپ وہ پوری کر لیتے تو اپنے مکان میں آ جاتے۔"

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کیا ہے۔ "کَلُّوب" کی جمع کلالیب ہے اس کا معنی ہے "آنکس"۔ ایک روایت میں "فَیَشُقُّ شِدْقَهُ" کی جگہ "فَیُشَرْشِرُ شِدْقَهُ" کے الفاظ ہیں معنی وہی ہے، اسی طرح "تَدَهْدَهَ" کی جگہ "یَتَدَهْدَهُ" بھی مروی ہے جس کا معنی ہے: لڑھکانا اور "نَارٌ یَحُشُّهَا" کا معنی ہے: آگ جلانا۔

(٢٠٥٤)۔ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: ((هُمْ سَوَاءٌ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: "یہ سب برابر ہیں۔"

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے نیز یہ روایت سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سود کے بہتر (٧٢) گناہ ہیں جن میں سے ہلکا ترین گناہ ایسے ہے جیسے کوئی اسلام لانے کے بعد اپنی ماں سے بدکاری کرے نیز سود کا ایک درہم تیس سے زائد مرتبہ زنا کاری کرنے سے زیادہ برا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سود خور کے علاوہ ہر نیک و بد کو کھڑا ہونے کا حکم دیں گے تو سود خور ایسے کھڑا ہوگا جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

(٢٠٥٤) أخرجه مسلم: ١٥٩٨.

(٢٠٥٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَنِيفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبْدُوسٍ، إِمْلاءً، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّرْقِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ دَاوُدَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ الثَّقَفِيُّ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي خَيْرَةَ، عَنِ الْحَسَنِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لا يَبْقَى أَحَدٌ إِلا أَكَلَ الرِّبَا، فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہر آدمی سود کھائے گا جو سود نہیں کھائے گا اسے بھی اس کا غبار پہنچ جائے گا۔“

(12)......بَابُ بَيَانِ مَالِ الرِّبَا وَحُكْمِهِ
مال سود کی وضاحت اور حکم

(٢٠٥٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ، ورجُلٍ آخر......

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ، وَلا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ، وَلا الْبُرَّ بِالْبُرِّ، وَلا الشَّعِيرَ بِالشَّعِيرِ، وَلا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ، وَلا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ، إِلا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، عَيْنًا بِعَيْنٍ، يَدًا بِيَدٍ، وَلَكِنْ بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ، وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ، وَالْبُرَّ بِالشَّعِيرِ، وَالشَّعِيرَ بِالْبُرِّ، وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ،

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض، گندم کو گندم کے بدلے اور جو کو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض برابر، نقد اور دست بدست بیچو، البتہ سونا چاندی کے عوض، چاندی سونے کے عوض، گندم جو کے عوض اور جو گندم کے عوض، کھجور نمک کے عوض اور نمک کھجور کے عوض نقد و نقد جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو۔“ ایک راوی نے نمک اور کھجور کا ذکر

(٢٠٥٥) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٣٣٣١، والنسائى: ٤٤٦٧، وابن ماجه: ٢٢٧٨.

(٢٠٥٦) أخرجه مسلم: ١٥٨٧.

وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ ، يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ ، وَنَقَّصَ أَحَدُهُمَا الْمِلْحَ ، وَالتَّمْرَ ، وَزَادَ أَحَدُهُمَا ، مَنْ زَادَ ، أَوِ ازْدَادَ ، فَقَدْ أَرْبَى۔))

نہیں کیا جبکہ دوسرے نے یہ اضافہ کیا ہے: ''جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سود لیا۔''

شرح یہ حدیث کئی اور سندوں کے ساتھ محمد بن سیرین، عن مسلم بن یسار وعبداللہ بن عتیک، عن جابر کی سند سے بھی مروی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام مسلم نے ابو قلابہ کے واسطے سے عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے۔

''الربا'' کا لغوی معنی اضافہ اور زیادتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِندَ اللَّهِ﴾ اور ﴿أَخْذَةً رَّابِيَةً﴾ میں یہی معنی پایا جاتا ہے لیکن شریعت میں وہ اضافہ حرام ہے جو خاص طریقے کے مطابق ہو (جس کی وضاحت احادیث میں ہے)۔

علماء کا اتفاق ہے کہ سود ان چھ چیزوں میں ہوتا ہے جن کی وضاحت حدیث میں آئی ہے، جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ سود بعینہ صرف ان چیزوں میں محصور نہیں بلکہ ان میں سود کا حکم کچھ وجوہات کی بنا پر ہے تو وہ وجوہات جس چیز میں بھی ہوں گی اس پر سود کا حکم ہوگا، وہ وجوہات کونسی ہیں اس میں بھی اختلاف ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان سب میں سود کا سبب صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے نفع جبکہ جمہور علماء کہتے ہیں: درہم ودینار میں اس کی وجہ نقدی ہے، امام مالک اور شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں اس کی وجہ وزن ہے، اصحاب الرائے اسی کے قائل ہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہر اس چیز میں سود ہے جو عام طور پر تول کر بیچی جاتی ہے جیسے لوہا، پیتل اور کپاس وغیرہ۔

وزن سود کی وجہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ درہم ودینار کا سودا کسی ایسی چیز کے عوض کرنا جائز ہے جو تولی جاتی ہیں، اگر وزن سود کی علت ہوتا تو یہ بیع بھی جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ جن چیزوں میں سود کی علت مشترک ہے ان کا باہمی لین دین جائز نہیں جیسا کہ درہم کے بدلے دینار اور گندم کے بدلے جو لینا درست نہیں۔ ان دونوں میں سود کا سبب مشترک ہونے کی وجہ سے یہ چیز بھی نکلتی ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک رطل لوہا دے کر دو رطل لے لے یا ایک رطل پیتل یا تانبا دے کر دو رطل لے لے تو امام شافعی کے نزدیک ایسا کرنا نقد بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے، امام مالک کے نزدیک نقد جائز ہے ادھار جائز نہیں اور اصحاب الرائے کے نزدیک نقد اور ادھار دونوں طرح ناجائز ہے، شعبہ کہتے ہیں: میں نے حکم سے پوچھا: کیا پیتل کو لوہے کے بدلے ادھار بیچنا جائز ہے تو انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، پھر میں نے حماد سے پوچھا: تو انہوں نے اسے ناپسند کیا۔ جن چار کھانے والی چیزوں (گندم، جو، کھجور، نمک) کا ذکر ہے ان کے متعلق اصحاب الرائے کا خیال ہے کہ ان میں سود ماپنے کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا

ہے کہ ہر اس چیز میں سود ہے جو عام طور پر ماپی جاتی ہے حتی کہ چونے اور کلی میں بھی سود ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان چیزوں میں سود کی وجہ یہ ہے کہ یہ کھائی جاتی ہیں اور ماپی یا تولی جاتی ہیں چنانچہ جو چیز بھی کھائی اور ماپی، تولی جاتی ہو اس میں سود ہے اور جو چیز کھائی جاتی ہے مگر ماپی تولی نہیں جاتی اس میں سود نہیں۔ سعید بن مسیّب کا بھی یہی قول ہے، وہ کہتے ہیں: سود صرف چاندی اور سونے میں ہے یا ان چیزوں میں جو کھائی، پی جانے والی چیزوں میں سے ماپی تولی جاتی ہیں۔ (مؤطا امام مالک: ۱۳۳۱)

امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی اسی سے ملتا جلتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور نیا قول یہ ہے کہ سود کا سبب کھایا جانا ہے چنانچہ ہر چیز میں سود ہے جو کھائی جاتی ہے خواہ ماپی تولی جاتی ہو یا نہ ہو جیسے پھل، سبزیاں اور ادویات وغیرہ کیونکہ معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا آپ فرماتے تھے: ''کھانا کھانے کے بدلے برابر برابر ہے۔'' (صحيح مسلم: ١٥٩٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا حکم طعام (کھانا) کے ساتھ معلق کیا ہے اور طعام اسم مشتق ہے جو ''طعم'' سے نکلا ہے اور جو حکم اسم مشتق سے معلق ہو تو اسی اسم مشتق والا ہی اس حکم کی علت ہوگا جیسے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ اور ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ دونوں آیات میں ''اَلزَّانِیْ'' اور ''اَلسَّارِق'' اسمائے مشتق ہیں اور جب ان آیات میں کوڑے مارنے اور ہاتھ کاٹنے کا حکم زانی اور چور کے ساتھ معلق ہے تو اس حکم کا سبب بھی چوری اور زنا ہوگا نیز شریعت نے جب نمک جیسی معمولی خوراک کو گندم جیسی اعلیٰ خوراک کے ساتھ اکٹھا ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کے مابین جتنی بھی ماکولات ہیں سب کا یہی حکم ہوگا۔

سود کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی آدمی سود والی چیز کو اسی کی ہم جنس چیز کے بدلے بیچے تو صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ شرعی معیار کے مطابق ان دونوں کا وزن برابر ہو، اگر وزن والی چیز ہے تو وزن میں ان کا برابر ہونا شرط ہے، ماپ میں کمی بیشی سے بیع ناجائز نہیں ہوگی جیسے کہ درہم و دینار وغیرہ اور اگر ماپی جانے والی چیز ہے جیسے گندم اور جو وغیرہ تو پھر ماپ میں برابر ہونا شرط ہے حتی کہ اگر کوئی آدمی درھم و دینار میں سے کوئی ایک چیز اسی کی ہم جنس چیز کے عوض ماپ کر بیچ دے یا اشیائے خوردنی میں سے کوئی ایسی چیز جو تولی جاتی ہو اسی کی ہم جنس کے بدلے ماپ کر بیچ دے یا گندم اور جو وغیرہ دیگر غلہ جات جو ماپے جاتے ہیں کو اسی کے عوض تول کر بیچ دے تو بیع درست نہ ہوگی جیسا کہ اندازے اور تخمینے سے بیع کرنا درست نہیں نیز جس طرح اس بیع میں شرعی معیار کے مطابق برابری شرط ہے اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ مجلس بیع میں ہی وہ چیز قبضہ میں لے لی جائے، اگر قبضہ میں لینے سے پہلے دونوں جدا ہو جاتے ہیں تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

اگر کوئی آدمی سود والی چیز کو کسی اور جنس کی چیز کے عوض بیچتا ہے لیکن دونوں چیزوں میں سود کا سبب الگ الگ ہے مثلاً گندم یا جو کو درہم یا دینار کے عوض بیچ دے تو ان میں برابری شرط نہیں اور نہ دوران مجلس عقد قبضے میں لینا ہی شرط

ہے، جیسا کہ اگر کسی ایسی چیز کے عوض بیچے جو سود کے زمرے میں نہیں آتی (تو برابری شرط نہیں) لیکن اگر دونوں چیزوں میں سود کا سبب ایک ہی ہے مثلاً درہم، دینار کے عوض یا گندم، جو کے عوض یا کوئی بھی غلہ کسی دوسری جنس کے غلے کے عوض بیچ دے تو کمی بیشی اور اندازے سے بیچنا جائز ہے البتہ دوران مجلس ہی قبضے میں لینا شرط ہے "الا سواء بسواء" کے الفاظ سے مماثلت کا وجوب اور اضافے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

"اِلَّا عَیْنًـا بِعَیْنٍ" کے الفاظ میں ادھار کی حرمت اور "یَـدًا بِیَدٍ" کے الفاظ میں دوران مجلس قبضے میں لینے کا ثبوت ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں "یَـدًا بِیَـدٍ کَیْفَ شِئْتُمْ۔" جن سے ثابت ہوا ہے کہ اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے البتہ قبضہ میں لینا واجب ہے "مَـنْ زَادَ اَوِ ازْدَادَفَقَدْ اَرْبٰی" جس نے زائد دیا یا زائد لیا تو اس نے سود لیا، اسی کے ہم معنی ایک اور روایت بھی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے، جمہور علماء کے نزدیک گندم کی بیع جو کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کمی بیشی جائز نہیں بلکہ ماپ برابر ہو جیسے گندم کے بدلے گندم کی بیع برابر ہوتی ہے۔

ایسے ہی سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گدھے کا چارہ ختم ہو گیا تو انہوں نے اپنے غلام سے کہا: اپنے گھر کے اناج میں سے گندم لے لو اور اس کے بدلے اتنے ہی جو خرید لاؤ، مگر یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے "وَلٰـكِنْ بِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ" سونے کو چاندی کے عوض اور گندم کو جو کے عوض نقد جیسے چاہو بیچ سکتے ہو۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ سود والی چیزوں کی ان کے ہم جنس چیز سے بیع کرتے وقت دوران مجلس قبضہ میں لینا صرف بیع صَرف ہی میں شرط ہے اور بیع صرف سونے یا چاندی کی آپس میں یا ایک دوسرے کے بدلے بیع کو کہتے ہیں، مگر حدیث ان کے خلاف دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سونا سونے کے عوض اور گندم گندم کے عوض نہ بیچو۔'' حتی کہ فرمایا: صرف ہاتھوں ہاتھ بیچ سکتے ہو، لیکن اگر جنس میں مختلف ہو تو فرمایا: ''مگر سونا چاندی کے عوض اور گندم جو کے بدلے ہاتھوں ہاتھ بیچ سکتے ہو۔'' نیز آپ کا قول ''یدا بید'' بیع صَرف ہو یا غیر صَرف ہو دوران مجلس قبضہ میں لینے کے وجوب پر محمول ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شروع شروع میں جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو درہم کے عوض درہم اور دینار کے عوض دینار کی بیع اضافے کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ جائز تھی پھر اضافے کا جواز منسوخ ہو گیا اور مماثلت واجب ہو گئی، جبکہ بعض صحابہ جنہیں نسخ کا علم نہ ہو سکا پہلے مذہب ہی پر برقرار رہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی انہی صحابہ میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے، مجھے اسامہ بن زید نے بتایا ہے کہ نبی ﷺ

نے فرمایا: ”سود ادھار میں ہوتا ہے۔“ (صحيح مسلم: ١٥٩٦)

یہ بھی مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا جب انہیں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سونا سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر۔“

امام شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے: ہوسکتا ہے نبی ﷺ سے دو مختلف چیزوں یعنی سونے کے عوض چاندی یا کھجور کے عوض گندم کے سود ہونے کے متعلق پوچھا گیا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”سود ادھار کی صورت میں ہے۔“ انہوں نے اسے یاد کر لیا اور نبی ﷺ کا فرمان ذکر کر دیا لیکن مسئلہ ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم

(٢٠٥٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِيِّ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِينَارٍ، قَالَ: فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، فَتَرَاوَضْنَا حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّي، فَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهُ فِي يَدِهِ، قَالَ: حَتَّى يَأْتِيَ خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْمَعُ، فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ: وَاللّٰهِ! لَا تُفَارِقُهُ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ۔))

مالک بن اوس سے روایت ہے کہ انہیں سو اشرفیاں بدلنی تھیں، کہتے ہیں مجھے طلحہ بن عبیداللہ نے بلایا اور ہم نے بات چیت کی اور ان سے میرا معاملہ طے ہو گیا وہ سونے (اشرفیوں) کو اپنے ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کرنے لگے کہ میرا خزانچی غابہ سے آجائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ہماری باتیں سن رہے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک تم طلحہ سے روپیہ لے نہ لو ان سے جدا نہ ہونا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سونا چاندی کے بدلے اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے، گندم گندم کے عوض اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے، کھجور کھجور کے بدلے اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے اور جو جو کے بدلے اگر نقد نہ ہو تو سود ہو جاتا ہے۔“

شرح اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے قتیبہ اور لیث سے بیان کیا ہے۔

”هاء وهاء“ سے مراد ”يدا بيد“ یعنی نقد ہے جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مذکور ہے، اس کا معنی ہے ”خذ واعط“ یعنی لو اور دو، مراد یہ ہے کہ مجلس عقد ہی میں چیز کو قبضہ میں لینا واجب ہے، هاء واحد مذکر ہے۔

(٢٠٥٧) أخرجه البخاري: ٢١٣٤، ٢١٧٠، ٢١٧٤، ومسلم: ١٥٧٦.

اس کی تثنیہ ھاء ا ہےاور یہ ھاعا کے ہم معنی ہے، جمع مذکر ھاؤوا ہے، واحد مؤنث ھائی ، تثنیہ مونث ھاء ا اور جمع مونث ھأن ہے جیسے ھعن ہے بعض نے ھاؤنّ کہا ہے جیسے ھاعن ، اس میں ایک لغت اور بھی ہے الف ممدودہ ہمزہ کے ساتھ جیسے ھاء ، ھؤما ، ھاوموا اور مونث کے لیے ھاء بغیر یا کے اور تثنیہ مونث ھاؤما اور جمع مونث ھاؤن۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ﴾ ''میرا نامہ اعمال لو اور دیکھو تا کہ تمہیں میری نجات کا علم ہو۔''

بعض عرب واحد کے لیے ''هَاكَ'' تثنیہ ''هَاكُمَا'' اور جمع ''هَاكُمْ' پڑھتے ہیں، اس میں دلیل ہے کہ سود والی اشیاء کو اسی جنس کی چیز کے بدلے بیچتے وقت دوران مجلس قبضہ میں لینا شرط ہے اور یہ بیع صرف کے ساتھ کے خاص نہیں ہے کیونکہ ''هَاءَ وَهَاءَ'' کے الفاظ سب کے لیے برابر ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کو جدا ہونے سے پہلے قبضہ میں لینے پر محمول کیا ہے۔ راوی حدیث، حدیث کی تفسیر کو باقیوں سے بہتر جانتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: سونا چاندی کے عوض اس طرح نہ بیچو کہ ان میں سے ایک نقد ہو اور دوسرا ادھار ہو۔ اگر وہ گھر تک جانے کی مہلت مانگے تو اتنی مہلت بھی نہ دو کیونکہ مجھے تم پر سود کا خطرہ ہے، ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں ''اَخَافُ عَلَيْكُمُ الْاَرْمَاءَ'' کہا جاتا ہے کہ ''اَرْمٰی'' ''اَرْبٰی'' کے معنی میں ہے یعنی جب اضافہ پایا جائے۔

(٢٠٥٨)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي تَمِيمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، لا فَضْلَ بَيْنَهُمَا۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''درہم کے بدلے درہم اور دینار کے بدلے دینار (کے لین دین) میں اضافہ جائز نہیں ہے۔''

شرح اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو طاہر سے روایت کیا ہے۔

(٢٠٥٩)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ......

عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: كُنْتُ أَطُوفُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَجَائَهُ صَائِغٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! إِنِّي أَصُوغُ الذَّهَبَ، ثُمَّ أَبِيعُ

مجاہد کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک سنار آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمٰن! میں سونے کے زیورات بناتا ہوں اور پھر اس سے زائد

(٢٠٥٨) أخرجه مسلم: ١٥٨٨ .

(٢٠٥٩) اسناده صحيح ......أخرجه مالك فى المؤطا: ١٣٢٥ ، والشافعى فى "الرسالة": ٧٦٠ .

الشَّــيْءَ مِنْ ذَلِكَ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهِ ، فَأَسْتَفْضِلُ فِـي ذَلِكَ قَـدْرَ عَـمَـلِ يَـدِي؟ فَنَهَاهُ ، فَجَعَلَ الـصَّائِغُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: الـدِّيـنَـارُ بِـالدِّينَارِ ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ ، لا فَـضْـلَ بَيْـنَـهُمَا هَذَا عَهْدُ نَبِيِّنَا إِلَيْنَا ، وَعَهْدُنَا إِلَيْكُمْ إِلَيْكُمْ۔

وزن کا سونا لے کر اس زیور کو بیچ دیتا ہوں اور یہ زائد سونا میں اپنی محنت کے عوض لیتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا، وہ سنار بار بار مسئلے کو دہرانے لگا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: درہم کے بدلے درہم اور دینار کے بدلے دینار (کے لین دین) میں اضافہ جائز نہیں، یہ وعدہ نبی ﷺ نے ہم سے لیا تھا اور ہم آپ سے لے رہے ہیں۔

(٢٠٦٠)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـحَسَـنِ الشِّيـرَزِيُّ ، أَخْبَـرَنَـا زَاهِـرُ بْـنُ أَحْمَدَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُصْعَبٌ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ......

عَـنْ عَـطَـاءِ بْنِ يَسَارٍ ، أَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةً مِـنْ ذَهَـبٍ ، أَوْ وَرِقٍ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا ، فَقَالَ لَـهُ أَبُـو الـدَّرْدَاءِ: سَـمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ مِثْلَ هَذَا إِلا مِثْلا بِـمِثْـلٍ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: مَا أَرَى بِهَذَا بَأْسًا ، فَـقَـالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ مُعَاوِيَةَ ، أُخْبِرُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُخْبِرُنِي عَنْ رَأْيِهِ ، لا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ أَنْتَ بِهَـا ، ثُـمَّ قَدِمَ أَبُو الدَّرْدَاءِ عَلَى عُمَرَ ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَـهُ ، فَـكَتَـبَ عُـمَـرُ بْـنُ الْخَطَّابِ إِلَى مُـعَـاوِيَةَ: لا تَبِعْ ذَلِكَ إِلا مِثْـلا بِمِثْلٍ ، وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ اس سے زائد وزن سونا لے کر بیچ دیا تو سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ برابر برابر ہو، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ مجھے تو اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا تو ابو درداء رضی اللہ عنہ کہنے لگے! معاویہ کے معاملے میں مجھے کون معذور سمجھتا ہے کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی بات بتا تا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتا تا ہے، میں اس علاقے میں نہیں رہوں گا جہاں تو رہتا ہے، پھر ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اسے برابر برابر اور ہم وزن ہی بیچو۔

(٢٠٦١)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـحَسَـنِ الشِّيـرَزِيُّ ، أَخْبَـرَنَـا زَاهِـرُ بْـنُ أَحْمَدَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُصْعَبٌ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

(٢٠٦٠) اسناده صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا" : ١٣٢٧ ، والشافعى فى "الرسالة" فقرة (١٢٢٨) .

(٢٠٦١) أخرجه البخارى: ٢١٧٧ ، ومسلم: ١٥٨٤ .

قَالَ: ((لا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلا مِثْلا بِمِثْلٍ، وَلا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلا مِثْلا بِمِثْلٍ، وَلا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ.))

نے فرمایا: ''سونا سونے کے بدلے اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر نہ ہو، دونوں طرف سے کسی کمی یا زیادتی کو روا نہ رکھو، اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر نہ ہو، دونوں طرف سے کسی کمی یا زیادتی کو روا نہ رکھو، اور نہ ادھار کو نقد کے بدلے بیچو۔''

شرح ''لا تشفوا'' ''لا تفضلوا'' کے معنی میں ہے، حدیث پاک میں آتا ہے ''نھی عن شف مالم یضمن'' اس چیز کا منافع لینے سے منع کیا گیا ہے جس کے نقصان کا ذمہ دار نہ بنا جائے۔ (صحیح، ابن ماجہ: ۲۱۸۹) اسی طرح ''الشف'' کا معنی نقصان بھی ہے، یہ ان الفاظ میں سے ہے جو متضاد معانی دیتے ہیں ''الناجز'' موجود چیز کو کہتے ہیں، جو چیز موجود ہو اس کے متعلق کہتے ہیں ''نجز ینجز'' اسی طرح ''انجز الوعد'' کا معنی ہے وعدہ حاضر (پورا) کرنا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ بیع صرف اگر ہم جنس چیز میں ہو تو کمی بیشی اور ادھار کرنا حرام ہے نیز سونے کا زیور اگر سونے کے عوض بیچا جائے تو کمی بیشی کرنا جائز نہیں اور مزدوری کی جگہ زائد سونا لینا جائز نہیں ورنہ سونے کی سونے کے بدلے اضافے والی بیع ہوگی۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی مال ربا کو اسی چیز کے عوض بیچتا ہے نیز دونوں طرف سے یا ایک طرف سے اس کے ساتھ کوئی اور چیز بھی بیع میں شامل ہے مثلاً ایک درہم یا ایک دینار، دو درھموں کے عوض بیچ دے یا ایک درہم اور ایک کپڑا، دو درھموں کے عوض بیچ دے یا ایک درہم اور ایک کپڑے کے عوض بیچ دے تو جائز نہیں، کیونکہ سودے میں کسی طرف بھی جنس کا اختلاف ہو تو انہیں مد مقابل چیز پر قیمت کے اعتبار سے تقسیم کرنا لازم ہے اور تقسیم کرتے وقت کمی بیشی ثابت ہوگی، یا (اگر تقسیم نہ کیا جائے) سودا کرتے وقت دونوں طرف سے برابری کا علم نہیں ہوگا اور مال ربا کو اسی چیز کے عوض بیچتے وقت برابری کا علم نہ ہو تو بیع اسی طرح فاسد ہوگی جس طرح وہ بیع فاسد ہوتی ہے جس میں کمی بیشی کا یقین ہو، کچھ صحابہ کرام، شریح، ابن سیرین، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

اس کی دلیل فضالہ بن عبید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے آپ کے پاس ایک ہار لایا گیا جس میں سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے کسی آدمی نے وہ ہار سات یا نو دینار کا خریدا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے الگ الگ بیچا جائے۔'' اور ایک روایت میں ہے: آپ نے ہار میں لگے ہوئے سونے کو الگ کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا: ''سونا سونے کے عوض برابر وزن میں بیچا جائے۔'' (صحیح مسلم: ۱۵۹۱)

"حتی تفضل" کی جگہ "حتی تمیز" بھی مذکور ہے، مراد یہ ہے کہ ہار میں لگے ہوئے موتی اور سونا الگ الگ کرلو۔

بعض صحابہ اور اصحاب الرائے نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں: اگر قیمت میں ادا کیا جانے والا سونا اس سونے سے زائد ہو جو سامان (ہار) میں ہے تو جائز ہے کیونکہ اضافی سونا ہار میں لگی ان چیزوں کے بدلے ہوگا جو سونے سے علاوہ ہیں لیکن اگر قیمت میں دیا جانے والا سونا ہار کے سونے کے برابر یا اس سے کم ہے تو بیع جائز نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی اس سے ملتا جلتا ہے البتہ انہوں نے اضافے کی حد دو تہائی مقرر کی ہے، اور حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں قیمت ہار کے سونے سے کم ہو یا زیادہ دونوں طرح بیع جائز ہے۔

اور یہ سب اقوال ہار والے فیصلے کے مخالف ہیں، علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی شفعہ والی زمین کا کوئی ٹکڑا اور کپڑا سو درہم کا بیچ دے اور زمین کی قیمت کپڑے کے برابر ہو تو شفعہ کرنے والا سو درہم کے دو تہائی کے بدلے زمین خرید سکتا ہے۔ اس فیصلے کے مطابق اس شخص کو یہ کہنا لازم ہے جو مال سود کی بیع اسی جنس کے بدلے جائز سمجھتا ہے جبکہ ساتھ کوئی اور بھی چیز موجود ہو کہ اگر کوئی آدمی شفعہ والی زمین کا ٹکڑا اور گندم کا ایک صاع گندم کے دو صاع کے عوض بیچ دے اور زمین کی قیمت گندم کے ایک صاع کے برابر ہے تو شفعہ کرنے والا دو صاع کے دو تہائی حصے یعنی ۱/۱/۳ حصے کے عوض زمین لے سکتا ہے تو اس طرح گندم کا صاع دو تہائی صاع کے مقابلے میں باقی رہ جائے گا تو یہ بالا تفاق ناجائز ہے کہ گندم کا صاع دو تہائی (۲/۳) صاع کے عوض بیچا جائے، البتہ اگر چاندی اور اس کے ساتھ کوئی اور سامان سونے کے عوض بیچ دے تو اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعی کا درست قول بھی یہی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان دونوں کا حکم مختلف ہے کہ جو سونا چاندی کے عوض ہے اسے قبضہ میں لینا شرط ہے اور جو دوسرے سامان کا عوض ہے اسے قبضہ میں لینا شرط نہیں۔ اسی طرح ہر وہ سودا ناجائز ہے جس میں دو مختلف حکم اکٹھے ہو جائیں مثلاً بیع اور سلم اکٹھے ہو جائیں یا مزدوری اور عین (سامان) اکٹھے ہو جائیں تو ان کے متعلق آپ کے دو قول ہیں مگر درست یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درہم اور سامان کی بیع دینار کے عوض جائز نہیں الا یہ کہ درہم تھوڑے ہوں تو جائز ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اگر کوئی آدمی ایک مدعجوہ کھجور اور ایک مدصیحانی کھجور دو مدعجوہ کھجور کے عوض یا دو مدصیحانی کھجور یا ایک مدعجوہ اور ایک مدصیحانی کھجور کے عوض بیچ دے تو جائز نہیں، اسی طرح ایک سو عمدہ مروانی دینار اور ایک سو ردی دینار کو دو سو درمیانے دیناروں کے عوض بیچ دے تو جائز نہیں خواہ وزن برابر ہی کیوں نہ ہو، امام مالک، شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے کیونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر بیع میں ایک طرف مختلف انواع ہوں تو مدمقابل سامان کو قیمت کے لحاظ سے اس پر تقسیم کرنا واجب ہے اور تقسیم کے دوران بسا اوقات کمی بیشی ظاہر ہو جاتی ہے۔

(13)......بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ مَالِ الرِّبَا بِجِنْسِهِ جِزَافًا

مال سود کو اسی جنس کے بدلے اندازے سے بیچنا حرام ہے

(۲۰۶۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لا تُعْلَمُ مَكِيلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے نا معلوم وزن والے ڈھیر کو معلوم وزن والی کھجوروں کے عوض بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس سند سے روایت کیا ہے: "عن ابی طاھر احمد بن عمرو بن سرح عن ابن وھب، عن ابن جریج"

امام صاحب فرماتے ہیں: مال سود کو اسی جنس کے عوض اندازے سے بیچنا اس لیے ناجائز ہے کہ سودے کے دوران برابری نہیں ہو سکے گی تاہم اگر کوئی آدمی یوں کہے کہ میں تجھے گندم کا یہ ڈھیر بیچتا ہوں اور اس کے عوض تجھ سے گندم کا اتنا ہی ڈھیر لوں گا، یا میں اپنا دینار تجھے دیتا ہوں اور تجھ سے اتنے ہی وزن کا دینار لوں گا تو بیع جائز ہوگی اگر اسی مجلس میں اشیاء قبضہ میں لے لی جائیں۔ اگر اجناس مختلف ہوں تو اندازے سے بیع کرنا جائز ہے کیونکہ ان میں کمی بیشی حرام نہیں ہے۔

(14)......بَابُ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ

ماپنے اور تولنے کا بیان

(۲۰۶۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سِرَاجٍ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْمَرْوَرُّوذِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ، حَدَّثَنِي أَبُو الْمُنْذِرِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنْ طَاوُسٍ......

(۲۰۶۲) أخرجه مسلم: ۱۵۳۰.

(۲۰۶۳) صحيح ..... أخرجه ابوداود: ۳۳٤۰، والنسائي: ۲۵۱۹، ٤٦۰۸.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَالْمِيزَانُ مِيزَانُ أَهْلِ مَكَّةَ.))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ماپ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور تول اہل مکہ کا معتبر ہے۔''

شرح: امام صاحب فرماتے ہیں: حدیث میں مذکورہ ماپ اور تول کا تعلق حقوق یعنی زکوۃ، کفارات وغیرہ سے ہے یعنی زکوۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک چاندی اہل مکہ کے وزن کے مطابق دوسو درہم تک نہ پہنچ جائے، ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال کے برابر ہے اور صدقہ فطر کی ادائیگی میں اہل مدینہ کا صاع معتبر ہوگا، ہر صاع 5 رطل اور 1/3 رطل کا ہوتا ہے۔ معاملات اور لین دین میں ہر علاقے کا اپنا ماپ اور تول ہی معتبر ہوگا، مال سود کی بیع اسی جنس کے عوض صرف اسی وقت جائز ہے جب وہ شرعی معیار کے مطابق برابر ہوں، اگر ماپی جانے والی چیز ہے تو ماپ میں برابر ہونا ضروری ہے اور اگر تولی جانے والی چیز ہے تو وزن میں برابر ہونا ضروری ہے نیز جو چیز رسول اللہ ﷺ کے دور میں تولی جاتی تھی ان میں وزنی مساوات کا اعتبار کیا جائے گا اور جو چیز آپ کے دور میں ماپی جاتی تھی اس میں پیمائشی مساوات کا اعتبار کیا جائے گا اور بعد کی ایجادات کو نہیں دیکھا جائے گا۔

ماپی جانے والی چیزوں میں ماپ کر اور تولی جانے والی چیزوں میں تول کر بیع سلم کرنا جائز ہے، اگر دس مکیال وزن مقرر کیا گیا ہو اور اس علاقے میں مختلف مکیال رائج ہوں تو بیع اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک کسی مکیال کو مقرر اور معین نہ کیا جائے، قفیز، مکوک، مد اور صاع سبھی ماپ میں شمار ہوتے ہیں اور اوقیہ اور رطل وزن میں شمار ہوتے ہیں الا یہ کہ رطل سے مراد مکیال ہو تو پھر وہ ماپ ہی مراد ہوگا۔

(15)......بَابُ الْإِحْتِيَالِ لِلْخَلَاصِ عَنِ الرِّبَا
سود سے بچنے کے لیے حیلہ اختیار کرنا

(٢٠٦٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَائَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر کا گورنر بنایا تو وہ آپ کے پاس عمدہ کھجوریں (جنیب) لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟'' اس نے

(٢٠٦٤) أخرجه البخاري: ٢٣٠٢، ٤٢٤٤، ٧٣٥٠، ومسلم: ١٥٩٣

هَـكَذَا؟)) فَقَالَ: لا وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا لَنَـأْخُـذُ الصَّـاعَ مِـنْ هَذَا بِـالصَّـاعَيْنِ، وَالـصَّاعَيْنِ بِالثَّلاثِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((فَلا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا۔))

کہا: نہیں! یا رسول اللہ! اللہ کی قسم ہم دو صاع کھجوریں، دے کر اس کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع لیتے ہیں یا تین صاع دے کر دو صاع لیتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے نہ کریں ہلکی کھجوریں درھموں کے عوض فروخت کریں اور پھر درھموں کے عوض عمدہ کھجوریں خرید لیں۔''

شرح: یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے قتیبہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے اسے روایت کیا ہے۔ ان دونوں نے مالک سے روایت کیا ہے ''الجنیب'' کھجور کی سب سے عمدہ قسم ہے۔

''الجمع'' ہلکی اور گدر کھجور کو کہتے ہیں، بعض کے نزدیک ہلکی اور ملی جلی کھجور کو کہتے ہیں، اصمعی کہتے ہیں کھجور کی ہر وہ قسم جمع کہلاتی ہے جس کا نام معلوم نہ ہو، عرب کہتے ہیں فلاں آدمی کی زمین میں ''جمع'' بہت زیادہ ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اہل علم کا یہی قول ہے کہ جو آدمی مال سود میں کوئی چیز اسی کی ہم جنس چیز کے ساتھ بدلنا چاہتا ہو اور بدلے میں زائد حاصل کرے تو جائز نہیں حتی کہ وہ چیز کسی دوسری جنس کے عوض بیچے اور خریدی ہوئی چیز کو قبضہ میں لے کر اس چیز سے زیادہ قیمت میں بیچے جو اس نے پہلے فروخت کی ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں: اگر کوئی آدمی ادھار سامان بیچ دے، پھر کم قیمت میں وہی سامان خریدار سے نقد قیمت اور کچھ ادھار سامان کے عوض واپس لے لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی چیز بیچ کر پھر کم قیمت یا اس سے زیادہ مدت کے ادھار پر واپس لے لے تو یہ جائز نہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ناپسند کیا ہے اور اسے بیع عینہ کا نام دیا ہے جو کہ ''عین'' سے ماخوذ ہے اور ''عین'' موجود اور نقد مال کو کہتے ہیں۔ کیونکہ خریدار اس لیے سامان خریدتا ہے کہ اسے نقد مال کے بدلے بیچ دے جو اسے جلدی ہی مل جائے گا۔

جن کے نزدیک مذکورہ بیع جائز نہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ میں نے زید بن ارقم کو ایک غلام آٹھ سو درہم میں ادھار قیمت پر بیچا اور پھر چھ سو درہم میں نقد قیمت پر واپس لے لیا (تو یہ کیسا ہے) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو نے جو خریدا وہ بھی برا ہے اور جو بیچا وہ بھی برا ہے، زید بن ارقم کو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا ہوا تمہارا جہاد اس وقت تک باطل ہے جب تک تم اس سے توبہ نہیں کر لیتے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر یہ حدیث صحیح ہو تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی بیع پر اس لیے اعتراض کیا تھا کہ اس میں ادھار کی مدت معلوم نہیں تھی، نیز فرماتے ہیں زید بھی صحابی ہیں جب صحابہ کا باہمی اختلاف ہو تو ہمیں قیاس کرنا ہوگا اور قیاس زید بن ارقم کے ہی موافق ہے۔

امام مالک نے اس آدمی کو غلط قرار دیا تھا جس نے لونڈی کو سو دینار کے عوض ادھار بیچ دیا، پھر اضافی قیمت دے کر ادھار کے مقررہ وقت سے زائد وقت لے کر دوبارہ واپس ادھار خرید لیا، نیز فرماتے ہیں یہ اس لیے غلط ہے کہ اس کی چیز ویسی کی ویسی اس کے پاس آ گئی (اور اضافی قیمت بھی دیدی) یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی سو دینار نقد دے کر ایک سو دس دینار ادھار لیتا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے۔

(16)......بَابُ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانَيْنِ

ایک جانور کے عوض دو جانور لینا

(٢٠٦٥)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا الثِّقَةُ، عَنِ اللَّيْثِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ عَبْدٌ، فَبَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَلَمْ يَسْمَعْ أَنَّهُ عَبْدٌ، فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((بِعْهُ، فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ، وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ: أَعَبْدٌ هُوَ، أَوْ حُرٌّ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے ہجرت کرنے پر آپ کی بیعت کی، آپ نے یہ نہ سنا کہ وہ غلام ہے، اس کا مالک اسے لینے کے لیے آ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے بیچ دو۔'' چنانچہ آپ نے دو کالے رنگ کے غلام دے کر اسے خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی بھی آدمی سے اس وقت تک بیعت نہ لیتے جب تک کہ پوچھ نہ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد۔

شرح: یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اسے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے، ربیع کہتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ جب یوں کہتے ہیں، مجھے ایسے شخص نے بیان کیا ہے جس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، تو اس سے مراد ابراہیم بن ابی یحییٰ ہوتے ہیں اور جب یوں کہتے ہیں ''مجھے ثقہ راوی نے بتایا ہے۔'' تو اس سے مراد یحییٰ بن حسان ہوتے ہیں۔

تمام علماء کا عمل اسی حدیث پر ہے کہ ایک جانور کے بدلے دو جانور لینا جائز ہے خواہ دونوں جانور ایک ہی جنس کے ہوں یا الگ الگ جنس کے ہوں۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ دے کر ایک اونٹ لیا۔ ایک اونٹ اس کو دے دیا اور دوسرے کے متعلق کہا کہ ان شاء اللہ کل میں آپ کو لا دوں گا۔

سعید بن مسیّب کہتے ہیں: اگر دونوں جانور ماکول اللحم ہوں اور خریدنے کا مقصد ذبح کرنا ہو تو پھر مذکورہ بیع جائز نہ

(٢٠٦٥) أخرجه مسلم: ١٦٠٢.

ہو گی خواہ جنس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ جانور کی جانور یا دو جانوروں کے عوض ادھار بیع کرنے میں اختلاف ہے۔صحابہ کی ایک جماعت جس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ شامل ہیں نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، عطاء بن ابی رباح، سفیان ثوری، اصحاب الرائے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے، ان کی دلیل حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ سمرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے بدلے جانور کی ادھار بیع سے منع کیا ہے، کچھ صحابہ جیسے سیدنا علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح سعید بن مسیّب، ابن سیرین، زہری، امام شافعی اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے خواہ جنس ایک ہو یا مختلف ہو، ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو خواہ ایک کے بدلے ایک خریدا ہو یا دو کے بدلے ایک خریدا ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر جنس مختلف ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا، اونٹ ختم ہو گئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ صدقے کی اونٹنیوں کے عوض اونٹ خرید لو چنانچہ وہ صدقے کی دو اونٹنیوں کے بدلے ایک اونٹ خریدتے تھے۔ (ضعیف، ابوداود: ۳۳۵۷)

مروی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ جس کا نام "عصیفیر" تھا بیس اونٹوں کے عوض ادھار بیچ دیا۔ (مؤطا امام مالك: ١٣٥٤، سنن بيهقى: ٥/ ٢٨٨)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے چار اونٹوں کے عوض ایک اونٹنی خریدی جس کی ضمانت آپ کے ذمہ تھی آپ نے اس کے مالک کو ربذہ میں ادائیگی کی۔ (مؤطا امام مالك: ١٣٥٥، سنن بيهقى: ٥/ ٢٨٨)

حسن کی سمرہ سے روایت کے متصل السند ہونے اور حسن کے سمرہ سے سماع میں اہل حدیث کا اختلاف ہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: حسن کی روایت مصحف ہے، بعض نے اس حدیث کی تاویل کی ہے اور اسے اس بات پر محمول کیا ہے کہ دونوں طرف سے جانور ادھار ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانوروں کی بیع میں "سلم" جائز ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے مگر اصحاب الرائے اسے جائز نہیں سمجھتے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر بیع میں دونوں طرف ایک ہی جنس ہو تو پھر ادھار حرام نہیں، جبکہ اصحاب الرائے کے نزدیک حرام ہے، حتی کہ انہوں نے کپڑے کے عوض کپڑے کا سلم بھی ناجائز قرار دیا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، باقی علماء نے اس صورت میں اسے جائز قرار دیا ہے جب یہ مال سود میں سے نہ ہو۔

ابو الزناد کہتے ہیں: میں ایک قبطی لونڈی دو قبطی لونڈیوں کے عوض ادھار بیچا کرتا تھا، میں نے سعید بن مسیّب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

(17)......بَابُ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ
گوشت کے بدلے جانور لینا

(٢٠٦٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ......

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ۔

سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کے بدلے گوشت کی بیع کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح: ایک اور سند کے ساتھ مروی ہے کہ داؤد بن حصین نے سعید بن مسیّب سے سنا وہ فرماتے تھے: دور جاہلیت میں جوئے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ ایک یا دو بکریوں کے عوض گوشت کی بیع کیا کرتے تھے۔

(مؤطا امام مالك: ١٣٦٠)

(٢٠٦٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ......

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَوَجَدْتُ جَزُورًا قَدْ جُزِّئَتْ أَجْزَاءً، كُلُّ جُزْءٍ مِنْهَا بِعَنَاقٍ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَبْتَاعَ مِنْهَا جُزْئًا، فَقَالَ لِي رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ نَهَى أَنْ يُبَاعَ حَيٌّ بِمَيِّتٍ، قَالَ: فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ، فَأُخْبِرْتُ عَنْهُ خَيْرًا۔

قاسم بن ابی بزہ کہتے ہیں: میں مدینہ آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک اونٹنی کو (ذبح کرکے) کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر حصہ بھیڑ کے بچے کے (وزن کے) برابر تھا، میں نے چاہا کہ ان میں سے ایک حصہ میں بھی خرید لوں تو اہل مدینہ میں سے کسی آدمی نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے زندہ کو مردہ کے عوض بیچنے سے منع کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے اس آدمی کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ اچھا آدمی ہے۔

شرح: امام صاحب فرماتے ہیں: سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی روایت اگرچہ مرسل ہے تاہم اسے صحابہ کے عمل سے تقویت ملتی ہے نیز امام شافعی، سعید بن مسیّب کی مرسل روایت کو اچھا سمجھتے تھے۔

(٢٠٦٦) حسن ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ١٣٥٩.

(٢٠٦٧) ضعيف، لكن المرفوع منه حسن بطرق اخرى ...... أخرجه الامام الشافعى فى "مسنده" فى كتاب الصرف ١٢١٩

جانور کے بدلے گوشت کی بیع کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے، صحابہ کی ایک جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک اونٹنی ذبح کی گئی تو ایک آدمی بکری کا بچہ لے کر آیا اور کہنے لگا یہ لے لو اور مجھے اس کے گوشت کا ایک حصہ دے دو تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا کرنا درست نہیں۔ (مسند شافعی: ۱۲۲۰)

قاسم بن محمد، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن جانور کے بدلے گوشت کی بیع کو نقد اور ادھار دونوں طرح حرام سمجھتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے، خواہ گوشت اسی جنس کے جانور کا ہو یا کسی اور جنس کے جانور کا ہو، خواہ جانور ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو، ایک جماعت نے جانور کے بدلے گوشت کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، مزنی نے بھی جواز کو ہی ترجیح دی ہے کیونکہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس بارہ میں ایک پرانا قول بھی موجود ہے جس قول سے اختلاف ہے کیونکہ جانور مال سود میں شامل نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے ایک جانور کی بیع دو جانوروں کے بدلے جائز ہے، چنانچہ جانور کے بدلے گوشت لینا ایسے ہی ہے جیسے مال سود کی بیع ایسے مال سے کرنا جس میں سود نہیں ہوتا، تو قیاساً تو یہ بیع جائز ہے البتہ اگر حدیث اس کے خلاف آجائے تو ہم اس پر عمل کریں گے اور قیاس چھوڑ دیں گے۔

(18)......بَابُ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ
تر کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض بیچنا

(۲۰۶۸)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الأَسْوَدِ بْنِ سُفيانَ...... أَنَّ زَيْدًا أَبَا عَيَّاشٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ، فَقَالَ: أَيَّتُهُمَا أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: الْبَيْضَاءُ، فَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟)) فَقَالُوا: نَعَمْ، فَنَهَاهُ عَنْ ذَلِكَ۔

ابوعیاش زید نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے خشک جو کے بدلے تر جو کی بیع کے متعلق پوچھا تو آپ نے پوچھا ان میں سے بہتر کونسی ہے؟ انہوں نے کہا: سفید رنگ والی، آپ نے انہیں اس سے منع کر دیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ سے تر کھجور کے عوض خشک کھجور کی بیع کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے پوچھا: ''کیا تر کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے؟'' انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے اس سے منع کر دیا۔

(۲۰۶۸) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۳۳۵۹، والترمذی: ۱۲۲۵، والنسائی: ۴۵۵۹، وابن ماجه: ۲۲۶۴.

شرح ابو عیسیٰ (ترمذی) رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

"البیضاء" گندم کی ایک قسم ہے جس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور اس کا آٹا ملائم ہوتا ہے یہ مصر کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔

"السلت" گندم کے علاوہ غلہ کی ایک قسم ہے، بعض کہتے ہیں کہ "البیضاء" تازہ جو کو کہتے ہیں، اور یہ معنی حدیث کے مفہوم کے زیادہ موافق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بیع کو خشک کھجور کی تر کھجور کے ساتھ بیع کرنے سے مشابہت دی گئی ہے۔ اگر جنس مختلف ہوگی تو مشابہت نہیں ہوگی۔

"السلت" اس دانے کو کہتے ہیں جس پر چھلکا نہ ہو۔

نبی ﷺ کا یہ سوال کرنا کہ ''کیا خشک ہو کر کھجور کم ہو جاتی ہے؟'' یہ ایک وضاحتی سوال ہے جس کا مطلب انہیں حکم کی علت پر خبردار کرنا تھا، یہ سوال بطور استفہام نہیں تھا، کیونکہ کھجور کا خشک ہو کر کم ہو جانا کسی بھی عقلمند آدمی پر مخفی نہیں۔

یہ حدیث اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ کسی بھی کھائی جانے والی چیز کی بیع اسی جنس کے عوض اس طرح کرنا جائز نہیں کہ ان میں سے ایک تر اور دوسری خشک ہو، جیسے تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے، انگور کی بیع منقہ کے عوض، تازہ گوشت کی بیع خشک گوشت کے عوض وغیرہ۔

امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف رحمہم اللہ اور محمد بن حسن وغیرہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ تر کھجور کو تر کھجور کے عوض اور انگور انگور کے عوض بیع کو امام شافعی رحمہ اللہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے پوچھا تھا: ''کیا تر کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے۔'' آپ نے اس تبدیلی کو بیع کی ممانعت کا سبب قرار دیا ہے جو بعد میں کھجور کے خشک ہونے پر نمودار ہوتی ہے، اسی طرح کھجور کی کھجور کے عوض بیع بھی ناجائز ہے، کیونکہ ان کا انجام بھی نامعلوم ہے، باقی ائمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے، اسی طرح تازہ گوشت کی تازہ گوشت کے بدلے بیع کرنا بھی ناجائز ہے اگر دونوں طرف خشک گوشت ہو تو پھر بیع جائز ہے جیسے خشک کھجور کے بدلے خشک کھجور کی بیع کرنا اور منقے کی منقے کے بدلے بیع کرنا جائز ہے، پکے ہوئے کھانے کی اسی جنس کے کھانے سے بیع کرنا جائز نہیں، خواہ پکا ہوا ہو یا کچا ہو، نئی کھجور کی پرانی کھجور کے ساتھ اور نئی گندم کی پرانی گندم کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے الا یہ کہ نئی گندم میں نمی موجود ہو جس کے خشک ہونے پر وزن کم ہو جائے تو پھر جائز نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے انگور کے جوس کی انگور کے جوس کے عوض اور سرکے کی سرکے کے عوض بیع کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر دونوں یا ایک سرکے میں پانی موجود ہو تو پھر بیع جائز نہیں، اسی طرح دودھ کی دودھ کے بدلے اور گھی کی گھی کے بدلے بیع بھی ان کے نزدیک جائز ہے جب دونوں کا وزن برابر ہو۔ اگر جنس بدل جائے مثلاً انگور کا نبیذ کھجور کے نبیذ کے عوض بیچ دے یا بکری کا دودھ گائے کے دودھ کے عوض بیچ دے تو کمی بیشی بھی جائز ہے، اندازے سے

کرنا بھی جائز ہے جب نقد ونقد ہو، اسی طرح درست قول کے مطابق گائے کا گوشت بکری کے گوشت کے عوض بیچنا بھی درست ہے۔

اس بارہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ گوشت ایک ہی جنس ہے خواہ کسی بھی جانور کا ہو چنانچہ بکری کے گوشت کو اونٹ اور گائے کے گوشت کے عوض بیچنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جس میں بکری کے گوشت کے عوض بکری کے گوشت کی بیع جائز ہے، اسی طرح کسی بھی ایسی بنیادی چیز کی بیع اس کی فروعات کے عوض کرنا جائز نہیں جس میں سود پایا جاتا ہو جیسے دودھ کی بیع مکھن، گھی، دہی یا کسی ایسی چیز کے عوض کرنا جو دودھ سے بنائی جاتی ہو اسی طرح انگور کے عوض انگوری سرکہ، نبیذ یا شیرہ وغیرہ کی بیع کرنا یا تلوں کے عوض تلوں کے تیل کی بیع کرنا، اسی طرح گندم کے عوض گندم کے آٹے، روٹی یا ستو کی بیع کرنا جائز نہیں، نہ ہی آٹے کے عوض آٹے کی بیع جائز ہے، امام مالک نے گندم کے عوض آٹے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جو برابر برابر ہو، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آٹے کے عوض گندم کی بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں جب دونوں ہم وزن ہوں۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: روٹی کے عوض روٹی کی بیع میں کوئی حرج نہیں خواہ وزن بھی برابر نہ ہو، اوزاعی اور ابوثور کے نزدیک بھی روٹی کے بدلے روٹی کی بیع کرنا جائز ہے۔

(19)......بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ

بیع مزابنہ اور بیع محاقلہ منع ہے

(۲۰۶۹)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ، وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے، اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور خشک کھجور کے بدلے ماپ کر بیچی جائے، اسی طرح بیل پر لگے ہوئے انگور کو منقی کے بدلے بیچا جائے۔

شرح: یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی اویس سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے نقل کیا ہے۔

(۲۰۶۹) أخرجه البخاري: ۲۱۷۱، ۲۱۷۲، ۲۱۸۵، ومسلم: ۱۵۴۲.

(۲۰۷۰)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلا بِتَمْرٍ كَيْلا ، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلا ، أَوْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ ، نَهَى عَنْ ذَلِكَ كُلِّهِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے، یعنی باغ کے پھلوں کو اگر وہ کھجوریں ہیں تو ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے ناپ کر بیچا جائے اور اگر انگور ہیں تو اسے خشک انگور کے بدلے ناپ کر بیچا جائے اور اگر کھیتی ہے تو ناپ کر غلہ کے بدلے بیچا جائے، آپ نے ان تمام قسموں کے لین دین سے منع فرمایا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے قتیبہ سے بھی نقل کیا ہے۔

(۲۰۷۱)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ......

عَنْ جَابِرٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ ، وَالْمُحَاقَلَةِ ، وَالْمُزَابَنَةِ ، وَالْمُحَاقَلَةُ: أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقٍ حِنْطَةً ، وَالْمُزَابَنَةُ: أَنْ يَبِيعَ الثَّمَرَ فِي رُءُوسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ ، وَالْمُخَابَرَةُ: كِرَاءُ الأَرْضِ بِالثُّلُثِ ، وَالرُّبْعِ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے، محاقلہ یہ ہے کہ آدمی کھیتی کو سوفرق کے بدلے بیچ ڈالے اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجوروں کو درختوں پر ہی سوفرق کے بدلے بیچ ڈالے اور مخابرہ یہ ہے کہ آدمی زمین کو تہائی یا چوتھائی حصہ پر کاشت کرنے کے لیے دے دے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام مسلم نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ مزابنہ اور محاقلہ باطل ہے۔ اس بارے میں عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، سعد، ابو ہریرہ، رافع بن خدیج اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں۔

مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو اسی جنس کے زمین پر اترے ہوئے پھل کے عوض بیچا جائے، اور محاقلہ

(۲۰۷۰) أخرجه البخاري: ۲۲۰۵ ، ومسلم: ۱۵٤۲ .

(۲۰۷۱) أخرجه مسلم: ۱۵۳٦ .

یہ ہے کہ کھڑی کھیتی کو پک جانے کے بعد دانوں کے عوض بیچا جائے۔

ابن جریج کہتے ہیں: میں نے عطاء سے محاقلہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: پھلوں میں جو بیع مزابنہ کہلاتی ہے کھیتی باڑی میں وہی محاقلہ کہلاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھڑی کھیتی کو گندم کے دانوں کے عوض بیچ دیا جائے، پھر میں نے عطاء سے پوچھا: جس طرح آپ نے مجھے تفسیر بتائی ہے کیا جابر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو اسی طرح بتائی تھی؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔ مزابنہ ''زبن'' سے نکلا ہے جس کا معنی ہے دفع کرنا اور ہٹانا۔ یعنی دو سودا کرنے والوں میں سے ایک جب گھاٹا محسوس کرتا ہے تو سودا توڑنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا سودا برقرار رکھنا چاہتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کو اس کے حق سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

مذکورہ بیع کو مزابنہ صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے مقابلے میں وہی پھل ہو کیونکہ ان کے درمیان برابری شرط ہے اور جو پھل درخت پر ہے اسے ماپا یا تولا نہیں جا سکتا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے اور اندازہ ایک گمانی چیز ہے جس میں کمی بیشی کا امکان ہے، اگر درخت پر لگے پھلوں کو کسی اور جنس کے پھل کے عوض بیچا جائے تو جائز ہے کیونکہ ان کے درمیان مماثلت شرط نہیں ہے۔

البتہ قبضہ لینا شرط ہے چنانچہ زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو قبضہ میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں وہاں سے اٹھا لیا جائے اور درخت پر لگے پھل کو قبضہ میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے علیحدہ کر لیا جائے۔

''محاقلہ'' حقل سے نکلا ہے جس کا معنی ہے کھیتی باڑی، زرعی زمین کو محاقل اور مزارع کہتے ہیں۔ ضرب المثل ہے ''لَا یُنبِتُ البَقْلَةَ اِلَّا الحَقْلَةُ'' ترکاری کھیت میں ہی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح حدیث میں ہے ''مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ'' تم اپنی زمینوں کو کیا کرتے ہو، زمین کی پیداوار کی بیع کو محاقلہ کہتے ہیں، ہری فصل کو بھی ''محاقلہ'' کہتے ہیں۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے، فرماتے ہیں: کھجور کے درختوں پر لگے پھل کے عوض کھجوریں لینا مزابنہ ہے، اور غلہ کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا محاقلہ ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۱۸۶، صحیح مسلم: ۱۵۴۵) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غلے کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا جائز نہیں جبکہ باقی علماء کے نزدیک غلہ کی مقدار مقرر کر لینے کی صورت میں جائز ہے جیسے درہم و دینار کے عوض جائز ہے، صرف اس غلے کے عوض جائز نہیں جو ٹھیکے کے بعد اس زمین سے پیدا ہوگا۔

''المُخَابَرَہ'' زمین کی پیداوار میں سے کچھ حصہ لینے کی شرط کے عوض زمین دینا مخابرہ کہلاتا ہے، ''الخبر'' کا معنی ہے ''حصہ'' کاشتکار کو اسی لیے خبیر کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں: ''مخابرہ'' خیبر سے نکلا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین نصف پیداوار لینے کی شرط پر انہی کے

پاس رہنے دی تھی، انہوں نے اسی میں جھگڑا شروع کر دیا تو آپ نے اس سے منع کر دیا بعد میں پھر اجازت دے دی۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: مزابنہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا ماپ، تول یا تعداد معلوم نہ ہو اور اسے ایسی چیز کے عوض بیچا جائے جس کا وزن، ماپ یا تعداد معلوم ہو جیسے گندم، کھجور، روٹی، السی اور اون وغیرہ کے ڈھیر کو کسی ایسی چیز کے عوض بیچنا جس کا ماپ، تول یا تعداد معلوم نہ ہو، خریدار مالک سے کہے اپنا سامان ماپ لو یا تول لو یا اگر گنتی والی چیز ہے تو گن لو، اگر اتنے صاع یا رطل یا تعداد سے کم ہوا تو وہ کمی میرے ذمہ ہوگی اور اگر زائد ہوا تو وہ زیادتی بھی میری ہوگی، یہ بیع نہیں ہے بلکہ جوا اور خدشہ ہے۔

(۲۰۷۲)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصٍ التَّاجِرُ، حَدَّثَنَا السَّرِيُّ بْنُ خُزَيْمَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ عَارِمٌ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدِ بْنِ مِينَاءَ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَالْمُعَاوَمَةِ، قَالَ أَحَدُهُمَا، وَقَالَ الآخَرُ: وَبَيْعُ السِّنِينَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ، وَعَنِ الثُّنَيَّا، وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے منع کیا ہے، ایک راوی نے "معاومة" کی جگہ "بیع السنین" کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ آپ نے کئی سالوں کی اکٹھی بیع سے منع کیا ہے اور اسے "معاومہ" کہتے ہیں اور بیع میں استثناء کرنے سے بھی منع کیا ہے البتہ بیع عرایا کی اجازت دی ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے عبیداللہ بن عمر قواریری عن حماد بن زید سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: بیع معاومہ اور بیع سنین ایک ہی ہے صرف راویوں کا لفظی اختلاف ہے، سلیمان بن عتیق کی جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سنین سے منع کیا ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۵۳۶)

بیع سنین کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی کھجوروں کا پھل تین، چار یا اس سے زائد سالوں کے لیے فروخت کر دے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ ایسی چیز کی فروخت ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی، نیز یہ ممانعت عینی چیزوں میں ہے صفاتی چیزوں میں منع نہیں ہے۔

"بیع الثنیا" یہ ہے کہ اپنے باغ کا پھل بیچ دے اور فروخت کے وقت اس میں سے کچھ نامعلوم حصہ مستثنیٰ کر لے

(۲۰۷۲) أخرجه مسلم: ۱۵۳٦.

تو ایسی بیع درست نہیں کیونکہ نامعلوم حصہ مستثنیٰ کرنے سے بیچی جانے والی چیز مجہول ہو جائے گی، اسی طرح اگر کوئی آدمی کہے کہ ایک صاع کے علاوہ باغ کا سارا پھل میں نے تجھے بیچ دیا تو بیع درست نہیں ہوگی، البتہ اگر استثناء عمومی ہو جیسے یوں کہنا کہ چوتھائی یا تہائی کے علاوہ میں نے اس باغ کا پھل تمہیں بیچ دیا۔ تو یہ بیع جائز ہے اسی طرح اگر باغ میں سے ایک یا دو درخت مستثنیٰ کر لے تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح اگر یوں کہے کہ میں نے گندم کا یہ ڈھیر تجھے اتنے میں بیچ دیا بجز تہائی حصے کے تو بیع جائز ہوگی اور اگر کہے بجز صاع کے اور صاع کی تعداد مقرر نہیں تو بیع ناجائز ہوگی اور اگر صاع کی تعداد مقرر ہو مثلاً دس صاع وغیرہ تو بیع جائز ہوگی، یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس نے دسواں حصہ مستثنیٰ کر لیا ہو۔

قاسم بن محمد کے متعلق مروی ہے کہ وہ اپنے باغ کا پھل بیچتے وقت استثناء کر لیا کرتے تھے، محمد بن عمرو بن حزم کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باغ کا پھل چار ہزار درہم میں بیچا اور آٹھ سو درہم کی کھجوریں مستثنیٰ کر لیں، ابن سیرین قُطر کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھجور کا بودا یا سامان کی گٹھڑی تول لی جائے اور باقی سامان تولے بغیر اسی اندازے سے لے لیا جائے، ابن الاعرابی کہتے ہیں: مقاطرہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس آئے اور اس سے کہے کہ اس گھر میں تیری جتنی بھی کھجوریں ہیں وہ ماپے تولے بغیر (اندازے سے) میری ہو گئیں اور وہ بیچ دے۔

(20)......بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْعَرَايَا

بیع عرایا کی رخصت

(٢٠٧٣)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ:......

سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ، يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطَبًا۔

سیدنا سہل بن ابی حثمہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض بیچنے سے روکا ہے، البتہ عرایا کی اجازت دی ہے کہ اندازہ کر کے خشک کھجوروں کے عوض بیچ دیا جائے تا کہ لوگ تازہ کھجوریں کھا سکیں۔

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن عبداللہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عمرو الناقد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(٢٠٧٣) أخرجه البخاري: ٢١٩١، ٢٣٨٣، ومسلم: ١٥٤٠.

(۲۰۷٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ……

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صاحب عریہ کو اس کی اجازت دی ہے کہ اپنا عریہ اس کے اندازے برابر کھجوروں سے بیچ ڈالے۔

شرح اس حدیث کو امام بخاری نے عبداللہ بن مسلمہ سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

"العریه" یہ ہے کہ کوئی آدمی کھجوروں کے درخت گن لے اور ان کا پھل پکنے کے بعد اندازے سے بیچ دے اور اس کے بدلے خشک کھجوریں ماپ کر لے لے (یہ بھی مزابنہ کی صورت ہے) لیکن شریعت نے اسے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔

اس کو "عَرِيَّة" اس لیے کہتے ہیں کہ مزابنہ کی حرمت سے خارج ہوگئی ہے یہ فعیلة کا وزن ہے اور فاعله کے معنی میں ہے، بعض کہتے ہیں اس لیے کہ پورے باغ میں سے یہ اس طرح مستثنیٰ ہے کہ یہ اندازے کے ساتھ فروخت ہوا ہے، بعض نے اس کو باب افعال میں شامل کیا ہے اور یہ اس جملے سے ماخوذ ہے "اَعْرَيْتُ الرَّجُلَ النَّخْلَةَ فَهُوَ يَعْرُوْهَا مَتٰى شَاءَ"

یعنی میں نے اسے کھانے کے لیے کھجوریں دیں پس وہ جب چاہے آکر کھا سکتا ہے "عَرَوْتُ الرَّجُلَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب تو کسی آدمی کے پاس حسن سلوک حاصل کرنے آئے اور وہ حسن سلوک کرے جیسے "طَلَبَ اِلَيَّ فَاَطْلَبْتُهُ"، "سَأَلَنِيْ فَاَسْاَلْتُهُ" اس نے مجھ سے مانگا میں نے اسے دے دیا۔

یہاں فعیلہ بمعنی مفعولہ ہے۔

اکثر فقہاء نے عریہ کی یہی تفسیر کی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ درخت پر لگی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے ساتھ تول کر بیچنا۔ اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق اور ابوعبید کا مذہب یہی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسے مزابنہ سے مستثنیٰ کیا ہے۔

(۲۰۷۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ……

(۲۰۷٤) أخرجه البخاري: ۲۱۸٤، ۲۱۹۲.

(۲۰۷۵) أخرجه البخاري: ۲۱۸۹، ۲۱۹٦، ومسلم: ۱۵۳٦.

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ: بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، إِلَا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے، اور مزابنہ درخت پر لگی کھجوروں کو خشک کے عوض بیچنے کو کہتے ہیں البتہ آپ نے عرایا کی رخصت دی ہے۔

شرح: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری و مسلم نے اسے کئی سندوں سے بیان کیا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عرایا مزابنہ کی قسم ہے، یہ اس صورت میں جائز ہے جب ان میں مماثلت ہو، یعنی درخت پر لگی کھجوروں کا اندازہ لگایا جائے گا کہ ان کا پھل خشک ہونے کے بعد اتنا رہ جائے گا تو وہ اتنی ہی خشک کھجوریں ماپ کر لے لے اور اس کے عوض درخت کی کھجوریں بیچ دے۔ خشک کھجوروں کا خریدار کھجوریں قبضہ لے لے گا اور درخت کی کھجوریں خریدار کے حوالے کردے گا کہ وہ جب چاہے توڑ سکتا ہے، اگر اس سے پہلے دونوں جدا ہو جائیں تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: عرایا یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کو ایک یا دو کھجوروں کا پھل کھانے کے لیے دے دے، پھر اس کے آنے سے اس کو تکلیف پہنچے تو وہ آدمی اس سے وہ درخت خشک کھجوروں کے عوض واپس خرید لے۔

سفیان حسین کہتے ہیں: عرایا ان کھجوروں کو کہا جاتا ہے جو مساکین کو ہبہ کی جاتی ہیں، پھر وہ مساکین ان کے پکنے کا انتظار نہیں کر سکتے تو انہیں رخصت دی گئی ہے کہ وہ جیسے چاہیں خشک کھجوروں کے بدلے انہیں بیچ دے۔

امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک عرایا کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ سے کچھ کھجوروں کا پھل عاریۃ دے دے، پھر مناسب سمجھتے ہوئے اسے باطل کردے اور اس کی جگہ اسے خشک کھجوریں دے دے۔

لیکن حدیث اس مفہوم کی تردید کرتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے: مگر آپ نے عریہ کی اجازت دی ہے کہ ان درختوں کا اندازہ کر کے انہیں خشک کھجوروں کے عوض بیچ دیا جائے۔ اور جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مفہوم بیان کیا ہے یہ بیع نہیں ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عرایا کا استثناء آپ نے مزابنہ سے کیا ہے اور مزابنہ تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے بدلے بیع کو کہتے ہیں اور مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ جنس بظاہر ایک ہی ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں میں نے محمود بن لبید سے پوچھا یا محمود بن لبید نے کسی صحابی غالباً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تم عرایا کسے کہتے ہو؟ تو انہوں نے چند غریب انصاری صحابہ کا نام لیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا کہ کھجوریں آتی ہیں تو ہمارے پاس نقد رقم نہیں ہوتی کہ جس سے ہم کھجوریں خرید کر لوگوں کے ساتھ کھا سکیں جبکہ لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کھجوریں ہوتی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ وہ ان کھجوروں کے بدلے جو ان کے پاس ہیں درختوں پر لگی کھجوریں اندازے سے خرید کر کھا لیں۔

(21)......بَابُ قَدْرِ الْعَرِيَّةِ

عرایا کی مقدار

(٢٠٧٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى بْنِ أَبِي أَحْمَدَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا، فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ يَشُكُّ دَاوُدُ فِي خَمْسَةٍ أَوْ دُونَ خَمْسَةٍ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ وسق یا اس سے کم میں اندازہ کر کے خشک کھجوروں سے تازہ کھجوروں کو بیچنے کی اجازت فرمائی ہے، داؤد بن حصین کو شک ہے کہ آپ نے پانچ کہا تھا یا پانچ سے کم کہا تھا۔

شرح اس حدیث کو امام بخاری نے یحییٰ بن قزعہ سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ (عریہ سے مراد) تر کھجوروں کے بدلے خشک کھجوروں کی بیع کی رخصت ہے اور جو تفسیر اصحاب الرائے نے بیان کی ہے اس میں تو کوئی ممانعت ہے ہی نہیں کہ رخصت کی ضرورت پڑتی۔ بیع عرایا پانچ وسق سے کم میں جائز ہے اس سے زائد میں جائز نہیں ہے۔ اگر پورے پانچ وسق ہوں تو امام شافعی کہتے ہیں میرے نزدیک بیع فسخ نہیں ہوگی، مزنی کہتے ہیں: اصل کا لحاظ رکھتے ہوئے بیع فسخ ہوگی کیونکہ اس میں شک ہے اور تر کھجوروں کی خشک کھجوروں کے عوض بیع کا بالاصل حرام ہونا یقینی ہے چنانچہ اس میں صرف وہی چیز حلال ہوگی جس کی اجازت رسول اللہ ﷺ سے یقینی ثابت ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہی بات درست ہے کیونکہ حدیث جابر میں چار وسق کا تذکرہ ہے۔

(اسنادہ حسن، مسند احمد: ١٤٩١١)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ رخصت پانچ وسق سے کم میں ہے۔

فائدہ: مسند احمد کی مکمل حدیث یوں ہے: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَذِنَ لِأَصْحَابِ الْعَرَايَا أَنْ يَبِيعُوهَا بِخَرْصِهَا يَقُولُ الْوَسْقَ وَالْوَسْقَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ وَالْأَرْبَعَةَ ......سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے خود سنا، جب رسول اللہ ﷺ نے بیع عرایا کرنے والوں کو اندازے سے یہ بیع کرنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے ایک، دو، تین اور چار وسق کا ذکر کیا۔ (م،م)

(٢٠٧٦) أخرجه البخاري: ٢١٩٠، ٢٣٨٢، ومسلم: ١٥٤١.

جس طرح کھجوروں میں بیع عرایا جائز ہے اسی طرح انگوروں میں بھی جائز ہے، رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ یعنی خشک کھجوروں کے بدلے تازہ کھجوروں کی بیع سے منع کیا ہے، صرف عرایا والوں کو اجازت دی ہے۔ اسی طرح منقے کے عوض انگور کی بیع نیز تمام پھلوں کی اندازے سے بیع کرنا آپ نے منع قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم الی قوله: فانه قد اذن لهم فيه: ١٥٤٠، ترمذی: ١٣٠٣)

(22)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُو اصَلَاحُهَا
پکنے سے پہلے پھل بیچنا منع ہے

(٢٠٧٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ، وَالْمُشْتَرِيَ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پختہ ہونے سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع کیا ہے آپ نے بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا تھا۔

شرح اسے امام بخاری نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

ایوب نافع سے بیان کرتے ہیں کہ سرخ ہونے سے پہلے کھجوروں کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے اور سفید ہونے سے پہلے بالی کی تجارت سے منع کیا گیا ہے جب تک کہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائے۔ (صحیح مسلم: ١٥٣٥)

(٢٠٧٨)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ......

أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((لا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاحُهُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے، ''پھل اس وقت تک نہ بیچو جب تک اس کا پکا ہونا کھل نہ جائے۔''

(٢٠٧٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ،

(٢٠٧٧) أخرجه البخاري: ٢١٩٤، ومسلم: ١٥٣٤.

(٢٠٧٨) أخرجه البخاري: ١٤٨٦، ٢١٨٣، ومسلم: ١٥٣٤.

(٢٠٧٩) أخرجه البخاري: ٢١٩٣.

أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سُرَاقَةَ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تَذْهَبَ الْعَاهَةُ، قَالَ عُثْمَانُ: فَقُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ: مَتَى ذَلِكَ؟ قَالَ: طُلُوعُ الثُّرَيَّا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے یہاں تک کہ آفات کا خطرہ ختم ہو جائے، عثمان کہتے ہیں، میں نے عبداللہ سے پوچھا، یہ کب ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا: جب ثریا طلوع ہوگا۔

شرح ”الْعَاهَة“ سے مراد وہ آفات اور بیماریاں ہیں جو پھلوں اور فصلوں کو خراب کر دیتی ہیں، جب کسی قوم کے جانوروں یا پھلوں کو بیماری وغیرہ لگ جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ”اَعَاهَ الْقَوْمُ“

(٢٠٨٠)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ......

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ، فَقِيلَ: وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ: حَتَّى تَحْمَرَّ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ، فَبِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ۔))

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکنے سے پہلے پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا ہے، آپ سے پوچھا گیا کہ پکنے کی کیا علامت ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب سرخ ہو جائے نیز فرمایا: ”بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے تو کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال لیتا ہے۔“

شرح متفق علیہ، اسے امام بخاری نے عبداللہ بن یونس سے اور امام مسلم نے ابوالطاہر سے روایت کیا ہے۔

(٢٠٨١)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنِ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ ح وأنا أَبُو صَالِحٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُؤَذِّنُ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَحَامِلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الشَّافِعِيُّ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَهلِ بْنِ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ......

(٢٠٨٠) أخرجه البخاري: ٢١٩٥، ٢١٩٨، ومسلم: ١٥٥٥.

(٢٠٨١) انظر الحديث السابق.

عَـنْ أَنَـسِ بْـنِ مَالِكٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَـلَّـى الـلّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ حَتَّـى يَـزْهُـوَ، قُلْنَا: مَا هُوَ زَهْوُهُ؟ قَالَ: حَتَّى يَـحْـمَـرَّ، قَـالَ أَنَـسٌ: أَرَأَيْـتَ لَوْ مَنَعَ اللّٰـهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ؟۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''زہو'' سے پہلے کھجوروں کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے، ہم نے پوچھا: ''زہو'' کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''سرخ ہونے کو۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے تو تو کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال حلال کرتا ہے؟

شرح یہ حدیث صحیح ہے، ابن الاعرابی کہتے ہیں: ''زھـا الـنـخل'' اس وقت بولا جاتا ہے جب پھل لگتا ہے، اور جب سرخ یا زرد ہو جائے تو ''ازھی'' کا لفظ بولا جاتا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھجور کے لیے ''یزھو'' غلط ہے، صحیح لفظ ''یزھی'' ہے۔

(۲۰۸۲)۔ أَخْبَـرَنَـا أَحْـمَـدُ بْـنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ بَكْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُزَنِيُّ، أَخْبَـرَنَـا أَبُـو بَـكْـرٍ مُـحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَفِيدُ الْعَبَّاسِ بْنِ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ الْبَجَلِيُّ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ......

عَـنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَزْهُوَ، وَعَنْ بَيْعِ الْعِـنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ ہونے سے پہلے کھجور کی بیع، سیاہ ہونے سے پہلے انگور کی بیع اور سخت ہونے سے پہلے دانے کی بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

شرح امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، اس کو مرفوع بیان کرنے والے حماد بن سلمہ ہی ہمارے ہاں معروف ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: صحابہ کرام کا عمل اسی حدیث پر ہے کہ پکنے سے پہلے درخت پر لگے پھلوں کی بیع مطلقاً جائز ہے۔ عبداللہ بن عباس، جابر، ابو ہریرہ، زید بن ثابت، ابو سعید خدری اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں روایات مروی ہیں۔ امام شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ کمزور اور چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان پر بیماریوں کے حملہ آور ہونے اور ان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، جب پھل ہی ضائع ہو جائے گا تو خریدار کو ادا شدہ قیمت کا کوئی بدل نہیں ملے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے ''بھلا بتا تو سہی کہ اگر اللہ تعالیٰ روک دے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کیوں لیتا ہے۔'' آپ نے بیچنے والے کو اس سے منع کیا ہے تاکہ وہ خریدار کا مال بدلے میں کوئی چیز اس

(۲۰۸۲) صحیح ...... أخرجه ابو داود: ۳۳۷۱، والترمذی: ۱۲۱۸، وابن ماجه: ۲۲۱۷.

کے سپرد کیے بغیر نہ لے، اور خریدار کو اس لیے منع کیا ہے کہ اس میں خطرہ اور مالی نقصان ہے، البتہ اگر وہ کاٹنے کی شرط لگا کر بیچتا ہے تو بالاتفاق بیع درست ہوگی کیونکہ کاٹنے سے آفات میں مبتلا ہونے کا خطرہ ختم ہو جائے گا، پکنے کے بعد اس کی بیع کرنا مطلقاً جائز ہے کیونکہ بڑا ہو جانے اور گٹھلیوں کے پک جانے کی وجہ سے عام طور پر وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور کٹائی کے وقت تک درست رہتا ہے۔

کھجوروں میں پکنے کی علامت یہ ہے کہ وہ گدر (نیم پختہ) ہو جائیں۔

یعنی سرخ اور سیاہ نشانات دیکھے جائیں، اور آڑو، امرود، خوبانی اور سیب میں پکنے کی علامت یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائیں اور تربوز میں یہ ہے کہ پکنے کی علامات دکھائی دینے لگیں، اور کھیرا، ککڑی وغیرہ میں یہ ہے کہ وہ اتنے بڑے ہو جائیں کہ توڑنے کے قابل ہو جائیں۔

اگر باغ کا کچھ حصہ پک چکا ہو اور سارا باغ ایک ہی جنس کا ہو تو اس کی بیع جائز ہے اور اگر جنس مختلف ہو مثلاً انگور اور کھجور کا باغ ہو اور کھجوریں تو پک چکی ہوں مگر انگور نہ پکے ہوں تو جو جنس پکی نہیں اس میں کٹائی کی شرط لگانا ضروری ہے۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ پھلوں کی بیع مطلقا جائز ہے خواہ پھل پکے ہوں یا نہ پکے ہوں جبکہ کاٹنے کا حکم لگایا گیا ہو اور اگر باقی رکھنے کی شرط لگائی گئی ہو تو دونوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے، اور دونوں حالتوں میں فرق کرنے والی حدیث اس کی دلیل ہے۔

اگر درختوں سمیت پھل بیچ دیا جائے تو بیع مطلقاً جائز ہوگی خواہ پھل پک چکا ہو یا کچا ہو، کیونکہ پھل درخت کے تابع ہے۔

اسی طرح کاٹنے کی شرط کے بغیر دانوں کے سخت ہونے سے پہلے کھیتی کو بیچنا جائز نہیں، اگر زمین سمیت بیچ دے تو جائز ہے۔ دانے سخت ہونے کے بعد کھیتی کی بیع کرنے میں اگر تو کھیتی کے دانے سامنے نظر آ رہے ہوں جیسے جو ہوتے ہیں تو بیع جائز ہے اور اگر دانے سامنے نظر نہ آتے ہوں جیسے گندم اور مکئی وغیرہ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ مقصود یعنی دانے تو نظر نہیں آ رہے کہ کون سا پکا ہے اور کونسا کچا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے۔

ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے جیسے اخروٹ اور بادام کو نیچے والے چھلکے سمیت بیچنا جائز ہے، امام مالک اور اصحاب الرائے کا مذہب یہی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اخروٹ اور بادام کو اوپر والے چھلکے سمیت بیچنا جائز نہیں۔

حدیث میں: "حَتّٰی یَحْمَرَّ وَحَتّٰی یَسْوَدَّ" کے الفاظ ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے "یَبْدُوَ صَلَاحُهٗ، حُمْرَتُهٗ وَصُفْرَتُهٗ۔" اس کی صلاحیت یعنی سرخی یا زردی واضح ہو جائے۔

یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ پھل پکنے کے موسم کا اعتبار نہیں بلکہ پھلوں میں پکنے کی کیفیت کے ظاہر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ جبکہ بعض علماء موسم کا اعتبار کرتے ہیں کہ جب پھل پکنے کا موسم آجائے تو اس وقت اس کی بیع جائز ہے (خواہ پھل پکا ہے یا کچا ہے) ان کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک پھلوں کو بیچنے سے منع کیا ہے جب تک بیماری کا خطرہ ٹل نہ جائے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: پکنے کی کیا علامت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: جب ثریا طلوع ہو جائے۔ (دیکھیں حدیث نمبر ۲۰۷۹) پہلے علماء کے نزدیک اس سے مراد پکنے کی حقیقت بیان کرنا ہے۔ اس کی دلیل مذکورہ احادیث ہیں، پکنے کی حقیقت کو ثریا سے منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ثریا ستارہ طلوع ہونے کے بعد ہی پھل پکتے ہیں۔ عسل بن صفوان عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے اور زمین میں کوئی آفت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ اس آفت کو ختم کر دیتا ہے۔'' (حسن، مسند احمد: ۹۰۲۷) عسل بن صفوان کی کنیت ابو قرہ یربوعی ہے، یہ اہل بصرہ میں سے ہیں، ان کی ثقاہت محل نظر ہے۔

اس حدیث سے وہ لوگ بھی دلیل لیتے ہیں جن کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال کو فروخت کرنا اور کسی دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پکنے کے بعد پھلوں کی بیع کی اجازت دی ہے اور زکوٰۃ کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں کی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) بیع باطل ہے۔

(۲) بیع صحیح ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے۔

(۳) زکوٰۃ کے بقدر حصہ کی بیع باطل ہے اور باقی حصہ میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے خواہ بیع کو برقرار رکھے خواہ فسخ کر دے۔

اگر کوئی آدمی کھیرے، خربوزے یا ککڑیوں کو پکنے کے آثار ظاہر ہونے کے بعد بیچ دے تو جائز ہے اور ان کو چھوڑ دے تا کہ چھوٹے بھی بڑے ہو جائیں البتہ بیع کے بعد جو پھل لگے گا وہ بیچنے والے کا ہو گا، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھل ختم ہونے تک جو جتنا پھل بھی لگے گا وہ خریدار کا ہی ہو گا۔

(23)......بَابُ وَضْعِ الْجَائِحَةِ

آفت آنے کی وجہ سے خریدار کو قیمت معاف کر دینا

(۲۰۸۳)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ،

(۲۰۸۳) أخرجه البخاري: ۲۱۸۹، ومسلم: ۱۵۳۶.

أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيقٍ ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ السِّنِينَ ، وَأَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سالوں کی اکٹھی بیع کرنے سے منع کیا ہے اور آفتوں کو منہا کرنے کا حکم دیا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے بشر بن حکم اور عمرو الناقد سے روایت کیا ہے۔

"الجوائح" ان آفات کو کہتے ہیں جو پھلوں کو لگتی ہیں اور انہیں تباہ کر دیتی ہیں، جب کسی آدمی کو پریشانی آئے تو کہا جاتا ہے: "جاحهم الدهر وأجاحهم الزمان" یعنی زمانے نے ان کو مصیبت میں ڈال دیا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، یعنی اگر کوئی آدمی درخت پر لگا ہوا پھل بیچتا ہے پھر اس پر کوئی آفت آن پڑتی ہے تو بیچنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ خریدار سے رقم وصول نہ کرے لیکن واجب نہیں، امام شافعی اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے: "جب اللہ تعالیٰ نے پھل روک لیا ہے تو تم اپنے بھائی کا مال کیوں لے رہے ہو؟" اگر آفات کو منہا کرنا لازم ہوتا تو بائع اپنے بھائی کا مال نہ لے سکتا۔

محدثین کی ایک جماعت، امام احمد، ابوعبید اور امام شافعی کا پرانا قول یہ ہے کہ آفتوں کو معاف کرنا لازم ہے اور اس کے نقصان کا ذمہ دار بیچنے والا ہی ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا، کیونکہ دستبردار ہونے سے حوالگی نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک پھل توڑا نہیں جائے گا باغ کو پانی پلانے کی ذمہ داری مالک پر ہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر نقصان تہائی یا اس سے زائد ہے تو معاف کیا جائے گا اگر کم ہے تو نہیں کیا جائے گا۔ اس کا ذمہ دار خریدار ہی ہوگا۔ اگر خریدار اور بیچنے والے کی علیحدگی سے پہلے کوئی آفت آن پڑے تو بالاتفاق بیچنے والا ہی ذمہ دار ہوگا، اسی طرح جو چیز بھی خریدار کے حوالے کرنے سے پہلے پہلے بیچنے والے کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جائے گی اور بیچنے والے کو قیمت واپس کرنا پڑے گی بعض نے اس حدیث کو اسی صورت پر محمول کیا ہے۔

(24)......بَابُ بَيْعِ الشَّجَرَةِ الْمُثْمِرَةِ

پھل دار درخت بیچنا

(٢٠٨٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ......

(٢٠٨٤) أخرجه البخاري: ٢٢٠٤ ، ٢٢٠٦ ، ٢٣٧٩ ، ومسلم: ١٥٤٣ .

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّمَ قَالَ: ((مَنْ بَاعَ نَخْلا قَدْ أُبِّـرَتْ، فَثَـمَـرُهَـا لِـلْبَائِعِ إِلا أَنْ يَشْتَرِطَـهُ الْمُبْتَاعُ.))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کسی نے کھجور کے ایسے درخت بیچے ہوں جن کو پیوندی کیا جاچکا تھا تو اس کا پھل بیچنے والے ہی کا رہتا ہے، البتہ اگر خریدنے والے نے شرط لگا دی ہو (تو پھل بھی خریدار کی ملکیت میں آجائیں گے)

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

پیوند لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کھجور کا خوشہ پھٹ جاتا ہے تو اس میں نر کھجور کے خوشے کا کچھ حصہ ڈال دیا جاتا ہے تو اس طرح اللہ کے حکم سے پھل بہتر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ جمہور علماء کا عمل اس بات پر ہے کہ جب پیوندی کھجور بیچی جائے تو مطلق بیع میں پھل شامل نہیں ہوگا الا یہ کہ درخت کے ساتھ پھل بھی سودے میں شامل ہو لیکن اگر خوشے پھٹے نہ ہوں تو پھل بھی ٹہنیوں کی طرح مطلق بیع میں شامل ہوگا، امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے، اگر خوشے پھٹ گئے ہوں لیکن پیوند نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی پیوندی کی طرح مطلق بیع میں شامل نہیں ہوں گے، کیونکہ خوشہ پھٹنے سے پھل واضح ہو جاتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی حاملہ لونڈی کی بیع کرتا ہے تو حمل بھی بیع میں شامل ہوگا لیکن اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ مطلق بیع میں شامل نہیں ہوگا۔ اگر کوئی آدمی کھجوروں کے درخت بیچتا ہے جن میں سے بعض پیوندی ہیں اور بعض خوشے ہیں تو سارا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا۔

حجاز کی کپاس کو اگر بوروں سمیت بیچا جائے تو اس کا حکم بھی کھجور والا ہی ہے کیونکہ وہ بھی اس درخت کی مانند ہے جو کئی سالوں تک پھل دیتا رہتا ہے، اگر بیع ڈوڈی کھلنے کے بعد ہوگی تو وہ بیچنے والے کا حق ہے اور اگر ڈوڈی کھلنے سے پہلے ہوگی تو بھی بیع میں شامل ہوگی، خراسان کی کپاس فصل کے حکم میں ہے کیونکہ وہ ایک سال سے زائد نہیں رہتی، اگر ڈوڈی بننے سے پہلے یا ڈوڈی بننے کے بعد لیکن کپاس مکمل ہونے سے پہلے بیچے تو وہ خریدار کی ہوگی الا یہ کہ مالک اسے کاٹنے کی شرط لگالے، لیکن اگر کپاس مکمل ہونے کے بعد ڈوڈی کھلنے سے پہلے بیچے تو بیع درست نہیں، جیسے اخروٹ کو اوپر والے چھلکے میں بیچنا درست نہیں، لیکن اگر کپاس کھل جائے تو مطلقاً اس کی بیع جائز ہے لیکن ڈوڈی بیع میں شامل ہوگی کیونکہ خریدار کا مقصد تو وہی ہے بخلاف کھجور کے پھل کے وہ بیع میں شامل نہیں ہوگا کیونکہ وہاں مقصود درخت ہے جو اگلے سال پھل دے گا۔

گلاب کا پودا بھی کھجور کے حکم میں ہے اگر اسے ڈوڈی کھلنے سے پہلے بیچا جائے تو وہ بیع میں شامل ہوگی لیکن اگر ڈوڈی کھلنے کے بعد بیچا جائے تو شرط لگائے بغیر وہ بیع میں شامل نہیں ہوگی۔ اگر کچھ پھول کھل چکے ہیں اور کچھ نہیں کھلے تو

جو پھول کھل چکے ہیں وہ مالک کے ہوں گے اور جو نہیں کھلے وہ خریدار کے ہوں گے بخلاف کھجور کے پھل کے کہ اگر اس کا کچھ حصہ پیوند شدہ ہو تو سارا پھل مالک کا ہوگا۔

کیونکہ گلاب کا جو پھول کھل جاتا ہے اسے باقیوں کے کھلنے تک چھوڑا نہیں جا سکتا، چنانچہ پھلوں کے درخت اگر پھل لگنے سے پہلے بیچے جائیں تو پھل خریدار کا ہوگا اور اگر پھل لگنے کے بعد بیچے جائیں تو پھل مالک کا ہوگا الا یہ کہ خریدار ان کو بھی خرید لے البتہ کلیاں نکل آنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ اگر کھجور کے درختوں کی مطلق بیع ہو تو کھجور کے خوشے بغیر شرط لگائے بیع میں شامل نہیں ہونگے، جیسا کہ زمین کی مطلق بیع میں فصل شامل نہیں ہوتی۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: پیوند شدہ کھجور مطلق بیع میں شامل ہوگی۔ مذکورہ حدیث اس آدمی کے خلاف حجت ہے جو کہتا ہے کہ پیوند شدہ پھل کھجوروں کی مطلق بیع میں شامل ہوگا اور اس کا مفہوم مخالف اس شخص کے خلاف حجت ہے جو کہتا ہے کہ خوشے (جو پیوند شدہ نہ ہوں) بیع میں شامل نہیں، اگر کوئی آدمی زمین بیچتا ہے تو درخت اور عمارت وغیرہ پر وہ چیز جو غیر منقول اور دائمی ہو بیع میں شامل ہوگی الا یہ کہ مالک کسی چیز کو مستثنیٰ کرلے اور منقولات، خزانے اور دفینے وغیرہ جو چیزیں دائمی نہیں وہ بیع میں شامل نہیں ہوں گی اسی طرح فصل بھی بیع میں شامل نہیں ہوگی، جو فصل ظاہر ہوگی وہ کاٹ لی جائے گی اور جڑیں بیع میں شامل ہوں گی۔

(25)......بَابُ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ
جو شخص مال دار غلام کو بیچ دے

(٢٠٨٥)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ......

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ بَاعَ عَبْدًا، وَلَهُ مَالٌ، فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ، إِلا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔))

سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مالدار غلام کو بیچا تو مال بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا شرط لگا لے (تو پھر اس کو ملے گا)۔''

(٢٠٨٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ......

(٢٠٨٥) أخرجه البخاري: ٢٣٧٩، ومسلم: ١٥٤٣.

(٢٠٨٦) انظر الحديث السابق.

عَـنْ سَـالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ بَاعَ نَخْلا بَعْدَ أَنْ تُـؤَبَّـرَ، فَثَمَـرَتُهَـا لِلْبَـائِعِ إِلا أَنْ يَشْتَـرِطَ الْمُبْتَاعُ.))

سالم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے پیوند لگانے کے بعد کھجور کے درخت بیچے تو ان کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا الا یہ کہ خریدنے والا شرط لگالے۔‘‘

شرح ان دونوں روایات کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے قتیبہ سے بیان کیا ہے نیز امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے بھی روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں وضاحت ہے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا خواہ مالک اسے ملکیت عطا بھی کردے کیونکہ وہ خود مملوک ہے اور اس کی حیثیت ایک جانور کی سی ہے۔

باقی رہا ”ولــه مـال“ میں مال کی اس طرف نسبت مجازی ہے ملکیت والی نہیں ہے جیسے زین کی نسبت گھوڑے کی طرف کرنا اور بکری کی نسبت چرواہے کی طرف کرنا، اس کی دلیل آپ کا یہ فرمان ہے ”فـمـالـه لـلـبـائع“ وہ مال بیچنے والے کا ہی ہوگا، آپ نے مال کی نسبت غلام اور بائع کی طرف کی ہے حالانکہ ایک ہی وقت میں ایک چیز کی بالکلیہ دو آدمیوں کی ملکیت نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ غلام کی طرف نسبت مجازی ہے اور آقا کی طرف حقیقی، امام شافعی اور اصحاب الرائے کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: آقا اگر غلام کو مال دے اور وہ قبول کرلے تو وہ مالک بن جاتا ہے، امام حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے تاہم دونوں مذاہب میں اگر مالک غلام کو بیچ دے اور اس کے نام کوئی مال وغیرہ ہوتو وہ مال بیع میں شامل نہیں ہوگا الا یہ کہ مال بھی ساتھ ہی بیچ ڈالے۔ پھر مال ساتھ بیچنے کی صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مال کا معین اور معلوم ہونا ضروری ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بیع درست ہے خواہ مال مجہول ہو بلکہ کسی کے پاس بطور قرض ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ غلام کی بیع کے تابع ہے، جیسے بکری کے پیٹ میں بچے اور دودھ کی بیع مجہول ہوتی ہے لیکن اس کے تابع ہوتی ہے، لیکن اگر وہ مال بچے یا دودھ کی طرح ہوتا تو اصل (غلام) کی مطلق بیع میں شامل ہوتا جب وہ بیع میں شامل نہیں تو ثابت ہوا کہ مال غلام کے تابع نہیں بلکہ الگ مقصود ہے چنانچہ معلوم ہونا شرط ہے۔

حسن اور نخعی کہتے ہیں: جس نے ایسی لونڈی خریدی جسے سجایا گیا تھا تو لونڈی پر موجود زیورات وغیرہ خریدار کو ملیں گے الا یہ کہ بیچنے والا ان کو مستثنیٰ کرلے، اسی طرح اگر کوئی آدمی غلام آزاد کرلے جس کے پاس مال ہوتو مال آزاد کرنے والے کو ملے گا، نخعی، زہری اور مالک رحمہم اللہ کہتے ہیں: جب مالک آزاد کردے تو مال غلام کا ہی ہوگا خواہ شرط نہ بھی لگائے، ان کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو آدمی غلام آزاد کرے جس کے پاس مال ہوتو مال غلام کا ہی ہوگا الا یہ کہ مالک شرط لگالے۔‘‘ (صحیح، ابوداود: ۳۹۶۲، ابن ماجه: ۲۵۲۹)

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مال آقا کو ملے گا جیسا کہ بیچتے وقت مال غلام کے تابع نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث استحباب پر محمول ہوگی، یعنی غلام کو آزاد کرنا جس طرح مالک کی طرف سے غلام پر احسان اور نیکی ہے تو چاہیے کہ مالک اس نیکی کو پورا کرنے کے لیے وہ مال بھی غلام کو ہی دے دے جو غلام کے پاس موجود ہے، اور مالکوں کی یہی عادت ہے کہ جب وہ غلام کو آزاد کرتے ہیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور ان کا مال ان سے نہ لینا یہ بھی حسن سلوک ہے۔

جن لوگوں کے نزدیک مال غلام کی ملکیت نہیں ان کے نزدیک غلام مال کو چھپا نہیں سکتا اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق جائز ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ سعید بن مسیّب اور سلیمان بن یسار سے بھی جواز ہی منقول ہے۔

(26)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ مَااشْتَرَاهُ قَبْلَ الْقَبْضِ
قبضے میں لیے بغیر خریدی ہوئی چیز بیچنا ممنوع ہے

(٢٠٨٧)۔ أَخْبَرَنَاأَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا، فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص غلہ خریدے تو وہ اسے پورا کیے بغیر آگے نہ بیچے۔''

شرح: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے قعنبی اور یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

(٢٠٨٨)۔ أَخْبَرَنَاأَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ، فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَأْمُرُنَا بِنَقْلِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي ابْتَعْنَا فِيهِ إِلَى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ أَنْ نَبِيعَهُ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ خریدا کرتے تھے تو آپ ہم پر ایک آدمی مقرر کر دیتے جو ہمیں بیچنے سے پہلے اس جگہ سے کسی اور جگہ غلہ منتقل کرنے کا حکم دیتا۔

(٢٠٨٧) أخرجه البخاري: ٢١٢٦، ٢١٣٣، ومسلم: ١٥٢٦ .

(٢٠٨٨) أخرجه البخاري: ٢١٢٣، ومسلم: ١٥٢٧ .

شرح اس حدیث کوامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن منذر سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے نقل کیا ہے۔

(٢٠٨٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ……

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَمَّا الَّذِي نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُبَاعَ حَتَّى يُسْتَوْفَى۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِرَأْيِهِ: وَلا أَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ إِلا مِثْلَهُ۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس چیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے وہ غلہ ہے جسے پورا کرنے سے پہلے ہی فروخت کردیا جائے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال یہ ہے کہ ہر چیز کا یہی حکم ہے۔

شرح اس حدیث کوامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن عبداللہ سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی عمر سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: غلے کے متعلق تو علماء کا اتفاق ہے کہ قبضے میں لیے بغیر آگے بیچنا جائز نہیں جبکہ باقی اشیاء میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شافعی اور محمد بن حسنؒ کے نزدیک کوئی چیز بھی قبضے میں لیے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں خواہ غلہ ہو یا سامان ہو یا زمین ہو، ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں: زمین کو قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے اور منقولات کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اشیائے خوردنی کے علاوہ باقی اشیاء کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا جائز ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ ماپی تولی جانے والی اشیاء کے علاوہ باقی چیزوں کو قبضے میں لیے بغیر بیچنا جائز ہے۔ سعید بن مسیّب، حسن بصری، حکم، حماد، اوزاعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: جس طرح قبضہ میں لیے بغیر چیزوں کو بیچنا ناجائز ہے اسی طرح اجرت (کرایہ) پر دینا بھی ناجائز ہے اور اس ممانعت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ بیچنے والے کو بیچے یا کسی اور کو بیچے۔

اگر لونڈی کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی شادی کردے تو جائز ہے۔

اسی طرح اگر وہ لونڈی کو آزاد کردے تو یہ بھی درست ہے اور آزادی کو قبضہ ہی سمجھا جائے گا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ اسے ہلاک کردے کیونکہ آزادی غلامی کی ہلاکت ہے۔

قبضہ میں لیے بغیر ہبہ کرنے اور رہن رکھنے میں اختلاف ہے، بعض نے اسے مندرجہ ذیل حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔

(٢٠٨٩) أخرجه البخاري: ٢١٣٥، ومسلم: ١٥٢٩.

(۲۰۹۰)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، قَالَ: وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ نا سُفْيَانُ ، حَدَّثَنَا عَمْرٌو......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ ، فَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ ، فَكَانَ يَغْلِبُنِي ، فَيَتَقَدَّمُ أَمَامَ الْقَوْمِ ، فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ ، وَيَرُدُّهُ ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ ، فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ ، وَيَرُدُّهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ: ((بِعْنِيهِ)) فَقَالَ: هُوَ لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ: ((بِعْنِيهِ)) فَبَاعَهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ تَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتَ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اڑیل اونٹ پر سوار تھا جو مجھ سے قابو نہیں ہو رہا تھا اور لوگوں کے آگے آگے چل رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے ڈانٹ کر پیچھے کرتے تو وہ پھر آگے ہو جاتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پھر ڈانٹ کر پیچھے کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ مجھے بیچ دو، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول یہ آپ کا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے بیچ دو، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ اونٹ آپ کا ہو گیا اسے جیسے مرضی چاہو کرو۔''

شرح: یہ حدیث صحیح ہے، یہ حدیث دلیل ہے کہ فروخت شدہ چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے ہبہ کرنا جائز ہے نیز قبضہ کا طریق بھی اشیاء کے لحاظ سے الگ الگ ہے مثلاً غیر منقول اشیاء جیسے مکان، زمین، درخت وغیرہ کے قبضے کا طریقہ یہ ہے کہ بائع انہیں خریدار کے حوالے کر دے اور اس میں مداخلت نہ کرے اور منقول اشیاء اگر ہلکی پھلکی ہوں تو ان کے قبضے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ میں پکڑ لے، اگر حیوان ہے تو اسے مانگ لے جائے اور اگر غلہ وغیرہ ہے تو جائے خرید سے منتقل کر لے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ غلے کا ڈھیر خریدتے تھے اور اپنے گھر منتقل کرنے سے پہلے اگر وہ اسے بیچ ڈالتے تو انہیں اس بات پر سزا دی جاتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۱۳۷، صحیح مسلم: ۱۵۲۷)

امام صاحب فرماتے ہیں: اگر چیز ماپ یا تول کر خریدی ہو تو قبضہ یوں ہوگا کہ اسے ماپ تول کر وہاں سے منتقل کر لے۔ اگر اندازے سے قبضہ کرے گا تو اس کا قبضہ فاسد شمار ہوگا اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا اور جب تک بائع اسے

(۲۰۹۰) أخرجه البخاري: ۲۱۱۵، ۲۶۱۰ .

تول یا ماپ کر نہ دے وہ اس میں تصرف نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر خریدا تول کر لیکن قبضہ ماپ کر کیا یا خریدا ماپ کر اور قبضہ تول کر کیا تو بھی اس کا قبضہ فاسد شمار ہوگا۔

اگر کسی نے ماپ کر غلہ خریدا اور اسے قبضہ میں لینے کے بعد کسی اور کو ماپ کر فروخت کر دیا تو پہلی پیمائش معتبر نہ ہوگی بلکہ خریدار کو دوبارہ ماپ کر دینا پڑے گا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو بیچے تو ماپ کر دے اور جب تک تو خریدے تو ماپ کر لے۔'' (صحیح، ابن ماجه: ٢٢٣٠)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اس وقت تک غلہ بیچنے سے منع کیا ہے جب تک اس میں لینے اور دینے والے دونوں کے صاع چل نہ جائیں یعنی جب دونوں اسے ماپ نہ لیں۔ (حسن، ابن ماجه: ٢٢٢٨) حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، شافعی، احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے اسی کے قائل ہیں البتہ عطاء کے نزدیک پہلے ماپ پر اعتبار کر کے ہی بیچ ڈالنا جائز ہے خواہ سودا نقد ہو یا ادھار ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر سودا نقد ہے تو پہلے ماپ پر اعتبار کرنا جائز ہے اور اگر ادھار ہے تو پھر جائز نہیں ہے۔

اس کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کو غلہ ادھار دیتا ہے جبکہ اس نے خود کسی سے وہ غلہ ادھار لیا ہے، لینے والے کو وہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے غلہ وصول کر لو جس سے میں نے لیا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں حتی کہ مالک اس کو قبضے میں لے پھر دوبارہ ماپ کر دے، اگر وہ کوئی چیز تول کر لیتا ہے اور اسے قبضہ میں لینے کے بعد تول کر آگے بیچ دیتا ہے تو دوسرے خریدار کے لیے جائز ہے کہ پہلے وزن پر اعتماد کر کے لے لے کیونکہ وزن بدلتا نہیں جبکہ ماپ ایک قسم کا اجتہاد ہے بسا اوقات دو ماپوں کے درمیان تفاوت آجاتا ہے چنانچہ اگر ماپ کر لے اور قبضہ میں لینے کے بعد آگے ماپ کر ہی بیچ دے تو دوبارہ ماپنا ضروری ہے، اگر بڑھ جائے تو وہ بائع ثانی کا ہوگا اور اگر کم ہو جائے تو اسے پورا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ سماک بن حرب، سعید بن جبیر سے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں بقیع (کی منڈی) میں اونٹ بیچا کرتا تھا چنانچہ دیناروں میں سودا کر کے درہم لے لیتا اور کبھی درہموں میں سودا کر کے ان کی جگہ دینار لے لیتا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک تم علیحدہ نہیں ہو جاتے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو تو موجودہ قیمت کے مطابق لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

(ضعیف، ابوداود: ٣٣٥٤، ترمذی: ١٢٤٢، نسائی: ٤٥٩٦، ابن ماجه: ٢٢٦٢)

یہ روایت صرف اسی سند سے مرفوع بیان ہوئی ہے، جن علماء کے نزدیک خریدی ہوئی چیز قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ان کا عمل اسی حدیث پر ہے وہ کہتے ہیں: درہم و دینار کے بدلے بیچی ہوئی چیز کو ایک دوسرے سے تبدیل کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح قرض سے بدلنا جائز ہے، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

نیز فرمان نبوی: ''مَالَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ'' کی بنا پر انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ تبدیل ہونے والی چیز

کومجلس میں ہی قبضے میں لینا ضروری ہے خواہ وہ ایسی چیز سے بدلے جو علت ربا میں اس کے موافق ہو یا نہ ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ ایسی چیز سے بدلے جو علت ربا میں اس کے موافق نہیں تو پھر اسے دوران مجلس قبضہ میں لینا ضروری نہیں تاہم نبی ﷺ نے جو شرط لگائی ہے کہ جدا ہوتے وقت ان میں کوئی چیز موجود نہ ہو تو یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں (درہم و دینار) کرنسی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں نیز دونوں علت ربا میں موافق ہیں، اور کرنسی (نقدی) کا آپس میں بیچنا قبضے سے مشروط ہے۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابن شبرمہ کہتے ہیں: درھم کو دینار کے ساتھ موجودہ قیمت کے مطابق بدلنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح بیچی ہوئی چیز کو قبضے میں لینے سے پہلے بیچنا ناجائز ہے۔

کچھ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ درھم و دینار کو ایک دوسرے سے تبدیل کرنا جائز ہے البتہ ان کو کسی اور چیز کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں کیونکہ درھم کو دینار سے بدلنے کا مقصد نفع حاصل کرنا نہیں جبکہ دیگر اشیاء کو ان سے بدلنے کا مقصد نفع حاصل کرنا ہے اور جس کے نقصان کا انسان ذمہ دار نہ ہو اس کا نفع لینا بھی ممنوع ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: درھم و دینار کا باہمی تبادلہ صرف موجودہ قیمت کے مطابق ہی کرنا جائز ہے اور حدیث میں مذکور ہونے کی وجہ سے یہی بات درست ہے، باقیوں کے نزدیک موجودہ قیمت سے کمی بیشی کرنا بھی جائز ہے، سیدنا سعید بن مسیّب اور سلیمان بن یسار کے متعلق مروی ہے کہ وہ سونے کے عوض ادھار گندم بیچنے اور قیمت وصول کرنے سے پہلے اسی سونے کے عوض کھجور خریدنے سے منع کیا کرتے تھے، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور ابن شہاب سے بھی یہی منقول ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب اسی شخص سے کھجوریں خریدے جس کو گندم فروخت کی ہے اگر کسی اور سے کھجوریں خریدے اور اس کی ادائیگی اس شخص پر ڈال دے جس کو گندم بیچی ہے تو جائز ہے اگر نقدین (درھم و دینار) کے علاوہ کوئی چیز کسی کے ذمہ بطور عقد ثابت ہو تو اس صورت میں اسے تبدیل کرنا جائز نہیں، اگر وہ ادھار ہو کیونکہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی چیز ادھار لے تو وہ اسے کسی دوسرے کے حوالے نہ کرے۔'' (ضعیف، ابوداود: ٣٤٦٨، ابن ماجہ: ٢٢٨٣)

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غلے کے علاوہ باقی اشیاء میں بیع سلم (ادھار بیع) جائز ہے، لیکن اگر وہ چیز نقد ہو تو اس کے متعلق شوافع کا اختلاف ہے۔ جمہور شوافع درھم و دینار کی مانند اسے بھی تبدیل کرنے کے جواز کے قائل ہیں جبکہ بعض تبدیل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، مہر اور خلع کے معاوضہ کا حکم بھی یہی نقدی والا ہے۔ جو لوگ غلے کے علاوہ باقی اشیاء کو قبضے میں لینے سے پہلے بیچنا جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل سعید بن جبیر والی حدیث ہے کیونکہ اس میں اس قیمت کو قبضے میں لینے سے پہلے بیچنے کا جواز ہے جس کے ذریعے عقد واقع ہوا ہے تو پھر اس چیز کو بیچنا بھی جائز ہوا جس کی قیمت لگائی جا رہی ہے البتہ غلہ اس حکم سے خارج ہوگا کیونکہ حدیث نے اس کی تخصیص کردی ہے۔ اگر کوئی شخص درھم کے عوض یا دینار کے عوض ہی کوئی چیز بیچتا ہے تو پھر بیچنے والے کو وہی چیز دینا ضروری ہے جس کے عوض اس نے سودا کیا ہے البتہ اصحاب

الرائے کے مذہب کے مطابق تعین ضروری نہیں بلکہ درھم کی جگہ اس کے برابر دینار اور دینار کی جگہ اس کے برابر درھم دیئے جاسکتے ہیں، اس بات پر سب متفق ہیں کہ غصب اور ودیعہ کی صورت میں بعینہ اس چیز کا واپس کرنا ضروری ہے، اور جو چیز غصب اور ودیعہ میں متعین ہوگی وہی چیز اس عقد میں بھی متعین ہوگی جو عقد بالتعیین کہا گیا ہو۔ اگر کوئی آدمی کسی ایسی چیز کو جو موجود نہیں ادھار سے بدلنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

(۲۰۹۱)۔ أَخْبَرَنَامُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدَ كُشَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ محمَّدِ بْنِ سِرَاجِ الطَّحَّانُ ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشِ بْنِ سُلَيْمَانَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ ، حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ الْعُكْلِيُّ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْكَالِىءِ بِالْكَالِىءِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار سے ادھار کی بیع کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح موسیٰ بن عبیدہ بن نشیط ابذی کی کنیت ابوعبدالعزیز ہے۔ اس کا شمار اچھے لوگوں میں ہوتا ہے البتہ حافظے کے متعلق علماء کا کلام موجود ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں: "الْكَالِىءِ بِالْكَالِىءِ" سے مراد یہ ہے کہ دونوں طرف سے ادھار ہو، مثلاً اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی شخص کو درھم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سال بعد میں تجھ سے ایک بوری گندم لوں گا۔ سال گزرنے کے بعد وہ شخص کہتا ہے میرے پاس گندم تو نہیں البتہ وہی گندم کی بوری تو مجھے دوسو درھم میں بیچ دے اور رقم میں مہینے بعد ادا کروں گا، اس قسم کی تمام بیوع ادھار ہیں جو آگے ادھار میں منتقل ہورہی ہیں، البتہ اگر وہ غلہ قبضے میں لے کر پھر اسے ادھار بیچتا ہے تو یہ کالی بالکالی نہیں ہے خواہ اسی شخص کو بیچے یا کسی اور کو بیچے، اگر خریدار نے بائع سے ادھار لینا تھا جس میں سے کچھ اس نے وقت سے پہلے وصول کرلیا اور باقی اسے معاف کردیا تو پھر جائز ہوگا البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اسے مکروہ جانتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں جیسے ادھار کے بدلے زائد لینا جائز نہیں اسی طرح کم لینا بھی جائز نہیں کیونکہ وقت کی کمی حق کی کمی کے بدلے ہوگی۔

(27)......بَابُ بَيْعِ الْمُصَرَّاةِ وَغَيْرِهِ

مصراۃ (جس جانور کا دودھ روکا گیا ہو) وغیرہ کی بیع

(۲۰۹۲)۔ أَخْبَرَنَاأَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنِ الأَعْرَجِ......

(۲۰۹۱) ضعيف ...... أخرجه الحاكم: ۲۳٤۲، والدارقطني: ۳/ ۷۱.

(۲۰۹۲) أخرجه البخاري: ۲۱۵۰، ومسلم: ۱۵۱۵.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِلْبَيْعِ، وَلا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلا تَنَاجَشُوا، وَلا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلا تَصُرُّوا الإِبِلَ، وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ، فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا، وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیع کے لیے قافلوں کو (آگے جا کے) نہ ملو، اور نہ ایک دوسرے کی بیع پر بیع ہی کرو، نہ نجش (قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا) کرو، نہ شہری دیہاتی کا سامان بیچے، اونٹوں اور بکریوں کے دودھ نہ روکو، اگر کوئی آدمی دودھ روکنے کے بعد اونٹ، بکری خرید لے تو اسے دودھ دینے کے بعد بہتر کو اختیار کرنے کی اجازت ہے چاہے، تو اسے رکھ لے اور اگر نہ چاہے تو واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس کرے۔''

شرح اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحیٰی بن یحیٰی سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں بہت سے فوائد اور احکام موجود ہیں "لا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ" قافلے کو ملنے کی صورت یہ ہے کہ سامان والے قافلے کے آنے کی خبر ملنے پر کوئی آدمی ان کے بازار پہنچنے اور ریٹ معلوم کرنے سے پہلے ہی قافلے کو مل کر کوئی سستے داموں خرید لے۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں دھوکہ دہی ہے، صحابہ کرام اور بعد والے اکثر علماء اس کو ناپسند جانتے ہیں نیز اس بارہ میں سیدنا علی، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن مسعود اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے مگر کوئی بھی ایسی بیع کو فاسد نہیں کہتا البتہ امام شافعی رحمہ اللہ بیچنے والے کو اختیار کے قائل ہیں کہ جب وہ بازار جائے اور ریٹ معلوم کرلے تو بیع توڑ سکتا ہے۔ ان کی دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلوں کو ملنے سے منع کیا ہے، اگر کوئی آدمی انہیں مل کر سامان خرید لے تو بازار جانے کے بعد سامان کے مالک کو بیع توڑنے کا اختیار ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۱۹)

ابو سعید اصطخری کہتے ہیں: مالک کو اس وقت بیع توڑنے کا اختیار ہے جب خریدار نے بازار کی قیمت سے سستا سامان خریدا ہو، اگر ریٹ کے مطابق یا مہنگا خریدا ہو تو پھر اسے بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے یہی بات قیاس کے مطابق ہے جبکہ کچھ علماء نے اسے بیع توڑنے کا اختیار دیا ہے۔

اصحاب الرائے کے نزدیک نہ تو قافلے کو ملنا مکروہ ہے اور نہ بازار پہنچنے کے بعد مالک کو بیع توڑنے کا اختیار ہے نیز مذکورہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

"لا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ" یہ حدیث "لا يبع" یعنی نہی کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز خریدتا ہے، بائع اور مشتری ابھی اسی مجلس میں موجود ہیں، بیع توڑنے کا اختیار ابھی باقی

ہے کیونکہ دونوں ابھی جدا نہیں ہوئے اور کوئی آدمی خریدار کا سامنے اپنا سامان پیش کرتا ہے جو اسی طرح کا ہے یا اس سے بھی بہتر ہے اور قیمت بھی اس سے تھوڑی یا اتنی ہی لیتا ہے، یا وہ بائع کو ویسی چیز کی زیادہ قیمت پیش کرتا ہے جس سے وہ عقد توڑ دیتا ہے تو اس صورت میں بیع بمعنی اشتراء ہوگا، اسی طرح آپ ﷺ نے منگنی پر منگنی کرنے سے منع کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عورت کا رشتہ مانگ لے جس کا رشتہ کسی دوسرے نے مانگا ہوا ہے، اگر تو اس نے یہ کام محض ان کا عقد توڑنے کے لیے کیا ہے خریدنا اس کا مقصد نہیں ہے تو وہ گناہ گار ہوگا خواہ اسے حدیث کا علم ہے یا نہیں، اور اگر اس نے یہ کام بوجہ رشک کیا ہے تو صرف اس صورت میں گناہ گار ہوگا جب اسے حدیث کا علم ہو۔

(۲۰۹۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔''

شرح اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

(۲۰۹۴)۔ أَخْبَرَنَا حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ......

قَالَ: نَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لا يَبِعْ أَحَدُكُمْ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے۔''

(۲۰۹۵)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

(۲۰۹۳) أخرجه البخاري: ۲۱۳۹، ۲۱٦٥، ٥۱٤۲، ومسلم: ۱٤۱۲.

(۲۰۹٤) صحيح ...... أخرجه عبد الرزاق في "المصنف": ۱٤۸٦۷.

(۲۰۹٥) أخرجه مسلم: ۱٤۱۳.

يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ ، وَلا يَخْطُبْ عَلَى خِطْبَتِهِ.)) نے فرمایا: ''کوئی مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ ہی اس کی منگنی پر منگنی کرے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے علی حجر سے روایت کیا ہے۔ سودے پر سودا کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص خریدنے کے لیے کوئی چیز رکھتا ہے اور مالک بھی راضی ہو جاتا ہے، اسی دوران کوئی اور آدمی آتا ہے اور اس سے زیادہ قیمت دے کر وہ چیز خرید لیتا ہے، اگر مالک راضی نہیں یا اس چیز کی بولی لگائی جا رہی ہے، لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی لگا رہے ہیں تو یہ صورت منع نہیں ہے، اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹائی اور ایک پیالہ بیچنا چاہا تو فرمایا: یہ چٹائی اور پیالہ کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں ایک درھم میں خریدوں گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درھم سے زیادہ کون دے گا؟ تو ایک آدمی نے آپ کو دو درھم دیے اور دونوں چیزیں آپ سے لے لیں۔ (ضعیف، ابوداود: ١٦٤١، ترمذی: ١٢١٨، ابن ماجه: ٢١٩٨)

عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو مال غنیمت بولی میں بیچنا جائز سمجھتے تھے، اسی طرح منگنی پر منگنی کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجتا ہے اور وہ عورت پیغام کو قبول کر لیتی ہے یا اگر عورت کی اجازت معتبر نہ ہو تو اس کا ولی پیغام کو قبول کر لیتا ہے تو کسی اور کو اس کے پیغام پر پیغام بھیجنے کی اجازت نہیں۔ اگر پہلے شخص کا پیغام رد ہو گیا یا کوئی جواب نہ ملا تو دوسرے کے لیے پیغام بھیجنا جائز ہے، فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! معاویہ اور ابوجہم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسامہ سے نکاح کر لو۔'' (صحیح مسلم: ١٤٨٠) آپ نے فاطمہ کو اسامہ سے نکاح کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ان دونوں کی طرف فاطمہ کا میلان نہیں تھا۔

یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر منگنی کا پیغام بھیجنے والا آدمی کافر ہو تو اس کے پیغام پر پیغام بھیجنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے مابین بھائی چارہ ختم کر دیا ہے۔

(٢٠٩٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، كَانَ يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَبِيعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ ، وَلا يَخْطُبَ الرَّجُلَ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ ، حَتَّى يَتْرُكَ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع کرے یا اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے حتی کہ منگنی کرنے والا چھوڑ دے یا

(٢٠٩٦) أخرجه البخاري: ٥١٤٢، ومسلم: ١٤١٢.

الخَاطِبُ قَبْلَهُ، أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الخَاطِبُ۔ دوسرے کو منگنی کرنے کی اجازت دیدے۔

شرح: اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے زہیر بن حرب بن عن یحییٰ القطان عن عبید اللہ عن نافع کی سند سے روایت کیا ہے البتہ اس میں "حتى يترك الخاطب" کے الفاظ نہیں بلکہ یوں ہے: "الا ان يا ذن له" الا یہ کہ وہ اسے اجازت دیدے۔ اصحاب الرائے کے نزدیک بیع پر بیع کرنے سے مراد سودا کرنا اور بھاؤ بنانا ہے کیونکہ ان کے نزدیک بیع میں جگہ کا اختیار ثابت نہیں اور نہ ہی بیع واجب ہو جانے کے بعد اس پر کسی دوسرے کی بیع کا تصور پایا جاتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "لَا تَنَاجَشُوا" کے الفاظ ہیں۔ (دیکھیں حدیث نمبر ۲۰۹۸)

"نـجش" یہ ہے کہ کوئی آدمی خریدنا تو نہیں چاہتا البتہ خریداروں کو ترغیب دلانے کے لیے بولی بڑھا دیتا ہے تا کہ وہ بھی بولی بڑھا دیں۔ اور تناجش یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر آدمی ایک دوسرے کی بولی بڑھانے کے لیے قیمت بڑھا دے لیکن خریدنا مقصود نہ ہو۔

ایسا کرنے والا آدمی گناہ گار ہے خواہ اسے نجش کی حرمت کا علم ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ دھوکہ ہے اور شریعت میں دھوکہ دہی جائز نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْـخَـدِيْـعَةُ فِيْ النَّارِ)) ......''دھوکہ آگ میں لے جائے گا۔'' (صحیح بخاری معلقاً) نیز فرمایا: ''جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں تو وہ کام مردود ہے۔''

(صحيح بخاری: ٢٤٩٩، صحيح مسلم: ١٧١٨)

نجش کا اصلی معنی تعریف کرنا ہے، مراد یہ ہے کہ سامان کی تعریف کیے بغیر قیمت بڑھائے، خریدنا بھی مقصود نہ ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا اصلی معنی "تَنْفِيْر۔" ہے اور یہ "تَـنْفِيْرُ الْوُحُوْش" سے لیا گیا ہے یعنی جنگلی جانور کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھگانا۔

اگر کوئی آدمی یہ معلوم کرنے کے بعد کہ نجش کے ذریعے بولی بڑھائی جا رہی ہے سامان خرید لیتا ہے تو بلا خلاف اس کی بیع درست ہے، اور اگر بائع کے حکم کے بغیر ناجش نے اپنی مرضی سے ہی ایسا کیا ہو تو خریدار کو سامان واپس کرنے کا اختیار نہیں لیکن اگر اس نے بائع کے حکم سے ایسے کیا ہو تو پھر خریدار کو سامان واپس کرنے کا اختیار ہے۔

ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں: نَاجِش دھوکے باز اور سود خور ہے۔

(٢٠٩٧)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـحَسَـنِ الشِّيـرَزِيُّ، أَخْبَـرَنَـا زَاهِـرُ بْـنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّجْشِ۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع کیا ہے۔

(٢٠٩٧) أخرجه البخاري: ٢١٤٢، ومسلم: ١٥١٦.

شرح اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسلمہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

(۲۰۹۸)۔ أنـا الإمـامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي ، وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، قَـالا: أنـا أَبُـو بَـكْـرٍ أَحْـمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مَعْقِلٍ الْمَيْدَانِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ......

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ: ((لا يَبِيـعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ ، وَلا تَـنَاجَشُوا ، وَلا يَزِيدُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ ، ولا يَـخْطُبُ عَلَى خِطْبَتِهِ ، وَلا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاقَ أُخْتِها لِتَكْفَأَ بِهِ مَا فِي إِنَائِهَا۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شہری دیہاتی کا سامان نہ بیچے، نہ تم ایک دوسرے کو دھوکہ دو، نہ کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر اضافہ کرے، نہ اس کی منگنی پر منگنی کرے، نہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے کہ وہ اس کے برتن کو انڈیل دے۔''

شرح اس حدیث کو امام مسلم نے محمد بن رافع سے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔

بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ شہری کے لیے دیہاتی کا سامان بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے سامان خریدنا ہی جائز ہے کیونکہ لفظ بیع خریدنے اور بیچنے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، بعتُ اور شریتُ دونوں اشتریت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، نیز یہ دونوں الفاظ ان الفاظ میں سے ہیں جو متضاد معانی دیتے ہیں۔

یہ قول ابن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ کا ہے۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ شہری دیہاتی کا سامان بیچ تو نہیں سکتا البتہ اس کے لیے خرید سکتا ہے، حسن بصری اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔

ان کے نزدیک نہی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان اپنے پاس روک کر نہ رکھے، کیونکہ دیہاتی لوگ اپنا سامان لے کر شہر آیا کرتے تھے اور موجودہ قیمت کے مطابق بیچ کر واپس چلے جایا کرتے تھے کیونکہ شہر میں ان کے لیے دشواری ہوتی تھی تو اس طرح ان کے سامان بیچنے میں علاقے کے لوگوں کے لیے سہولت اور وسعت پائی جاتی تھی، پھر کوئی شہری دیہاتی کے پاس جاتا اور اسے کہتا اپنا سامان میرے پاس رکھ دو اور انتظار کرو، چند دن بعد میں آپ کا سامان مہنگے داموں بیچ دوں گا، ایسا کرنے سے اہل علاقہ کے لیے سہولت نہ رہتی لہٰذا شریعت نے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

جو شخص اس کی ممانعت کو جاننے کے باوجود ایسا کرتا ہے وہ گناہ گار ہے اور جس کو علم نہیں وہ گناہ گار بھی نہیں۔

(۲۰۹۸) أخرجه البخاري: ۲۱۴۰ ، ۲۷۲۳ ، ومسلم: ۱۴۱۳ .

اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر ایسا کرنے سے علاقے والوں کے لیے تنگی پیدا نہ ہو، سامان کی قلت نہ ہو بلکہ وسعت ہو قیمت بھی مہنگی نہ ہو تو کیا پھر بھی شہری کے لیے دیہاتی کا سامان بیچنا حرام ہے یا نہیں؟

بعض علماء نے تو حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق اسے حرام ہی قرار دیا ہے جبکہ بعض نے عدم ضرر کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اگر دیہاتی خود کوئی ایسا آدمی تلاش کرے جو اس کا سامان روک کے رکھے تو پھر ایسا کرنا جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اس ممانعت کے تحت نہیں آتا۔

(۲۰۹۹)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَدَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شہری دیہاتی کا سامان نہ بیچے۔ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے سے رزق دیتا ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے امام مسلم نے اسے احمد بن یونس سے روایت کیا ہے نیز یہ روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: شہری دیہاتی کا سامان نہ بیچے۔'' اس سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اس کا دلال نہ بنے۔ (صحیح بخاری: ۲۱۵۸، ۲۱۶۳، صحیح مسلم: ۱۵۲۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں منع کیا گیا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا سامان بیچے خواہ وہ اس کا بھائی یا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری: ۲۱۶۱، صحیح مسلم: ۱۵۲۳)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر کوئی شہری دیہاتی کا سامان بیچ دے تو عقد بیع فاسد نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے سے عقد فاسد ہو جاتا تو لوگوں کے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے سے اس میں رکاوٹ نہ آتی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نہی بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب وارشاد ہے۔ مجاہد کہا کرتے تھے کہ یہ ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اب ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

''لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ'' امام شافعی رحمہ اللہ نے ''تصريه'' کی تفسیر یوں کی ہے کہ اونٹنی یا بکری کے تھن باندھ دے اور دو یا تین دن اس کا دودھ نہ دوہے حتی کہ دودھ پستان میں جمع ہو جائے، پھر اسے بیچ دے، خریدار یہ سمجھ کر زیادہ قیمت ادا کر دے کہ یہ دودھ زیادہ دیتی ہے، مگر جب دو یا تین مرتبہ دودھ دوہ چکے تو اسے پتہ چل جائے کہ اس کا دودھ روک کر دھوکہ دیا گیا ہے۔

(۲۰۹۹) أخرجه مسلم: ۱۵۲۲.

ابو عبید کہتے ہیں: یہ "صریت الماء" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: پانی کو روکنا اور جمع کرنا، کیونکہ اگر یہ بمعنی ربط (باندھنا) ہوتا تو پھر یہ لفظ "مصرورۃ" یا "مصررۃ" ہوتا، لیکن معنی کے اعتبار سے امام شافعی کی بات درست ہے کیونکہ عرب جب جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑتے تو دودھ والے جانوروں کے تھنوں کو باندھ دیا کرتے تھے اور اس باندھنے کو "اصرار" کہا کرتے تھے، جب چر کے واپس آجاتے تو ان کے تھنوں کو کھول کر دودھ دوہ لیتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "مُصَرّۃ" اصل میں "مصررۃ" ہو۔ ایک را کو یا سے بدل دیا گیا ہو جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾ اصل میں "دَسَّسَهَا" تھا جس کا معنی ہے خیر کو روک کر اسے گمنام کر دیا۔

"مُصَرَّاۃ" کو "مُحَفَّلَة" بھی کہتے ہیں جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے بکری خریدی جس کا دودھ روکا گیا تھا تو وہ اسے واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع بھی دے۔ (صحیح بخاری: ۲۱۴۹، ۲۱۶۴) اسے "مُحَفَّلَة" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پستانوں میں دودھ جمع ہو جاتا ہے اور "حفل" کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا۔

"مُصَرَّاۃ" کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اگر خریدار کو دودھ دینے کے بعد پتہ چلے تو وہ عیب کی وجہ سے اسے واپس کر سکتا ہے، نیز اس نے جو دودھ دوہا ہے اس کے عوض ایک صاع کھجوریں بھی ساتھ واپس کرے گا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے نیز امام شافعی، امام مالک، لیث بن سعد، امام احمد، اسحاق، ابو عبید اور ابو ثور رحمہم اللہ کا یہی قول ہے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں دودھ روکنے کی وجہ سے خریدار کو جانور واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے اور نہ دودھ دوہنے کے بعد اسے کسی عیب کی بنا پر جانور واپس کرنے کی اجازت ہے۔ ابن ابی لیلیٰ اور ابو یوسف کہتے ہیں: جانور بھی واپس کر دے اور ساتھ دودھ کی قیمت ادا کرے، لیکن حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔

دودھ دوہنے کے بعد کھجوروں کا ایک صاع واپس کرنا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ دودھ کو واپس لوٹانا ممکن نہیں ہے کیونکہ دوہنے کی وجہ سے وہ کم ہو چکا ہے، نیز جانور میں کچھ دودھ بیع کے بعد خریدار کی ملکیت میں بھی پیدا ہوا تھا جسے واپس کرنا اس پر لازم نہیں ہے، چنانچہ دونوں کا اس بات میں جھگڑا ہو سکتا ہے کہ عقد والے دن جانور میں کتنا دودھ تھا، لہٰذا شریعت نے اس جھگڑے کو یوں ختم کیا ہے کہ دودھ کی کمی بیشی سے قطع نظر اس کے بدلے میں ایک صاع کھجوریں مقرر کر دی ہیں جیسا کہ شریعت نے ایک جان کی دیت سو اونٹ مقرر کر دی ہے حالانکہ ان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی طاقتور ہے تو کوئی کمزور، کوئی بچہ ہے تو کوئی بوڑھا اور کوئی خوبصورت ہے تو کوئی بدصورت ہے۔

اسی طرح چھوٹا بڑا ہونے کے باوجود تمام انگلیوں کی دیت برابر قرار دی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی حاملہ عورت پر زیادتی کرے اور اس کا حمل گر جائے تو شریعت نے مجرم پر غلام یا لونڈی دینا واجب قرار دیا ہے جو کہ خلاف قیاس ہے۔ یہ اس لیے کیا ہے کہ دونوں کے مابین جھگڑا ختم ہو جائے۔ کیونکہ مجرم کہے گا بچہ پہلے ہی مردہ تھا لہٰذا مجھ پر کوئی دیت نہیں اور بچے کا والی کہے گا بچہ زندہ تھا تو نے اسے قتل کیا ہے لہٰذا تجھ پر دیت ہے تو شریعت نے غلام یا لونڈی

کوواجب قرار دے کران کے مابین جھگڑے کی وجہ کوختم کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا ہے۔

(۲۱۰۰)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ......

قَالَ: ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا مَا أَحَدُكُمُ اشْتَرَى لِقْحَةً مُصَرَّاةً، أَوْ شَاةً مُصَرَّاةً، فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا إِمَّا هِيَ، وَإِلا فَلْيَرُدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی آدمی ایسی اونٹنی یا بکری خریدے جس کا دودھ روک لیا گیا تھا تو دوہنے کے بعد اسے بہتر چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے یا تو جانور رکھ لے یا واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی واپس کرے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے محمد بن رافع سے روایت کیا ہے، ایوب نے اسے محمد بن سیرین سے انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا جانور خریدا جس کا دودھ روکا گیا تھا تو تین دن تک اسے اختیار ہے اگر واپس کرنا چاہتا ہے تو واپس کر دے نیز کھانے کا ایک صاع بھی ساتھ واپس دے گندم نہ دے۔'' (صحیح مسلم: ۱۵۲۴)

مراد یہ ہے کہ کھجوروں کا صاع دے نہ کہ گندم کا کیونکہ عربوں کا کھانا کھجوریں ہی تھیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: تصریہ کی مدت خیار تین دن مقرر کی گئی جس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: اگر تین دن گزرنے سے پہلے ہی اسے علم ہو جائے کہ جانور کا دودھ روکا گیا ہے تو بھی اسے مکمل تین دن تک اختیار باقی رہے گا کیونکہ اس سے کم دنوں میں حقیقت کا پتہ چلنا کم ہی ممکن ہوتا ہے، کبھی کبھی خریدار کا نقصان تین دنوں کی مدت میں ہاتھ اور جگہ کے بدلنے کی وجہ سے قابل برداشت ہو جاتا ہے چنانچہ شریعت نے تین دن کو حد مقرر کر دیا ہے جس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ خیار شرط میں ہوتا ہے۔ جبکہ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ معلوم ہونے کے بعد واپسی میں تاخیر کرنا درست نہیں اگر تاخیر کرے گا تو واپسی کا حق ساقط ہو جائے گا اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کیونکہ یہ اختیار عیب کی وجہ سے ہے اور اس کے لیے تین دن کی مدت مقرر کرنا اس لیے ہے کہ عام طور پر تین دن سے پہلے اس کے عیب کا پتہ نہیں چل سکتا اس لیے نہیں کہ واپسی کی مدت ان تین دنوں میں مقدر ہے۔

''لا سَمْرَاء'' یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ کھجور کے علاوہ کوئی اور چیز نہ دے۔ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ کھجور کے علاوہ کوئی اور چیز دینا جائز نہیں خواہ بیچنے والا لینے پہ رضا مند ہی کیوں نہ ہو، جیسے قبضے میں لینے سے پہلے بیچی

(۲۱۰۰) أخرجه مسلم: ۱۵۲۴.

ہوئی چیز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے خواہ بائع رضا مند ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بعض علماء کے نزدیک واجب تو یہی ہے کہ کھجور ہی دے لیکن اگر بائع رضا مند ہو تو کھجور کے علاوہ کوئی اور چیز دینا بھی جائز ہے کیونکہ اس نے خود ہی اپنا حق تبدیل کر دیا ہے، کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ جو چیز وہ خود کھاتا ہے اسی کا ایک صاع دیدے خواہ گندم ہو یا جو، کھجور ہو یا انگور جیسا کہ صدقہ فطر میں ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول بھی یہی ہے، اس کے قائلین ”لا سمراء“ کے الفاظ کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گندم دینا واجب نہیں ہے۔

تصریہ کے عیب کی بنا پر ہر اس جانور کی بیع واپس کی جاسکتی ہے جس کا دودھ پینا جائز ہے۔ اس میں جانوروں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، حتی کہ اگر کسی نے دودھ والی لونڈی خریدی جس کا دودھ روکا ہوا تھا تو اسے بھی واپس کرنا جائز ہے البتہ اس کے ساتھ کچھ (کھجوریں وغیرہ) دینا ضروری نہیں کیونکہ عام طور پر عورت کے دودھ کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا۔

اگر کسی نے دودھ والی گدھی یا کوئی اور غیر ماکول اللحم جانور خریدا جس کا دودھ روکا ہوا تھا تو درست بات یہی ہے کہ اسے وہ جانور واپس کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس کا دودھ بھی اس کے بچے کی پرورش کے لیے مقصود ہوتا ہے البتہ اس کے مقابلے میں کچھ دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کا دودھ نجس ہے اور نجس کا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔

حدیث مصراۃ اس بات کی دلیل ہے کہ دودھ والی بکری کو بکری کے دودھ یا ایسی دودھ والی بکری کے عوض بیچنا جائز نہیں جس کے تھنوں میں دودھ ہو کیونکہ شریعت نے پستان میں موجود دودھ کو بھی قیمت قرار دیا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے مال ربا کو اس کے ہم جنس مال کے عوض بیچا جائے جبکہ دونوں کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دیگر چیز بھی موجود ہو۔ البتہ اگر کوئی آدمی تل کو تل کے عوض بیچتا ہے تو یہ جائز ہے اگرچہ ان میں سے تیل نکالنا ممکن ہو۔ کیونکہ ان میں تیل بعینہ موجود نہیں ہوتا جبکہ پستانوں میں دودھ بعینہ موجود ہوتا ہے، اگر کوئی آدمی دودھ دوہ لے اور دوبارہ دودھ جمع ہونے سے پہلے پہلے فوراً اس جانور کو دودھ کے عوض بیچ دے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم

(28)......بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

بیع ملامسہ اور منابذہ ممنوع ہے

(۲۱۰۱)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حِبَّانَ، وَعَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۱۰۱) أخرجه البخاري: ۲۱٤٦، ومسلم: ۱۵۱۱ .

شرح ملامسہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کپڑا کھول کر دیکھے بغیر اسے ہاتھ لگائے یا رات کے وقت خریدے جب کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں کیا ہے۔

اور منابذہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور فوراً کوئی اور آدمی اس پھینکنے والے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے اور ہر شخص دوسرے سے کہے کہ یہ اس کے بدلے میں ہے، چنانچہ ملامسہ اور منابذہ کی ممنوع صورتیں یہی ہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی اویس وغیرہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دیکھے اور چیک کیے بغیر چیز کو پھینکنا یا ہاتھ لگانا ہی بیع قرار دیا جائے اور پھر اس میں اختیار بھی نہ ہو، یہ دور جاہلیت کی بیوع تھیں جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔ مقررہ قیمت کے مطابق بیع کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے ایسی بیع کو جائز قرار دیا ہے چونکہ وہ قیمت لوگوں کے مابین معروف ہوتی ہے لہٰذا طے کرنے کی ضرورت نہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرائے پر لیا تو ان سے پوچھا کتنا کرایہ ہے؟ انہوں نے کہا: دو دانق (نصف درھم) پھر دوبارہ گدھا لینے آئے تو کہا: گدھا دو، گدھا لے کر سوار ہو گئے اور کوئی کرایہ طے نہ کیا: واپس آ کر انہیں آدھا درھم دیدیا۔

بیع ملامسہ کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ اندھے کی بیع باطل ہے، کیونکہ اس کے لیے دیکھنا ممکن ہی نہیں، اسی طرح بینا آدمی اگر ایسی چیز کی بیع کرتا ہے جو موجود نہ ہو اور اس نے اسے دیکھا نہ ہو تو اس کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔

(٢١٠٢)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الغَرَرِ۔

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے والی بیع سے منع کیا ہے۔

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو مرسل ہی بیان کیا ہے جبکہ یہ صحیح سند کے ساتھ موصول بھی مروی ہے۔

(٢١٠٣)۔ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا زُهَيرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ......

(٢١٠٢) صحيح ...... أخرجه مالك في "المؤطا" مرسلا: ١٣٧٠، وسيأتي موصولا بعده.

(٢١٠٣) أخرجه مسلم: ١٥١٣.

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: نَهَی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعِ الحَصَاةِ، وَعَنْ بَیْعِ الغَرَرِ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کنکریوں والی اور دھوکے والی بیع سے منع کیا ہے۔

شرح: یہ حدیث صحیح ہے۔ بیع حصاۃ کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا آدمی خریدار سے کہے: جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں گا تو میرے اور تیرے مابین بیع پکی ہو جائے گی جو ہم کر رہے ہیں، یہ بیع بھی منابذہ کی ہی ایک قسم ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں: منابذہ یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: تو پتھر پھینک جس چیز کو پتھر لگے گا وہ میں تجھے بیچ دوں گا، بیع حصاۃ کی بھی یہی صورت ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ بکریوں کے ریوڑ میں کنکری پھینکے اور کہے جس بکری کو کنکری لگے گی وہ اتنے میں میری ہو جائے گی۔

بیع غرر اس چیز کی بیع کو کہتے ہیں جس کے متعلق علم نہ ہو، یہ اس جملہ سے ماخوذ ہے ”طَوَیْتُ الثَّوْبَ عَلٰی غَرِّہ“ جس کا معنی ہے میں نے کپڑے کو اس کی پہلی تہ پر لپیٹ دیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ”غرور“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ”دھوکہ“ اسے غرر اس لیے کہا جاتا ہے کہ بظاہر انسان اس سے خوش ہوتا ہے جبکہ درحقیقت یہ بیع مجہول ہے جو کہ دھوکے کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے شیطان کو بھی ”غرور“ کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو ایسے کاموں پر اکساتا ہے جو انسان کو اچھے لگتے ہیں جبکہ درحقیقت اس کے لیے مضر ہوتے ہیں جو سامان مجہول ہو یا بیچنے والے کے قبضے اور بس میں نہ ہو اس کی بیع کرنا بیع غرر ہے مثلاً ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے یا پانی میں تیرتی مچھلیوں یا مفرور غلام کی بیع کرنا، بدکے ہوئے اونٹ کی بیع کرنا، یا پیٹ میں موجود بچے کی بیع کرنا وغیرہ ایسی بیع فاسد ہے کیونکہ بیچی جانے والی چیزیں مجہول ہیں یا بائع کے قبضے میں نہیں ہیں۔

اسی بنیاد پر سونے کی کان کی مٹی کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ مٹی خریدنا مقصود نہیں بلکہ اس میں موجود سونا خریدنا مقصود ہے جو کہ مجہول ہے۔ عطاء، شعبی، مالک، ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں نے کھوٹے سکوں (درہموں) کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس میں موجود سونے کا علم نہیں۔

(٢١٠٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِیحِیُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَیْنِ الزَّغْرِتَانِیُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُرْوَةَ، ثنا زِیَادُ بْنُ أَیُّوبَ، حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ، حَدَّثَنَا شَیْخٌ مِنْ بَنِی تَمِیمٍ، قَالَ:......

قَالَ عَلِیٌّ: نَهَی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعِ الْمُضْطَرِینَ وَعَنْ بَیْعِ الغَرَرِ، وَبَیْعِ الثَّمَرَةِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجبور کی بیع، دھوکے والی بیع اور پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے

(٢١٠٤) ضعیف ...... أخرجه ابو داود: ٣٣٨٢.

قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ۔ منع کیا ہے۔

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، ابو عامر کا نام صالح بن عامر ہے۔ مجبور کی بیع دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) آدمی کو ناجائز طریقے سے اپنا مال بیچنے پر مجبور کیا جائے تو اس کی بیع درست نہیں ہے۔

(۲) مقروض ہونے کی وجہ سے حاکم اسے مال بیچنے کا حکم دے، اگر وہ خود نہ بیچے تو حاکم قرض خواہوں کو ان کا حق دینے کے لیے پوری قیمت میں وہ مال بیچ ڈالے تو یہ جائز ہے۔ اگر کوئی آدمی قرض ادا کرنے کے لیے اپنا مال کم قیمت میں بیچنے پر مجبور ہو جائے تو دینی اور اخلاقی حل یہ ہے کہ اس کا مالی نقصان نہ ہونے دیا جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے اور اسے گنجائش پیدا ہونے تک مہلت دی جائے یا ایسی صورت نکل آئے کہ وہ اپنا مال بغیر نقصان کے فروخت کر لے۔

اگر وہ پھر بھی سامان نہیں بیچتا اور حاکم ضرورت کے باوجود اس کا مال بیچ دیتا ہے تو بیع جائز ہے۔

جس چیز کو خریدار نے دیکھا نہ ہوا سے خریدنے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے پھر جب خریدار اسے دیکھے تو اسے بیع رکھنے یا توڑنے کا اختیار ہے، یہ اصحاب الرائے کا قول ہے نیز امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول بھی یہی ہے۔

بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد ہے، حکم اور حماد اسی کے قائل ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: تھیلی میں پڑی ہوئی ساگوان کی لکڑی اور گٹھڑی میں بندھے ہوئے کپڑے کی بیع کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ انہیں کھول کر دیکھ نہ لیا جائے کہ اندر کیا ہے، نیز انہوں نے لسٹ کے مطابق بوروں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے خواہ انہیں کھولا نہ ہی جائے اور جب وہ کھولے گا تو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مقصد دھوکہ دینا نہیں ہے۔

نیز یہ بیع ہر دور میں لوگوں کے مابین جائز سمجھی جاتی رہی ہے۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ماپے بغیر بکری کے پستان میں موجود دودھ اور بکری کی پشت پر لگی ہوئی اون کی بیع کو مکروہ سمجھتے تھے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بکری کی پشت پر لگی ہوئی اون اور پستان میں موجود دودھ کو بیچنا اس لیے ناجائز ہے کہ وہ مجہول ہے، ماپنے سے مراد یہ ہے کہ پستان میں موجود دودھ کا ایک وزن تسلیم کر لیا جائے تو پھر اسے بیچنا جائز ہے۔

(۲۱۰۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ،

(۲۱۰۵) أخرجه البخاري: ۳٦۷، ۱۹۹۱، ۲۱٤٤، ومسلم: ۱۵۱۲.

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ......

أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ: نَهَى عَنِ الْمُلامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلامَسَةُ: لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلا يَقْلِبُهُ إِلا بِذَلِكَ، وَالْمُنَابَذَةُ: أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهِ، وَيَنْبِذَ الآخَرُ ثَوبَهُ، وَيَكُونَ ذَلِكَ بَيْعَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلا تَرَاضٍ، وَاللِّبْسَتَانِ: اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ، وَالصَّمَّاءُ: أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهُ عَلَى أَحَدِ عَاتِقَيْهِ، وَأَحَدُ شِقَّيْهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ، وَاللِّبْسَةُ الأُخْرَى: احْتِبَاؤُهُ بِثَوبِهِ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لباسوں اور دو قسم کی بیع سے منع کیا ہے، یعنی بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع کیا ہے۔ ملامسہ یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے کپڑے کو دن یا رات کے وقت الٹ پلٹ کر کے دیکھے بغیر ہاتھ لگا ئے (اور اسی بات پر بیع ہو جائے) اور منابذہ یہ ہے کہ دیکھے بغیر ایک آدمی دوسرے کی طرف اور وہ اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکے اور اسی کو بیع قرار دیا جائے۔ اور دو لباسوں میں سے ایک لباس اشتمال صماء ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنا کپڑا اٹھا کر اپنے ایک کندھے پر رکھ لے جب کہ دوسری جانب کوئی کپڑا نہ ہو اور دوسرا لباس کپڑے سے گوٹھ مارنا ہے کہ آدمی اس طرح گوٹھ مار کر بیٹھے کہ شرمگاہ پر کپڑا نہ ہو۔

شرح: اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حرملہ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

(٢١٠٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔

شرح: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے خیال میں بیع عربان یہ ہے کہ آدمی غلام یا لونڈی خریدے یا کوئی جانور کرایے پر لے اور اس کے مالک سے کہے کہ میں تجھے ایک درھم، دینار یا کم وبیش رقم دیتا ہوں اگر میں نے یہ سامان لے لیا یا اس جانور پر سوار ہو گیا تو یہ دینار قیمت میں شامل ہو جائے گا اور اگر میں نے چھوڑ دیا، نہ لیا تو یہ دینار آپ کا ہوا۔ (مؤطا امام مالك: بعد الحديث ١٢٩٤)

(٢١٠٦) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٣٥٠٢، وابن ماجه: ٢١٩٢.

یہ عربان کی تفسیر ہے، عربان اور اربان یعنی عین اور ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے نیز عربون اور اربون بھی پڑھا جاتا ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ بیع باطل ہے، امام مالک، شافعی اور اصحاب الرائے بھی اسی کے قائل ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس بیع کو جائز کہتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، امام احمد بھی جواز کی طرف ہی مائل ہیں اور حدیث کو منقطع ہونیکی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں امام مالک نے اسے بلاغات میں ذکر کیا ہے۔

(29)......بَابُ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَثَمَنِ عَسْبِ الْفَحْلِ
حاملہ کے حمل کی بیع اور نر کی جفتی کی قیمت لینا

(٢١٠٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهلُ الجاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الجزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجَ الَّتِي فِي بَطْنِهَا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع کیا ہے جبکہ اہل جاہلیت یہ بیع کیا کرتے تھے کہ ایک آدمی اونٹنی (ادھار) خریدتا تھا یہاں تک کہ اونٹنی بچہ جنتی پھر پیدا ہونے والی اونٹنی بچہ جنتی (تو وہ قیمت ادا کرتا)

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے قتیبہ بن سعید سے روایت کیا ہے۔

اکثر علماء کا عمل اسی بات پر ہے کہ حمل کی بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ وہ غیر موجود اور مجہول ہے اور زمانہ جاہلیت میں یہ بیع پائی جاتی تھی، اگر کوئی آدمی قیمت مقرر کر کے چیز بیچتا ہے کہ جب جانور بچہ جنے گا تو میں قیمت ادا کردوں گا تو پھر بھی بوجہ جہالت بیع ناجائز ہوگی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ زہری سے اور وہ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جانور کی خرید وفروخت میں سود نہیں ہوتا البتہ جانوروں میں تین طرح کی بیوع ممنوع ہیں۔

(١) مَضَامِين (٢) مَلَاقِيح
(٣) حَبَلُ الْحَبَلَة

(٢١٠٧) أخرجه البخاري: ٢١٤٣، ٢٢٥٦، ومسلم: ١٥١٤.

مَضَامِین سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی کے پیٹ کے بچے کو بیچ دیا جائے۔

مَلَاقِیح سے مراد یہ ہے کہ اونٹ کی پشت میں ہی بچے کو بیچ دیا جائے۔

(مؤطا امام مالك: ١٣٥٨، سنن بیهقی: ٥/ ٣٤١)

حَبَلُ الْحَبَلَة یہ ہے کہ آدمی (ادھار) اونٹنی خریدتا یہاں تک کہ اونٹنی بچہ دیتی پھر وہ بچہ دیتی پیٹ والی اونٹنی بچہ دیتی۔ بیع کا یہ طریقہ اہل جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔

ابوعبید کہتے ہیں: ملاقیح پیٹ کے بچے کو کہتے ہیں جسے جنین کہتے ہیں اور اس کی واحد ملقوحہ ہے، اور مضامین نر کی پشت میں موجود بچے کے نطفے کو کہتے ہیں۔

(٢١٠٨)۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِ كُشَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سِرَاجٍ ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشِ بْنِ سُلَيْمَانَ ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ ، حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْمَجْرِ ، قَالَ أَبُو زَيْدٍ: الْمَجْرُ أَنْ يُبَاعَ الْبَعِيرُ أَوْ غَيْرُهُ بِمَا فِي بَطْنِ النَّاقَةِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ''مجر'' سے منع کیا ہے، ابوزید کہتے ہیں: ''مجر'' سے مراد یہ ہے کہ اونٹ یا کوئی اور چیز اونٹنی کے پیٹ کے بچے کے عوض بیچا جائے۔

(٢١٠٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ ، عَنْ نَافِعٍ ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحلِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے نر کی جفتی سے منع کیا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ'' رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کی بیع سے منع کیا ہے۔(صحیح مسلم: ١٥٦٥)

(٢١٠٨) ضعيف ...... أخرجه البيهقي: ٥/ ٣٤١.

(٢١٠٩) أخرجه البخاري: ٢٢٨٤

امام صاحب فرماتے ہیں: "عَسْب" نر کی جفتی کو کہتے ہیں، عسب الفحل کی جگہ "شبر الفحل" کے الفاظ بھی مروی ہیں ان کا معنی بھی جفتی ہی ہے۔

مراد یہ ہے کہ نر جفتی کی قیمت لینا منع ہے، جیسا کہ حدیث جابر میں اس کی صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کو بیچنے سے منع کیا ہے قیمت کی جگہ "عسب" (مادہ پر نر کو چڑھانا) کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ یہ قیمت وصول کرنے کا سبب ہے، ورنہ نر کو مادہ پر چڑھانا حرام نہیں ہے کیونکہ یہ نسل کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے، جب کسی شخص کو جفتی کی قیمت ادا کی جائے تو اس وقت یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں "عَسَبْتُ الرَّجُلَ ، اَعسِبُه عسبا"۔

مقصود یہ ہے کہ جفتی کے لیے نر کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دھوکے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ نر کبھی جفتی کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا، نیز کبھی مادہ اس سے حاملہ ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، جمہور صحابہ اور فقہاء اس کی حرمت کے ہی قائل ہیں البتہ حسن بصری، ابن سیرین، عطاء اور امام مالک نے اس کی رخصت دی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے جواز میں مصلحت ہے کہ اگر اس کو حرام قرار دیا جائے تو نسل ختم ہو جائے گی، یہ ایسے ہی ہے جیسے دودھ پلانے والی دائی اجرت پر رکھنا، یا کھجور کو پیوند لگانا، تاہم جس کی ممانعت حدیث میں مذکور ہوئی ہو قیاس کی وجہ سے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(قیمت کے بغیر) جفتی کے لیے عاریتاً نر جانور لینا اور اسے مادہ پر چڑھانا جائز ہے البتہ اگر عاریتاً لینے والا اپنی مرضی سے بطور انعام کچھ دے جائے تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اونٹ کا حق کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "پانی (گھاٹ) پر اس کا دودھ دوہ کر دینا، اور اس کے عوض اس کا ڈول اور نر عاریتاً دینا۔" (صحیح مسلم : ٩٨٨)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے نر کی جفتی کے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے منع کر دیا۔ اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم نر چھوڑتے ہیں تو ہمیں انعام دیا جاتا ہے، آپ نے انعام لینے کی اجازت دیدی۔ (صحیح، ترمذی: ١٢٧٤)

معمر، قتادہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: وہ نر کی جفتی کی قیمت لینا ناپسند کرتے تھے دینا ناپسند نہیں کرتے تھے۔

(30)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدَهُ

جو چیز پاس نہ ہو اسے بیچنا منع ہے

(٢١١٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَارِفِ ،

(٢١١٠) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٥٠٣ ، وابن ماجه: ٢١٨٧ ، والترمذى: ١٢٣٣ ، والنسائى: ٤٦١٣

قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا الثِّقَةُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ......

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: نَهَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدِي۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ چیز بیچنے سے منع کیا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہے۔

شرح: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے انہوں نے اسے قتیبہ عن حماد بن زید عن ایوب کی سند سے روایت کیا ہے، نیز یہ ابی بشر، عن یوسف بن ماھک، عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی سند سے یوں بھی مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک آدمی میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کچھ خریدنا چاہتا ہے جبکہ وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اسے بازار سے خرید کر دیتا ہوں (تو کیا یہ درست ہے) آپ نے فرمایا: ''جو چیز تیرے پاس موجود نہیں اسے نہ بیچا کر۔'' (صحیح، ابوداود: ٣٥٠٣، ترمذی: ١٢٣٢، نسائی: ٤٦٢٥، ابن ماجہ: ٢١٨٨)

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حکم اعیان کی بیع کا ہے صفات کی بیوع کا نہیں ہے تاہم اگر کوئی آدمی کسی ایسی چیز کو موصوف کر کے بیع سلم کرتا ہے جو مشروط جگہ میں عام ملتی ہے تو اس کی بیع کرنا جائز ہے خواہ عقد کے دوران وہ اس کی ملکیت نہ ہی ہو۔ بھاگے ہوئے غلام کی بیع، اڑتے ہوئے پرندے کی بیع، خریدی ہوئی چیز کو قبضے میں لینے سے پہلے بیچنا یہ سب اسی ممنوع بیع کی اقسام ہیں، اسی کے تحت کسی دوسرے کا سامان اس کی اجازت کے بغیر بیچنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ دھوکہ دہی ہے، اس لیے کہ اسے کیا معلوم مالک اسے بیچنے کی اجازت دے گا یا نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ یہ بیع موقوف ہوگی اگر مالک اجازت دے گا تو جاری ہو جائے گی ورنہ باطل ہو جائے گی، امام مالک، احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے کا بھی یہی قول ہے، ان کی دلیل عروہ بارقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بکری خریدنے کے لیے ایک دینار دیا، میں نے آپ کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری دینار کی بیچ دی، اور ایک بکری اور دینار لے کر آپ کے پاس آ گیا، انہوں نے یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کی ہتھیلی میں برکت ڈالے۔'' (صحیح بخاری: ٣٦٤٢)

اس کے بعد وہ کوفہ کا کوڑا بھی خریدتے تو انہیں بہت سا نفع ہو جاتا، جو لوگ مالک کی اجازت کے بغیر بیع کے موقوف ہونے کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مطلق وکیل بنا کر بھیجا تھا اور وکیل مطلق کو خرید و فروخت کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا اس کی بیع درست ہے۔

دوسرے کے غلام کو آزاد کرنے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو طلاق دینے میں علماء کا اختلاف ہے، کچھ لوگ اسے مالک اور خاوند کی اجازت تک موقوف سمجھتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی آدمی خود مختار عورت کا نکاح اس کی اجازت

کے بغیر کر دے تو بھی نکاح اس عورت کی اجازت تک موقوف ہو گا۔

امام مالک اور اصحاب الرائے اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعیؒ سمیت ایک جماعت اس نکاح کو باطل قرار دیتی ہے۔

زید بن اسلم اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چیک بیچنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جبکہ وہ اصلی ہوں، ازھری کہتے ہیں: "قطوط" کا لفظ تحائف اور تنخواہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، انہیں "قطوط" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کاغذ کے ٹکڑے یا کٹی ہوئی دستاویز پر لکھے جاتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک انہیں اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک کہ اس آدمی تک نہ پہنچ جائیں جن کے نام لکھے گئے ہیں اور وہ مالک نہ بن جائیں۔

"قـــط" کا اصل معنی تحریر ہے جو کسی انسان کے متعلق اسے ملنے والی چیز کے متعلق لکھی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَعَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا﴾ "ہمارا حصہ ہمیں دے دو۔"

یعنی جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے اس میں جو ہمارا حصہ ہے وہ ہم پر فوراً لے آ۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں! "قِطّ" کا معنی حساب ہے۔

(31)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَعَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ

ایک بیع میں دو بیوع اور بیع سلف ممنوع ہے

(۲۱۱۱)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ، أَنْ يَحْتَبِيَ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ لَيْسَ بَيْنَ فَرْجِهِ وَبَيْنَ السَّمَاءِ شَيْءٌ، وَعَنِ الصَّمَّاءِ اشْتِمَالِ الْيَهُودِ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع کیا ہے، نیز آپ نے دو لباسوں سے بھی منع کیا ہے، یہ کہ آدمی کپڑے میں اس طرح گوٹھ مار کر بیٹھے کہ اس کی شرمگاہ اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو، اور یہود کی طرح اشتمال صماء سے منع کیا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک بیع میں دو بیوع کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مالک کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا دس درھم میں نقد یا بیس درھم میں ایک مہینے کی مہلت پر ادھار بیچ دیا ہے تو یہ بیع اکثر علماء کے نزدیک فاسد ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ قیمت کونسی ہے اور اگر قیمت معلوم نہ ہو تو عقد درست نہیں ہوتا۔

(۲۱۱۱) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۳٤٦١، والترمذي: ۱۲۳۱، والنسائي: ٤٦٤٦.

طاؤس کہتے ہیں: بیع درست ہے اور دونوں میں سے ایک قیمت ادا کر کے سامان خریدا جا سکتا ہے، ابراہیم، حکم اور حماد بھی اسی کے قائل ہیں۔

اوزاعی کہتے ہیں: بیع تو درست ہے البتہ جدا ہونے سے پہلے دونوں میں سے ایک قیمت متعین کرنا ضروری ہے اگر متعین کیے بغیر جدا ہو جائیں تو دونوں میں سے کم قیمت اور زیادہ مہلت کے عوض اور خریدار کا ہو جائے گا، اگر دوران مجلس ہی کوئی ایک بات متعین ہو جائے تو بالاتفاق بیع درست ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مالک کہے: میں نے تجھے یہ غلام بیس دینار میں اس شرط پر بیچ دیا کہ تو اپنی لونڈی مجھے بیچ دے، تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ اس نے غلام کی قیمت بیس دینار مقرر کی ہے اور ساتھ لونڈی کو بیچنے کی شرط لگائی ہے جو کہ ضروری نہیں ہے۔ جب اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے تو قیمت کا بعض حصہ باطل ہو گیا چنانچہ بیع یعنی غلام باقی ماندہ قیمت کے مقابلے میں مجہول ہوگا۔ اسی طرح اگر یوں کہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا ایک دینار میں بیچا ہے اس شرط پر کہ تو مجھے اس دینار کے بدلے درھم دے گا تو یہ بیع درست نہیں ہوگی۔

اگر ایک ہی سودے میں دو چیزیں بیچ دے مثلاً غلام اور گھر دونوں ایک ہی مرتبہ بیچ دے تو یہ جائز ہے اور بیعین فی بیعۃ کی صورت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ایک ہی عقد ہے جس میں دو چیزیں مقرر قیمت پر بیچی جا رہی ہیں۔

(۲۱۱۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ الْفَرَّاءُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أبيه......

عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ، وَعَنْ شِفِّ مَا لَمْ يُضْمَنْ، وَعَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو بیع کرنے سے اور اس چیز کا نفع لینے سے منع کیا ہے جس کا وہ ضامن نہیں، اور بیع سلف سے بھی منع کیا ہے۔

شرح "شف" نفع کو کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ اس چیز کا نفع لینا جائز نہیں جس کے نقصان کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔

ایوب نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیع سلف جائز نہیں، نہ ایک بیع میں دو شرطیں جائز ہیں، اور نہ ایسی چیز کا نفع جائز ہے جس کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہو، اور نہ اس چیز کی بیع جائز ہے جو تیرے پاس موجود نہیں۔'' (حسن صحیح، ابوداود: ۳۵۰۴، نسائی: ٤٦٢٥، ابن ماجه: ۲۱۸۸)

(۲۱۱۲) اسناده حسن ...... أخرجه الامام احمد فی "المسند": ٦٦٣٩ .

امام صاحب فرماتے ہیں: ”رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ“ یہ ہے کہ چیز خرید کر قبضہ میں لینے سے پہلے ہی بیچ ڈالے تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ قبضے میں لے کر وہ اس کا ذمہ دار نہیں بنا۔ اور بیع سلف یہ ہے کہ وہ کہے: میں تجھے یہ کپڑا دس درھم میں بیچ دوں گا اس شرط پر کہ تو مجھے دس درھم ادھار دے گا تو یہ بیع فاسد ہوگی، ”سلف“ ادھار کو کہتے ہیں کیونکہ اس نے دس درھم کے ساتھ قرض کی وصولی کو کپڑے کی قیمت بنا لیا ہے، جب شرط باطل ہوگی تو قیمت کا کچھ حصہ ساقط ہوگیا چنانچہ فروخت شدہ سامان کا باقی حصہ باقی قیمت کے مقابلے میں مجہول ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بیع سلف یہ ہے کہ قرضہ دے کر اس کے بدلے بیع کر لے جو قرض کی رقم سے زائد ہو۔ اگر یوں کہے: میں تجھے دس درھم قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اپنا غلام مجھے بیچ دے، تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ قرض کے عوض جو فائدہ بھی حاصل کیا جائے وہ سود ہوتا ہے، کبھی بیع سلف، بیع سلم کے ہم معنی ہوتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میں اس شرط پر اپنا غلام تجھے ہزار دینار میں بیچتا ہوں کہ تو مجھے سو دینار ادھار دے، یا کوئی چیز ادھار دے کر کہے اگر تو واپس نہ کر سکا تو یہ تجھ پر فروخت ہو جائے گی۔

ایک بیع میں دو شرطوں کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے: میں یہ غلام تجھے نقد ایک ہزار میں دوں گا لیکن ادھار دو ہزار میں دوں گا یعنی یہ بیعتین فی بیعۃ کے ہم معنی ہے، ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیچنے والا کہے: میں تجھے اپنا کپڑا اتنے میں دیدوں گا بشرطیکہ اس کی رنگائی، سلائی میں ہی کروں گا تو یہ بیع فاسد ہوگی، اسی طرح پسوائی کروانے کی شرط پر گندم بیچنا، اس شرط پر لکڑی بیچنا کہ تمہارے گھر لکڑی میں پہنچاؤں گا، فصل اس شرط پر بیچنا کہ کٹائی میں کروں گا تو یہ تمام بیوع فاسد ہیں۔

اس قسم کی شروط لگانے کے ناجائز ہونے میں علماء اس بات میں کوئی فرق نہیں سمجھتے کہ شرط ایک ہو یا دو ہوں کیونکہ دونوں صورتوں میں سبب تو ایک ہی ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ جب کوئی خریدار کہے: میں نے یہ کپڑا تجھے دس درھم میں اس شرط پر خریدا کہ اس کی رنگائی تو مجھے کروا کے دے گا تو دس درھم دو چیزوں پر تقسیم ہوئے یعنی کپڑے کی قیمت اور رنگائی کی مزدوری دونوں کی قیمت دس درھم ہوئی۔ اب جب یہ شرط فاسد ٹھہری تو کپڑے کی قیمت مجہول ہوگئی کہ کپڑے کی قیمت کیا ہے لہٰذا بیع باطل ہوگی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر ایک شرط ہو تو بیع جائز ہے مثلاً رنگائی کی شرط پر کپڑا بیچنا اور اگر دو شرطیں ہوں تو بیع فاسد ہوگی مثلاً کپڑا بیچتے وقت رنگائی اور سلائی کی شرط لگانا، مگر درست یہی ہے کہ شرط ایک ہو دو ہوں اس میں کوئی فرق نہیں بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے شرط لگا کر بیع کرنے سے منع کیا ہے۔ (رواه الهيثمي في الزوائد (٤/٨٥) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده وعزاه للطبراني في الاوسط وقال: وفي طريق عبد الله بن عمرو مقال)

یاد رہے! اس ممانعت میں تمام شروط شامل نہیں ہیں کہ بعض شرائط بیع کی صحت میں رکاوٹ نہیں ہیں اور انہیں پورا

کرنا ضروری ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے ایسا غلام خریدا جس کے پاس مال تھا تو وہ مال بیچنے والے کو ملے گا الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگائے، اور جس نے پیوند لگی کھجوریں خریدیں تو ان کا پھل بائع کا ہوگا الا یہ کہ خریدار شرط لگالے۔''

(صحیح بخاری: ۲۳۷۹، صحیح مسلم: ۱۵۴۳)

مختصر یہ ہے کہ ہر وہ شرط لگانا جائز ہے جس کے لگانے میں مصلحت ہو یا اس کی متقاضی ہو، مقتضائے بیع کی مثال یہ ہے کہ کوئی آدمی اس شرط پر غلام بیچے کہ خریدار اس سے حسن سلوک کرے گا، یا گھر اس شرط پر بیچے کہ وہ خود اس میں رہائش کرے گا یا کسی کو آباد کرے گا، اور مصلحت کی مثال یہ ہے کہ ادھار کی شرط پر بیچنا، یا یہ شرط لگانا کہ قیمت کے عوض گھر گروی رکھ دو، یا کسی کو قیمت کا ضامن مقرر کرنا۔

البتہ ایسی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جس کی نہ تو مطلق بیع متقاضی ہے اور نہ وہ بیع کی مصلحت ہی میں شامل ہے، مثلاً اس شرط پر سامان خریدنا کہ بیچنے والا اس کے گھر تک بھی پہنچائے گا، یا اس شرط پر کپڑا خریدنا کہ وہ اسے سلائی بھی کر کے دے گا، یا اس شرط پر جانور خریدنا کہ وہ فلاں وقت فلاں شہر میں اس کے حوالے کرے گا اور اس کا خرچ میں نہیں اٹھاؤں گا، تو ایسی بیع فاسد ہوگی کیونکہ شرط لگانے سے قیمت مجہول ہوگئی ہے۔

اسی طرح گھر بیچتے وقت یہ شرط لگانا کہ اگر میرے پڑوسی یا فلاں شخص راضی ہوا تو تب ہوگی تو ایسی بیع بھی فاسد ہو گی کیونکہ اس میں دھوکہ ہے کہ نہ معلوم وہ شخص راضی ہوگا یا نہیں۔

اسی طرح یہ شرط لگانا کہ جب بائع قیمت واپس کرے گا تو بیع بھی واپس ہو جائے گی اور گھر واپس بائع کو مل جائے گا، اور خریدار گھر اسے واپس دیدے گا تو ایسی بیع بھی فاسد ہے۔

اسی طرح اگر بائع خریدار پر یہ شرط عائد کرے کہ تو اسے آگے نہیں بیچے گا، یا یہ کہ تو اسے آگے ضرور بیچے گا، یا یہ کہ تو اسے ہبہ کرے گا تو بیع درست نہیں ہوگی کیونکہ اس نے خریدار کے تصرف پر پابندی عائد کردی ہے جو کہ ملکیت کا مقصد ہوتا ہے۔

ابن ابی لیلیٰ اور ثور کہتے ہیں: ایسی شرائط باطل ہوں گی جبکہ بیع درست ہوگی۔ ان کی دلیل بریرہ کی حدیث ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خریدا تو اس کی قوم نے شرط لگالی کہ ولاء انہیں ملے گی تو نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہ شرط باطل ہے اور بیع جائز ہے، اکثر راویان حدیث نے اس حدیث میں ولاء کی شرط کو بیان نہیں کیا۔ آزادی کی شرط لگانے سے بیع فاسد نہیں ہوگی کیونکہ حدیث نے اس کی تخصیص کردی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو غلام پر جو غلبہ حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ وہ اسے کسی دوسرے کی غلامی میں دے سکتا ہے، جب مشترک غلام کے حصہ داروں میں سے کوئی ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کردیتا ہے تو وہ باقی حصہ بھی آزاد کرسکتا ہے جبکہ دوسرے حصہ دار کے حصہ

میں اسے دیگر تصرفات کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے اس شرط پر سامان بیچا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے تو ایسی بیع میں علماء کے مابین اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر قول یہ ہے کہ بے جان چیزوں میں پائے جانے والے عیوب کا وہ ذمہ دار ہوگا خواہ وہ اس عیب سے لاعلم تھا خواہ باخبر تھا مگر اسے چھپا لیا، اور جاندار اشیاء میں ان پوشیدہ عیوب کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا جن کا اسے علم نہ تھا البتہ ظاہری عیوب کا ذمہ دار ہوگا خواہ اسے علم تھا یا نہیں تھا۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ سو درھم میں ایک غلام بیچا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے، خریدار کہنے لگا: یہ غلام بیمار ہے جس کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا نہیں، دونوں اپنا جھگڑا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قسم کھائیں کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ میرے علم کے مطابق اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا اور غلام واپس کر لیا، بعد میں انہوں نے وہی غلام پندرہ سو درھم میں بیچ ڈالا۔

بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ جاندار ہو یا بے جان، خواہ اسے عیوب کا علم ہو یا نہ ہو ہر قسم کے عیب سے پاک ہونا ضروری ہے، اصحاب الرائے کا بھی یہی قول ہے۔ اگر بیع مطلق ہو اور عیوب سے پاک ہونے کی شرط نہ ہو، لیکن قبضے سے پہلے کوئی عیب لاحق ہو جائے تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے، اور اگر قبضے کے بعد عیب لاحق ہو جائے تو اس کا ذمہ دار خریدار ہوگا، اگر بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے، بائع کہے یہ عیب خریدار کے ہاں لاحق ہوا ہے اور خریدار کہے بائع کے پاس لاحق ہوا ہے تو بائع اگر قسم کھائے تو اسی کا قول معتبر ہوگا جبکہ خریدار دلیل پیش کرے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: غلام کے متعلق یہ حکم خاص ہے کہ تین دن کے اندر اندر بغیر دلیل کے واپس کر سکتا ہے اور اگر اسے جنون، کوڑھ یا پھلبہری کا مرض لاحق ہو تو سال کے اندر اندر واپس کر سکتا ہے، سال کے بعد بائع بری الذمہ ہو جائے گا۔

سعید بن مسیّب بھی سال کی ضمانت کے ہی قائل ہیں، امام زہری رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی موذی مرض کی صورت میں سال کے اندر اندر واپسی ہو سکتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”غلام کی ضمانت تین دن تک ہوتی ہے۔“ (ضعیف، ابوداود: ۳۵۰۶، ابن ماجہ: ۲۲۴۵)

امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: حسن نے عقبہ سے سماع نہیں کیا، لہٰذا ضمانت کے متعلق حدیث درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(32)......بَابُ شِرَاءِ الْعَبْدِ بِشَرْطِ الْإِعْتَاقِ

آزاد کرنے کی شرط پر غلام خریدنا

(٢١١٣)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِي جَارِيَةً تُعْتِقُهَا، فَقَالَ أَهْلُهَا: نَبِيعُهَا عَلَى أَنَّ وَلَائَهَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ((لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكَ، إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ کیا کہ ایک لونڈی خرید کر آزاد کردیں، تو اس کے مالک کہنے لگے! ہم یہ لونڈی اس شرط پر بیچیں گے کہ ولاء ہماری ہوگی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شرط کی وجہ سے تو ارادہ نہ بدل لینا۔ ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔“

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے وہ دونوں امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔

(٢١١٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عن هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: جَائَتْنِي بَرِيرَةَ، فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى بَيْعِ تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَدْتُهَا لَهُمْ، وَيَكُونُ لِي وَلَاؤُكِ، قَالَتْ: فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَائَتْ مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی: میں نے اپنے مالکوں سے مکاتبت کی ہے کہ میں تمہیں نو اوقیہ چاندی دوں گی نیز ہر سال ایک اوقیہ ادا کرونگی، چنانچہ میری مدد کیجئے۔ سیدہ عائشہ کہنے لگیں: اگر تیرے مالک چاہیں تو یہ رقم میں انہیں ادا کر دیتی ہوں مگر تیرے ولاء کی نسبت میری ہوگی، بریرہ اپنے مالکوں کے پاس گئی اور ان کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے ولاء دینے سے انکار کردیا، جب وہ واپس (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی

(٢١١٣) أخرجه البخاري: ٢١٦٩، ٢٥٦٢، ومسلم: ١٥٠٤.

(٢١١٤) أخرجه البخاري: ٢١٦٨، ومسلم: ١٥٠٤.

جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِم ذٰلِكَ، فَأَبَوْا إِلا أَنْ يَكُونَ الْوَلاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا، فَأَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خُذِيهَا، وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ)) قَالَتْ عَائِشَةُ: ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ، وأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ((أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَهُوَ بَاطِلٌ، وإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ، وإِنَّمَا الْوَلاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔))

تو رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ بریرہ کہنے لگی: میں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی ہے مگر وہ نہیں مانے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ ولاء انہی کی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو اس سے بات پوچھی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے خرید لے اور ولاء کی شرط لگالے کیونکہ ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''اما بعد! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں، اللہ کا فیصلہ ہی برحق ہے اور اللہ کی شرط ہی قابل اعتماد ہے، ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔''

شرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے عبداللہ بن یوسف اور عبید بن اسماعیل سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ابی کریب سے روایت کیا ہے ان دونوں نے ابو اسامہ سے روایت کیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یوں کہنا: ''إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ'' اگر تیرے مالک چاہیں تو میں انہیں ادا کردوں گی، اس جملے میں انہوں نے لفظ ''عد'' استعمال کیا ہے جس کا معنی گننا ہے کیونکہ اہل مدینہ درہموں کو گن کر لین دین کیا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو آپ نے وزن کرنے کا طریقہ رائج کیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں کئی فوائد ہیں، جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ مکاتب غلام کو بیچنا جائز ہے تاہم علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے، کچھ لوگوں کے مذہب میں مکاتب کی بیع جائز ہے کیونکہ مکاتبت کی وجہ سے ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ گواہی، حدود اور جرائم میں مکاتب کا حکم غلام والا ہی ہے، نیز اگر وہ جنگ میں شامل ہو تو اسے مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا۔ ابراہیم نخعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر مکاتب غلام کو بیچ دیا جائے تو اس کی کتابت فسخ نہیں ہوگی اور جب مکاتب خریدار کو مکاتبت کی قسطیں ادا کر دیگا تو آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء کا حقدار بائع ہوگا جس نے اس سے کتابت کی تھی۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مکاتب کو خدمت کے لیے بیچنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ ادائیگی سے عاجز آجائے البتہ آزادی کے لیے بیچنا جائز ہے۔

امام شافعی اور اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ مکاتب کو بیچنا جائز نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث بریرہ کی تاویل یہ ہے کہ اسے اس کی رضا مندی سے بیچا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی مکاتبت فسخ ہوگئی۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کی مکاتبت کی قسطیں بیچی تھیں۔

قسطیں بیچنے میں اختلاف ہے بعض اسے جائز سمجھتے ہیں اور بعض ناجائز، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ سے کہا تھا: اگر تیرے مالک راضی ہوں تو میں انہیں ادا کردوں گی، ایک روایت میں یوں ہے ''اگر وہ راضی ہوں تو تیری کتابت کی رقم میں ادا کردیتی ہوں۔'' جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ مکاتبت کی قسطوں کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اس میں پختگی اور مضبوطی نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر غلام قسطیں ادا کرنے سے عاجز آجائے تو انہیں ختم کرسکتا ہے تو یہ ایسے ہوا جیسے ادھاری چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے ہی بیچ دیا جائے لہٰذا یہ جائز نہیں ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا ''أَعُدَّهَا لَهُمْ اَوْاَقْضِيَ عَلَيْكِ'' میں تیری طرف سے وہ رقم ادا کردیتی ہوں، سے مراد یہ ہے کہ میں وہ قیمت ادا کردوں گی جو آپ نے اپنی آزادی خریدنے کے عوض انہیں ادا کرنی ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو قاسم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو خرید کر آزاد کردو۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے دلیل لی ہے کہ آزادی کی شرط پر غلام کو بیچنا جائز ہے، جبکہ حدیث سے مذکورہ استدلال بطور استنباط ہے واضح الفاظ موجود نہیں ہیں، استنباط یوں ہے کہ ولاء کی شرط صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس سے پہلے آزادی کی شرط لگائی گئی ہو نیز سیدنا عروہ کی روایت میں ''اِبْتَاعِيْ وَاَعْتِقِيْ'' اور ''اِشْتَرِيْهَا وَاَعْتِقِيْهَا'' کے الفاظ اسی مفہوم کو واضح کررہے ہیں۔

آزادی کی شرط لگا کر غلام کو خریدنے میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید یہ ہے کہ بیع درست ہے اور شرط کو پورا کرنا لازم ہے، امام نخعی کہتے ہیں: آزادی کو شرط کے علاوہ دوران بیع جو شرط بھی لگائی جائے بیع اس کو ختم کردیتی ہے اور طلاق کی شرط کے علاوہ جو شرط بھی دوران نکاح لگائی جائے نکاح اس کو ختم کردیتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ بیع تو درست ہے مگر شرط باطل ہے۔ ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے، اس قسم کی ہر شرط کے متعلق جو کہ فاسد ہو ان کا یہی مذہب ہے۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ بیع فاسد ہوگی لیکن فاسد ہونے کے باوجود اگر خریدار سامان قبضے میں لے لے تو

مالک بن جائے گا اور اگر اس کے قبضے میں سامان ضائع ہو جائے تو اس پر قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر خریدار غلام کو قبضے میں لے کر آزاد کر دے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور خریدار قیمت ادا کر دے گا، احناف کا سب سے درست مذہب یہی ہے، اگر کوئی شخص غلام کو بیچتا ہے اور بیچتے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ تم اسے آزاد کرو گے اور ولاء مجھے ملے گی تو جمہور کے نزدیک بیع باطل ہوگی، نیز امام شافعی کا قوی مذہب بھی یہی ہے، جبکہ ان کا قول قدیم یہ ہے کہ بیع درست ہوگی اور شرط باطل ہوگی، ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

ان کی دلیل حدیث بریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ اس کے مالکوں نے بیچتے وقت یہ شرط لگائی کہ اس کی ولاء ہمیں ملے گی، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کو جائز قرار دیا اور شرط کو باطل کر دیا نیز اس پر قیاس کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ فاسد شرط سے بیع کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مگر درست بات یہ ہے کہ ولاء کی شرط بیع میں شامل نہیں تھی بلکہ وہ لوگ یہی چاہتے تھے کہ کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں اسے فروخت کر دیں جو اسے آزاد کر دے مگر چونکہ وہ اس حکم سے ناواقف تھے کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ہی ملتی ہے اس لیے وہ یہ چاہتے تھے کہ ولاء انہیں مل جائے، جب سودا ہو گیا، ان کی ملکیت ختم ہو گئی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کو آزاد کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شریعت کا حکم بتا دیا کہ ولاء آزاد کرنے والے کے علاوہ کسی اور کو نہیں مل سکتی، اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ مفہوم کیسے لیا جا سکتا ہے جبکہ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: ''اسے خرید لو اور ولاء کی شرط لگا لو۔'' (یعنی ابھی انہوں نے اسے خریدا نہیں تھا)

تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ الفاظ صرف ہشام نے روایت کیے ہیں اور عمرہ کی روایت میں یوں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خرید کر آزاد کر دو۔'' ولاء آزاد کرنے والے کی ہی ہوتی ہے، اسی طرح قاسم کی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ان میں سے کسی نے بھی "اِشْتَرِطِيْ لَهُمُ الْوَلَاءَ" کا ذکر نہیں کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ مفہوم زیادہ درست ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور اللہ کے ہاں آپ کا مرتبہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ لوگوں کو تو باطل شرط سے منع کریں لیکن اپنے گھر والوں کو اس کا حکم دیں جبکہ آپ دین الٰہی کے معاملے میں اپنے گھر والوں پر زیادہ سختی کرتے تھے۔

اگر ان الفاظ کی صحت ثابت بھی ہو جائے تو بھی ان کی تاویل کی جائے گی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی باتوں کی پروا نہ کر کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے کی ہی ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ نے انہیں ولاء کی شرط لگانے کی مطلق اجازت دی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عبدالواحد بن ایمن اپنے والد سے اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خرید کر آزاد کر دو، انہیں چھوڑ و، وہ جو مرضی شرطیں لگاتے رہیں۔'' (صحیح بخاری: ۲۵۶۵) اس حدیث میں یہی اشارہ ہے کہ ان کا ایسی شرطیں لگانا فضول ہے، ان پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں تا آنکہ آپ ان پر یہ حکم واضح کر دیں گے۔

مزنی نے "اِشْتَرِطِیْ لَھُمُ الْوَلَاءَ" کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ یہاں "لھم" "علیھم" کے معنی میں ہے یعنی "اِشْتَرِطِیْ لَھُمُ الْوَلَاءَ" جیسا کہ قرآن مجید میں ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ کا معنی "اُولٰئِكَ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ" ہے اسی طرح "اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" کا معنی "فَعَلَيْهَا" ہے۔

اور "اِشْتَرِطِیْ لَھُمُ الْوَلَاءَ" کا ایک مفہوم اور بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ امر کا صیغہ ہے مگر مقصود دھمکی دینا اور منع کرنا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ امر کا صیغہ ہے مگر مقصود منع کرنا ہے۔

"مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ" ایسی شرائط جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کا حکم فیصلے کے مطابق نہیں ہے، یہ مراد نہیں کہ ان کا تذکرہ بالنص کتاب اللہ میں نہیں ہے، کیونکہ ولاء کا تذکرہ بالنص قرآن میں ہے ہی نہیں ہے، مگر چونکہ کتاب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ولاء آزاد کرنے والے کو دی ہے تو اس کی نسبت کتاب اللہ کی طرف ہی ہوگی کیونکہ سنت کتاب اللہ کی وضاحت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

(33)......بَابُ مَنْ بَاعَ دَابَّةً وَاسْتَثْنَى لِنَفْسِهِ ظَهْرَهَا

سوار ہونے کے استثناء پر سواری کا جانور بیچنا

(۲۱۱۵)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَمَّادٍ الأَبِيوَرْدِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، وَكُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي، فَاعْتَلَّ، فَلَحِقَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ النَّاسِ، فَقَالَ: ((مَالَكَ يَا جَابِرُ؟)) فَقُلْتُ: اعْتَلَّ بَعِيرِي، فَأَخَذَ بِيَدِي، ثُمَّ زَجَرَهُ، فَمَا زِلْتُ فِي أَوَّلِ النَّاسِ يَهْتَزُّ رَأْسُهُ حَتَّى إِذَا دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْذَنَ لِي إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، أَنْ أَعْجَلَ إِلَى أَهْلِي،

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے، میرا اونٹ بیمار پڑ گیا، پچھلے لوگوں میں رسول اللہ ﷺ مجھے ملے تو آپ نے پوچھا: جابر تیرا کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا اونٹ بیمار ہو گیا ہے، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈانٹا تو پھر میں آگے کے لوگوں میں رہا، اس (اونٹ) کا سر جھوم رہا تھا، جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے جلدی گھر جانے کی اجازت دے دیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

(۲۱۱۵) أخرجه البخاري: ٤٤٣، ١٨٠١، ٢٠٩٧، ٢٣٠٩، ومسلم: ٧١٥.

قَالَ: ((وَتَزَوَّجْتَ؟)) قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ((بِكْرًا أَوْ ثَيِّبًا)) قُلْتُ: لا بَلْ ثَيِّبٌ، قَالَ: ((فَهَلا بِكْرًا تُلاعِبُكَ وَتُلاعِبُهَا)) قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ هَلَكَ، وَتَرَكَ عَلَيَّ جَوَارِيَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَضُمَّ إِلَيْهِنَّ مِثْلَهُنَّ، قَالَ: ((لا تَأْتِ أَهْلَكَ طُرُوقًا)) قَالَ: ((مَا فَعَلَ جَمَلُكَ؟)) قُلْتُ: هُوَ ذَا، قَالَ: ((بِعْنِيهِ)) قُلْتُ: لا، بَلْ هُوَ لَكَ، قَالَ: ((بَلْ بِعْنِيهِ)) قُلْتُ: فَاشْتَرِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ((أَخَذْتُهُ مِنْكَ بِوُقِيَّةٍ، ارْكَبْهُ، فَإِذَا جِئْتَ الْمَدِينَةَ فَأْتِنَا بِهِ)) فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، قَالَ لِبِلالٍ: ((زِنْ لَهُ أُوقِيَّةً، وَزِدْهُ قِيرَاطًا)) قُلْتُ: هَذَا الْقِيرَاطُ الَّذِي زَادَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا يُفَارِقُنِي أَبَدًا، فَجَعَلْتُهُ فِي كِيسٍ، فَلَمْ يَزَلْ عِنْدِي حَتَّى جَاءَ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ، فَأَخَذُوهُ فِيمَا أَخَذُوا۔

تو نے شادی کرلی ہے؟ میں نے عرض کی، جی ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا: کنواری لڑکی سے یا بیوہ سے؟ میں نے جواب دیا: بیوہ عورت سے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی کہ تم دونوں ایک دوسرے سے خوش طبعی کرتے۔'' میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! (میرا والد) عبداللہ فوت ہوگیا ہے اور میرے ذمہ بچیاں چھوڑ گیا ہے، تو میں نے ان جیسی بچی کو لانا اچھا نہیں سمجھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''رات کو گھر نہ جانا، پھر پوچھا: تیرے اونٹ کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا: وہ یہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بیچ دو۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! خرید لیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک اوقیہ میں تجھ سے یہ اونٹ خرید لیا ہے، تو اس پر سوار ہو جاء، مدینہ پہنچ کر اسے میرے پاس لے آنا'' جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ نے بلال سے کہا: ایک اوقیہ تول کر اسے دیدو اور ایک قیراط بڑھا دینا، میں نے کہا: جو قیراط رسول اللہ ﷺ نے مجھے اضافی دیا ہے یہ میں ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھوں گا، چنانچہ میں نے اسے ایک تھیلی میں ڈال دیا، تو وہ میرے پاس ہی رہا، حتی کہ حرہ کے روز جب اہل شام مدینہ (حملہ کرنے) آئے تو انہوں نے باقی چیزوں کی طرح یہ بھی مجھ سے لے لیا۔

شرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے کئی سندوں کے ساتھ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: "زن له" کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ خریدتے وقت قیمت (درھم و دینار وغیرہ) کا وزن کرنے کی ذمہ داری خریدار پر ہے کیوں کہ یہ ادائیگی میں شامل ہے۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ جو آدمی ماپ تول والی چیز فروخت کرتا ہے تو ماپنے تولنے کی ذمہ

داری بیچنے والے پر ہوگی، لیکن اگر کوئی آدمی کھڑی فصل یا درخت پر لگے پھل خریدتا ہے تو انہیں کاٹنے کی ذمہ داری خریدار پر ہوگی کیونکہ اس کا کاٹنا قبضے میں شامل ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس میں یہ دلیل بھی پائی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص یوں کہے کہ میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے میں خرید لی ہے، اور دوسرا کہے: میں نے تجھے یہ چیز دے دی ہے یا یوں کہے کہ وہ تیری ہوگئی، خریدار کہے مجھے قبول ہے تو بیع ہو جائے گی۔ نیز اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ غیر منقسم چیز کو ہبہ کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ اضافی قیراط جو آپ نے ہبہ کیا تھا اونٹ کی کل قیمت سے علیحدہ نہیں تھا۔

(٢١١٦)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ:......

حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا، يَقُولُ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ، أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا، فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَهُ، فَدَعَا لَهُ، فَسَارَ بِسَيْرٍ لَيْسَ يَسِيرُ مِثْلَهُ، ثُمَّ قَالَ: ((بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ)) قُلْتُ: لا، ثُمَّ قَالَ: ((بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ)) فَبِعْتُهُ، فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي، فَلَمَّا قَدِمْنَا، أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ، وَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ انْصَرَفْتُ، فَأَرْسَلَ على أَثَرِي، قَالَ: ((مَا كُنْتُ لآخُذَ جَمَلَكَ فَخُذْ جَمَلَكَ ذٰلِكَ، فَهُوَ مَالُكَ۔))

زکریا کہتے ہیں: میں نے عامر سے سنا وہ کہہ رہے تھے: مجھے جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ وہ ایسے اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو تھک چکا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گذرے تو اس کو مارا اور اس کے لیے دعا کی تو وہ ایسے چلنے لگا کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح نہیں چلا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک اوقیہ میں مجھے بیچ دو، میں نے کہا: میں نے نہیں بیچنا، آپ نے پھر فرمایا: ''ایک اوقیہ میں مجھے بیچ دو۔'' چنانچہ میں نے بیچ دیا اور گھر تک سوار ہونے کا استثناء کر لیا، جب ہم مدینہ آئے تو میں آپ کے پاس اونٹ لے کر آیا، آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا کر دی، میں واپس مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے آدمی بھیجا اور فرمایا: ''میں تیرا اونٹ نہیں لوں گا، اپنا اونٹ لے جا، وہ تیرا مال ہے۔''

شرح یہ متفق علیہ روایت ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے محمد بن عبداللہ بن نمیر سے بیان کیا ہے جو شخص جانور بیچے اور کچھ وقت تک اس پر سوار ہونے کی اپنے لیے شرط لگا لے یا گھر بیچے اور کچھ وقت تک کے لیے اس میں رہنے کی اپنے لیے استثناء کرے تو ایسی بیع میں علماء کا اختلاف ہے، اوزاعی، ابن شبرمہ، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک

(٢١١٦) أخرجه البخاري: ٢٧١٨، ومسلم: ٧١٥.

بیع درست ہے اور شرط کو پورا کرنا لازم ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر استثناء تھوڑی دیر کے لیے ہو تو پھر جائز ہے (ورنہ نہیں) ان کی دلیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔

امام شافعی اور اصحاب الرائے کا مذہب کے مطابق بیع فاسد ہے، کیونکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء کرنے سے منع کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۳۶) باقی رہا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ بیچنے والا واقعہ تو اس کی دو تاویلات ممکن ہیں۔

پہلی تاویل تو یہ ہے کہ سوار ہونے کا استثناء بیع کی شرائط میں شامل نہ تھا بلکہ بیع کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریتاً انہیں سوار ہونے کی اجازت دی تھی، جیسا کہ سالم بن ابوالجعد کی روایت میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ایک اوقیے میں یہ اونٹ تجھ سے خرید لیا ہے، تو اس پر سوار ہو جا۔'' (صحیح، نسائي: ٤٦٥٣)

اسی طرح شعبہ، مغیرہ سے وہ شعبی سے اور وہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ بیچ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تک اس پر سوار ہونے کی مجھے اجازت دیدی۔'' (صحیح، مسند طیالسی: ١٨٩٧، معرفة السنن والآثار للبيهقي: ٨/ ١٤٤، صحيح بخاری معلقا، وروی نحوه: ٢٣٠٩)

لغت عرب میں کسی کو سواری کے لیے عاریتاً جانور دینے کے لیے لفظ ''اَفْقَرَ'' استعمال ہوتا ہے، ''فقار الظهر'' (ریڑھ کی ہڈی) اسی سے نکلا ہے۔

عطاء بن ابی رباح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تجھ سے یہ خرید لیا ہے اور مدینہ تک سوار ہونے کی آپ کو اجازت ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲۳۰۹) ممکن ہے کہ اسی اجازت کو بعض لوگوں نے شرط سمجھ لیا ہو اور اسے بطور شرط روایت کر دیا ہو۔

کیونکہ جب آپ نے عاریتاً سواری دینے کا وعدہ کر لیا تو پھر اس وعدے کو پورا کرنے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ گیا چنانچہ راوی نے اسے بطور شرط ذکر کر دیا کہ جس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ حقیقی بیع نہ تھی لہٰذا اس میں نہ حوالگی تھی اور نہ قبضہ ہی تھا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو فائدہ دینا چاہتے تھے اور اونٹ کی خریداری اس کا ایک بہانہ تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قیمت ادا کرتے وقت فرمایا تھا: میرا مقصد اونٹ خریدنا نہیں تھا چنانچہ تو اپنا اونٹ لے جا یہ تیرا مال ہے۔''

امام صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی آدمی کسی کو گھر یا جانور کرایہ پر دیتا ہے پھر اسی دوران اس کو بیچ دیتا ہے تو بیع درست ہے۔ امام شافعی کا درست قول یہی ہے مگر کرایے کی مدت معاہدہ تک کرایہ دار ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا کیونکہ یہ اس کا حق ہے لہٰذا یہ بیع میں شامل نہیں ہوگا، بخلاف اس کے کہ وہ اپنے رہنے کے لیے استثناء کر لے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی لونڈی خریدتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ اس کے جسم سے میں فائدہ اٹھاتا رہوں گا تو یہ بیع درست نہیں

ہوگی، لیکن اگر کسی ایسی لونڈی کو بیچتا ہے جس کی شادی اس نے کسی اور آدمی سے کر رکھی ہے تو بیع درست ہوگی مگر اس سے استفادہ صرف خاوند ہی کرے گا۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں یوں بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب میں مدینہ پہنچا تو اونٹ لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے ایک اوقیہ مجھے زائد دیا پھر اونٹ مجھے ہبہ کر دیا۔ جو لوگ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ قبضے میں لینے سے پہلے ہی بیچی ہوئی چیز کو ہبہ کرنا جائز ہے، وہ اسی حدیث سے دلیل لیتے ہیں، علماء کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے جبکہ قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

(34)......بَابُ الْإِقَالَةِ

واپسی کا بیان

(۲۱۱۷)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ السَّمْعَانِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، ثنا شَرِيكٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَشِيرٍ الْمَدَائِنِيُّ......

عَنْ شُرَيْحٍ الشَّامِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ أَقَالَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ صَفْقَةً كَرِهَهَا، أَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

جناب شریح شامی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے وہ سامان واپس کرلے جسے وہ خریدنا نہیں چاہتا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں کو معاف کر دے گا۔''

شرح: یہ حدیث مرسل ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ۔)) ......''جو مسلمان کا سامان واپس کرلے گا اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف کر دے گا۔'' (صحیح، ابوداود: ۳٤٦۰، وابن ماجہ: ۲۱۹۹)

امام صاحب فرماتے ہیں: بیع اور سلم (رقم نقد ہو اور سامان ادھار ہو) میں اقالہ (واپسی) جائز ہے خواہ قبضے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، نیز یہ فسخ بیع ہے حتی کہ اگر دو آدمی بیع کرنے، قبضہ میں لینے کے بعد اقالہ (واپسی) کر دیں تو ہر ایک کے لیے واپس کی ہوئی چیز میں تصرف کرنا جائز ہے، اگر اقالہ سلم میں ہوا ہے تو سلم کرنے والا اپنے اصل میں تصرف کر سکتا ہے، نیز اگر اس کا اصل مال مسلم الیہ (سلم لینے والے شخص) کے ہاں ضائع ہو جائے تو اس پر لازم ہوگا کہ اسے متبادل ادا کرے اور سلم کرنے والا آدمی متبادل چیز اپنے قبضے میں لے سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے کیونکہ اقالہ کی وجہ سے سلم ختم ہو چکا ہے۔

(۲۱۱۷) هذا الحديث مرسل.

اگر کوئی آدمی سلم کا کچھ حصہ واپس کر دے اور اس کے مطابق قیمت واپس لے لے اور باقی حصہ قبضے میں لے لے تو جائز ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ بات مشہور ہے، عطاء بن ابی رباح نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے نیز امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، جبکہ امام نخعی اسے ناجائز کہتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: قبضہ میں لینے سے پہلے ہی کسی چیز کو واپس کرنے کی صورت میں مال سلم کے عوض دوسری چیز لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سلم کا کچھ حصہ رکھ لینا اور کچھ واپس کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(35) ...... بَابُ فِيمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَاسْتَغَلَّهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا

جس نے غلام خریدنے کے بعد اس سے استفادہ کیا پھر اس میں کوئی عیب پایا

(۲۱۱۸)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ۔))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نفع ضمانت کے بدلے ہے۔“

(۲۱۱۹)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نفع ضمانت کے بدلے ہوتا ہے۔

شرح خراج سے مراد فائدہ ہے، اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی کوئی چیز خریدنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے مثلاً غلام سے کمائی کرتا ہے یا گھر میں آباد ہو جاتا ہے یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ حاصل کرتا ہے یا جانور پر سوار ہوتا ہے یا اس کا کرایہ وصول کرتا ہے پھر اس میں کوئی عیب پاتا ہے جو پرانا یعنی خریدنے سے پہلے کا ہے تو وہ

(۲۱۱۸) حسن ...... أخرجه ابوداود: ۳۵۰۸، والترمذی: ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، والنسائی: ۴۵۰۲، وابن ماجه: ۲۲۴۲.

(۲۱۱۹) صحیح ...... أخرجه الامام الشافعی فی ”مسنده“: ۹۱۵.

اس چیز کو واپس کرسکتا ہے اور حاصل ہونے والا فائدہ خریدار کا ہی ہوگا کیونکہ اس کی ذمہ داری بھی تو اسی کے سر تھی، چنانچہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا: نفع ضمانت کے بدلے ہوتا ہے، کا مفہوم یہی ہے کہ نفع کا حصول اصل مال کی ضمانت اٹھانے کے عوض ہے (یعنی اگر وہ چیز خریدار کے پاس ضائع ہو جاتی تو وہ اس کا ذمہ دار تھا تو اسی طرح فائدہ کا حق دار بھی وہی ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ خریدار کے ہاں پیدا ہونے والا جانور یا لونڈی کا بچہ، جانور کا دودھ، اون، خریدے ہوئے درخت کا پھل وغیرہ خریدار کا ہی ہوگا اور عیب کی صورت میں وہ صرف اصل چیز ہی واپس کرے گا یہ چیزیں واپس نہیں کرے گا۔

اصحاب الرائے کہتے ہیں: اگر چیز میں نقص ہو تو فائدہ اٹھانے کے بعد اسے واپس کرنے میں کوئی ممانعت نہیں البتہ اگر قبضہ میں لینے سے پہلے واپس کرے گا تو حاصل شدہ فائدہ بھی ساتھ واپس کرنا پڑے گا، اور اگر قبضہ میں لینے کے بعد واپس کرے گا تو فوائد اسی کے پاس باقی رہے گا، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اصل چیز کے ساتھ بچہ تو واپس کرے گا البتہ اون واپس نہیں کرے گا، اگر کسی نے لونڈی خریدی پھر اس نے خود اس لونڈی سے جماع کیا یا اس کی ملکیت میں کسی نے اس کے ساتھ غلط فہمی میں جماع کرلیا پھر خریدار نے اس لونڈی میں عیب پالیا، اگر وہ لونڈی بیوہ تھی تو خریدار لونڈی واپس کرے گا اور مہر کی رقم خریدار کی ہوگی، اگر اس نے خود جماع کیا ہے تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں آئے گا، اگر لونڈی کنواری تھی تو خریدار اسے واپس نہیں کرسکتا کیونکہ زوال بکارت بھی ایک عیب ہے جو خریدار کی طرف سے پیدا ہوا ہے البتہ نقص کے مطابق اس کی قیمت کم ہو جائے گی یہ قول امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔

اصحاب الرائے کہتے ہیں: جماع کرنے کے بعد لونڈی کو واپس کرنا درست نہیں اگرچہ اس میں عیب ہو اور وہ بیوہ ہی کیوں نہ ہو، سفیان ثوری اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: اسے واپس کرسکتا ہے مگر اس کے ساتھ مہر مثل بھی ادا کرے گا، ابن ابی ذئب سے مروی ہے کہ مخلد بن خفاف کہتے ہیں: میں نے ایک غلام خریدا اور اس سے استفادہ بھی کیا پھر مجھے اس میں کوئی عیب معلوم ہوگیا تو میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس جھگڑا لے گیا، انہوں نے مجھے غلام اور اس سے حاصل شدہ فائدہ دونوں چیزیں واپس کرنے کا حکم دیا، پھر میں عروہ کے پاس گیا اور ان کو معاملہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا: میں رات کو ان کے پاس جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے بتایا: مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے جھگڑے میں یوں فیصلہ کیا تھا کہ ''نفع ضمانت کے بدلے ہوتا ہے۔'' (دیکھیں حدیث نمبر ۲۱۱۸) شام کو سیدنا عروہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس گئے تو پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں وہ فائدہ اس شخص سے واپس لے لوں جس کے حق میں انہوں نے میرے خلاف فیصلہ کیا تھا۔

اصحاب الرائے نے غصب کو بیع پر قیاس کیا ہے اور غصب شدہ چیز سے حاصل شدہ فائدے کو واپس کرنا غاصب پر واجب قرار نہیں دیا، کیونکہ وہ چیز اس کے ذمہ تھی اور نفع اس ذمہ داری کے بدلے ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غاصب پر لازم ہے کہ وہ غصب شدہ مال کا نفع واپس کرے کیونکہ غاصب کا قبضہ ظلماً ہے جبکہ خریدار کا مال بیع پر قبضہ کرنا ظلم نہیں بلکہ اس کا حق ہے۔

جس نے غلام وغیرہ خریدا اور خریدنے کے بعد اس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس میں ایک عیب خریداری سے پہلے بھی موجود تھا تو وہ بائع سے مشورہ کرے گا اگر وہ نئے عیب سمیت غلام واپس لینے پر راضی ہو جائے تو خریدار وہ غلام بائع کو واپس کر دے گا اور خریدار پر کوئی تاوان نہیں ہو گا اور اگر بائع نئے عیب کی وجہ سے غلام واپس لینے پر راضی نہ ہو تو وہ قبل از خرید عیب کے بدلے خریدار کو تاوان دے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خریدار کو اختیار ہو گا چاہے تو بائع سے تاوان لے لے اور غلام رکھ لے اور چاہے تو نئے عیب کا تاوان دے کر غلام بائع کو واپس کر دے۔

(36)......بَابُ تَحْرِيمِ الْغِشِّ فِي الْبَيْعِ

بیع میں دھوکہ دہی حرام ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ﴾......''لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔''

(سورۂ اعراف: ۸۵)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ .... ''کم تولنے والوں کے لیے تباہی ہے۔'' (سورۂ مطففین: ۱)

﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾......''انصاف کے ساتھ پورا پورا وزن کرو۔'' (سورۂ رحمٰن: ۹)

(۲۱۲۰)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخَرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: ((مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟)) قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، قَالَ: ((أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے تو اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کیا، آپ کی انگلیاں نمی تک پہنچ گئیں تو آپ نے پوچھا: اے غلے کے مالک! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی،

(۲۱۲۰) أخرجه مسلم: ۱۰۲.

الـطَّـعَـامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ؟)) ثُمَّ قَالَ: ((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي.))

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہیں ڈالا تاکہ لوگ دیکھ لیتے؟ پھر فرمایا: جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے علی بن حجر سے بیان کیا ہے۔

(۲۱۲۱)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُؤَذِّنُ، أَخبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، أَخبَرَنَا أَبُـو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنُ بِلَالٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الرَّبِيعِ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ......

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ مَرَّ بِرَجُلٍ يَبِيعُ طَعَامًا، فَقَالَ: ((كَيْفَ تَبِيـعُ؟)) فَـأَخْبَـرَهُ، فَـأُوْحِيَ إِلَيْهِ أَنْ أَدْخِـلْ يَـدَكَ فِيهَـا فَأَدْخَلَ، فَإِذَا هُوَ مَبْلُولٌ، فَـقَـالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو غلہ بیچ رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا: کیسے بیچ رہے ہو؟ اس نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ کو وحی کی گئی کہ اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کیجئے، آپ ﷺ نے ہاتھ اندر داخل کیا تو وہ بھیگا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''جو ہمیں دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے ''من غش فليس منی'' (دھوکہ کرنے والا مجھ سے نہیں ہے) اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ دین اسلام سے خارج ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ میرا متبع اور پیروکار نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا اخلاق اور کردار ایسا نہیں ہے، یا یہ مراد ہے کہ بھائیوں سے خیر خواہی کرنے کے متعلق اس نے میری سنت اور میرے طریقے کو نہیں اپنایا، جیسے کوئی شخص اپنے دوست سے کہتا ہے ''انـا مـنك'' میں تجھ سے ہوں اور مراد یہ ہوتا ہے کہ میں تجھ سے موافقت اور متابعت رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ﴾ ...... ''جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔'' ''غش'' کا لفظ ''النصح'' (خیر خواہی) کا متضاد ہے۔ جو غش سے نکلا ہے اور ''غش'' گدلے پانی کو کہتے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: بیع میں تدلیس کرنا حرام ہے اور تدلیس کی مثال یہ ہے کہ عیب چھپائے، یا بکری وغیرہ کا دودھ روک لے، یا لونڈی کا چہرہ ڈھانپ دے تاکہ خریدار سمجھے کہ یہ بڑی خوبصورت ہے، یا لونڈی کے بال گھنگریالے کردے، ایسی صورت میں بیع تو درست ہوگی مگر خریدار کو تدلیس کا پتہ چلنے کے بعد سامان رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہوگا۔

(۲۱۲۱) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۳٤٥٢.

مروی ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے ایک لونڈی خریدی جسے شادی شدہ پا کر انہیں واپس کر دیا۔

اگر سامان خریدار کے ہاں ضائع ہو جائے یا غلام کو خریدار نے آزاد کر دیا، بعد میں اسے پتہ چلا کہ اس میں عیب تھا تو وہ بائع سے اس کا تاوان وصول کرے گا اس کی صورت یوں ہوگی کہ وہ دیکھے گا کہ اس نقص کی وجہ سے قیمت میں کتنا فرق پڑا ہے تو اتنی رقم وہ بائع سے واپس لے لے گا۔

شارح کہتے ہیں: اگر غلام میں ادفان کا عیب ہو تو اس کی وجہ سے غلام کو واپس کرنا درست نہیں، ادفان سے مراد یہ ہے کہ مالک کے ڈر سے ایک دو دن ادھر ادھر ہو جائے اور شہر سے باہر نہ جائے، البتہ اگر بھاگنے اور گم ہو جانے کا عیب ہو تو اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق مروی ہے کہ وہ عبس یعنی بستر پر پیشاب کرنے کی وجہ سے غلام واپس کر دیا کرتے تھے۔

اگر کوئی آدمی غلام بیچے اور بیچتے وقت اسے کاتبوں والی وردی پہنا دے یا کسی بھی پیشے سے وابستہ لوگوں جیسا لباس پہنا دے (تاکہ معلوم ہو کہ یہ کاتب وغیرہ ہے) خریدار یہ سمجھے یہ غلام کاتب ہے یا فلاں پیشے سے وابستہ ہے کہ جس کا لباس اس نے پہنا ہوا ہے حالانکہ وہ کاتب وغیرہ نہیں ہے تو صحیح مذہب یہی ہے کہ خریدار کو غلام واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ آدمی بسا اوقات عاریتاً دوسروں کے کپڑے پہن لیتا ہے۔ خریدار نے خود دھوکہ کھایا لہٰذا اسے واپسی کا اختیار نہیں ہے۔

اگر بائع مال کی اصل قیمت غلط بتائے تو بھی بیع درست ہوگی اور خریدار کو سامان واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا الا یہ کہ بیع مرابحہ ہو تو واپس کر سکتا ہے۔

(بیع مرابحہ یہ ہے کہ بائع کہے: میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے تم مجھے اتنا نفع دیدو اور چیز لے لو) اگر کوئی آدمی کوئی چیز خریدتا ہے پھر نفع مقرر کر کے بیچ دیتا ہے مگر اصل قیمت غلط بتاتا ہے جیسے چیز سو میں خریدی ہو اور بتائے ایک سو دس تو بیع درست ہوگی۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ جو قیمت اس نے زائد بتائی ہے وہ اسے چھوڑنی پڑے گی یا نہیں، ابن ابی لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ قیمت کم نہیں کرے گا جبکہ خریدار کو چیز رکھنے یا واپس کرانے کا اختیار ہوگا، دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے اور یہی درست قول ہے کہ خیانت والی رقم کم ہوگی لیکن خریدار کو چیز واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قیمت کم بھی ہو جائے تب بھی خریدار کو چیز واپس کرنے کا اختیار رہوگا، اگر کوئی آدمی چیز خرید کر کسی اور کے سپرد کر دیتا ہے یا اسے اس چیز میں شریک کرتا ہے تو جائز ہے۔ اگر وہ قبضہ لینے کے بعد شریک کرے اور شراکت کی مقدار بھی واضح کر دے، یہ ایک نیا عقد ہے جو خریدار کر رہا ہے چنانچہ قبضہ میں لیے بغیر یہ کام جائز نہ ہوگا، اگر مذکورہ صورت میں وہ درست قیمت نہیں بتاتا اور کذب بیانی کرتا ہے تو شراکت اور حوالگی درست نہ ہوگی کیونکہ دوسرے

عقد کا دارومدار پہلے عقد پر ہے۔

(37)......بَابُ اخْتِلَافِ الْمُتَبَايِعَيْنِ

بائع اور خریدار میں اختلاف کا حل

(٢١٢٢)۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرْبَنْدِ كُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ السِّجْزِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، حدَّثني أَبِي، عَنْ أَبِي عُمَيْسٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الأَشْعَثِ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: اشْتَرَى الأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ رَقِيقًا مِنْ رَقِيقِ الْخُمْسِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِعِشْرِينَ أَلْفًا، فَأَرْسَلَ عَبْدُ اللّٰهِ إِلَيْهِ فِي ثَمَنِهِمْ، فَقَالَ: إِنَّما أَخَذْتُهَا بِعَشَرَةِ آلافٍ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَاخْتَرْ رَجُلا يَكُونُ بَيْنِي وبَيْنَكَ، قَالَ الأَشْعَثُ: أَنْتَ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفسِكَ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَهُوَ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ، أَوْ يَتَتَارَكَانِ۔))

عبدالرحمٰن بن قیس بن محمد بن اشعث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ اشعث بن قیس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک غلام بیس ہزار میں خریدا جو کہ خمس کے غلاموں میں سے تھا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قیمت وصول کرنے کے لیے اشعث کے پاس آدمی بھیجا تو اشعث بن قیس کہنے لگے: میں نے تو یہ غلام دس ہزار میں خریدا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کوئی آدمی چن لو جو میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کرلے، اشعث کہنے لگے: تم خود ہی فیصلہ کردو، عبداللہ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ''جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس دلیل نہ ہو تو مالک کی بات معتبر ہوگی یا دونوں سودا ختم کر دیں گے۔''

شرح امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

(٢١٢٣)۔ وَقَالَ أَبُو عِيسَى نَا قُتَيْبَةُ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ عَجْلانَ، عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(٢١٢٢) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٥١١، والنسائي: ٤٦٦٢، وابن ماجه: ٢١٨٦.

(٢١٢٣) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ١٢٧٠.

((إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ، فَالقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ، وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ۔))

نے فرمایا: ''جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بائع کی بات معتبر ہوگی اور خریدار کو خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار ہوگا۔''

شرح: امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے، عون کی ملاقات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی۔

(۲۱۲۴)۔ قَالَ الإِمَامُ: وَفِيمَا أَجَازَ لِي أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّاوُدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حِمَّوَيْهِ السَّرْخَسِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عِمْرَانَ عِيسَى بْنُ عُمَرَ بْنِ الْعَبَّاسِ السَّمَرْقَنْدِيُّ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ السَّمَرْقَنْدِيُّ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((البَيِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِيعُ قَائِمٌ بِعَيْنِهِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَّانِ البَيْعَ۔))

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے، دونوں میں سے کسی کے پاس بھی دلیل نہ ہو اور فروخت شدہ سامان بعینہ موجود ہو تو بائع کی بات معتبر ہوگی یا پھر دونوں بیع ختم کر دیں گے۔''

شرح: امام صاحب فرماتے ہیں: جب قیمت میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے، بائع کہے میں نے اتنے میں بیچا ہے اور خریدار کم قیمت بتائے تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دونوں قسم اٹھائیں گے، بائع اللہ کی قسم اٹھائے گا اور کہے گا کہ میں نے اتنے میں بیچا ہے، جب وہ قسم اٹھالے گا تو خریدار سے کہا جائے گا تو اس قیمت میں خرید لے جس پر اس نے قسم اٹھائی ہے، یا تو قسم کھا کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے جو میں کہہ رہا ہوں، اگر وہ بھی قسم اٹھالے تو ان کے مابین ہونے والا عقد فسخ ہو جائے گا اور ہر ایک کا لین دین واپس ہو جائے گا۔

قاضی شریح، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق رحمہم اللہ اور اصحاب الرائے کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خواہ سامان موجود ہو یا تلف ہو چکا ہو دونوں صورتوں میں دونوں قسم اٹھائیں گے اور سامان کی قیمت واپس ہو جائے گی۔ محمد بن حسن نے اسی قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اگر خریدار کے ہاں سامان ہلاک ہو جائے تو دونوں قسمیں نہیں اٹھائیں گے بلکہ صرف خریدار قسم اٹھائے گا تو پھر اسی کی بات ہی معتبر ہوگی۔ امام نخعی، سفیان ثوری، اوزاعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے۔

(۲۱۲۴) حديث حسن ...... أخرجه الامام احمد: ٤٤٤٥، ٤٤٤٦ .

ابو ثور کا مذہب یہ ہے کہ کوئی بھی قسم نہیں اٹھائے گا اور خریدار کا قول معتبر ہوگا خواہ سامان موجود ہو یا ضائع ہو چکا ہو۔ اگر مدت اختیار، رہن یا ضمانت کے معاملے میں دونوں کا اختلاف ہو جائے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حل وہی ہوگا جو قیمت میں اختلاف کی صورت میں ہے یعنی دونوں قسمیں اٹھائیں گے، اور اصحاب الرائے کے نزدیک انکار کرنے والے کی بات معتبر ہوگی قسم صرف اسی صورت میں اٹھائی جائے گی جب قیمت میں اختلاف ہو۔

(38)......بَابُ السَّلَمِ

بیع سلم کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾......"اے ایمان والو! جب تم مقرر کردہ وقت تک ادھار لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔" (سورۂ بقرہ: ۲۸۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وقت مقرر کر کے ادھار لینا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے، پھر آپ نے یہی مذکورہ آیت پڑھی۔ کہا جاتا ہے "دین" وہ ہوتا ہے جس کی مدت مقرر ہو، اور قرض وہ ادھار ہوتا ہے جس کی مدت مقرر نہ ہو، "اَدَنْتُ الرَّجُلَ وَدَايَنْتُهُ" یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ کسی کو ادھار فروخت کریں اور وقت مقرر کر لیں، اسی طرح جب آپ کسی سے ادھار خریدیں اور وقت مقرر کر لیں تو وہاں "اَدَنْتُ مِنْهُ" بولا جاتا ہے، اسی طرح قرض لینے کے لیے "دَانَ ، اِسْتَدَانَ اور اَدَانَ" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور قرض دینے کے لیے لفظ "اَدَانَ" استعمال ہوتا ہے۔

ابن سیرین سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ "سَلَم" کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے البتہ لفظ "سَلَف" استعمال کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے لفظ "سلم" اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے "اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" میں اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

لفظ "سَلَف" جب معاملات میں استعمال کیا جائے تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں:

(۱) وہ قرض جس کا قرض خواہ کو کوئی فائدہ نہ ہو اور مقروض وہی رقم واپس کرے جو اس نے لی ہے۔

(۲) سَلَف بمعنی سَلَم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ رقم نقد ادا کر دی جائے اور سامان ادھار ہو، کہا جاتا ہے "سَلَفْتُ ، اَسْلَفْتُ اور اَسْلَمْتُ" کا ہی معنی ہے۔

(۲۱۲۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ......

(۲۱۲۵) أخرجه البخاري: ۲۲۳۹ ، ۲۲٤۰ ، ومسلم: ۱٦۰٤ .

عَـنِ ابْـنِ عَبَّـاسٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰـهِ ﷺ قَدِمَ الْـمَـدِيـنَةَ وَهُـمْ يُسْـلِـفُـونَ فِي الثَّمَرِ السَّنَةَ وُالسَّـنَتَيْـنِ ، وَرُبَّـمَـا قَالَ: وَالثَّلَاثَ ، فَقَالَ: ((مَـنْ أَسْـلَفَ ، فَـلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ وَإِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔))

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو اہل مدینہ سال، دو سال اور تین سال تک کے لیے پھلوں میں سلف یعنی ادھار کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ادھار کرنا ہو تو وہ ماپ، تول اور وقت مقرر کرلیا کرے۔''

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صدقہ بن فضل سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

اکثر علماء کا عمل اسی حدیث کے مطابق ہے۔ ان کے ہاں کھانوں، کپڑوں اور دیگر اشیاء جن کی صفات مقرر کی جاسکتی ہیں (یعنی ماپا تولا جاسکتا ہے) میں سلم جائز ہے خواہ سلم قبول کرنے والے کے پاس یہ اشیاء بوقت عقد موجود نہ ہوں۔

ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گندم، کشمش، جو اور گندم ان لوگوں سے خریدا کرتے تھے جن کے پاس (حاضر) موجود نہیں ہوتی تھیں۔ (صحیح بخاری: ۲۲۴۴، ۲۲۴۵)

بیع سلم کے جواز میں شرط یہ ہے کہ قیمت مجلس عقد میں ادا کردی جائے اور (مسلم فیہ) سامان کی صفات متعین کرلی جائیں جن کے بدلنے سے قیمت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے نیز اگر چیز تولنے سے متعلقہ ہے تو اس کا وزن معلوم ہونا چاہیے اور اگر ماپنے کے متعلقہ ہے تو اس کا ماپ معلوم ہونا چاہیے، اگر کپڑا ہے تو اس کی پیائش معلوم ہونی چاہیے۔

اگر کوئی شخص ماپی جانے والی چیز میں تول کر سلم کرتا ہے جبکہ تولنا ممکن ہو یا تولی جانے والی چیز میں ماپ کر سلم کرتا ہے جبکہ ماپنا ممکن ہو تو بیع جائز ہوگی۔ اگر ماپ اور وزن دونوں کو اکٹھا کردے اور یوں کہے کہ دس مکیال جس کا وزن اتنا ہے، اور اس طرح بیع سلم کرے تو جائز نہیں کیونکہ دونوں چیزوں کا اکٹھا ہونا عام طور پر ممکن نہیں ہے۔

"و وزن معلوم" میں "و" بمعنی "او" ہے یعنی او وزن معلوم، یہ الفاظ صراحتاً بھی مروی ہیں۔ بیع سلم میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چیز اس جگہ عام ملتی ہو جہاں شرط لگائی جارہی ہے ورنہ بیع سلم درست نہیں ہوگی۔

حیوانات کی بیع سلم میں علماء کا اختلاف ہے کچھ صحابہ نیز امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کے ہاں جائز ہے جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان چیزوں کی بیع سلم جائز ہے جو موقع پر میسر نہ ہوں مگر ان کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے عام طور پر اس وقت میں وہ میسر آجاتی ہوں، یا جو چیزیں بیع کے وقت میسر ہوں بعد میں میسر نہ رہیں پھر مقرر وقت پر میسر آجائیں تو پھر بھی بیع جائز ہوگی، کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک تر اور خشک دونوں قسم کی کھجور پر لفظ ثمر بولا جاتا ہے، جبکہ بعض لغویوں کے نزدیک صرف تر کھجور کو ہی ثمر کہا جاتا ہے باقیوں کو نہیں، حدیث اسی معنی پر دلالت کرتی ہے

جس میں ہے کہ پھل کو کھجور کے عوض بیچنا منع ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تر کھجور کو خشک کے عوض بیچنا جائز نہیں۔

پھر آپ نے ثمر میں دو اور تین سال تک بیع سلم کی اجازت دی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ تر کھجور سال کے دوران ختم ہو جاتی ہے اور صرف کچھ مخصوص ایام ہی میں پائی جاتی ہے، اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ سلم صرف اس چیز میں جائز ہے جو عقد کے وقت سے لے کر وعدے کے وقت تک پائی جاتی ہو، اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔

اس میں یہ دلیل بھی پائی جاتی ہے کہ جب سلم ایسی چیز میں ہو جو مؤخر ہے تو اس کا وقت سال، مہینے یا دنوں میں مقرر کرنا شرط ہے یا پھر کسی معلوم وقت کو مقرر کیا جائے مثلاً فلاں مہینہ شروع ہونے تک، فلاں عید تک وغیرہ، اگر وقت مجہول ہو مثلاً کٹائی تک، عطیہ ملنے تک، حاجیوں کے آنے تک وغیرہ تو بیع درست نہیں ہوگی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عطاء گہائی یا پسوائی پر چیزیں نہ بیچو۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز میں سلم کرتا ہے جو اس وقت پائی جاتی ہے تو عطاء بن ابی رباح اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے، وہ کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ وقت تک بیع سلم کی اجازت دی ہے تو ان چیزوں میں بیع سلم بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی جو اس وقت پائی جاتی ہوں نیز اس میں دھوکہ اور نقصان کا امکان بھی کم ہے۔ جب کہ ایک جماعت کے نزدیک بیع سلم صرف مؤخر چیزوں میں ہی ہو سکتی ہے، امام مالک اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ اور تول کی طرح وقت کی شرط بھی لگائی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث میں وقت کا ذکر بطور شرط نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب وقت مذکور ہو (یعنی ادھار ہو) تو وہ معلوم اور مقرر ہونا چاہیے۔ اسی طرح وزن اور ماپ کا ذکر بھی بطور شرط نہیں ہے کیونکہ بیع سلم تو ان اشیاء میں بھی جائز ہے جو ماپی تولی نہیں جاسکتیں جیسے کپڑا، لکڑی وغیرہ۔ اگر ان کا تذکرہ بطور شرط ہوتا تو سلم صرف انہی چیزوں میں جائز ہوتا جو ماپی یا تولی جاسکتی ہیں، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر سلم ان چیزوں میں ہو جو ماپی تولی جاتی ہیں تو ماپ تول کی وضاحت ضروری ہے، اسی طرح وقت کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: جب وقت مقرر ہو جائے تو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی کوئی چیز ادھار بیچتا ہے تو مقرر وقت تک انتظار کرنا ضروری ہے اور وقت آنے سے پہلے رقم کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ رقم ادھار دینے کے بعد مقررہ وقت تک انتظار کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک انتظار کرنا ضروری نہیں جبکہ عطاء عمرو بن دینار اور امام مالک کے نزدیک انتظار کرنا لازم ہے۔

جب کوئی آدمی کسی چیز میں سلم کرتا ہے تو مسلم فیہ چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کو تبدیل نہیں کرسکتا، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کھانوں میں قبضہ کرنے سے پہلے تبدیلی کر لینا جائز ہے جب تک کہ بائع اور مشتری جدا نہ ہوئے ہوں۔ اگر مسلم الیہ (جس سے سلم والی چیز لی گئی ہے) اپنی خوشی کے ساتھ بہتر چیز ادا کر دے یا لینے والا ہلکی چیز لینے پر

رضا مند ہو جائے جبکہ دونوں چیزیں ایک ہی قسم کی ہوں تو بالاتفاق جائز ہے۔

(39)......بَابُ التَّسْعِيرِ

بھاؤ مقرر کرنا

(٢١٢٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيَّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: سَعِّرْ لَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ((إِنَّمَا يَرْفَعُ اللّٰهُ وَيَخْفِضُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عِنْدِي مَظْلَمَةٌ۔)) قَالَ لَهُ آخَرُ: سَعِّرْ، قَالَ: ((أَدْعُو اللّٰهَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھاؤ مقرر کردیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اللہ سے ملوں تو کسی پر میری طرف سے زیادتی نہ ہوئی ہو۔'' ایک اور نے کہا: بھاؤ مقرر کردیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔''

(40)......بَابُ الْاِحْتِكَارِ

ذخیرہ اندوزی کرنا

(٢١٢٧)۔ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ يُحَدِّثُ......

أَنَّ مَعْمَرًا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِءٌ)) فَقِيلَ لِسَعِيدٍ: فَإِنَّكَ تَحْتَكِرُ، قَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ مَعْمَرًا الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُ هَذَا الْحَدِيثَ كَانَ يَحْتَكِرُ۔

معمر کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ خطا کار ہے۔'' سعید بن مسیّب سے کسی نے کہا: آپ تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: معمر جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ بھی ذخیرہ اندوزی کیا کرتے تھے۔''

(٢١٢٦) صحيح ...... أخرجه ابو داود: ٣٤٥٠.

(٢١٢٧) أخرجه مسلم: ١٦٠٥.

شرح یہ حدیث صحیح ہے، معمر سے مراد معمر بن عبداللہ بن نضلہ ہیں۔ ان کے والد ابو معمر ہیں جو بنی عدی بن کعب میں سے تھے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: ذخیرہ اندوزی کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہمارے بازار میں ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ لوگ اپنی ضرورت سے زائد اللہ کے رزق کو جو ان کے پاس موجود ہے ذخیرہ اندوزی نہ کریں جو کہ ہمارے کھیتوں میں پیدا ہو چکا ہے، البتہ جو قافلہ سردی یا گرمی میں محنت کر کے باہر سے سامان لاتا ہے وہ جیسے چاہے بیچے، جیسے چاہے روک لے اس کی مرضی پر منحصر ہے۔(مؤطا امام مالك: ١٣٥١)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی سے منع کیا کرتے تھے۔(مؤطا امام مالك: ١٣٥٣)

امام مالک اور سفیان ثوری تمام اشیاء کی ذخیرہ اندوزی مکروہ سمجھتے تھے، امام مالک کہتے ہیں: السی، اون، تیل اور جو چیز بھی بازار میں کم یا مفقود ہو اس کی ذخیرہ اندوزی کرنا منع ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذخیرہ اندوزی صرف غلہ جات میں ہوتی ہے کیونکہ وہ غذا کے کام آتے ہیں، باقی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرنے میں کوئی حرج نہیں یہ قول عبداللہ بن مبارک اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ذخیرہ اندوزی مکہ، مدینہ اور سرحدی علاقوں میں ممنوع ہے، بصرہ و بغداد میں ممنوع نہیں کیونکہ وہاں بحری جہاز آسکتے ہیں۔

حسن اور اوزاعی کہتے ہیں: جو شخص کسی دوسرے علاقے سے غلہ لاتا ہے اور قیمت بڑھنے کے انتظار میں اسے روکے رکھتا ہے تو وہ ذخیرہ اندوز نہیں ہے۔ ذخیرہ اندوز وہ ہے جو مسلمانوں کے بازار میں چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر کسی کی زمین میں غلہ پیدا ہوا اور وہ اسے روک لے تو اسے ذخیرہ اندوز نہیں کہیں گے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اگرچہ حدیث کے الفاظ عام ہیں مگر راوی حدیث کا ذخیرہ اندوزی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت بعض چیزوں یا بعض حالات کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ایک صحابی خود ہی حدیث بیان کرے اور خود ہی اس کی مخالفت کرے، اسی طرح سعید بن مسیّب جیسے عالم وفاضل آدمی کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حدیث بیان کرتے ہیں اور پھر اس کی مخالفت بھی کرتے ہیں، اس کی تطبیق یہی ہے کہ حدیث کو بعض اشیاء پر محمول کیا جائے (یعنی بعض اشیاء میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے) مروی ہے کہ وہ تیل کا ذخیرہ کیا کرتے تھے۔

(٢١٢٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ......

(٢١٢٨) أخرجه البخاري: ٢٩٠٤، ٣٠٩٤، ٤٠٣٣، ومسلم: ١٧٥٧.

عَـنِ ابْـنِ عُيَيْنَةَ ، قَالَ: قَالَ لِي مَعْمَرٌ: قَالَ لِي الثَّـوْرِيُّ: هَـلْ سَـمِـعْـتَ فِـي الرَّجُلِ يَجْمَعُ لِأَهْـلِـهِ قُـوتَ سَنَتِهِمْ ، أَوْ بَعْضِ السَّنَةِ؟ قَالَ مَـعْـمَـرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَلَمْ يَحْضُرْنِي ، ثُمَّ ذَكَـرْتُ حَدِيثًا حَدَّثَنَاهُ ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ ، عَـنْ مَـالِكِ بْـنِ أَوْسٍ ، عَـنْ عُمَرَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَـلَّـى الـلّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبِيعُ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ ، وَيَحْبِسُ لِأَهْلِهِ قُوتَ سَنَتِهِمْ۔

معمر کہتے ہیں: سفیان ثوری نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ نے اس شخص کے متعلق کچھ سنا ہے جو اپنے گھر کے لیے سال بھر کا غلہ جمع کرلیتا ہے؟(یعنی ایسا کرنا جائز ہے یا ذخیرہ اندوزی میں آتا ہے) تو معمر کہنے لگے: مجھے یاد نہیں ہے، پھر انہوں نے حدیث بیان کی کہ امام زہری مالک بن اوس سے بیان کرتے ہیں وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی کھجوریں بیچا کرتے تھے اور گھر والوں کے لیے سال کا خرچ رکھ لیا کرتے تھے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس آدمی کا صرف غلے کا کاروبار ہو اور کوئی کاروبار نہ ہو تو وہ یا سرکش ہوگا یا خطا کار ہوگا یا باغی ہوگا۔

سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: فلاں شخص بہت اچھا ہے اگر یہ کاروبار نہ کرتا اور وہ شخص غلے کا کاروبار کرتا تھا۔

(41)......بَابُ الرَّهْنِ
گروی رکھنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَـرِهَـانٌ مَّـقْـبُـوْضَةٌ﴾...... ’’پس گروی قبضہ میں لے لو۔‘‘ رہن اس چیز کو کہا جاتا ہے جو قبضہ میں لی گئی ہو، کہا جاتا ہے ”هذا راهن لك“ یعنی یہ چیز ہمیشہ آپ کے قبضہ میں رہے گی، جو چیز بھی کسی کے پاس ہمیشہ ہو اس کے متعلق لفظ رھن بولا جاتا ہے۔

ابو عمرو اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے: ”فرُهن مقبوضة“ وہ کہتے تھے: رھان کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہے۔

(۲۱۲۹)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُظَفَّرِيُّ السَّرْخَسِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْـمَـدُ بْـنُ مُـحَـمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ الْفَقِيهُ ، حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيٍّ الْجَوْهَرِيُّ ، حَـدَّثَـنَـا مُحَمَّدُ بْنُ مُعَاذِ بْنِ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْـمَـدَ الْـمَـلِيـحِـيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، أَخْبَرَنَا مُـحَـمَّـدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ الْأَسْوَدِ......

(۲۱۲۹) أخرجه البخاري: ۲۰۶۸، ۲۰۹۶، ۲۲۰۰، ۲۲۵۱، ومسلم: ۱۶۰۳.

عَـنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کی زرہ تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی پڑی تھی۔

(۲۱۳۰)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُـحَمَّدُ بْنُ الْمُغَلَّسِ، حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْلَى، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتِ: اشْتَرَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے غلہ ادھار لیا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے معلی بن اسد عن عبدالواحد سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسحاق حنظلی عن مخزومی عن عبدالواحد بن زیاد سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ ادھار خریدنا اور ادھار کے بدلے گروی رکھنا جائز ہے، نیز حضر میں بھی گروی رکھنا جائز ہے اگرچہ قرآن نے اسے سفر کے ساتھ مقید کیا ہے چنانچہ سنت قرآن کی وضاحت کرتی ہے، اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ ذمیوں کے ساتھ معاملات کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے اموال میں حرام کی آمیزش ہوتی ہے مثلاً سود، شراب کی قیمت وغیرہ۔ حربی کافروں کو اسلحہ بیچنا حرام ہے اور باغیوں کو اسلحہ بیچنا مکروہ ہے۔

عمران بن حصین فتنے کے زمانہ میں اسلحہ بیچنا مکروہ سمجھتے تھے۔

(42)......بَابُ الْإِنْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ
گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا

(۲۱۳۱)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُـحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ......

عَـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سواری کا جانور اگر گروی رکھا ہوا ہو تو خرچ

(۲۱۳۰) أخرجه البخاري: ۲۰۶۸، ومسلم: ۱۶۰۳.

(۲۱۳۱) أخرجه البخاري: ۲۵۱۲.

كَانَ مَرْهُونًا ، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا ، وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔))

کے عوض اس پر سواری کی جاسکتی ہے، دودھ والا جانور اگر گروی رکھا ہوا ہوتو خرچے کے عوض اس کا دودھ پیا جاسکتا ہے جو سواری کرے گا اور دودھ پیے گا خرچہ بھی وہی کرے گا۔‘‘

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ گروی رکھی ہوئی چیز کا منافع معطل نہیں ہوگا البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ فائدہ کون اٹھائے گا (راھن یا مرتہن) امام احمد اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مرتہن رہن سے بقدر خرچ دودھ یا سواری کا فائدہ حاصل کرسکتا ہے باقی فوائد حاصل نہیں کرسکتا۔

ابوثور کہتے ہیں: اگر خرچ گروی رکھنے والا خود کررہا ہے تو مرتھن اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اگر مرتھن خرچ کرتا ہے اور راہن نے اسے مرتھن کے حوالے ہی کر رکھا ہے تو مرتھن اس پر سواری کرسکتا ہے اور غلام سے خدمت لے سکتا ہے۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں: گمشدہ جانور پر اس کے چارے کے بقدر سواری کی جاسکتی ہے اور دودھ بھی دوہا جا سکتا ہے، یہی حکم گروی کا بھی ہے۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے اور اس سے فائدہ بھی وہی اٹھائے گا، شعبی، ابن سیرین، اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

وہ کہتے ہیں فروع اصول کے تابع ہوتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ رھن راھن کی ملکیت ہوتا ہے (لہٰذا فوائد کا حصول بھی اسی کا حق ہے) اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر رھن غلام ہو اور وہ مرتہن کے پاس مرجائے تو اس کا کفن راھن کے ذمہ ہے، نیز آئندہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔

(۲۱۳۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، حَدَّثَنَا الشَّافِعِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي فُدَيْكٍ ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ……

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ۔))

سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’گروی والی چیز اپنے مالک سے منقطع نہیں ہوتی، جس نے اسے گروی رکھا ہوتا ہے اس کے فوائد کا حقدار بھی وہی ہوگا اور نقصان کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا۔‘‘

(۲۱۳۲) ضعیف …… أخرجه ابن ماجه: ۲٤٤۱ ولفظه مختصر وفيه: "لايغلق الرهن" ورواه الشافعي فى "المسند": ۱۷۱۷ .

شرح: امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "غُـنْم" سے مراد فوائد اور "غُرْم" سے مراد ہلاکت اور نقصان ہے، امام شافعی کہتے ہیں: ہمیں کسی ثقہ آدمی نے یحییٰ بن ابی انیسہ سے بیان کیا ہے وہ ابن شہاب زہری سے وہ سعید بن مسیّب سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے ہم معنی حدیث بیان کی تھی۔

"لا یَـغْـلَـقُ الرَّهْنُ" کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز اس طرح منقطع نہیں ہوگی کہ راھن کو دوبارہ واپس نہ مل سکے بلکہ راھن جب اس کا حق ادا کر دے گا تو وہ چیز آزاد ہو جائے گی اور راھن کو واپس مل جائے گی۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ راھن مرتہن سے کہے اگر فلاں وقت تک میں نے تجھے اس کا حق ادا کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا حقدار تو بن جائے گا۔

ابراہیم کہتے ہیں: اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راھن اگر رھن کا حق ادا نہ کرے تو بھی مرتہن اس کا حق دار نہیں بن سکتا، طاؤس، سفیان ثوری اور امام مالک سے بھی ایسی ہی تفسیر منقول ہے۔

مذکورہ تفسیر کے مطابق "لَـهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ" کا مفہوم یہ ہے کہ رھن راھن کو واپس مل جائے گی تو اس سے فائدہ بھی اٹھائے گا، حقدار کا حق اسے واپس مل جائے گا تو اس کا نقصان بھی اسی کے ذمہ ہوگا اور دونوں کی لگائی ہوئی شرط باطل ہو جائے گی۔

"الرھن من صاحبہ" میں "من" "ل" کے معنی میں ہے یعنی "لصاحبہ۔" یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد "من ضمان صاحبہ" ہے یعنی رھن کا ضامن وذمہ دار مالک ہی رہے گا۔

"لَهُ غُنْمُهُ" یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ رھن سے حاصل ہونے والے فوائد کا حقدار راھن ہی ہوگا۔

"عَـلَيْـهِ غُرْمُهُ" یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر رھن مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کا ضامن راھن ہی ہوگا اس کی ہلاکت سے مرتہن کے حقوق کم یا ساقط نہیں ہوں گے، علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اگر رھن کی قیمت حق کے برابر ہے تو رھن کے ہلاک ہونے سے مرتہن کا حق ساقط ہو جائے گا، اگر اس کی قیمت حق سے کم ہے تو اس کی قیمت کے برابر حق ساقط ہو جائے گا باقی کی ادائیگی کرنا راھن پر واجب ہے اور اگر اس کی قیمت حق سے زائد ہے تو حق ساقط ہو جائے گا اور اضافی قیمت کی ادائیگی مرتہن کے ذمہ واجب نہ ہوگی۔

نخعی، سفیان ثوری رحمہما اللہ اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔

قاضی شریح، حسن بصری اور شعبی رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ گروی والا مال جب ہلاک ہوتا ہے تو وہ حق بھی ختم ہو جاتا ہے جس کے بدلے وہ گروی ہوتا ہے۔

رھن کے مال سے جو بچہ یا پھل وغیرہ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا مذہب

ہے کہ یہ چیزیں گروی میں شامل نہیں ہوں گی، اسی طرح جو بھی فوائد گروی والی چیز سے علیحدہ ہوں گے وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی اصل کی طرح گروی ہی ہوں گی البتہ ضمانت کے اعتبار سے یہ الگ الگ ہونگی کہ اصل چیز کی ضمانت ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی چیزوں کی ضمانت نہیں ہوگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جانور سے پیدا ہونے والا بچہ تو گروی ہوگا مگر درخت سے پیدا ہونے والے پھل گروی نہیں ہوں گے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: جب حدیث دلالت کرتی ہے کہ رھن کا منافع راھن کا حق ہے تو پھر اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ گروی کو ہمیشہ قبضے میں رکھنا شرط نہیں ہے کیونکہ راھن جب گروی والی سواری پر سوار ہوگا تو وہ مرتہن کے قبضے سے خارج ہو جائے گی۔ نیز غیر منقسم مال کو رھن رکھنے کا جواز بھی اس سے نکلتا ہے جبکہ اصحاب الرائے اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ جن کے نزدیک رھن سے فائدہ اٹھانا راھن کا حق ہے ان کے نزدیک راھن رھن سے اس طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتا کہ جس سے اس کی قیمت کم ہو جائے نیز گروی رکھے ہوئے جانور کو راھن دن کو استعمال کرسکتا ہے رات کو اس پر سواری نہیں کرسکتا بلکہ مرتہن کے پاس واپس پہنچا دے گا۔ واللہ اعلم

(43)......بَابُ مَنِ اشْتَرَى شَيْئًا ثُمَّ أَفْلَسَ بِالثَّمَنِ لِلْبَائِعِ أَخْذ عَيْنِ مَالِهِ

جس نے کوئی چیز خریدی پھر قیمت ادا کرنے سے پہلے مفلس ہوگیا تو بائع اپنی چیز واپس لے سکتا ہے

(٢١٣٣)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ أَفْلَسَ، فَأَدْرَكَ رَجُلٌ مَالَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مفلس ہو جائے اور آدمی بعینہ اپنا مال اس کے پاس پالے تو دوسروں کی بجائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''

شرح: اس حدیث کو امام بخاری ومسلم دونوں نے احمد بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء اسی کے قائل ہیں کہ جب خریدار قیمت ادا کرنے سے عاجز آجائے اور بائع اپنا مال اس کے پاس پالے تو اسے بیع فسخ کرنے کی اجازت ہے اور اپنا مال واپس لے سکتا ہے، اگر اس نے کچھ قیمت ادا کردی ہو اور باقی ادا کرنے سے عاجز آجائے وہ

(٢١٣٣) أخرجه البخاري: ٢٤٠٢، ومسلم: ١٥٥٩.

اپنی چیز میں سے اس کی باقی قیمت وصول کرسکتا ہے، جمہور علماء کا یہی قول ہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، ہمارے علم کے مطابق صحابہ میں سے کوئی بھی اس کا مخالف نہیں ہے۔ عروہ بن زبیر، امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی موقف ہے۔

کچھ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ وہ آدمی اپنا مال نہیں لے سکتا بلکہ تمام قرض خواہوں کے درمیان برابر تقسیم ہو گی، ابراہیم نخعی، ابن شبرمہ اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے، اگر کوئی شخص افلاس کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق بھی وہی اختلاف ہے جو اس آدمی کے متعلق پایا جاتا ہے جو زندگی میں مفلس ہو جائے، امام مالک کا موقف یہ ہے کہ جو آدمی زندگی میں مفلس ہو جائے یا مرتے وقت مفلس ہو جائے دونوں صورتوں میں اگر بائع کچھ قیمت وصول کر چکا ہو تو وہ اپنی چیز واپس نہیں لے سکتا بلکہ باقی قرض خواہوں کے ساتھ حصہ دار ہو گا۔

ابن شہاب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مرسل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی سامان بیچے اور خریدنے والا مفلس ہو جائے جبکہ بیچنے والے نے قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہ کیا ہو پھر وہ اپنا سامان بعینہ اس کے پاس موجود پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اگر خریدار مر جائے تو پھر اس سامان کا مالک بھی باقی قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا حصہ دار ہوگا۔'' (صحیح، ابوداود: ٣٥٢٢ عن ابی ھریرۃ)

یہ حدیث مرسل ہے اگر صحیح بھی ہو تب بھی اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہ اس صورت میں ہے جب مرنے والا خریدار مال دار ہو، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

(٢١٣٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسُ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، حَدَّثَنِي أَبُو الْمُعْتَمِرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ رَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ، وَكَانَ قَاضِي الْمَدِينَةِ، قَالَ: جِئْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ، فَقَالَ هَذَا الَّذِي قَضَى فِيهِ فِيهِ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ، فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِمَتَاعِهِ إِذَا وَجَدَهُ بِعَيْنِهِ۔))

مدینہ کے قاضی ابن خلدہ زرقی کہتے ہیں: ہم اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو کہ مفلس ہو چکا تھا، تو انہوں نے فرمایا: ایسے آدمی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا: ''جو آدمی مر جائے یا مفلس ہو جائے تو سامان کا مالک اپنا سامان لینے کا زیادہ حقدار ہے جب وہ اپنا مال بعینہ اس کے پاس موجود پائے۔''

(٢١٣٤) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٣٥٢٣، وابن ماجه: ٢٣٦٠.

شرح مذکورہ بالا حدیث سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ نے بعینہ اسی آدمی کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ جو شخص بھی مفلس ہو جائے اس کے متعلق یہی فیصلہ ہے۔ ابن خلدہ سے مراد عمر بن خلدہ ہے۔

(44)......بَابُ قِسْمَةِ مَالِ الْمُفْلِسِ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ

مفلس کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کرنا

(٢١٣٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عُثْمَانَ سَعِيدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الضَّبِّيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرَاحِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَحْبُوبِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عِيسَى التِّرْمِذِيُّ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الأَشَجِّ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ)) فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ: ((خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلا ذٰلِكَ۔))

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی نے پھل خریدے تو اسے ان میں خسارہ ہو گیا جس سے اس کے ذمہ کافی قرض ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے صدقہ دو۔'' لوگوں نے اسے صدقہ دیا مگر قرض ادا نہ ہو سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: ''جو موجود ہے وہ لے لو اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ نہیں ملے گا۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے قتیبہ سے روایت کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قبیلہ جہینہ کا اسیفع نامی شخص دین اور امانت کے لحاظ سے اتنا مقبول ہے کہ کہا جا سکتا ہے وہ حاجیوں سے بھی آگے نکل گیا ہے، البتہ وہ قرض لیتا ہے اور واپس نہیں دے سکتا چنانچہ وہ قرض میں گھر چکا ہے، کل ہم اس کا مال قرض خواہوں میں تقسیم کریں گے جس نے ان سے قرض لینا ہے وہ کل ہمارے پاس آئے، قرض لینے سے بچو کیونکہ اس کی ابتدا غم ہے اور انتہا لڑائی ہے۔ (مؤطا امام مالك: ١٥٠١)

''فَادَّانَ مُعْرِضًا'' کا معنی ہے کہ وہ قرض لیتا تھا اور ادا نہیں کر سکتا تھا۔

''وَقَدْ رِينَ'' سے مراد یہ ہے کہ قرض نے اس کا سارا مال گھیر لیا ہے، جب کوئی آدمی کسی چیز میں گھر جائے اور نکل نہ سکے تو کہا جاتا ہے: ''دِينَ بِالرَّجُلِ دَيْنًا''

امام صاحب فرماتے ہیں: جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ مفلس کا مال قرض خواہوں میں قرض کے مطابق تقسیم

(٢١٣٥) أخرجه مسلم: ١٥٥٦.

کیا جائے گا، اگر مال ختم ہو جائے اور قرض باقی ہو تو اسے خوشحالی تک مہلت دی جائے گی، نیز مفلس شخص اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔

حسن کہتے ہیں: جب کوئی آدمی مفلس ہو جائے تو اس کا غلام آزاد کرنا اور خرید وفروخت کرنا درست نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کسی آدمی کے ذمہ قرض ہو اور اس کے پاس غلام ہو اور کچھ نہ ہو اور وہ غلام کو آزاد کر دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب تک قاضی پابندی عائد نہ کرے اس وقت تک مقروض کا تصرف جائز ہے، پابندی کے بعد مال میں تصرف جائز نہیں ہے۔

(45)......بَابُ حُسْنِ قَضَاءِ الدَّيْنِ

قرض کی ادائیگی احسن انداز میں ہونی چاہیے

(٢١٣٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ......

عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا، فَجَائَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقُلْتُ: لَمْ أَجِدْ فِي الْإِبِلِ إِلا جَمَلا خِيَارًا رَبَاعِيًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَعْطِهِ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خَيْرَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔))

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ ادھار لیا، آپ کے پاس صدقے کے اونٹ آئے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو اونٹ واپس کردوں، میں نے آپ سے گزارش کی، صدقہ کے اونٹوں میں کوئی اونٹ بھی اس جیسا نہیں بلکہ اس سے بہتر یعنی رباعی اونٹ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہی دیدو، کیونکہ بہتر شخص وہ ہے جو ادائیگی کرنے میں بہتر ہو۔''

شرح: اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نیز امام مسلم نے اسے ابوالطاہر سے بھی روایت کیا ہے۔

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اونٹوں میں ''بکر'' کا وہی مقام ہے جو مردوں میں ''غلام'' کا ہوتا ہے اور ''قلوص'' عورتوں میں ''جاریہ'' کے ہم مرتبہ ہوتی ہے۔ رباعی اس اونٹ کو کہتے ہیں جو چھ سال پورے کر کے ساتویں سال میں داخل ہو چکا ہو، جب اس کے رباعی دانت نکل آئیں تو اونٹ کو ''رباع'' اور اونٹنی کو ''رباعیة'' کہا جاتا ہے۔

(٢١٣٦) أخرجه مسلم: ١٦٠٠، ورواه البخاري عن ابي هريرة.

"خِیَار" کا معنی پسندیدہ ہے جیسے کہا جاتا ہے "جَمَلٌ خِیَارٌ، وَنَاقَةٌ خِیَارَةٌ" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقراء کی ضرورت وحاجت کو پورا کرنے کے لیے حاکم ادھار لے سکتا ہے، پھر اگر اس نے وہ مال فقراء کو دیا ہو تو اس کی ادائیگی صدقے کے مال سے کر سکتا ہے، اگر ادھار لیا ہوا مال حاکم کے قبضے میں ہلاک ہو جائے تو اس کی ادائیگی اپنی جیب خاص سے کرے گا الا یہ کہ اس نے وہ ادھار فقراء کے معاملے میں لیا ہو تو اس کی ادائیگی فقراء کے مال سے کرے گا یا صدقے کے مال سے کرے گا، اصحاب الرائے کے نزدیک صدقہ کے مال سے ہی اس کی ادائیگی ہو گی جیسے یتیم کا والی اگر یتیم کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ادھار لیتا ہے اور مال اس کے قبضے میں ضائع ہو جاتا ہے تو اس کی ادائیگی یتیم کے مال سے ہی ہو گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ ان دونوں صورتوں میں فرق کرتے ہیں کہ مساکین میں سمجھدار لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہیں والی کی ضرورت نہیں جبکہ یتیم اہل رشد نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جانور ادھار لینا جائز ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ سمیت جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لونڈیوں کے علاوہ ہر قسم کا جانور ادھار لینا جائز ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ مختصر یہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور اس کے شاگردوں کے ہاں لونڈیوں کے علاوہ ان تمام جانوروں میں ادھار جائز ہے جن میں سلم ہو سکتا ہے، البتہ لونڈی اگر ان عورتوں میں سے ہے جس سے جماع کرنا جائز نہیں تو اسے ادھار لیا جا سکتا ہے۔

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو شخص کوئی چیز ادھار لے تو ویسی ہی چیز واپس کرے خواہ وہ چیز قیمت والی ہو یا مماثلت والی ہو، کیونکہ جانور قیمت رکھنے والی چیز ہے اور آپ ﷺ نے اس کی مثل واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگر کوئی آدمی کسی کی چیز ضائع کر دے یا غصب کر لے اور پھر اس کے پاس ضائع ہو جائے تو اگر وہ چیز قیمت والی تھی تو اسے قیمت ادا کرنا واجب ہو گی اور اگر وہ چیز مماثلت والی ہے تو وہ اس کی مثل ادا کرنا واجب ہو گی، مماثلت سے مراد وہ چیز ہے جسے ماپا تولا جاتا ہو، اس میں سلم جائز ہو اور ایک دوسرے کے عوض اسے بیچنا جائز ہو، جس چیز میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ قیمت والی چیز ہو گی۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ ادھار لینے والا اگر اپنی مرضی سے غیر مشروط طور پر بہتر یا زائد چیز واپس کر دے تو کوئی حرج نہیں اور قرض خواہ کے لیے وہ چیز لینا جائز ہے، نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کی قیمت ادا کرتے وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: "اسے قیمت سے زائد دے دو۔" (صحیح بخاری: ۲۳۰۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے شلواریں خریدیں تو وہاں ایک آدمی تھا جو مزدوری پر وزن کیا کرتا تھا تو آپ ﷺ نے اسے کہا: "وزن کر اور جھکا کر دے۔" (صحیح، ابو داود: ۳۳۳۶، ترمذی: ۱۳۰۵، ابن ماجہ: ۲۲۲۰)

البتہ اگر دوران قرض یہ شرط لگائے کہ میں زیادہ یا بہتر واپس لوں گا یا کسی دوسرے شہر میں لوں گا تو ایسا کرنا حرام

ہے۔سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سیدنا بردہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: آپ کے علاقے میں سود عام ہے، آپ نے اگر کسی آدمی سے اپنا حق (ادھار) لینا ہو اور وہ آپ کو توڑی کا گٹھا بطور تحفہ دے یا جو کا بورا تحفہ دے تو نہ لینا کیونکہ وہ سود ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۸۱٤)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص کسی شخص سے چند درھم ادھار لے پھر مقروض قرض خواہ کو سواری کے لیے جانور دے تو کیا یہ درست ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ سود ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں: یہ ایسا قرض ہے جس نے نفع دیا ہے (یہی سود کی تعریف میں شامل ہے)۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں بیع کے نام پر سود جائز ہوگا، نبیذ کے نام پر شراب جائز ہوگی، اور بخس کے نام پر زکوۃ کھانا جائز ہوگا، بخس سے مراد ٹیکس ہے جو حکمران وصول کرتے ہیں اور نام زکوٰۃ وصدقات کا دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص قرض دے اور اس کے عوض گروی یا ضمانت وصول کرلے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ ادھار کی ہی توثیق کرتی ہے، حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی کو ادھار دے تو گروی وصول نہ کرے اور نہ کوئی کفیل ہی لے (صبیر سے مراد کفیل ہے)

ابراہیم نخعی سَفْتُجَہ کو مکروہ سمجھتے تھے، لیکن میمون بن ابی شبیب کیا کرتے تھے۔

فائدہ: سَفْتُجَہ: ایک شخص اپنی رقم کسی دوسرے ایسے آدمی کو دے جس کی رقم رقم سپرد کرنے والے کے شہر میں موجود ہو اور وہ وہاں سے حاصل کرے، مثلاً سعودی عرب سے ایک شخص زاہد پاکستان میں کسی کو رقم بھیجنا چاہتا ہے تو وہ خالد کو اپنی رقم دے، جو سعودی عرب میں رہتا ہے اور اس کی رقم پاکستان میں عامر کے پاس ہے، تو خالد عامر کے پاس اپنی محفوظ رقم کو کسی پرچہ یا دوسری علامت کے ذریعے زاہد کو اگر وہ وہاں جائے، یا اس کے مقرر کردہ کسی تیسرے شخص کو، یا جو بھی اس کا پرچہ لے جائے، اسے ادا کردے۔ (م،م)

(۲۱۳۷)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ نا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بِمِنًى يُحدِّثُ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ، فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَقَالَ: ((دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا۔)) وَاشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا، فَأَعْطُوهُ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادھار واپس مانگا اور مانگنے میں بدتمیزی کی، آپ کے صحابہ نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو کیونکہ حقدار باتیں کرتا ہوتا ہے۔''

(۲۱۳۷) أخرجه البخاري: ۳۹۰، ومسلم: ۱۶۰۱.

إِيَّاهُ قَالُوا: لا نَجِدُ إِلا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، قَالَ: ((اشْتَرُوهُ، فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔))

اور اس کے لیے ایک اونٹ خرید کر لاؤ اور اسے دے دو صحابہ نے کہا: اس عمر کا اونٹ نہیں مل رہا بلکہ بڑی عمر کا اونٹ مل رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہی خرید کر اسے دیدو، کیونکہ تم سے بہتر وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر ہے۔''

شرح متفق علیہ روایت ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن بشار سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ مقروض مالدار ہو تو قرض خواہ اس کے ساتھ سخت بات کرنے کا حق رکھتا ہے، عمرو بن شرید اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار آدمی کے ٹال مٹول کرنے سے اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔''

(حسن، ابوداود: ۳٦۲۸، نسائی: ٤٧٠٣، ابن ماجه: ٢٤٢٧)

''لَیّ'' سے مراد ٹال مٹول ہے، جب کوئی آدمی ٹال مٹول کرتا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''لَوَاهُ حَقَّهٗ لَيًّا ولیانا'' ''وَاجِد'' کا معنی غنی ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں: ''يحل عرضه'' سے مراد یہ ہے کہ سخت کلامی کرسکتا ہے اور اسے ادائیگی میں برا بھلا کرسکتا ہے، مثلاً یوں کہے کہ تو ظالم ہے اور زیادتی کرتا ہے ''عقوبته'' سے مراد یہ ہے کہ جب تک ادھار واپس نہ کرے اسے قید کردے البتہ تنگ دست آدمی کو قید نہیں کیا جائے گا بلکہ مہلت دی جائے گی کیونکہ تاخیر کرنے کی وجہ سے وہ ظالم نہیں ہوگا چنانچہ سزا کا حقدار نہ ہوگا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''مطل الغنی ظلم'' مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۲۸۷، صحیح مسلم: ١٥٦٤)

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اگر مقروض شخص مالدار ہو اور اس نے مال چھپایا ہوا ہو تو اسے قید کیا جائے گا اور سزا دی جائے گی تا آنکہ وہ اپنا مال ظاہر کردے، اگر وہ مال کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو دلیل کے بغیر اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا اور اسے قید کیا جائے گا نیز اس کے حالات واضح ہونے سے زائد اسے قید نہیں رکھا جائے گا، جب حاکم کو معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو وہ اسے آزاد کردے گا، سیدنا بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو تہمت کے جرم میں قید کردیا تھا۔

(حسن، ابوداود: ۳٦۳۰، ترمذی: ١٤١٧، نسائی: ٤٨٩٠، نسائی: ٤٨٩١)

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے دن کے وقت چند لمحے اسے قید کیا پھر اسے چھوڑ دیا۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تنگ دست کو بھی قید کیا جائے گا نیز اصحاب الرائے کا بھی یہی موقف ہے۔

(46)......بَابُ ثَوَابِ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا

تنگ دست کو مہلت دینے کا اجر

(٢١٣٨)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، حَدَّثَنَا أَبُو الطَّيِّبِ سَهْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمِيكَالِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُوسَى بْنِ عَبْدَانَ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا أَبُو طَاهِرٍ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَطْلُبُ رَجُلا بِحَقٍّ، فَاخْتَبَأَ مِنْهُ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى ذٰلِكَ؟ قَالَ: الْعُسْرَةُ، فَاسْتَحْلَفَهُ عَلَى ذٰلِكَ، فَحَلَفَ، فَدَعَا بِصَكِّهِ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ لَهُ، أَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ القِيَامَةِ۔))

سیدنا عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک آدمی سے ادھار لینا تھا، وہ آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تو آپ نے اس سے پوچھا تو نے ایسے کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا تنگ دستی کی وجہ سے، آپ نے اس سے قسم لی تو اس نے قسم اٹھالی، آپ نے ایک دستاویز منگوا کر اسے دی اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''جو شخص تنگ دست کو مہلت دے یا اسے معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے دے گا۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اسے خالد بن خداش سے بیان کیا ہے۔

(٢١٣٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ((كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ: إِذا جِئْتَ مُعْسِرًا، فَتَجَاوَزْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے کہتا تھا جب تو تنگ دست کے پاس جائے تو اسے معاف کردینا

(٢١٣٨) أخرجه مسلم: ١٥٦٣.

(٢١٣٩) أخرجه البخاري: ٢٠٧٨، ٣٤٨٠، ومسلم: ١٥٦٢

عَـنْـهُ، لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، قَالَ: فَلَقِيَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔))

ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف کردے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ملا تو اللہ نے اسے معاف کردیا۔''

شرح اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالعزیز بن عبداللہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے منصور بن مزاحم سے بیان کیا ہے۔

(۲۱۴۰)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْن أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ السَّمْعَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ......

عَـنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ: ((إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَلَقَّتْ رُوحَ رَجُـلٍ كَـانَ قَبْـلَـكُمْ، فَقَالُوا لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ قَالَ لَا: قالوا: تَذَكَّرْ، قَالَ: لَا، إِلَا أَنِّي كُنْتُ أُدَايِنُ النَّاسَ، فَكُنْتُ آمُرُ فِتْيَانِي أَنْ يُـنْظِرُوا الْمُوسِرَ، وَيَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ، قَالَ اللّٰه سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿تَجَاوَزُوا عَنْهُ﴾

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں نے تم سے پہلے آدمیوں میں سے کسی آدمی کی روح قبض کی تو اس سے پوچھا: کیا تو نے کبھی کوئی نیکی کا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، فرشتوں نے کہا: یاد کر، تو اس نے کہا: یہ ہے کہ میں لوگوں کو ادھار دیا کرتا تھا، تو میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کرتا تھا کہ وہ مالدار کو مہلت دیں اور تنگ دست کو معاف کردیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ''تم بھی اسے معاف کردو۔''

شرح اس حدیث کو امام مسلم نے احمد بن عبداللہ بن یونس سے روایت کیا ہے نیز اسے امام بخاری اور امام مسلم نے کئی سندوں سے عبدالملک بن عمیر سے بھی روایت کیا ہے۔

سعد بن طارق، ربعی کے واسطے سے حذیفہ اور ابومسعود رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں معاف کرنے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں، میرے بندے کو معاف کردو۔'' (یہ مذکورہ بالا حدیث ہی ہے)

(۲۱۴۱)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ السَّمْعَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْـفَـرٍ الـرَّيَّـانِـيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا يَعْلَى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ......

(۲۱۴۰) أخرجه البخاري: ۲۰۷۷، ۲۳۹۱، ومسلم: ۱۵۶۰.

(۲۱۴۱) اسناده صحيح على شرط مسلم ...... أخرجه الامام احمد فی "مسنده": ۸۷۱۹.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ لا ظِلَّ إِلا ظِلُّهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تنگ دست کو مہلت دے گا یا اسے معاف کردے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو سایہ عطا کرے گا کہ جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''

شرح: ابو یسر نے بھی اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(۲۱۴۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ السَّمْعَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ......

عَنْ أَبِي الْيُسْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ عَنْهُ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لا ظِلَّ إِلا ظِلُّهُ۔))

سیدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''جو تنگ دست کو مہلت دے گا یا اسے معاف کردے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''

(۲۱۴۳)۔ أنا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّاوُدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَمُّوَيْهِ السَّرْخَسِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ عُمَرَ بْنِ الْعَبَّاسِ السَّمَرْقَنْدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ......

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((مَنْ نَفَّسَ عَنْ غَرِيمِهِ، أَوْ مَحَا عَنْهُ، كَانَ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''جو اپنے مقروض کو آسودگی دے گا یا اس کو معاف کردے گا تو قیامت والے دن وہ عرش کے سایے کے نیچے ہوگا۔''

(47)......بَابُ التَّشْدِيْدِ فِي الدَّيْنِ
قرض کے متعلق سخت وعید

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں گناہوں سے

(۲۱۴۲) أخرجه مسلم: ۳۰۰۶.

(۲۱۴۳) اسناده صحيح ...... أخرجه الامام احمد فى "مسنده": ۲۲۶۲۲.

اور قرض سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' کسی نے پوچھا: آپ قرض سے کتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مقروض آدمی جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۸۳۲، صحیح مسلم: ۵۸۹)

(٢١٤٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، مُقْبِلا غَيْرَ مُدْبِرٍ، يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ)) فَلَمَّا أَدْبَرَ، نَادَاهُ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أَمَرَ بِهِ فَنُودِيَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كَيْفَ قُلْتَ؟)) فَأَعَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ إِلا الدَّيْنَ كَذَلِكَ قَالَ جِبْرِيلُ۔))

سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں جبکہ میں صبر کرنے والا ہوں، ثواب کا ارادہ رکھتا ہوں، آگے بڑھ رہا ہوں نہ کہ پیچھے ہٹ رہا ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں! قرض کے علاوہ باقی گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جبریل نے یونہی بتایا ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اسے قتيبة عن ليث عن سعيد المقبری سے روایت کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرض کے علاوہ شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: ۱۸۸۶)

(٢١٤٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدُ اللّٰهِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي كَثِيرٍ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ......

(٢١٤٤) أخرجه مسلم: ١٨٨٥ .

(٢١٤٥) حسن ...... أخرجه النسائی: ٤٦٨٤ .

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا يَوْمًا جُلُوسًا فِي مَوْضِعِ الْجَنَائِزِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ وَضَعَ رَاحَتَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ، فَقَالَ: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ التَّشْدِيدِ؟)) فَسَكَتْنَا وَفَرِقْنَا، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ سَأَلْتُهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا هَذَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نَزَلَ؟ قَالَ: ((فِي الدَّيْنِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، ثُمَّ أُحْيِيَ، ثُمَّ قُتِلَ، ثُمَّ أُحْيِيَ، ثُمَّ قُتِلَ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ۔))

محمد بن جحش کہتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازہ گاہ میں بیٹھے تھے، آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر اپنی ہتھیلی پیشانی پر رکھ کر فرمایا: ''سبحان اللہ! آج کتنی سخت وعید نازل ہوئی ہے؟ ہم خوفزدہ ہو گئے اور خاموش ہو گئے۔ اگلے دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیسی وعید اتری ہے؟ آپ نے فرمایا: قرض کے متعلق ہے، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اس وقت تک جنت میں نہیں داخل ہو گا جب تک اس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دیا جائے۔''

شرح محمد بن جحش سے مراد محمد بن عبداللہ بن جحش بن اياب مدنی ہیں۔ یہ صحابی ہیں ان کے والد احد کے روز شہید ہو گئے تھے۔

(٢١٤٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأُوَيْسِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَائَهَا، أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں سے مال (ادھار) لیتا ہے اور ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دیتا ہے، اور جو شخص تباہ کرنے کی نیت سے ادھار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ دیتا ہے۔''

(٢١٤٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ،

(٢١٤٦) أخرجه البخاري: ٢٣٨٧.

(٢١٤٧) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ١٠٧٩، وابن ماجه: ٢٤١٣.

قَالا: أنا أَبُو بكرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((نَفْسُ المُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی جان قرض کے عوض معلق رہتی ہے تا آنکہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے۔''

شرح یہ حدیث حسن ہے۔

(٢١٤٨)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمَشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبرَنَا أَبُو بكرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمرَ بْنِ حَفْصٍ التَّاجِرُ، حَدَّثنَا حَمْدُونُ السِّمْسَارُ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فُضَالَةَ، عَنْ كَثِيرٍ أَبِي مُحَمَّدٍ......

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((صَاحِبُ الدَّيْنِ مَأْسُورٌ بِدَيْنِهِ، يَشْكُو إِلَى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مقروض آدمی قرض کے عوض قید ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے تنہائی کی شکایت کرے گا۔''

شرح معمر کہتے ہیں: ابن طاؤس سے اس کے باپ کے قرض کے متعلق بات کی گئی کہ آپ مقروضوں کو مہلت دیدیں تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے میں انہیں مہلت دے دیتا ہوں۔

ابوعبدالرحمٰن اپنے گھر کی وجہ سے قید کر لیے گئے تو انہوں نے ہزار کا مال پانچ سو میں بیچ دیا۔

(48)......بَابُ صَاحِبِ الْحَقِّ إِذَا أَخَذَ مِنْ مَالِ الْغَرِيمِ حَقَّهُ

حقدار اپنا حق وصول کر سکتا ہے

(٢١٤٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ......

(٢١٤٨) ضعيف ...... أخرجه الطبراني في "المعجم الاوسط": ٨٩٣.

(٢١٤٩) أخرجه البخاري: ٢٤٦٠، ٥٣٥٩، ومسلم: ٧١٤.

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ هِنْدًا أُمَّ مُعَاوِيَةَ جَائَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، وَإِنَّهُ لا يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي إِلا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ سِرًّا وَهُوَ لا يَعْلَمُ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ.))

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے، اور مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو پورا ہو سکے الا یہ کہ میں اس کو بتائے بغیر چپکے سے اس کے مال سے کچھ لے لوں، کیا اس کا مجھ پر گناہ تو نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اتنا مال تم لے سکتی ہو جتنا تمہیں اور تمہاری اولاد کو معروف طریقے سے پورا ہو جائے۔''

شرح یہ متفق علیہ حدیث ہے، امام بخاری ومسلم نے کئی سندوں سے بیان کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں کئی فوائد ہیں۔

(۱) ضرورت کے وقت کسی شخص میں پائے جانے والے عیوب کو بیان کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند کی اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ ابوسفیان کنجوس آدمی ہے۔

(۲) بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ اور اولاد کا خرچہ والد کے ذمہ واجب ہے، نیز علماء کا اتفاق ہے کہ نابالغ بچے یا بالغ تنگ دست بیٹے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے جبکہ وہ مالدار ہو، جب بیٹا کمانے لگ جائے تو باپ کے ذمہ سے اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا، جب اولاد کا خرچ والد کے ذمہ ہے تو باپ اگر تنگ دست بوڑھا ہو اور اولاد مالدار ہو تو والد کا خرچ بدرجہ اولیٰ اولاد کے ذمہ ہوگا۔

(۳) خرچ بقدر کفایت واجب ہوگا کیونکہ آپ نے ہند سے کہا تھا: ''اتنا خرچ لے سکتی ہو جتنا تجھے اور تیری اولاد کو معروف طریقے سے کفایت کر جائے۔''

(۴) قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے کنجوس ہونے کا علم تھا جیسا کہ اس کے نکاح والی حدیث میں ہے، اس مسئلہ میں علماء کے مابین جو اختلاف ہے وہ میں نے کتاب القضاء میں ذکر کر دیا ہے۔

(۵) کسی کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے جبکہ قاضی شریح، عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اور اصحاب الرائے کے مذہب میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ابوعبید کہتے ہیں: اگر حاکم کو معلوم ہو کہ مدعیٰ علیہ حق سے بھاگ کر یا مخالف سے سرکشی کرتے ہوئے چھپ گیا ہے تو وہ اس کی

غیر موجودگی میں فیصلہ کرسکتا ہے۔

اصحاب الرائے کہتے ہیں: اگر مدعی علیہ غائب ہو اور اس کا تعلق کسی حاضر سے ہو تو پھر حاکم اس کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے، مثلاً کوئی عورت اپنے خاوند پر خرچ کا دعویٰ کرتی ہے جو کہ موجود نہیں ہے جبکہ اس کا مال ایسے آدمی کے پاس ہے جو کہ موجود ہے تو حاکم فیصلہ کرسکتا ہے، یا کوئی عورت کسی موجود آدمی پر اس کے خریدے ہوئے حصے کے متعلق شفعہ کر دیتی ہے جو اس نے ایسے آدمی سے خریدا ہو جو موجود نہیں ہے۔

(٦) اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے سے حق لینا ہو اور وہ دے نہ رہا ہو، حق لینے والے کے ہاتھ اس کا کچھ مال لگ جائے تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا حق وصول کرلے خواہ ہاتھ لگنے والا مال حق کے ہم جنس ہو یا ہم جنس نہ ہو، اگر وہ مال حق کے ہم جنس نہ ہو تو اس کو بیچ ڈالے اور قیمت سے اپنا حق وصول کرلے، اس کی دلیل یہ ہے کہ کنجوس آدمی کے گھر میں وہ سارا سامان تو موجود نہیں تھا جس کی اس کے اہل وعیال کو ضرورت تھی جیسے کھانا، کپڑا، دیگر ضروریات وغیرہ پھر بھی آپ نے ھند کو مطلقاً اجازت دیدی کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کے مطابق لے سکتی ہے، یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ غیر ضرورت کی چیز بیچ کر ضرورت کی چیز لے لے، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر مال اس کے حق کے ہم جنس ہو تو لے سکتا ہے (ورنہ نہیں) مثلاً ایک آدمی کچھ درھم کسی کے سپرد کرتا ہے جبکہ اس نے سپرد کرنے والے سے اتنے ہی درھم لینے ہیں تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا حق وصول کرلے اور درھم واپس نہ کرے اگر سپرد کرنے والے اس کا حق دینے سے انکار کردے تو اسے ابھی اجازت ہے کہ اس کا مال واپس کرنے سے انکار کردے اور اپنا حق پورا کرلے، البتہ اگر اس نے دینار اس کے سپرد کیے ہیں تو پھر یہ واپس کرنے سے انکار نہیں کرسکتا البتہ اپنا حق ان میں سے وصول کرسکتا ہے۔

اصحاب الرائے کہتے ہیں: درھم و دینار تو ایک دوسرے کے بدلے لے سکتا ہے البتہ کسی اور جنس سے نہیں لے سکتا۔

امام مالک رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: بطور امانت رکھی ہوئی چیز کا انکار کرنا جائز نہیں خواہ وہ اس کے حق کی جنس سے ہو یا جنس سے نہ ہو کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تمہارے کے پاس امانت رکھتا ہے اس کی امانت واپس کردو اور جو شخص تم سے خیانت کرتا ہے اس سے خیانت نہ کرو۔''

(حسن صحیح، ابوداود: ٣٥٣٥، ترمذی: ١٢٦٤)

جبکہ اس حدیث سے مراد تو یہ ہے کہ اپنا حق وصول کرنے کے بعد باقی مال اسے واپس کردو اور خیانت کے بدلے میں خیانت نہ کرو، اپنا حق وصول کرنے کی اجازت تو شریعت نے دی ہے یہ اس نہی کے تحت شامل نہیں ہے۔

(٢١٥٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا

(٢١٥٠) أخرجه البخاري: ٧١٦١، ومسلم: ١٧١٤.

مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ، حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنِي عُرْوَةَ......

أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَائَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، وَمَا أَصْبَحَ الْيَومَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، ثُمَّ قَالَتْ: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مَسِيكٌ، فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ مِنْ أَنْ أُطْعِمَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا؟ قَالَ لَهَا: ((لا حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِيهِمْ بِالْمَعْرُوفِ.))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہند بنت عتبہ بن ربیع آئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی قسم! اس سطح زمین پر آپ کے گھر کے علاوہ کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں رہنے والوں کا ذلیل ہونا مجھے زیادہ پسند ہوتا جبکہ اب سطح زمین پر کوئی گھر ایسا نہیں ہے جس میں رہنے والوں کا عزت مند ہونا مجھے آپ کے گھر سے زیادہ پسند ہو، پھر کہنے لگیں! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے، اگر میں اس کے مال میں سے اپنے بچوں کو کھلاؤں تو مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں؟ آپ نے اس سے کہا: ''اگر تو انہیں عرف کے مطابق کھلائے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔''

شرح اس حدیث کو امام مسلم نے عبد بن حمید سے روایت کیا ہے۔ "مَسِيكٌ" کا معنی "شَحِيْح" یعنی بخیل ہے۔

(49)......بَابُ الصُّلْحِ عَلَى النِّصْفِ
نصف پر صلح کرنا

ارشاد ربانی ہے: ﴿اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ......''ان دونوں کے مابین صلح کروانی چاہیے اور صلح میں ہی بھلائی ہے۔''

(٢١٥١)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ......

أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنُ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا، كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ،

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے زمانہ رسالت میں مسجد کے اندر ابن ابو حدرد سے اپنا قرض مانگا جو ان کے ذمہ واجب الاداء تھا تو ان دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے سن لیا جبکہ آپ

(٢١٥١) أخرجه البخاري: ٢٤١٨، ٢٤٢٤، ومسلم: ١٥٥٨.

فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، وَنَادَى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: ((يَا كَعْبُ)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((قُمْ فَاقْضِهِ.))

اپنے گھر میں تھے، رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر ان کے پاس آنے لگے، اور کمرے کا پردہ ہٹا کر کعب بن مالک کو آواز دی، اے کعب! انہوں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض معاف کر دو، کعب کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آدھا قرض میں معاف کر چکا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور قرض ادا کرو۔''

شرح یہ متفق علیہ روایت ہے، امام مسلم نے اسے حرملہ بن یحییٰ عن عبداللہ بن وھب سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ صاحب حق مسجد میں مقروض سے اپنا حق مانگ سکتا ہے، نیز قاضی دو مخالفوں میں صلح کرواسکتا ہے اور قرض کا کچھ حصہ معاف کروا کے بھی صلح کروائی جاسکتی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: مالی معاملات میں دو قسموں کی صلح ہوتی ہے: (۱) صلح حطیطہ، (۲) صلح معاوضہ۔

صلح حطیطہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے خلاف ہزار درھم کا دعویٰ کرتا ہے تو قاضی قرض کا کچھ معاف کروا کے صلح کروا دیتا ہے تو گویا کہ اس نے باقی قرض سے اسے بری کروا دیا ہے۔

اسی طرح اگر وہ کسی عینی چیز کا دعویٰ کرتا ہے اور قاضی نصف پر ان کی صلح کروا دیتا ہے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے باقی آدھا حصہ اس کو ہبہ کر دیا ہے۔

صلح معاوضہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے خلاف کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا اسے مان لیتا ہے، قاضی کسی اور چیز پر ان کی صلح کروا دیتا ہے، یا وہ قرض کا دعویٰ کرتا ہے اور مقروض اسے مال دے کر صلح کر لے تو جائز ہے، یہ بیع ہی کی قسم ہے۔ اس کی بھی وہی شرائط ہیں جو بیع کی شرائط ہیں یعنی مجہول امور پر صلح نہ ہو نہ ہی ادھار کی صلح جائز ہے جب مال بھی مؤخر ہو کیونکہ یہ بیع الکالی با لکالی کی قسم سے ہے اور یہ بیوع بھی ناجائز ہیں۔ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ وہ ان کے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے الا یہ کہ اس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال کیا جائے تو پھر ایسی صلح کروانا جائز نہیں، مسلمان اپنی شروط کے پابند ہیں الا یہ کہ شرائط حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتی ہوں تو ایسی شرائط کی پابندی ضروری نہیں۔''

(حسن صحیح، ابوداود: ۳۵۹۴، ترمذی: ۱۳۵۲، ابن ماجہ: ۲۳۵۳)

یہ اس صورت میں ہے جب مدعیٰ علیہ اقرار کر رہا ہو۔ اگر مدعیٰ علیہ قرض یا عین کا انکار کر رہا ہو اور حاکم کسی بات پر ان کی صلح کروا دے تو امام شافعی کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں، کیونکہ یہ ایسا معاوضہ ہے جس میں دونوں طرف سے مال

مشروط ہے، اسی لیے دعوائے قذف اور دعوائے زوجیت میں صلح کروانا جائز نہیں جبکہ مدعیٰ علیہ انکار کر رہا ہو، امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: صلح صرف اسی صورت میں جائز ہے جب مدعیٰ علیہ انکار کر رہا ہو، اصحاب الرائے کے نزدیک اقرار وانکار دونوں صورتوں میں صلح کروانا جائز ہے۔

(50)......بَابُ مَطْلِ الْغَنِيِّ

مالدار کا قرض دینے سے ٹال مٹول کرنا

(٢١٥٢)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ، فَلْيَتْبَعْ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مالدار کا (قرض دینے سے) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، جب تم میں سے کسی کو مالدار شخص کے حوالے کیا جائے تو وہ مان جائے۔''

شرح: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

''أُتْبِعَ احدُکم'' غیر مشدد ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں مالدار شخص کے حوالے کیا جائے ''فلیتبع'' یعنی وہ اس کی حوالگی کو قبول کرلے۔

جب کوئی آدمی کسی کو دوسرے کے حوالے کرے اور وہ اس کی حوالگی کو قبول کرلے تو ایسے موقع پر عربی میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ''اِتَّبَعْتُ غَرِيْمِيْ عَلٰى فُلَانٍ، فَتَبِعَهٗ'' میں نے اپنے قرض خواہ کو فلاں کے حوالے کیا تو وہ اس کے حوالے ہو گیا۔''

اور جب کوئی شخص اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے تو اس موقع پر یوں کہا جاتا ہے: ''تَبِعْتُ الرَّجُلَ بِحَقِّيْ اَتْبَعُهٗ تِبَاعَةً'' قرآن مجید کی اس آیت میں بھی یہی معنی پایا جاتا ہے ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا﴾ ''پھر تم اپنے حق میں کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں پاؤ گے۔''

''فَلْيَتْبَعْ'' یہاں امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لیے ہے کہ اگر چاہے تو اس کی حوالگی کو قبول کرلے اور اگر چاہے تو نہ کرے، داؤد ظاہری کہتے ہیں: جب قرض خواہ کو کسی مالدار شخص کے حوالے کیا جائے تو اس پر قبول کرنا واجب ہے، اگر وہ قبول نہیں کرتا تو یہ مکروہ ہوگا اور جب وہ حوالگی کو قبول کرلے تو اس کا قرض اس شخص کے ذمہ آجائے گا

(٢١٥٢) أخرجه البخاري: ٢٢٨٧، ٢٢٨٨، ومسلم: ١٥٦٤.

جس کے حوالے کیا گیا ہے اور پھر وہ قرض خواہ بغیر کسی عذر کے مقروض سے اپنے قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اگر وہ شخص مر جائے جس کے حوالے کیا گیا تھا اور ادائیگی کی رقم بھی نہ چھوڑ جائے یا مفلس ہو جائے تو علماء کا اختلاف ہے کہ وہ پہلے مقروض سے قرض لے سکتا ہے یا نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو عبید اور ابو ثور رحمہ اللہ علیہ کے مذہب میں مقروض کسی بھی حالت میں پہلے شخص کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔

اسحاق رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک صورت میں واپس پہلے شخص سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ جب اسے اس شخص کے حوالے کیا گیا تھا تو اس کے خیال میں وہ آدمی مالدار تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو تنگ دست ہے، مذکورہ ائمہ کی دلیل یہی حدیث ہے اور "اِذَا أُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِئٍ" وہ کہتے ہیں تنگ دست کے حوالے کرنا بھی جائز تو ہے مگر مالدار کے حوالے کرنا کا فائدہ یہی ہے کہ حوالگی قبول کرنے کے بعد دوبارہ اسے پہلے شخص سے مطالبہ کرنے کی گنجائش نہیں، چنانچہ موت یا مفلسی کو نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ قرض اب پہلے شخص کے ذمہ سے تبدیل ہو کر دوسرے شخص کے ذمہ واجب ہو چکا ہے، اسی لیے تو اسے حوالہ کہا جاتا ہے۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ جب محال علیہ (جس کے حوالے کیا گیا ہے) مفلس ہو جائے یا مر جائے اور ادائیگی کے مطابق نہ چھوڑ جائے تو حوالگی واپس ہو جائے گی اور پہلا شخص ہی ذمہ دار ٹھہرے گا، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حوالگی کے قبول کرنے کو مالداری کے ساتھ مشروط کیا ہے تو ثابت ہوا کہ جب محال علیہ مالدار نہ ہوگا تو ذمہ داری پہلے شخص پر ہی لوٹ آئے گی۔

تاہم پہلی بات درست ہے، کیونکہ مالداری کی شرط حوالگی کے وقت سے متعلق ہے بعد کے حالات سے متعلق نہیں ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر محال علیہ مفلس ہو گیا ہے تو اس کی زندگی میں قرض کی ذمہ داری پہلے شخص پر واپس نہیں آئے گی کیونکہ تنگ دست مالدار بھی تو ہو سکتا ہے اور اگر وہ مر جائے اور ادائیگی کے مطابق مال نہ چھوڑ جائے تو ذمہ داری پہلے شخص پر واپس ہو جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ورثاء یا ساجھیوں میں سے کوئی ایک اگر عین (نقد) لے لے اور دوسرا قرض لے لے تو جائز ہے، پھر ان میں سے کسی کو اگر نقصان ہو جائے تو وہ دوسرے سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

(51)......بَابُ ضَمَانِ الدَّيْنِ
قرض کی ضمانت اٹھانا

(۲۱۵۳)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ......

(۲۱۵۳) أخرجه البخاري: ۲۲۸۹، ۲۲۹۵.

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ ، فَقَالُوا: صَلِّ عَلَيْهَا ، فَقَالَ: ((هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) قَالُوا: لا ، قَالَ: ((هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟)) قَالُوا: لا فَصَلَّى عَلَيْهِ ، ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَى ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! صَلِّ عَلَيْهَا ، فَقَالَ: ((هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) قِيلَ: نَعَمْ ، قَالَ: ((هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟)) قَالُوا: ثَلاثَةُ دَنَانِيرَ ، فَصَلَّى عَلَيْهَا ، ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ ، فَقَالُوا: صَلِّ عَلَيْهَا ، قَالَ: ((هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟)) قَالُوا: لا ، قَالَ: ((فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) قَالُوا: ثَلاثَةُ دَنَانِيرَ ، قَالَ: ((صَلُّوا على صَاحِبِكُمْ۔)) قَالَ أَبُو قَتَادَةَ: صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَعَلَيَّ دَيْنُهُ ، فَصَلَّى عَلَيْهِ۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، لوگوں نے کہا: جنازہ پڑھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا مال چھوڑ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھا، پھر ایک اور جنازہ لایا گیا، تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا جنازہ پڑھایئے، آپ نے پوچھا: کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ بتایا گیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا مال چھوڑ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: تین دینار چھوڑ گیا ہے، آپ نے اس کا جنازہ پڑھا، پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو لوگوں نے کہا: جنازہ پڑھیے، آپ نے پوچھا: کچھ مال چھوڑ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ انہوں نے کہا: تین دینار قرض ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ہی اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔'' ابو قتادہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا جنازہ پڑھا دیجیے، اس کا قرض میرے ذمہ ہوا، چنانچہ آپ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ میت کی طرف سے ضمانت اٹھانا جائز ہے خواہ وہ مال چھوڑ گیا ہو یا نہ چھوڑ گیا ہو۔ جمہور علماء نیز حسن، ابن ابی لیلیٰ، اور شافعی کا یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایسی میت کی ضمانت اٹھانا جائز نہیں جو ادائیگی کے لیے مال نہ چھوڑ گیا ہو۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی زندہ مگر تنگ دست شخص کے قرض کی ضمانت اٹھاتا ہے پھر مقروض آدمی فوت ہو جاتا ہے تو ضمانت برقرار رہے گی جب تنگ دست مقروض کی موت کے باوجود ضمانت برقرار رہتی ہے تو اس کی ضمانت اٹھانا کیسے ناجائز ہو سکتا ہے۔

(٢١٥٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حدَّثني يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ،

(٢١٥٤) أخرجه البخاري: ٢٢٩٨ ، ٢٣٩٨ ، ٤٧٨١ ، ومسلم: ١٦١٩ .

عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فَيَسْأَلُ: ((هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا؟)) فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً، صَلَّى، وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ: ((صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ)) فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ، قَالَ: ((أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا، فَلِوَرَثَتِهِ.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ایسی میت لائی جاتی جس کے ذمہ قرض ہوتا تو آپ پوچھتے: کیا یہ قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑ گیا ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ وہ ادائیگی کے لیے مال چھوڑ گیا ہے تو آپ اس کا جنازہ پڑھا دیتے ورنہ مسلمانوں سے کہتے: اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتوحات عطا کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں مومنوں کا ان کی جانوں سے بھی زیادہ حقدار ہوں، جو مومن قرض چھوڑ کر مرے گا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی، اور جو مال چھوڑ کر مرے گا وہ اس کے ورثاء کو ملے گا۔''

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے عبدالملک بن شعیب بن لیث سے بیان کیا ہے۔

(٢١٥٥)۔ أنا الإمام أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوسُفَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ بَامُوَيْهِ الأَصْبَهَانِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَسَنُ بْنُ الْعَبَّاسِ الْجَوْهَرِيُّ، بِمَكَّةَ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ الْحَسَنِ الْحَرْبِيُّ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيدِ الْوَصَّافِيُّ، عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ سَعْدٍ الْعَوْفِيِّ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا، فَتَقَدَّمَ لِيُصَلِّيَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا، فَقَالَ: ((هَلْ عَلَى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ؟)) قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: ((هَلْ تَرَكَ لَهُ مِنْ وَفَاءٍ؟)) قَالُوا: لَا، قَالَ: ((صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ)) قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، فَتَقَدَّمَ، فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَقَالَ: ((جَزَاكَ اللّٰهُ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک میت لائی گئی کہ آپ اس کا جنازہ پڑھا دیں، آپ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے اور ہماری طرف منہ کر کے پوچھا: کیا تمہارے ساتھی کے ذمہ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا ادائیگی کے لیے مال چھوڑ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ہی اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔'' سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے

(٢١٥٥) ضعيف ...... أخرجه الدارقطني: ٣/ ٧٨، والبيهقي: ٦/ ٨٣.

يَا عَلِيُّ خَيْرًا، كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ أَخِيكَ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ فَكَّ رِهَانَ أَخِيهِ إِلا فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔))

رسول! اس کا قرض میرے ذمہ آیا، آپ ﷺ آگے بڑھے اور جنازہ پڑھا دیا پھر فرمایا: ''اے علی! جیسے تو نے اپنے بھائی کی گردن آزاد کروائی ہے اللہ تجھے جزائے خیر دے، جو مسلمان بھی اپنے بھائی کی گردن آزاد کروائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو آزاد کر دے گا۔''

شرح ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جیسے تو نے اپنے مسلمان بھائی کی گردن آزاد کی ہے اللہ تیری گردن بھی آگ سے آزاد کر دے، جو مسلمان بھی اپنے بھائی کا قرض ادا کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو آزاد کر دے گا۔''

جمہور علماء کے نزدیک کسی جان کی ضمانت اٹھانا جائز ہے، جریر اور اشعث نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے متعلق مشورہ دیا کہ وہ ان سے توبہ کا مطالبہ کریں اور ضامن لے لیں چنانچہ ان مرتدین نے توبہ کی اور آپ نے ان کے قبیلوں کو ان کا ضامن ٹھہرایا۔

حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کوئی آدمی کسی آدمی کا ضامن بنتا ہے اور وہ مر جاتا ہے تو ضمانت اٹھانے والے پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا جبکہ حکم کہتے ہیں: وہ اس کا ذمہ دار ہے۔

(52)......بَابُ الشَّرِكَةِ

شراکت کا بیان

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک اونٹنی کی قربانی میں ہم سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ (صحيح مسلم: ١٣١٨)

(٢١٥٦)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاءِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ......

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ، جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ،

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اشعر قبیلہ کے لوگوں کا جب جنگ میں زادِ راہ ختم ہو جائے یا مدینہ میں ان کے بچوں کا کھانا کم ہو جائے تو ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے

(٢١٥٦) أخرجه البخاري: ٢٤٨٦، ومسلم: ٢٥٠٠.

ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ ، فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ۔))

ہیں پھر ایک برتن سے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔"

شرح متفق علیہ، امام مسلم نے اسے محمد بن علاء سے بھی بیان کیا ہے۔

"ارملو" کا معنی ہے کہ ان کا خرچ ختم ہو جائے، عرب کہتے ہیں: "ارمل القوم فهم مرسلون" اس میں دلیل ہے کہ سفر میں خرچہ اکٹھا کر لینا اور مشارکت کر لینا جائز ہے، مسلمان ساجھ ملانے میں حرج نہیں سمجھتے کہ کوئی تھوڑا کھالے اور کوئی زیادہ کھالے۔

(٢١٥٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، أَخْبَرَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَتِ الأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ قَالَ: ((لا)) فَقَالُوا: تَكْفُونَا الْمُؤْنَةَ وَنَشْرَكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ ، قَالُوا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انصاریوں نے نبی ﷺ سے گزارش کی کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں میں کھجوریں تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" انصار نے مہاجرین سے کہا: تم محنت کرو گے اور ہم تمہیں پھلوں میں شریک بنائیں گے، تو مہاجرین نے کہا: ٹھیک ہے ہم تسلیم کرتے ہیں۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں؛ شرکت کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اصل اور نفع دونوں میں شریک ہونا، مثلاً کچھ لوگوں کو وراثت میں مال مل جائے، یا تحفہ مل جائے یا وصیتاً کوئی چیز مل جائے یا اکٹھی کوئی چیز خرید لیں یا ساجھا ملالیں جس میں امتیاز نہ ہو وغیرہ۔

(۲) اصل میں شراکت ہو نفع میں شراکت نہ ہو، مثلاً کوئی شخص وصیت کر دے کہ میرے گھر یا غلام کا منافع فلاں وارث کو دینا جبکہ وہ چند ورثاء کو پیچھے چھوڑ کر مر جائے تو وہ گھر یا غلام سب ورثاء کا ساجھا ہوگا جبکہ اس کی آمدن صرف اس خاص وارث کو ملے گی۔

(۳) منافع میں سب شریک ہوں، اصل مال میں شریک نہ ہوں مثلاً چند لوگ ایک گھر کرایہ پر لیں یا کوئی چیز ایک جماعت کو وقف کر دی جائے تو منافع سب کو ملے گا مگر اصل چیز ان کی نہیں ہوگی۔

(٢١٥٧) أخرجه البخاري: ٢٣٢٥ ، ٢٧١٩ .

(۴) حقوق اور ابدان میں شریک ہونا جیسے حد قذف اور قصاص جس کی وارث ایک جماعت ہو۔

(۵) مالی حقوق میں شریک ہونا، جیسے حق شفعہ جو کسی جماعت کے حق میں ثابت ہو جائے، عینی چیزوں میں شرکت قابل تقسیم ہوتی ہے اگر وہ چیز تقسیم ہوسکتی ہو اور منافع جات کی تقسیم باری کے مطابق کی جاتی ہے، ایک بار ایک ساجھی اس استفادہ کرے گا اور پھر اتنے ہی دن دوسرا ساجھی اس سے استفادہ کرے گا۔

شراکت کی ایک اور قسم معاملات میں شراکت ہے، اس کی چار اقسام ہیں:

(۱) شرکة العنان: یہ کہ دو آدمی رقم ملائیں اور دونوں ایک دوسرے کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیدیں پھر اس سے جو بھی منافع حاصل ہو وہ دونوں کے درمیان مال کے تناسب سے تقسیم ہو جائے گا، یہ قسم علماء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے جبکہ دونوں کے مال کی صفت متفق ہو۔

(۲) شرکة الوجوہ: دونوں یہ معاہدہ کرلیں کہ ہم دونوں ادھار مال خریدیں گے، جو نفع بھی حاصل ہوگا وہ ہمارے درمیان تقسیم ہوگا۔

(۳) شرکة الابدان: دو کاریگر معاہدہ کریں کہ وہ دونوں کام کریں گے۔ جو نفع حاصل ہوگا وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک ناجائز ہے جبکہ سفیان ثوری، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الرائے کے نزدیک جائز ہے خواہ دونوں کاریگر ایک ہی پیشے سے متعلق ہوں یا الگ الگ پیشے سے متعلق ہوں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں، عمار اور سعد اس غنیمت میں ساجھی بن گئے تھے جو ہم نے بدر والے دن حاصل کی تھی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شکار کرنے اور لکڑیاں جمع کرنے میں شراکت کرنا بھی جائز ہے۔

(۴) شرکة المفاوضہ: امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور اسے ناجائز قرار دیتے ہیں جبکہ اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور اصحاب الرائے اسے جائز کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور ابو یوسف رحمہم اللہ کہتے ہیں: اس کے جواز میں شرط یہ ہے کہ دونوں کا رأس المال برابر برابر ہو، پھر ان میں سے جو بھی کوئی خریدے گا تو دوسرا بھی اس میں شریک ہوگا لیکن اگر اسے ہبہ یا بطور وراثت کوئی مال ملتا ہے تو دوسرا ساتھی اس میں شریک نہیں ہوگا۔

البتہ اگر وہ وراثت وغیرہ مال مشارکت کی جنس سے ہو تو شراکت فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی ایک کو بھی کوئی نقصان پہنچتا ہے تو دوسرا بھی اس نقصان میں شامل ہوگا۔

(53)......بَابُ التَّوْكِيلِ

وکیل بنانا

(۲۱۵۸)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ،

(۲۱۵۸) أخرجه البخاري: ۳٦٤٢ .

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ الْحَيَّ يُحَدِّثُونَ......

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، أَوْ أُضْحِيَةً، فَاشْتَرَى لَهُ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ، فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْعِهِ بِالْبَرَكَةِ، فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ۔

سیدنا عروہ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے ایک بکری یا قربانی خریدنے کے لیے ایک دینار دیا، انہوں نے آپ کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور دینار آپ کے پاس واپس لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تجارت میں برکت کی دعا دی، پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی انہیں نفع ہو جاتا۔

شرح امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث سفیان عن شبیب بن غرقدہ سے بھی مروی ہے جسے انہوں نے عروہ بن ابوالجعد سے موصولاً بیان کیا ہے، بعض نے ان کا نام عروہ بن الجعد بارقی بیان کیا ہے۔

بارق ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر قبیلہ ازد کے چند لوگ آ بسے تھے۔ بعد میں عروہ کوفہ میں آباد ہوئے تھے۔ حدیث میں دلیل پائی جاتی ہے کہ معاملات اور ہر اس کام میں جس میں نیابت ہوسکتی ہے کسی کو اپنا وکیل بنانا جائز ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیع صرف میں اپنا وکیل مقرر کیا تھا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سیکرٹری کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے چھوٹے بڑے تمام اہل وعیال کی طرف سے صدقہ ادا کردو جب کہ آپ وہاں موجود نہ تھے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث کے مفہوم اور عروہ رضی اللہ عنہ کے بکری بیچنے میں علماء کا اختلاف ہے جب کہ آپ نے انہیں بیچنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کسی کی اجازت کے بغیر اس کا مال بیچ دے تو مالک کی اجازت تک بیع موقوف رہے گی، اگر وہ اجازت دیدے تو بیع درست ہوگی ورنہ نہیں۔ ان کی دلیل مذکورہ حدیث ہے، بعض علماء کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے اسے علی الاطلاق وکیل بنایا تھا اور اسے مکمل سپرداری دی تھی اور وکیل مطلق کو خرید وفروخت کا اختیار ہوتا ہے، چنانچہ اس کا تصرف مالک کی اجازت ہی سے ہوتا ہے، وکیل کو اس کے کام پر اجرت دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن سیرین، عطاء، ابراہیم نخعی اور حسن دلال کی اجرت کو جائز سمجھتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ کسی سے کہیں: یہ کپڑا اتنے میں بیچ دو۔ اگر اس سے زیادہ

قیمت میں بیچ دو تو زائد رقم تمہاری ہوگی، ابن سیرین کہتے ہیں: اگر کوئی شخص یوں کہے: یہ چیز اتنے میں بیچ دو، جو نفع ہوگا وہ آپ کا ہوا یا وہ میرے اور آپ کے درمیان تقسیم ہوگا، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں۔'' (صحیح، ابوداود: ٣٥٩٤، ترمذی: ١٣٥٢)

(54)......بَابُ الْعَارِيَةِ

عاریۃً لینے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ ......''وہ استعمال کی چیزوں سے روکتے ہیں۔''

(سورۂ ماعون:٧)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم عہد نبوی میں ڈول اور ہنڈیا عاریۃً دینا ''ماعون'' میں شمار کرتے تھے۔

(حسن، ابوداود: ١٦٥٧)

(٢١٥٩)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ...... حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ ثَمَنُ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، فَقَالَتْ: ارْفَعْ بَصَرَكَ إِلَى جَارِيَتِي، انْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهَا تُزْهَى أَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ، وَقَدْ كَانَ لِي مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِينَةِ إِلا أَرْسَلَتْ إِلَيَّ تَسْتَعِيرُهُ۔

ایمن کہتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ قطر (یمن کا ایک دبیز کھردرا کپڑا) کی قمیص پہنے ہوئے تھیں جس کی قیمت پانچ درھم تھی، آپ نے مجھ سے فرمایا: ذرا نظر اٹھا کر میری اس لونڈی کو تو دیکھ۔ اسے گھر میں بھی یہ کپڑے پہننے سے انکار ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں میرے پاس اسی کی ایک قمیص تھی، جب کوئی لڑکی دلہن بنائی جاتی تو میرے یہاں آدمی بھیج کر قمیص عاریتاً منگوا لیتی تھی۔

شرح: یہ حدیث صحیح ہے۔ ''القطر'' ایک قسم کی موٹی چادر ہوتی ہے، ''تزهی'' وہ تکبر کرتی ہے اور ناک چڑھاتی ہے، جب کسی شخص میں تکبر آجائے تو کہا جاتا ہے: ''زهي الرجل يزهي''۔

''تُقَيَّن۔'' سجائی جاتی تھی، جب دلہن کو سجایا جائے تو کہا جاتا ہے: ''قين العروس'' دلہنوں کو سجانے والی عورت کو ''قينة'' کہا جاتا ہے، اسی طرح کنگھی کرنے والی، گانے والی عورت اور لونڈی کو بھی ''قينه'' کہا جاتا ہے اور غلام کو ''قين'' کہا جاتا ہے۔

(٢١٥٩) أخرجه البخاري: ٢٦٢٨.

(٢١٦٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ:......

سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ أَبِي طَلْحَةَ، يُقَالُ لَهُ: الْمَنْدُوبُ فَرَكِبَ، فَلَمَّا رَجَعَ، قَالَ: ((ما رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدینہ میں دہشت پھیل گئی تو نبی ﷺ نے ابوطلحہ سے مندوب نامی گھوڑا مستعار رلیا اور اس پر سوار ہوئے، جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا: ''ہمیں کوئی چیز نظر نہیں آئی، اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح پایا ہے۔''

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے ابوبکر بن ابوشیبہ سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں سواری کے لیے گھوڑا ادھار لینے کا جواز ہے، نیز جس چیز سے بھی فائدہ ممکن ہو اور اس کا عین بھی برقرار رہے تو اسے عاریۃ لینا جائز ہے۔

"إِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔" سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اسے سمندر کی طرح پایا ہے، عبداللہ بن کثیر اور حفص نے عاصم سے اس آیت کو یوں پڑھا ہے ﴿إِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ﴾ یعنی یہ دونوں جادوگر ہیں، گھوڑے کو سمندر سے تشبیہ دینے سے مراد یہ ہے کہ یہ سمندر کی طرح چلتا ہے، یا یہ مراد ہے کہ یہ موجزن سمندر کی طرح دوڑتا ہے۔

اس حدیث میں کلام کی وسعت کی اباحت پائی جاتی ہے، نیز کسی ایک سبب کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینے کی اباحت ہے خواہ اس میں مشبہ بہ کے تمام اوصاف موجود نہ ہوں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کا نام رکھنا جائز ہے۔ عرب لوگ عام طور پر جانوروں اور آلات جنگ کا نام رکھ لیا کرتے تھے۔ جب اسے منگوانا ہوتا تو عام نام کی بجائے اس کا معروف نام استعمال کیا جاتا تھا۔

نبی ﷺ کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا، آپ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا، زرہ کا نام ذات الفضول تھا، آپ کے خچر کا نام دلدل تھا، ایک گھوڑے کا نام "السکب" اور ایک گھوڑے کا نام "البحر" تھا۔

سہل بن سعد کہتے ہیں: ہمارے باغ میں نبی ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام "اللُّحَيْف" یا "اللُّخَيف" تھا۔ (صحیح بخاری: ٢٨٥٥) کہا جاتا ہے گھوڑے کی دم لمبی تھی جس کی بنا پر اسے "اللحیف" کہا جاتا تھا، یہ فعیل کا وزن ہے جو کہ فاعل کے معنی پر ہے، گویا کہ وہ اپنی دم سے زمین ڈھانپ لیا کرتا تھا۔

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک گدھے پر نبی ﷺ کے پیچھے سوار تھا جس کا نام "عُفَير" تھا۔ (صحیح بخاری: ٢٨٥٦) اسی طرح آپ کی اونٹنیوں کے نام "الْقَصْوَاء" "الْعَضْبَاء" اور "الْجَدْعَاء" تھے۔

(٢١٦٠) أخرجه البخاري: ٢٦٢٧، ٢٨٢٠، ٢٨٥٧، ومسلم: ٢٣٠٧.

حمید بن زنجویہ کہتے ہیں: ہماری رائے کے مطابق ان چیزوں کے نام اختصار کے لیے رکھے جاتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات اصطبل میں کافی گھوڑے موجود ہوتے یا اسی طرح کافی تلواریں یا گھریلو سامان موجود ہوتا ہے تو اگر کسی گھوڑے یا تلوار وغیرہ کا ذاتی نام لے کر طلب کیا جائے تو یہ جامع نام لے کر طلب کرنے کی نسبت مختصر اور آسان ہوگا، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی اچھا سا نام ہو تو وہ باعث برکت ہو جائے، نبی ﷺ کے خچر کا نام دُلدُل تھا۔ جو کہ ایک پرندہ ہوتا ہے، آپ کے گدھے کا نام یعفور تھا جو کہ ہرن کے بچے کو کہا جاتا ہے، یہ نام اسی لیے رکھے گئے تھے کہ یہ دونوں چیزیں خچر اور گدھے سے تیز اور ہلکی ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے گھوڑے کا نام "جَنَاح" (پر) یا "سَرْحَان" (بھیڑیا) رکھ لیتے ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں گھوڑے کی نسبت ہلکی اور تیز ہوتی ہیں، آپ ﷺ نے اپنے جھنڈے کا نام "عقاب" رکھا تھا کیونکہ اس میں پھرتی ہوتی ہے اور وہ شکار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کا عقاب نامی جھنڈا کسی کالی چادر کا ٹکڑا تھا اور آپ کا بڑا جھنڈا "لِواء" سفید رنگ کا تھا، مروی ہے کہ آپ کی چادر کا نام "الفتح" تھا، آپ کی بکری کا نام "غیثه" اور "بركة" تھا تاکہ اس کا دودھ زیادہ اور بابرکت ہو، اسی طرح آپ کی لونڈی کا نام "خضرة" تھا۔

(55)......بَابُ ضَمَانِ الْعَارِيَةِ

عاریۃً لی ہوئی چیز کا ضامن ہونا

(٢١٦١)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِ كُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ السِّجْزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ حَمْدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْخَطَّابِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرِ بْنِ دَاسَةَ التَّمَّارُ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ الْأَشْعَثِ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَسَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، قَالَا: نا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ......

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَقَالَ: أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ: ((بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ۔))

صفوان بن امیہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے چند زرہیں ان سے عاریۃً لیں تو وہ کہنے لگے: اے محمد (ﷺ)! کیا چھین کر لینا چاہتے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: "مانگ کر لیتا ہوں اور ادا کر دی جائیں گی۔"

(٢١٦١) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٥٦٢.

(۲۱٦۲)۔ أَخْبَرَنَامُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرْبَنْدِ كُشَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ السِّجْزِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ الْحَوْطِيُّ ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَيَّاشٍ......

عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: ((الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ۔))

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے: ''مانگ کر لی ہوئی چیز ادا کردی جائے، منحہ واپس کی جائے، قرض پورا ادا کیا جائے اور ضامن تاوان بھرے۔''

شرح یہ حدیث حسن ہے۔ مستعار لی ہوئی چیز کی ذمہ داری کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ چیز لینے والے کے ذمہ واجب الادا ہوتی ہے، ابن عباس، ابو ہریرہ، رضی اللہ عنہما عطاء، شافعی اور احمد وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

کچھ لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ وہ چیز مستعیر کے پاس بطور امانت ہوتی ہے، البتہ اگر وہ اس میں زیادتی کرکے اسے ضائع کردے تو اس صورت میں وہ اس کا ذمہ دار ٹھہرے گا، یہ قول سیدنا علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، شریح، حسن، ابراہیم، سفیان ثوری، اسحاق بن راھویہ اور اصحاب الرائے سے مروی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر اس چیز کی ہلاکت ظاہر ہو تو لینے والا ذمہ دار نہیں اور اگر اس کی ہلاکت مخفی ہو تو لینے والا ذمہ دار ہوگا۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص استعمال کے لیے کوئی چیز کرایہ پر حاصل کرتا ہے تو ہلاکت کی صورت میں وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ اس کی زیادتی کی بنا پر ہلاک ہو تو پھر یہ ذمہ دار ہوگا، حدیث صفوان میں نبی ﷺ کا یہ فرمانا:...... ''بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ۔'' کہ یہ عاریتاً ہیں جس کی ذمہ داری ہوگی، بطور شرط نہ تھا، کیونکہ امانت والی چیز شرط لگانے سے بھی ذمہ میں نہیں آتی لیکن چونکہ صفوان رضی اللہ عنہ اسلام کے حکم سے ناواقف تھے تو نبی ﷺ نے انہیں بتایا کہ اسلامی حکم یہ ہے کہ عاریتاً لی ہوئی چیز مستعیر کے ذمہ ہوتی ہے۔

حدیث امامہ کے الفاظ ''الْعَارِيَةُ مَضْمُونَةٌ۔'' اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر عاریتاً لی ہوئی چیز موجود ہو تو اسے ادا کرنا واجب ہے اور اگر وہ ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

''اَلْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ'' منحہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے ساتھی کو استعمال کے لیے دیتا ہے مثلاً کچھ عرصہ کے لیے زمین یا درخت یا بکری وغیرہ دینا کہ اس میں کاشت کرلے یا اس کا پھل کھائے یا اس کا دودھ استعمال کرلے، ان چیزوں سے وہ استفادہ تو کرسکتا ہے مگر اصل چیز کا واپس کرنا ضروری ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز کے اجزاء اگر استعمال کی

(۲۱٦۲) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۳۵٦۵ ، والترمذی: ۲۱۲۰ ، وابن ماجه: ۲۳۹۸ .

وجہ سے تلف ہو جائیں تو ان کی ادائیگی واجب نہیں کیونکہ ان کو تلف کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ عاریہ کو واپس لوٹانے کا خرچ مستعیر کے ذمہ ہوگا۔

"اَلزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔" زعیم کفیل کو کہتے ہیں یعنی ذمہ داری لینے والے کو، جو شخص بھی کسی کے قرض کی ذمہ داری اٹھاتا ہے تو قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں اس کو قرض ادا کرنا پڑے گا۔

قتادہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ سمرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاتھ جب کوئی چیز لیتا ہے تو ادائیگی تک وہ اس کے ذمہ ہوتی ہے۔"

(ضعیف، ابوداود: ٣٥٦١، ترمذی: ١٢٦٦، ابن ماجہ: ٢٤٠٠)

بعد میں حسن بھول گئے اور یوں بیان کرنے لگے: "هُوَ اَمِيْنُكَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ" وہ امین ہے اس پر ادائیگی ضروری نہیں ہے۔

(56)......بَابُ الْغَصْبِ

غصب کرنے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ......"اے ایمان والو! اپنا مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔" (سورۂ نساء:۲۹)

(٢١٦٣)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ......

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ الأَنْصَارِيَّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ۔

سیدنا عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوٹنے اور مثلہ کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آدم عن شعبہ سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن یزید، عدی بن ثابت کے نانا ہیں۔

(٢١٦٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ......

(٢١٦٣) أخرجه البخاري: ٢٤٧٤، ٥٥١٦.

(٢١٦٤) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ١٦٠١.

عَـنْ أَنَـسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے لوٹ ڈالی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

شرح ایک اور سند کے ساتھ بھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے۔

حدیث میں مذکورہ ''نھبی'' سے مراد مال غنیمت لوٹنے والے افراد نہیں ہیں نہ وہ لوگ اس میں شامل ہیں جن کے سامنے کھانا پیش کیا جائے اور وہ اپنی ہمت کے مطابق اس میں سے وصول کرلیں۔ ورنہ مسلمانوں کا مال لوٹنا حرام ہے جو بھی یہ کام کرے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ واللہ اعلم

(57)......بَابُ إِثْمِ مَنْ غَصَبَ أَرْضاً

زمین غصب کرنے کا گناہ

(۲۱۶۵)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو عَبْـدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَـدَّثَـنَـا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلاءِ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ......

عَـنْ سَـعِيـدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنِ اقْتَـطَـعَ شِبْـرًا مِنَ الأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ۔))

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک بالشت جگہ ظلماً چھین لی تو قیامت کے دن وہ جگہ سات زمینوں تک اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق ڈال دیں گے۔''

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم نے اسے علی بن حجر سے روایت کیا ہے نیز امام بخاری ومسلم نے اسے ہشام بن عروہ سے بھی روایت کیا ہے۔

''طوقه الله من سبع ارضين'' سے مراد طوق تقلید نہیں بلکہ طوق تکلیف ہے یعنی قیامت کے دن اسے وہ جگہ اٹھانے کی تکلیف دی جائے گی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو غصب شدہ زمین اس کی گردن میں طوق کی طرح پڑ جائے گی یہی مفہوم زیادہ درست ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

(۲۱۶۶)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُـوسُفَ، حَـدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ،

(۲۱۶۵) أخرجه البخاري: ۲٤٥۲، ۳۱۹۸، ومسلم: ۱٦۱۰

(۲۱٦٦) أخرجه البخاري: ۲٤٥٤، ۳۱۹٦، ومسلم: ۱٦۱۱.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ......

عَـنْ سَـالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ أَخَذَ مِنَ الأَرْضِ شَيْـئًـا بِغَيْرِ حَقِّهِ، خُسِفَ بِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ إِلَى سبْعِ أَرَضِينَ۔))

سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تھوڑی سی زمین بھی ناحق لے لی تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔

(58)......بَابُ مَنْ غَرَسَ أَرْضَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ

جو بغیر اجازت کسی کی زمین کاشت کرے

(٢١٦٧)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو عَبْـدِ الـلّٰـهِ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِ كُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سِرَاجٍ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْمَرْوَرذِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُـو الْـحَسَـنِ عَـلِـيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجُمَحِيَّ يُحَدِّثُ......

عَـنْ هِشَـامِ بْـنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَـالَ: ((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً، فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ۔))

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے، نیز ظالم کی محنت فضول اور ناحق ہے۔''

شرح جمحی کہتے ہیں: ہشام کہتے ہیں عرق ظالم سے مراد یہ ہے کہ آدمی ایسی زمین کو کاشت کرے جو اس سے پہلے کوئی شخص آباد کر چکا ہو، یا اس زمین میں کوئی ایسا کام کرے جس کے ذریعے وہ زمین پر قابض ہو جائے۔

ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: مذکورہ تفسیر حدیث میں موجود ہے، جس کا ثبوت ایک اور حدیث میں ہے جو میں نے عباد بن عوام سے سنی ہے وہ محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں وہ یحییٰ بن عروہ سے اور وہ اپنے باپ عروہ سے اور وہ نبی ﷺ سے اسی حدیث کی طرح مرفوع بیان کرتے ہیں، نیز عروہ کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے مجھے یہ حدیث بیان کی تھی کہ ایک آدمی نے ایک انصاری آدمی کی زمین میں کھجور کاشت کی۔ وہ دونوں جھگڑا لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے زمین کا فیصلہ انصاری کے حق میں کر دیا اور دوسرے شخص کو حکم دیا کہ اپنی کھجور اکھیڑ لے، راوی کہتے ہیں: میں نے دیکھا کھجور کے درخت کی جڑوں کو کلہاڑے سے کاٹا جا رہا تھا جبکہ وہ مکمل کھجور کا درخت تھا۔ (حسن، ابوداود: ٣٠٧٥)

ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''نخل عم'' کا معنی یہ ہے کہ وہ طول وعرض میں مکمل درخت تھا۔ ''عم'' کی واحد ''عميمة''

(٢١٦٧) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٠٧٣، والترمذی: ١٣٧٨.

ہے، جب عورت مکمل جوان ہو جائے تو اسے بھی "امراة عميمة" کہتے ہیں۔

امام صاحب کہتے ہیں: جو کسی کی زمین غصب کر کے اس میں فصل یا درخت کاشت کر دے تو اس کی فصل اور درختوں کو اکھاڑ دیا جائے گا اور اسے کچھ نہیں ملے گا نیز غصب کے دن سے لے کر زمین کی اجرت اور کاشت کی وجہ سے زمین میں ہونے والے نقصان کی ضمانت بھی اس شخص کے ذمہ ہوگی، اگر فصل پک جائے تو وہ اس شخص کا حق ہے جس نے بیج ڈالا ہے کیونکہ وہ اس کے اصل مال سے پیدا ہوئی ہے، عام علماء کا یہی قول ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب فصل کاٹی جائے گی تو فصل زمین کے مالک کو ملے گی اور کاشتکار کو اس کی مزدوری دی جائے گی، ان کی دلیل وہ روایت ہے جو شریک نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے اس نے عطا سے اس نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی کسی قوم کی زمین ان کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اسے اس فصل میں سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اس کا خرچ اسے مل جائے گا۔''

(صحیح، ابو داود: ٣٤٠٣، ترمذی: ١٣٦٦، ابن ماجه: ٢٤٦٦)

اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اس حدیث کو ابو اسحاق سے صرف شریک کی روایت سے جانتا ہوں۔ امام احمد سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابو اسحاق نے اس روایت میں "بغير اذنه" کا اضافہ بھی کیا ہے، جبکہ باقیوں نے یہ حرف ذکر نہیں کیا۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اگر "بِغَيْرِ اِذْنِهٖ" کے الفاظ ثابت ہو جائیں تو آپ کے ان الفاظ "لَيْسَ لَهٗ مِنَ الزَّرْعِ شَیْءٌ" کو سزا اور ظلم و غصب کی بنا پر اسے محروم کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ اور اگر یہ الفاظ ثابت نہ ہوں تو جو شخص اجازت کے بغیر کسی کی زمین کاشت کرے اور بیج بھی اس نے خود ہی ڈالا ہو تو پیداوار اسی کی ہوگی اور اگر بیج زمین کے مالک نے ڈالا ہو تو پیداوار مالک کی ہوگی اور کاشتکار کو اس کی محنت کی اجرت دی جائے گی۔

اگر کوئی آدمی کسی کا مال غصب کر کے آگے بیچ ڈالے تو اس کی بیع مردود ہوگی اور اگر خریدار کو معلوم تھا کہ یہ مال غصب شدہ ہے تو وہ بھی غاصب شمار ہوگا اور اگر اسے علم نہیں تھا تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ اگر وہ غصب شدہ چیز اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اسے اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی اور وہ غاصب سے قیمت نہیں لے سکتا۔ اگر سامان کا مالک خریدار سے جھگڑا کر کے دلیل کے ذریعے اپنا سامان اس سے واپس لے لے تو وہ غاصب سے قیمت لے سکتا ہے کہ جس سے اس نے وہ سامان خریدا تھا۔

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنا مال بعینہ کسی آدمی کے پاس موجود پائے تو وہ اسے لینے کا زیادہ حقدار ہے، اور اس مال کا خریدار اس فروخت کنندہ کا پیچھا کرے (یعنی اس سے مطالبہ کرے جس سے اس نے خریدا ہے)۔'' (ضعیف، ابو داود: ٣٥٣١، نسائی: ٤٩٩٥)

(59)......بَابُ مَنْ حَلَبَ مَاشِيَةَ الغَيْرِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ

اجازت لیے بغیر کسی کا جانور دوہ لینا

(٢١٦٨)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلا بِإِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ، فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ، فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ؟ فَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ، فَلا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلا بِإِذْنِهِ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص بغیر اجازت کسی کے جانور کا دودھ نہ دوہے، کیا تم میں سے کوئی آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے سٹور میں آکر اس کی الماری توڑی جائے اور اس کا کھانا نکال لیا جائے؟ ان کے جانوروں کے پستان ان کے لیے کھانا جمع رکھتے ہیں، چنانچہ کوئی بھی آدمی بغیر اجازت کسی کے جانور کا دودھ نہ دوہے۔''

شرح: اس روایت کو امام بخاری نے عبداللہ بن یوسف سے اور امام مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

''مشربة'' اس کمرے کو کہتے ہیں جس میں سامان رکھا جاتا ہے، ایک روایت میں ''فینقل'' کی جگہ ''فینثل طعامه'' ثا کے ساتھ مروی ہے جس کا معنی ہے ''نثل مافی کنانتة'' جو کچھ اس کے ترکش میں تھا اس نے نکال دیا، یعنی سب کچھ نکال کر بکھیر دیا۔

جمہور علماء کا عمل اس حدیث کے مطابق ہے کہ بغیر اجازت کسی کے جانور کا دودھ دوہنا جائز نہیں، اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور جانور کا مالک بھی موجود نہ ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ جانور کا دودھ دوہ کر پی لے اور مالک کو قیمت ادا کر دے، نیز ہر قسم کی خوراک کا یہی حکم ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: اس کے ذمہ کوئی قیمت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے اسے اس کی اجازت دی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی ذاتی مال کھالے تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں۔

کچھ علماء کا مذہب یہ ہے کہ مالک کی عدم موجودگی میں اس شخص کے لیے بھی جانور کا دودھ دوہنا جائز ہے جو مجبور نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفر ہجرت میں ایک قریشی کی بکری کا دودھ دوہ کر نبی ﷺ کو پلایا تھا حالانکہ وہ قریشی خود موجود نہیں تھا بلکہ اس کا غلام بکریاں چرا رہا تھا، اسی طرح ان کی دلیل سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی جانوروں میں آئے اور وہاں ان کا مالک موجود ہو تو وہ اس سے اجازت لے لے، اگر مالک اجازت دے دے تو وہ دودھ دوہ کر پی لے،

(٢١٦٨) أخرجه البخاري: ٢٤٣٥، ومسلم: ١٧٢٦ .

اگر مالک موجود نہ ہوتو وہ تین دفعہ آواز دے، اگر کوئی اسے جواب دے تو اس سے اجازت لے اور اگر کوئی بھی جواب نہ دے تو وہ دودھ دوہ کر پی لے مگر ساتھ نہ لے جائے۔'' (صحیح، ابوداود: ٢٦١٩، ترمذی: ١٢٩٦، ابن ماجه: ٢٣٠٠)

بعض محدثین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ حسن نے اس روایت کو سمرہ کے صحیفہ سے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے مسافر کو رخصت دی ہے کہ وہ کسی کے پھل کھا سکتا ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے غریب سند سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص باغ میں آئے تو وہ پھل کھالے مگر کپڑے میں باندھ کر ساتھ نہ لے جائے۔'' (صحیح، ترمذی: ١٢٨٧، ابن ماجه: ٢٣٠١)

اسی طرح عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ سے درخت پر لٹکتے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو ضرورت مند ہو اور درخت سے پھل لے لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں جب تک کہ وہ کپڑے میں باندھ کر ساتھ نہ لے جائے۔'' (حسن، ابوداود: ١٧١٠، ترمذی: ١٢٨٩، نسائی: ٤٩٧٣)

اکثر علماء کے ہاں مالک کی اجازت کے بغیر پھل توڑنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو مالک کی عدم موجودگی میں ضمان کی شرط پر کھا سکتا ہے۔

اس حدیث میں قیاس کے درست ہونے کی دلیل ہے کہ ہم مثل چیزوں پر ایک ہی حکم لگایا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے دودھ کی حفاظت کے ضمن میں جانوروں کے پستانوں کو سٹور سے تشبیہ دی ہے کہ جس میں انسان اپنا سامان محفوظ کرتا ہے، نیز اس حدیث سے دلیل لی جائے گی کہ جو آدمی باڑے میں موجود جانوروں کا دودھ چپکے سے دوہ لے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے جیسے کمرے میں موجود سامان چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

(60)......بَابُ الْمَاشِيَةِ إِذَا أَتْلَفَتْ مَالَ الْغَيْرِ

جانور جب کسی کا نقصان کر دے

(٢١٦٩)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

عَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ، أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطًا، فَأَفْسَدَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَنَّ عَلَى أَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ، وَأَنَّ مَا أَفْسَدَتِ الْمَوَاشِي بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلَى أَهْلِهَا۔))

حرام بن سعد بن محیصہ روایت کرتے ہیں کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی اور اسے ضائع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دن کے وقت باغات کی حفاظت کرنا مالکوں کی ذمہ داری ہے، نیز اگر رات کے وقت جانور کسی کی فصل کا نقصان کر دیں تو اس کی ذمہ داری جانور کے مالک پر عائد ہوگی۔

(٢١٦٩) صحيح ...... أخرجه ابو داود: ٣٥٦٩ .

شرح "ضامن" سے مراد ہے کہ اس کی ذمہ داری مالکوں پر ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: بعض علماء کا مذہب یہی ہے کہ دن کے وقت اگر جانور کسی کا نقصان کر دیں تو اس کی ذمہ داری جانوروں کے مالک پر نہیں آئے گی، اور اگر رات کو جانور نقصان کر دیں تو اس کی ذمہ داری جانوروں کے مالک پر آئے گی، کیونکہ عرفاً یہی دستور رائج ہے کہ باغات وغیرہ کے مالک دن کو خود اپنے باغات کی نگرانی کرتے ہیں اور لوگ اپنے جانوروں کو چرانے لے جاتے ہیں، جبکہ رات کو وہ اپنے جانور واپس لا کر باڑے میں بند کر دیتے ہیں، چنانچہ جو آدمی اس دستور کی مخالفت کرے گا وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا، یہ اس وقت ہے جب جانور کا مالک اس کے پاس موجود نہ ہو، اگر مالک پاس موجود ہو تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا خواہ وہ جانور پر سوار تھا یا ہانک کر لے جا رہا تھا، یا اسے آگے سے پکڑ کر لے جا رہا تھا یا جو جانور کھڑا تھا، نیز خواہ جانور نے وہ نقصان اپنے ہاتھوں (یعنی اگلی ٹانگوں) سے کیا ہو خواہ یا ٹانگوں سے کیا ہو یا منہ سے کیا ہو، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اصحاب الرائے کا مذہب یہ ہے کہ اگر مالک جانور کے پاس موجود نہ ہو اور جانور کوئی نقصان کر دے تو مالک پر کوئی تاوان نہیں پڑے گا خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا وقت، ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((جُرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَار)) ...... "جانور کا لگایا ہوا زخم معاف ہے۔" (صحیح بخاری: ٦٤٠١، صحیح مسلم: ٣٢٢٦)

جبکہ یہ حدیث عام ہے اور سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت اس کی تخصیص کرتی ہے۔ اگر جانور کا مالک پاس موجود ہو تو اصحاب الرائے کے نزدیک مالک پر تاوان تب پڑے گا۔ جب وہ جانور کو فصل میں ہانک کر لے گیا ہو، اگر وہ جانور پر سوار تھا یا اسے آگے سے پکڑ کر لے جا رہا تھا تو ایسی صورت میں اس پر صرف اتنا ہی تاوان پڑے گا جتنا نقصان وہ جانور اپنے منہ یا ہاتھ سے کرے گا، اور جو نقصان وہ اپنی ٹانگ سے کرے گا اس کی ذمہ داری مالک پر نہیں آئے گی۔ ان کی دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلرِّجْلُ جُبَارٌ)) ...... "ٹانگ کا زخم معاف ہے۔" (ضعیف، ابوداود: ۴۵۹۲) جبکہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے، سفیان بن حسین جو اس روایت کا راوی ہے سوء حفظ میں معروف ہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں: نفحۃ یعنی ٹانگ مارنے کا کوئی تاوان نہیں، تاوان تو تب ہوگا جب مالک اس کی مہار کو موڑے گا۔ حماد کہتے ہیں: ٹانگ مارنے کی وجہ سے تاوان صرف اس صورت میں پڑتا ہے کہ جب انسان جانور کو الٹا چلا رہا ہو۔

حکم اور حماد کہتے ہیں: اگر گدھے پر عورت سوار ہو اور گدھا کرایے کا ہو، مالک اسے ہانک رہا ہو اور عورت گر جائے تو مالک پر کوئی تاوان نہیں پڑے گا۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر کوئی آدمی سواری کے جانور کو ہانک رہا ہو حتی کہ اسے تھکا دے تو جو نقصان وہ کرے گا ہانکنے والا اس کا ضامن ہوگا، اگر ہانکنے والا پیچھے ہو اور جانور کھلا ہو مہار نہ پڑی ہو تو پھر ہانکنے والا نقصان کا ضامن نہ ہوگا،

اگر کوئی جانور مالک پر غالب آ جائے اور کوئی نقصان کر دے تو اس کے متعلق امام شافعی کے دو اقوال ہیں جبکہ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جانور کا زخم معاف ہے، کان بھی معاف ہے اور کنواں بھی معاف ہے۔'' (صحیح بخاری:۶۹۱۳)

کان اور کنویں کے معاف ہونے سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کان میں کام کرنے کے لیے مزدوروں کو مزدوری پر لگائے اور کان ان پر گر جائے جس میں دب کر وہ مر جائیں یا کسی آدمی کو اپنا ملکیتی کنواں کھودنے کے لیے مزدوری پر لگائے اور کنواں اس پر گر جائے تو ان کا خون رائیگاں ہوگا، کیونکہ انہوں نے خود اپنے قتل پر مدد کی ہے۔

ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کوئی آدمی اپنی جگہ میں کنواں کھدواتا ہے اور اس میں گر کر کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کا خون بھی رائیگاں ہوگا، اگر کسی شخص کے گھر میں کنواں ہو اور وہ کسی آدمی کو گھر میں جانے کی اجازت دے، وہ آدمی گھر میں جائے اور کنویں میں گر جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں پڑے گا الا یہ کہ رات کا وقت ہو یا داخل ہونے والا شخص اندھا ہو یا کنواں ڈھکا ہوا ہو اور اسے معلوم نہ ہو تو اس کی عاقلہ پر دیت پڑے گی مگر قصاص واجب نہیں ہوگا۔

بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں: ((وَالنَّارُ جُبَارٌ)) ......''آگ بھی معاف ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ٤٥٩٤، ابن ماجه: ٢٦٧٦)

کہا گیا ہے کہ یہ تصحیف ہے اصل میں ''اَلْبِئْرُ جُبَارٌ'' ھے مگر تبدیل ہو کر ''اَلنَّارُ جُبَارٌ'' ہو گیا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث صحیح ہے، لہٰذا تصحیف کا دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (م،م)

اگر یہ الفاظ صحیح ہوں تو ان کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر کوئی آدمی اپنی نگرانی میں آگ جلاتا ہے اور ہوا اس آگ کو اڑا لے جاتی ہے جس سے کسی کا نقصان ہوتا ہے جبکہ اس کو روکنا اس کے بس میں نہ ہو تو اس نقصان کا وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ اس صورت میں ہے کہ آگ جلاتے وقت ہوا رکی ہوئی ہو بعد میں چلنے لگے، اگر کوئی آدمی صحرا میں آگ جلائے جب کہ ہوا چل رہی ہو اور وہ صحرا اس کی ملکیت ہو، آگ کے سامنے کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، پھر وہ آگ کو روکنے کی کوشش کرے کہ ہوا اسے اڑا کر نہ لے جائے مگر وہ آگ کسی کی کھیتی کو جلا دے تو وہ اس کا تاوان ادا کرے گا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر کسی کے مال پر آگ پھینک دے اور اسے جلا دے تو وہ اس کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

ابوعبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اَلْـمَـعْدِنُ جُبَارٌ'' یہ الفاظ صرف کان تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر اس آدمی کے متعلق یہ اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جو مزدوری کرتا ہو اور دوران مزدوری ہلاک ہو جائے تو اس کا خون معاف ہے۔ مالک پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی البتہ اگر مزدور ایک سے زیادہ ہوں تو وہ آپس میں بقدر حصہ اس کی دیت ادا کریں گے، اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگر دو آدمی کوئی دیوار گرا رہے ہوں اور وہ دیوار ان دونوں پر گر جائے جس سے ایک آدمی مر جائے تو زندہ بچ جانے والے شخص کے عصبہ پر نصف دیت آئے گی جو وہ میت کے ورثاء کو ادا کریں گے اور نصف

دیت معاف ہو جائے گی کیونکہ مرنے والے نے خود بھی اپنے قتل میں تعاون کیا ہے۔(تو اس کا حصہ معاف ہو جائے گی)

اگر دیوار راستے کی جھک جائے پھر گر جائے اور اس کے نیچے دب کر کوئی آدمی مر جائے تو بعض علماء کے نزدیک مالک نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا یعنی دیت ادا نہیں کرے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے البتہ اگر اس نے دیوار بنائی ہی ٹیڑھی ہو اور نیچے کوئی آدمی مر جائے تو پھر اس پر دیت لازم ہوگی، کیونکہ دیوار کا از خود ٹیڑھا ہو جانا ایک حادثہ ہے جس میں مالک کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے مالک کو بتا دیا تھا کہ دیوار گرنے والی ہے مگر اس نے دیوار کو نہ گروایا حتی کہ وہ خود گر گئی تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ قول ابراہیم نخعی اور اصحاب الرائے کا ہے۔

(61)......بَابُ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

(٢١٧٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ الْقَفَّالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَسْعُودٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ يُونُسَ الْخَطِيبُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَأَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسُ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ الْقَدَّاحُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ((الشُّفْعَةُ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ فَلا شُفْعَةَ۔))

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو، جب حدود مقرر ہو جائیں تو شفعہ کرنا جائز نہیں ہے۔“

شرح: اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے محمد بن عبداللہ بن نمیر وغیرہ سے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے بیان کیا ہے۔

(٢١٧١)۔ أنا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثنا مُسَدَّدٌ، ثنا عَبْدُ الْوَاحِدِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

(٢١٧٠) أخرجه البخاري: ٢٢١٣، ٢٢١٤، ٢٢٥٧، ومسلم: ١٦٠٨.

(٢١٧١) أخرجه البخاري: ٢٢١٤.

عَـنْ جَـابِـرِ بْـنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُـقْسَـمْ ، فَـإِذَا وَقَـعَـتِ الْحُدُوْدُ ، وَصُرِفَت الطُّرُقُ ، فَلا شُفْعَةَ۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو، جب حدود مقرر ہو جائیں اور راستے الگ ہو جائیں تو شفعہ کرنا جائز نہیں ہے۔''

شرح عبدالرزاق نے معمر سے یوں بیان کیا ہے ''فی کل مال لم یقسم'' یہ حدیث صحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شفعہ کا معنی اضافہ ہے، یعنی آدمی ماخوذ چیز کو اپنی چیز سے ملا کر دوگنا کر لیتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تقسیم ہونے والی اشیاء میں سے اگر کوئی ساجھی اپنا حصہ تقسیم سے پہلے بیچ ڈالے تو دوسرا ساجھی اس کے خلاف شفعہ کر سکتا ہے اور جس قیمت پر وہ اس چیز کو بیچ رہا ہے وہ قیمت ادا کر کے وہ چیز اس سے خرید سکتا ہے۔

اگر اس نے اپنا حصہ کپڑا یا غلام وغیرہ قیمت رکھنے والی چیز کے عوض بیچا ہے تو شفعہ کرنے والا اسے اس کی قیمت ادا کر دے گا۔

کیا پڑوسی بھی شفعہ کر سکتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے، صحابہ و تابعین میں سے اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ پڑوسی شفعہ نہیں کر سکتا کیونکہ شفعہ مشترکہ اشیاء میں ہوتا ہے تقسیم شدہ چیزوں میں نہیں ہوتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسی کے قائل ہیں، نیز اہل مدینہ، سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، عمر بن عبدالعزیز، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، امام مالک، امام شافعی، اوزاعی، امام احمد، اسحاق اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

کچھ صحابہ وغیرہ کے مذہب میں پڑوسی بھی شفعہ کر سکتا ہے، سفیان ثوری، ابن مبارک رحمہما اللہ، اصحاب الرائے وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ شفعہ کرنے میں ساجھی پڑوسی سے مقدم ہے ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

(۲۱۷۲)۔ أَخْبَـرَنَـا أَبُـو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْـحِيـرِيُّ ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُنِيبٍ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ......

عَنْ أَبِي رَافِعٍ ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ۔))

ابو رافع رضی اللہ عنہ مرفوعا بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پڑوسی اپنے پڑوس کا زیادہ حقدار ہے۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے۔

''سَـقَب'' سین اور صاد دونوں طرح منقول ہے، اس کا معنی ''قرب'' ہے مراد وہ جگہ ہے جو قریب اور ساتھ لگتی

(۲۱۷۲) أخرجه البخاري: ۲۲۵۸ ، ٦٩٧٧ .

ہو، حالانکہ حدیث میں شفعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے تاہم اس سے شفعہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ پڑوسی حسن سلوک اور تعاون کا زیادہ حقدار ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں تو میں کس کو تحفہ دیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو۔''
(صحیح بخاری: ۲۲۵۹)

اگر اس حدیث سے مراد شفعہ ہو تو بھی وہ پڑوسی مراد ہوگا جو ساجھی بھی ہو تاکہ دونوں روایات میں تطبیق ہو سکے، نیز کبھی شریک کو بھی پڑوسی کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ پڑوسی سے بھی زیادہ اپنے ساجھی کے قریب ہوتا ہے، پڑوسی اپنے پڑوسی کے ساتھ تو نہیں رہتا جبکہ ساجھی اپنے ساجھی کے ساتھ اکٹھا اسی گھر میں رہتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: لفظ ''اَحَــقّ'' بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لفظ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس سے زیادہ حقدار کوئی اور نہ ہو اور یہ صفت شریک اور ساجھی میں پائی جاتی ہے کہ اس سے زیادہ حقدار کوئی نہیں ہوتا، نیز سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پڑوسی اپنے پڑوسی پر شفعہ کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے، اگر وہ غائب ہو تو بھی اس کا انتظار کیا جائے گا مگر یہ اس وقت ہے جب ان کا راستہ ایک ہی ہو۔''

(صحیح، ابوداود: ۳۵۱۸، ابن ماجہ: ٢٤٩٤)

اس حدیث کو صرف عبدالملک بن ابوسلیمان نے روایت کیا ہے اور شعبہ نے اسی حدیث کی وجہ سے عبدالملک پر کلام کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کے غیر محفوظ ہونے کا اندیشہ ہے، ابوسلمہ اور ابوزبیر دونوں حافظ ہیں تاہم ان دونوں کی حدیث عبدالملک کی حدیث کے معارض نہیں ہے، جو لوگ تقسیم شدہ چیز میں بھی شفعہ کے قائل ہیں جبکہ راستہ ایک ہی ہو وہ اس حدیث اور ''وقعت الحدود وصرفت الطرق'' کے الفاظ سے دلیل لیتے ہیں حالانکہ اس سے مراد مشترک زمین کا راستہ مراد ہے، کیونکہ مشترکہ راستے پر سب شرکاء کا حق برابر ہوتا ہے جو جہاں سے چاہے داخل ہوسکتا ہے۔ جب جائیداد ان میں تقسیم ہو جائے گی تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے حق میں داخل ہونے سے روک دے گا تو یوں تقسیم کی وجہ سے راستہ الگ الگ ہو جائے گا۔

اگر کسی کنویں، حمام یا چکی وغیرہ یعنی جس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا میں دو شخص حصہ دار ہوں، ان میں سے ایک آدمی اپنا حصہ بیچ دے تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک دوسرا حصہ دار اس کے خلاف شفعہ نہیں کرسکتا کیونکہ شفعہ تو تقسیم سے پیدا ہونے والی مشقت کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہاں کوئی مشقت نہیں پائی جاتی۔ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک شفعہ ہوسکتا ہے تاکہ ساجھی کے ابدی نقصان سے بچا جا سکے، ابن سراج بھی اسی کے قائل ہیں۔
ذمی شخص مسلمان کے خلاف شفعہ کرسکتا ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کے نزدیک ذمی مسلمان کے خلاف شفعہ نہیں کرسکتا۔

(62)......بَابُ عَرْضِ الدَّارِ عَلَى الشَّرِيكِ قَبْلَ الْبَيْعِ
فروخت سے قبل ساجھی کو گھر خریدنے کی پیشکش کرنا

(۲۱۷۳)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنِ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ شَرِيكًا فِي رَبْعَةٍ أَوْ نَخْلٍ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ، فَإِنْ رَضِيَ أَخَذَهُ، وَإِنْ كَرِهَ تَرَكَهُ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص کسی کے ساتھ گھر یا نخلستان میں ساجھی ہو تو اسے اپنا حصہ بیچنے کی اجازت نہیں تا آنکہ وہ اپنے ساجھی کو اطلاع نہ دیدے، اگر وہ خریدنے پر رضا مند ہو گا تو خرید لے گا ورنہ چھوڑ دے گا۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اسے احمد بن یونس اور یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

رَبْع اور رَبْعَة اس گھر کو کہتے ہیں جس میں انسان رہتا ہے اور اسے چار دیواری بناتا ہے۔

ابو زبیر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شفعہ ہر اس سانجھ میں ہوتا ہے جو گھر یا باغ وغیرہ میں ہو، ایک ساجھی دوسرے ساجھی کو بتائے بغیر اسے بیچ نہیں سکتا۔ اگر دوسرے ساجھی کو بتائے بغیر بیچ دے تو دوسرا ساجھی اسے خریدنے کا زیادہ حقدار ہے حتی کہ وہ اسے بتا کر بیچے۔'' (صحیح، ابوداود: ۳۵۱۳، نسائی: ٤٦٤٦)

یہ حدیث دلیل ہے کہ شفعہ صرف گھر اور زمین میں ہوتا ہے، اگر اس میں درخت یا مکانات موجود ہوں تو وہ بھی شفعہ کرنے والے کو ہی مل جائیں گے کیونکہ وہ زمین کے تابع ہیں، جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر مشترک چیز میں شفعہ ہو سکتا ہے خواہ وہ سامان یا جانور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ابن ابی ملیکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شریک شفعہ کر سکتا ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہو سکتا ہے۔'' (منکر، ترمذی: ۱۳۷۱)

مگر اس حدیث کی سند درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت کو ابن ابی ملیکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل بیان کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بائع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شفعہ کرنے والے کے حق کو باطل کرنے کے لیے کوئی حیلہ اختیار کرے، جب وہ اپنا حصہ بیچنا چاہے تو اسے اپنے شریک کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ خریدنا چاہے تو کسی اور کو اس پر ترجیح نہ دے اور اگر وہ اسے بتائے لیکن وہ نہ خریدے اور شفعہ بھی نہ کرے تو بھی اس کا حق شفعہ ختم نہیں ہو گا

(۲۱۷۳) أخرجه البخاري: ۲۲۱۳، مسلم: ۱٦۰۸.

کیونکہ اس نے حق ثابت ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیا ہے۔ جب وہ چیز فروخت کی جائے گی تو بھی اسے خریدنے کا حق موجود ہوگا، حکم کہتے ہیں: اگر بیچنے سے پہلے مالک اسے بتائے اور وہ نہ خریدے تو پھر اسے شفعہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کسی کی موجودگی میں ایسی چیز بیچی جائے جس میں اسے شفعہ کا حق ہے اور اس میں کوئی رد و بدل نہیں کرتا تو پھر اسے شفعہ کرنے کا حق بھی نہیں ہے اگر شفعہ کرنے والے کو بیچنے کے بعد پتہ چلے تو اسے فوراً شفعہ کر کے وہ چیز لے لینی چاہیے لیکن اگر وہ ممکن ہونے کے باوجود جان بوجھ کر تاخیر کرے گا تو حق شفعہ ختم ہو جائے گا، ایک قول یہ بھی ہے کہ تین دن تک اسے شفعہ کرنے کا حق باقی رہے گا، ایک قول کے مطابق اگر وہ رضامند نہ ہو تو کسی بھی وقت شفعہ کر سکتا ہے۔ اس کا یہ حق کبھی ختم نہیں ہوگا۔

اگر وہ موجود نہ ہوا اور اسے بیع کا علم نہ ہو سکے تو چاہے کتنی ہی مدت گزر جائے اس کا حق شفعہ محفوظ رہے گا۔

(63)......بَابُ وَضْعِ الْخَشَبِ عَلَى جِدَارِ الْجَارِ

پڑوسی کی دیوار پر لکڑی (شہتیر) رکھنا

(٢١٧٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي جِدَارِهِ)) قَالَ: ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَالِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللَّهِ! لأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی آدمی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے سے منع نہ کرے۔''

راوی کہتے ہیں: پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس بات سے اعراض کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں اسے تمہارے کندھوں کے درمیان رکھوں گا۔

شرح: اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن عبداللہ بن سلمہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے۔

بعض علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ جب کوئی شخص مکان تعمیر کرے اور اسے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو پڑوسی کو اسے اس کام سے روکنا نہیں چاہیے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(٢١٧٤) أخرجه البخاري: ٢٤٦٣، ومسلم: ١٦٠٩.

امام مالک، اصحاب الرائے، جمہور علماء اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید کے مطابق پڑوسی کو اس کام پر مجبور نہیں کیا جاسکتا (یعنی اگر وہ خوشی سے اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے دے تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں) اور حدیث کو ندب واستحباب اور حسن جوار پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی انصاری کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا درخت تھا۔ انصار کے گھر والے بھی اس کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے، سمرہ کے باغ میں آنے سے انصار کو تکلیف ہوتی تھی، چنانچہ انصاری نے آپ کو وہ درخت بیچنے کی گزارش کی تو وہ نہ مانے، اس نے آپ کو متبادل دینے کی گزارش کی تو آپ پھر بھی نہ مانے، وہ انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے ساری بات ذکر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی دو باتیں ان کے سامنے رکھیں مگر وہ نہ مانے تو آپ نے اسے رغبت دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ درخت اسے ہبہ کردو تمہیں اس کے عوض اتنا اجر ملے گا، انہوں نے پھر بھی انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نقصان پہنچانے والا آدمی ہے۔'' اور انصاری سے فرمایا: ''جاؤ اور اس کا کھجور کا درخت اکھاڑ دو۔'' (ضعیف، ابوداود: ٣٦٣٦)

''عَضُد'' سے مراد کھجور کا تنا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''عَضُد'' سے مراد ''عَضِید'' ہے اور عضید اس کھجور کو کہتے ہیں جو زیادہ لمبی نہ ہو، اصمعی کہتے ہیں: جب کھجور کے ساتھ خوشے پک جائیں جن سے پھل توڑا جاسکے تو اسے عضید کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا درخت اکھیڑنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ وہ اسے نقصان پہنچانے سے باز آجائے۔ یہ حتمی حکم نہیں تھا، کیونکہ حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس شخص نے اس کا کھجور کا درخت اکھاڑ دیا تھا، یہ ایسے ہی جیسے مروی ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض نامی جگہ سے پانی کی ایک نالی نکالی اور محمد بن مسلمہ کی زمین سے اسے گزارنا چاہا تو محمد بن مسلمہ نہ مانے، ضحاک نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بات کی تو سیدنا عمر نے محمد بن مسلمہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ ضحاک کو نالی گزارنے دیں، وہ نہ مانے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم اپنے بھائی کو ایسے کام سے کیوں روک رہے ہو جس میں آپ دونوں کا فائدہ ہے کیونکہ آپ اول وآخر اس سے پانی پی سکتے ہیں اور آپ کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، محمد بن مسلمہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں اجازت نہیں دوں گا، سیدنا عمر کہنے لگے: اللہ کی قسم! اسے تمہارے پیٹ پر سے بھی نالی گزارنی پڑی تو بھی وہ اسے ضرور گزارے گا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نالی گزارنے کا حکم دے دیا، چنانچہ ضحاک نے وہاں سے نالی گزار لی۔ (مؤطا امام مالک: ١٤٦٣)

اگر درخت بڑا ہو جائے اور اس کی شاخیں پڑوسی کے گھر جا پہنچیں یا اس کی جڑیں پڑوسی کی زمین میں پہنچ جائیں تو اسے ان شاخوں اور جڑوں کو موڑنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ پڑوسی کا نقصان نہ ہو، اگر وہ ایسا نہ کرے تو درخت کاٹ دیا جائے گا۔

(٢١٧٥)۔ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ، حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءِ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر راستے کے بارے میں تمہارا باہمی جھگڑا ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ مقرر کی جائے۔''

شرح: یہ حکم بھی سہولت کے پیش نظر ہے، اگر گلی عام جاری نہ ہو تو وہ وہاں کے رہنے والوں کی ذاتی ملکیت شمار ہوگی۔ اگر وہ گلی کو تنگ رکھنے پہ متفق ہوں تو سات ہاتھ سے کم بھی جائز ہے، لیکن اگر ان کا اختلاف ہو جائے تو کسی کو ایسی عمارت تعمیر کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو باہر گلی میں نکلی ہوئی ہو، نہ ہی کسی کو گلی کی جگہ تنگ کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ کسی کو گلی میں دروازہ رکھنے کی اجازت ہوگی جب تک کہ وہ سب سے اجازت نہ لے لے۔

اگر گلی عام اور جاری راستہ ہو تو سب مسلمانوں کو وہاں سے گزرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر کوئی آدمی اپنے سامنے کی گلی میں چھپر بنالے یا دروازے کے سامنے چبوترہ بنالے یا کوئی درخت لگادے اور گزرنے والوں کو اس سے کوئی تکلیف نہ ہو تو اسے منع نہیں کیا جائے گا اور اگر گزرنے والوں کو تکلیف ہو تو اسے اس کام سے روکا جائے گا، جیسے کوئی آدمی بازار میں بیٹھ کر سامان بیچنے لگ جائے تو اسے روکا جائے گا اگر گزرنے والوں کو تکلیف ہو رہی ہو۔

حدیث کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی آدمی گلی میں تعمیر کرلے یا بیٹھ کر بیچنے لگے اور گزرنے والوں کے لیے سات ذراع کھلا راستہ باقی ہو تو اسے روکا نہیں جا سکتا، کیونکہ اگر راستہ اتنا کھلا ہو تو گزرنے والوں کو تنگی نہیں ہوتی، اسی طرح دیہاتوں میں زرعی زمین کے مالکان اگر اپنی حدود سے نکل جائیں اور ساتھ والی سڑک بھی کاشت میں شامل کرلیں تو انہیں منع نہیں کیا جائے گا، اگر وہ گزرنے والوں کے لیے سات ہاتھ راستہ چھوڑ دیں۔ جو راستے گھروں کو جاتے ہیں وہ اتنے کشادہ ہونے چاہیں کہ ضرورت کی اشیاء مثلاً پانی کی مشک، سامان کی گٹھریاں اور جنازے کی چارپائی وغیرہ گزارنے میں تنگی نہ ہو۔

(٢١٧٦)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ ثَقِيفٍ......

(٢١٧٥) أخرجه البخاري: ٢٤٧٣، ومسلم: ١٦١٣.

(٢١٧٦) الحديث صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٥٢٤٠.

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَقْطَعُ السِّدْرَ، قَالَ: ((يُصَبُّ عَلَيْهِ العَذَابُ)) وَقَالَ: ((يُصَوَّبُ رَأْسُهُ فِي النَّارِ)) قَالَ: فَسَأَلْتُ بَنِي عُرْوَةَ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عُرْوَةَ قَطَعَ سِدْرَةً كَانَتْ فِي حَائِطِهِ، فَجَعَلَ مِنْهَا بَابًا لِحَائِطٍ۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بیری کا درخت کاٹتا ہے اس کو عذاب دیا جائے گا، نیز فرمایا: ''اس کا سر آگ میں اوندھا کیا جائے گا۔'' راوی کہتے ہیں میں نے عروہ کے بیٹوں سے اس کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ عروہ نے اپنے باغ سے بیری کا ایک درخت کاٹ کر باغ کا دروازہ بنایا تھا۔

(۲۱۷۷)۔ قَالَ الإِمَامُ: قَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: نَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً، صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔))

سیدنا عبداللہ بن حبیش فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بیری کا درخت کاٹا، اللہ تعالیٰ اس کے سر کو جہنم کی آگ میں اوندھا کردے گا۔''

شرح: امام ابوداؤد رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث مختصر ہے، اصل حدیث یوں ہے: ''جس نے صحرا سے ناحق بیری کا درخت کاٹ دیا جس کے سایے میں مسافر اور جانور بیٹھتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس کو سر کے بل اوندھا کر کے آگ میں ڈالے گا۔''

(64)......بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ وَالْمُضَارَبَةِ

زمین بٹائی وغیرہ پر دینا

(۲۱۷۸)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَعْطَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْبَرَ لِيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا، وَيَزْرَعُوهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہودیوں کو دیدی تھی کہ وہ اس میں کام کریں، کاشتکاری کریں اور پیداوار کا نصف حصہ انہیں ملے گا۔

(۲۱۷۷) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۵۲۳۹ .

(۲۱۷۸) أخرجه البخاري: ۲۲۸۵، ۲۳۲۸، ومسلم: ۱۵۵۱ .

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ابراھیم بن منذر عن انس بن عیاض عن عبیدا للہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے زھیر بن حرب عن یحییٰ القطان عن عبیداللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہم کی سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے پھلوں اور فصلوں کی نصف پیداوار پر معاملہ طے کیا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب کھجوریں پک جائیں تو کھانے سے پہلے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا کرتے تھے جو کھجوروں کا اندازہ لگائے، پھر یہودیوں کو اختیار دیتے کہ اس میں سے جو چاہیں لے لیں یا آپ خود اس اندازے کے مطابق ان کا حصہ انہیں دے دیتے۔ (ضعیف الاسناد، ابو داود: ٣٤١٣)

"أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا" یعنی جہاں کھجوریں لگی ہیں وہاں کھجوروں میں محنت کریں اور جو زمین خالی ہے وہاں کاشت کریں، حدیث کے انہی الفاظ کی وجہ سے مساقاۃ (سیراب کرنا) کو معاملۃ کہا جاتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث مساقاۃ کے جواز کی دلیل ہے اور مساقاۃ سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا کھجوروں یا انگوروں کا باغ کسی شخص کو دے دیتا ہے تاکہ وہ اس میں کام کرے اور باغ اور باغ کے پھل کی اصلاح کرے اور اس سے دوسرا، تیسرا یا چوتھا حصہ مقرر کر لے کہ اس محنت کے عوض اسے باغ کے پھل میں سے اتنا حصہ ملے گا، صحابہ اور ان کے بعد کے علماء نے مساقاۃ کی یہی تعریف کی ہے سوائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے۔ ان کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسف اور محمد بھی ان کے مخالف اور جمہور علماء کے موافق ہیں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ کون کونسے درختوں میں مساقات کرنا جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں اقوال میں سے قوی قول یہ ہے کہ کھجور اور انگور کے درختوں کے علاوہ کسی درخت میں مساقاۃ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے پھل نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے صحیح اندازہ لگانا ممکن ہوتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ باقی پھلوں مثلاً انجیر، زیتون اور سیب وغیرہ کے متعلق ان کا قول معلق ہے کیونکہ گھنے پتوں اور بکھرے ہوئے دانوں کی وجہ سے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔

امام مالک، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ہر قسم کے پھل میں مساقاۃ جائز ہے، امام مالک نے تو کھیرے اور تربوز میں بھی مساقاۃ کو جائز قرار دیا ہے۔

ابو ثور کے نزدیک کھجور، انگور، تازہ سبزیاں اور بینگن وغیرہ نیز ہر اس پودے میں مساقاۃ کرنا جائز ہے جس کا پھل لٹکتا ہو اور زمین حوالے کرتے وقت وہ پودا زمین میں موجود ہو۔

مزارعت یہ ہوتی ہے کہ بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو اور کام کاشتکار کرے، نیز پیداوار کا مقرر حصہ بطور جزا طے کر لیا جائے، اس کے جواز میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں جن میں سیدنا عمر، سیدنا علی، ابن عباس، ابن مسعود، اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہم

بھی شامل ہیں۔ قیس بن مسلم، ابوجعفر سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: مدینہ میں جتنے مہاجرین کے گھر ہیں سب ہی تیسرے یا چوتھے حصے پر کاشت کرتے ہیں۔

سعید بن مسیّب، قاسم، عروہ، ابن سیرین، طاؤس، زھری، عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی لیلیٰ، احمد، اسحاق، ابو یوسف اور محمد بن حسن اسی کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر والوں سے پھلوں اور فصلوں کی پیداوار کے نصف حصے پر معاملہ طے کیا تھا، نیز مساقاۃ اور مضاربت پر قیاس کر کے بھی وہ مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اور ان دونوں کے جائز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

امام مالک، ابو حنیفہ اور شافعی رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مزارعت کرنا فاسد ہے، ان کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں: ہم مزارعت کو درست سمجھتے تھے حتی کہ میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرما رہے تھے: اللہ کے رسول ﷺ نے مزارعت سے منع کیا ہے تو اس بنا پر ہم نے مزارعت چھوڑ دی۔ (صحیح مسلم: ١٥٤٧)

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت اس وقت جائز ہے جب مساقاۃ کے تابع ہو، جب کھجوروں کے درختوں کے درمیان خالی جگہ ہو اور جب تک خالی جگہ کو سیراب نہ کیا جائے کھجوروں کو سیراب کرنا بھی ممکن نہ ہو۔ اگر مزارعت مساقاۃ سے الگ ہو یا خالی جگہ کو سیراب کیے بغیر کھجوروں کو سیراب کرنا ممکن ہو تو پھر مزارعت جائز نہیں ہے، نیز ان کے ہاں مخابرہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ مخابرہ اور مساقاۃ دو الگ الگ چیزیں ہیں اس لیے کہ مخابرہ میں بیج کاشتکار کا ہوتا ہے اور مزارعت میں زمین کے مالک کا، نیز مزارعت میں کاشتکار پیداوار کا کچھ حصہ اپنی محنت کے بدلے لیتا ہے جبکہ مخابرہ میں کاشتکار پیداوار کا کچھ حصہ زمین کے ٹھیکے کے طور پر ادا کرتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اکثر علماء مزارعت کے جواز کے قائل ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ والی روایت کو اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ایک مرتبہ انہوں نے یوں بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور دوسری مرتبہ یوں کہتے ہیں کہ میرے چچاؤں نے مجھے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے، لہٰذا انہوں نے اہل خیبر والی روایت کو ہی اپنایا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت کی توجیہہ انہوں نے یہ کی ہے کہ یہ روایت مجمل ہے اور اس کی تفسیر ایک اور سند کے ساتھ رافع بن خدیج اور دیگر صحابہ سے مروی ہے جن میں مندرجہ ذیل روایات شامل ہیں۔

(٢١٧٩)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ، سَمِعَ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيَّ......

(٢١٧٩) أخرجه البخاري: ٢٣٣٢، ٢٣٢٧، ٢٧٢٢، ومسلم: ١٥٤٧.

عَنْ رَافِعٍ ، قَالَ: كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلًا ، وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِي أَرْضَهُ ، فَيَقُولُ: هَذِهِ الْقِطْعَةُ لِي ، وَهَذِهِ لَكَ ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهِ ، وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهِ ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس مدینہ کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں زمین زیادہ تھی، ہمارے یہاں طریقہ یہ تھا کہ جب زمین بصورت جنس کرایہ پر دیتے تو یہ شرط لگاتے کہ اس حصہ کی پیداوار میری رہے گی اور اس حصے کی تمہاری رہے گی، پھر کبھی ایسا ہوتا کہ ایک حصہ کی پیداوار خوب ہوتی اور دوسرے کی نہ ہوتی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس طرح معاملہ کرنے سے منع فرما دیا۔

شرح: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے عمرو الناقد سے روایت کیا ہے۔

(٢١٨٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، ثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ......

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمَّايَ ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْرُونَ الْأَرْضَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبَعَاءِ أَوْ شَيْءٌ يَسْتَثْنِيهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ ، فَنَهَانَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ ، فَقُلْتُ لِرَافِعٍ: فَكَيْفَ هِيَ بِالدِّينَارِ وَالدَّرَاهِمِ؟ فَقَالَ رَافِعٌ: لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ وَقَالَ اللَّيْثُ: وَكَانَ الَّذِي نُهِيَ مِنْ ذَلِكَ مَا لَوْ نَظَرَ فِيهِ ذُوو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ ، وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيزُوهُ ، لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین کو بٹائی پر نہر (کے قریب کی پیداوار) کی شرط پر دیا کرتے یا کوئی بھی خطہ مالک زمین اپنے لیے چھانٹ لیتا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا۔ حنظلہ کہتے ہیں: میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اگر درھم ودینار کے بدلے یہ معاملہ کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، لیث کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کی بٹائی سے منع فرمایا تھا وہ ایسی صورت ہے کہ حلال وحرام کی تمیز رکھنے والا کوئی بھی شخص اسے جائز نہیں قرار دے سکتا کیونکہ اس میں کھلا دھوکہ ہے۔

(٢١٨٠) أخرجه البخاري: ٢٣٤٦ ، ٢٣٤٧ ، ٤٠١٣ ، ومسلم: ١٥٤٧ .

شرح یہ حدیث متفق علیہ ہے۔امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت اسحاق بن ابراہیم سے روایت کی ہے۔

"الاربعاء" "ربیع" کی جمع ہے جس کا معنی ہے چھوٹی نالی۔اس کے ہم معنی لفظ "جدول" اور "سری" ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی ہے کہ جس مزارعت سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جو بنا دیکھے یا دھوکے پر مبنی ہو، اوراس کی صورت یہ ہے کہ مالک کاشتکار کو یہ شرط لگائے کہ جو فصل نالیوں پر اور کنویں کے کنارے ہوگی وہ میری ہوگی یا کسی خاص ٹکڑے کی پیداوار کو اپنے لیے خاص کرلے۔اس میں یہ خطرہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس ٹکڑے میں پیداوار نہ ہو یا اس میں پیداوار ہو باقی زمین میں نہ ہو تو اس طرح ایک شخص تمام پیداوار لے جائے گا اور دوسرے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اسی طرح مساقاۃ میں اگر مالک کسی خاص کھجور کا پھل خود لینے کی شرط لگالے تو عقد درست نہیں ہوگا، اسی طرح مضاربت میں اگر ایک آدمی شرط لگائے کہ فلاں چیز کا نفع میرا ہوگا فلاں کا میرا نہیں ہوگا تو بھی عقد مضاربت درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی یہ شرط لگالے کہ نفع میں سے ایک درھم میرا ہوگا یا کام کرنے والے کو ملے گا پھر باقی دونوں میں برابر تقسیم ہوگا تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نفع صرف ایک درھم حاصل ہو تو ایک ہی آدمی سارا نفع سمیٹ لے گا۔

(٢١٨١)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ......

قَالَ عَمْرٌو قُلْتُ لِطَاوُسٍ: لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ، فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا، قَالَ: أَيْ عَمْرُو، إِنِّي أُعْطِيهِمْ وأُعِينُهُمْ، وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي يَعْنِي: ابْنَ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، ولكِن قَالَ: ((أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُومًا۔))

عمرو کہتے ہیں: میں نے طاؤس سے کہا: کاش کہ آپ مخابرہ چھوڑ دیں، وہ (یعنی رافع کے چچا) کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مخابرہ سے منع کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: اے عمرو! میں تو انہیں زمین دوں گا اور انہیں فائدہ دوں گا، کیونکہ صحابہ میں سے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا تھا، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کو زمین تحفہ دیدے تو یہ محصول لے کر دینے سے بہتر ہے۔''

شرح اس کی صحت پر اتفاق ہے، اسے امام مسلم نے ابن ابی عمر سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ نہیں کہ مزارعت حرام ہے، بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو زمین تحفہ دیدیں اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کریں۔اس کی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔

(٢١٨١) أخرجه البخاري: ٢٣٣٠، ٢٣٤٢، ومسلم: ١٥٥٠.

(٢١٨٢)۔ أَخْبَرَنَاأَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى الْبِرْتِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ، فَلْيَزْرَعْهَا، أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو تحفہ دیدے۔“

شرح متفق علیہ ہے، امام بخاری وامام مسلم نے اسے کئی سندوں کے ساتھ عطاء سے روایت کیا ہے، امام مسلم نے اسے ابوسفیان کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: مخابرہ اور مزارعہ ہم معنی ہیں، جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں، البتہ جو لوگ مزارعت کو حرام کہتے ہیں ان کے نزدیک مخابرہ بھی حرام ہے۔

(٢١٨٣)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَهَّابِ مُحَمَّدٌ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نُخَابِرُ، وَلا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا حَتَّى زَعَمَ رَافِعٌ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا، فَتَرَكْنَاهَا مِنْ أَجْلِ ذٰلك۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم مخابرہ کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حتی کہ رافع بن خدیج نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے تو اس حدیث کی وجہ سے ہم نے مخابرہ کرنا چھوڑ دیا۔

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

مخابرہ سے مراد ہے: آدھے یا تیسرے حصے پر مزارعت کرنا وغیرہ۔ ”خبر“ اور ”خبرۃ“ حصے کو کہتے ہیں۔

”خبیر“ کاشتکار کو کہتے ہیں، جن لوگوں کے ہاں مخابرہ جائز ہے وہ اس حدیث کی مذکورہ تاویل کرتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لوگوں سے یوں معاملہ طے کیا تھا کہ اگر بیج عمر ڈالے گا تو آدھا حصہ اس کا ہوگا اور اگر بیج وہ خود ڈالیں گے تو انہیں اتنا اتنا حصہ ملے گا۔

(٢١٨٢) أخرجه البخاري: ٢٣٤٠، ٢٦٣٢، ومسلم: ١٥٣٦.

(٢١٨٣) أخرجه مسلم: ١٥٤٧.

حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک کی زمین ہو اور خرچ دونوں کریں، جو پیداوار ہو وہ آپس میں بانٹ لیں، زھری بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: آدھ پر کپاس چننے پر کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تیسرے یا چوتھے حصے کی مزدوری پر کپڑا بننے کے لیے دیا جائے، امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

معمر کہتے ہیں: تیسرے یا چوتھے حصے کی مزدوری پر جانور چروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن نجیح اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا جو کھانے کے عوض ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔

امام صاحب فرماتے ہیں: قراض، مضاربت ہی کو کہتے ہیں، علماء کا اس کے جائز ہونے پر اتفاق ہے اور وہ صرف درھم و دینار کے عوض ہی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو تجارت یا کام کے لیے درہم و دینار دے اور جو منافع ہو وہ آپس میں اپنے معاہد کے مطابق آدھا آدھا یا ایک تہائی وغیرہ کے حساب سے تقسیم کرلیں۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔

(٢١٨٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا مَالِكٌ......

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ، ابْنَىْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، خَرَجَا فِي جَيْشٍ إِلَى الْعِرَاقِ، فَلَمَّا قَفَلا، مَرَّا عَلَى عَامِلٍ لِعُمَرَ فَرَحَّبَ بِهِمَا وَسَهَّلَ، وَهُوَ أَمِيرُ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: لَوْ أَقْدِرُ لَكُمَا عَلَى أَمْرٍ أَنْفَعُكُمَا بِهِ لَفَعَلْتُ، ثُمَّ قَالَ: بَلَى، هٰهُنَا مَالٌ مِنْ مَالِ اللّٰهِ أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَ بِهِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَأُسْلِفُكُمَاهُ فَتَبْتَاعَانِ مَتَاعًا مِنْ مَتَاعِ الْعِرَاقِ، ثُمَّ تَبِيعَانِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَتُؤَدِّيَانِ رَأْسَ الْمَالِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَيَكُونُ

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کی طرف ایک لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے، جب لوٹے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عامل (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے جو کہ بصرہ کے حاکم تھے، انہوں نے انہیں اھلاً وسھلاً مرحبا کہا، پھر کہنے لگے! اگر میں تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتا ہوتا تو ضرور پہنچاتا، پھر کہنے لگے: البتہ میرے پاس یہاں کچھ اللہ کا مال پڑا ہے جو میں امیر المؤمنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہ روپے میں تمہیں بطور قرض دیتا ہوں۔ تم عراق سے اس کا سامان خرید لو، پھر مدینہ میں وہ مال بیچ کر اصل رقم امیر المؤمنین کو دے

(٢١٨٤) اسناده صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ١٣٩٦، والشافعى فى "المسند": ١٢٢٨.

لَكُمَا الرِّبْحُ ، فَلَمَّا قَدِمَا الْمَدِينَةَ ، بَاعَا ، فَرَبِحَا ، فَلَمَّا دَفَعَاهَا إِلَى عُمَرَ ، قَالَ لَهُمَا: أَكُلِّ الْجَيْشِ قَدْ أَسْلَفَ كَمَا أَسْلَفَكُمَا؟ قَالَا: لَا ، فَقَالَ عُمَرُ: ابْنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ، فَأَسْلَفَكُمَا ، أَدِّيَا الْمَالَ وَرِبْحَهُ ، فَأَمَّا عَبْدُ اللّٰهِ فَسَكَتَ ، وَأَمَّا عُبَيْدُ اللّٰهِ ، فَقَالَ: مَا يَنْبَغِي لَكَ هٰذَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، لَوْ هَلَكَ الْمَالُ أَوْ نَقَصَ ، لَضَمِنَّاهُ ، فَقَالَ: أَدِّيَاهُ ، فَسَكَتَ عَبْدُ اللّٰهِ ، وَرَاجَعَهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ عُمَرَ ، يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ جَعَلْتَهُ قِرَاضًا ، فَقَالَ عُمَرُ: قَدْ جَعَلْتُهُ قِرَاضًا ، فَأَخَذَ عُمَرُ رَأْسَ الْمَالِ وَنِصفِ رِبْحِهِ ، وَأَخَذَ عَبْدُ اللّٰهِ ، وَعُبَيْدُ اللّٰهِ ، نِصْفَ رِبحِ ذٰلِكَ الْمَالِ۔

دینا اور نفع تم لے لینا، جب وہ دونوں مدینہ آئے تو انہوں نے مال بیچا اور نفع حاصل کرلیا، جب انہوں نے اصل مال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا تو آپ نے ان سے پوچھا: امیر بصرہ نے جس طرح آپ کو قرض دیا ہے کیا سارے لشکر کو اسی طرح قرض دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں ! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تمہیں امیر المؤمنین کا بیٹا سمجھ کر یہ مال دیا ہوگا، چنانچہ اصل مال اور نفع دونوں مجھے دیدو، عبداللہ تو چپ کر گئے، مگر عبیداللہ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین ! آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے، اگر مال تلف ہو جاتا یا نقصان ہو جاتا تو ہم ضمان دیتے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مال دیدو، عبداللہ تو چپ رہے مگر عبیداللہ آپ سے تکرار کرنے لگے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مصاحبوں میں ایک شخص بولا: اے امیر المؤمنین! آپ اسے مضاربت بنا لیں تو بہتر ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے اسے مضاربت بنا لیا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصل مال اور آدھا نفع لے لیا اور آدھا نفع عبداللہ اور عبیداللہ نے لے لیا۔

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: حدیث مساقاۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کا ذمی سے مساقاۃ کرنا جائز ہے اور مزارعت کرنا بھی جائز ہے، بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مسلمان کی کافر کے ساتھ مضاربت کو بھی جائز قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ایک طرف سے مال ہوتا ہے اور دوسری طرف سے کام اور محنت ہوتی ہے۔

بعض علماء مسلمان کا ذمی کے ساتھ مضاربت کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور مساقاۃ یا مزارعت کو جائز کہتے ہیں، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں مسلمان اور ذمی کام پر متفق ہوتے ہیں جبکہ مضاربت کی صورت میں ذمی خود بھی تصرف کرسکتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ شراب، خنزیر یا سود پر مبنی کام کرلے تو وہ اس وجہ سے ذمی کے ساتھ مضاربت کرنا مکروہ ہے۔

"وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا" ایک سند میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں "وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَطْرُ تَمرِهَا" آدھا پھل رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔" (صحیح مسلم: ۱۵۵۱) یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں

کہ اگر زمین یا مال کا مالک اپنا حصہ واضح کردے کہ میں اتنا لوں گا تو باقی حصہ عامل کا ہوگا، اسی طرح اگر عامل کا حصہ واضح کردے تو باقی مالک کا ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں: اگر مالک اپنا حصہ واضح بھی کردے تب بھی باقی حصہ عامل کا نہیں ہوگا، بلکہ عامل کا حصہ بھی واضح کرنا پڑے گا تو تب درست ہوگا۔

اگر مضارب مال کے مالک کی مخالفت کرتا ہے (یعنی مالک کہتا ہے یہ کام نہیں کرنا وہ وہی کام کرتا ہے) تو اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نفع کا حقدار مالک ہوگا۔

ابو قلابہ اور نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: نفع کا حقدار مالک ہوگا اور عامل مال کے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ احمد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کے حوالے کوئی مال (بطور امانت) کیا جائے اور وہ مالک سے اجازت لیے بغیر تجارت شروع کردے تو بھی نفع مالک کا ہوگا اور نقصان کا ذمہ دار عامل ہوگا، اصحاب الرائے کہتے ہیں: نفع عامل کا ہوگا لیکن وہ اسے صدقہ کرے گا البتہ اصل مال کی ذمہ داری اور ہرجانہ اسی کے ذمہ ہوگی۔

اوزاعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اس نے عین مال مضاربت سے کوئی چیز خرید لی تو خریداری فاسد ہوگی، اور اگر وہ ادھار خریدتا ہے، پھر مال مضاربت سے اس کی ادائیگی کردیتا ہے تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

(65)......بَابُ الْإِجَارَةِ وَجَوَازِ إِجَارَةِ الْأَرَاضِي

مزدوری اور زمین ٹھیکے پر دینے کا جواز

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ ...... ''بہترین مزدور وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔'' (سورۂ قصص:۲۶)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾ ...... ''اس شرط پر کہ تو آٹھ سال تک میری ملازمت کرے۔'' (سورۂ قصص:۲۷)

اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ میں تجھ سے اپنی بیٹی کی شادی کروں گا جس کا معاوضہ یہ ہے کہ تو اتنی مدت تک میری بکریاں چرائے گا "اجره الله ياجره۔" کا لفظ ثواب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح عورت کے مہر کو بھی "اجر" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ عورت کی شرمگاہ کا بدل ہوتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ﴿فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ﴾
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ ...... ''اگر تو چاہتا تو اس کی مزدوری لے لیتا۔''

(سورۂ کہف:۷۷)

(٢١٨٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

(٢١٨٥) أخرجه مسلم: ١٥٤٧.

عَـنْ حَـنْـظَـلَةَ بْـنِ قَيْسٍ ، أَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ عَنْ كِرَاءِ الأَرْضِ ، فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الأَرْضِ ، قَالَ: ((أَبِالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ؟)) قَالَ: ((أَمَّا بِالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ فَلا بَأْسَ بِهِ۔))

خظلہ بن قیس نے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو کرایے پر دینے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایے پر دینے سے منع کیا ہے انہوں نے پوچھا: سونے چاندی کے عوض دینا بھی منع ہے؟ تو انہوں نے کہا: سونے چاندی کے عوض دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام مسلم نے اسے یحیٰی بن یحیٰی سے اور بخاری ومسلم دونوں نے کئی اور سندوں کے ساتھ ربیعہ سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: اس حدیث میں زمین کرایے پر دینے کے جواز کی دلیل ہے تاہم جمہور علماء درھم ودینار اور دیگر اموال کے بدلے زمین کرایے پر دینے کے جواز کے ہی قائل ہیں، خواہ وہ مال پیداوار کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں ہو، البتہ قیمت اور اوصاف کو مقرر کر لینا ضروری ہے (تا کہ جھگڑا نہ ہو) اسی طرح زمین کے علاوہ غلام اور جانور وغیرہ بھی کرایے پر دینا جائز ہے، مختصر یہ کہ جس چیز کو بیچنا جائز ہے اسے اجارہ میں بطور اجرت بھی دیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی آدمی کھجوروں کے باغ کی رکھوالی کے لیے مزدور رکھتا ہے اور مزدوری میں کسی خاص درخت کا پھل طے کر لیتا ہے اگر تو یہ معاہدہ پھل نکلنے سے پہلے طے پایا ہے تو مزدوری جائز نہیں اور اگر پھل نکلنے کے بعد طے پایا ہے تو جائز ہے لیکن پھر بھی اگر پھل پکنے سے پہلے طے پایا ہے تو جائز نہیں الا یہ کہ معاہدہ پھل کاٹنے سے مشروط ہو یا پھل کے ساتھ درخت بھی معاہدے میں شامل ہو، جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، اگر پھل کا تیسرا یا چوتھا حصہ یا کم وبیش حصہ مزدوری میں طے پایا ہو اور معاہدہ پھل پکنے کے بعد ہوا ہو تو جائز ہے اور اگر پھل پکنے سے پہلے ہوا ہو تو جائز نہیں ہے جیسا کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ پھل پکنے سے پہلے اگر ان کی بیع کی جائے تو کاٹنے کی شرط لگانا ضروری ہے، باقی رہا مساقاۃ کا معاملہ تو وہ پھل نکلنے سے پہلے ہی ہوتا ہے بعد میں درست نہیں، پھر کام مکمل کرنے کے بعد جو پھل حاصل ہوگا اس میں سے کچھ مقرر حصہ کام کرنے والے کو ملتا ہے جیسا کہ مضاربت میں نفع کا ایک حصہ کام کرنے والے کو ملتا ہے۔

حدیث میں ''قَفِيْزُ الطَّحَّان'' یعنی آٹا پیسنے والے کے قفیز کی ممانعت آئی ہے، جس کی تفسیر یہ ہے کہ چکی والا پیسنے کی قیمت پسائی لینے کے بعد آٹے میں سے بھی ایک قفیز وصول کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(66)......بَابُ اسْتِئْجَارِ الْأَحْرَارِ
آزاد شخص کو مزدوری پر رکھنا

شعیب کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾...... ''اس شرط پر کہ

تو آٹھ سال تک میری ملازمت کرے۔'' (سورۂ قصص:۲۷) نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ ...... ''بہترین مزدور وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔'' (سورۂ قصص:۲۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنولیث میں سے ایک ماہر آدمی کو مزدوری دے کر راستہ دکھانے کے لیے مقرر کیا جو کہ کفار قریش کے دین پر قائم تھا۔ دونوں نے اپنی سواریاں اس کے سپرد کیں اور تین دن بعد غار ثور میں آنے کا وعدہ کیا۔ (صحیح بخاری: ۲۲۶۳)

اس میں دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی ملازم رکھتا ہے تاکہ وہ تین دن بعد کام کرے یا سال بعد کام کرے تو جائز ہے اور دونوں اپنی شرائط پوری کریں گے۔

(۲۱۸۶)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ جَدِّهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلا رَعَى الْغَنَمَ)) فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: ((نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَى عَلَى قَرَارِيطَ لأَهْلِ مَكَّةَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث کیا ہے اس نے بکریاں چرائی ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی آدمی ملازم رکھے اور دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے تو معاہدہ مزدوری باطل نہیں ہوگا، اگر ملازم مرجائے تو وہ اپنا حق مالک کے پاس چھوڑ جائے گا، اور اگر مالک مرجائے تو مدت پوری ہونے تک ملازم مالک کے وارثوں کے ماتحت ہوگا، ابن سیرین، حسن، حکم اور ایاس بن معاویہ اسی کے قائل ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے خیبر کی زمین آدھ پر دی تھی تو نبی ﷺ، ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور تک یونہی معاہدہ برقرار رہا۔

(صحیح بخاری: ۲۳۴۳، صحیح مسلم: ۱۵۴۷)

یہ مذکور نہیں کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد ابو بکر صدیق یا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے دوبارہ ان سے معاہدہ کیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اصحاب الرائے کے مذہب کے مطابق کسی ایک کے مرنے سے معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔

(۲۱۸۶) أخرجه البخاري: ۲۲۶۲.

(67)......بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أُجْرَةَ الْأَجِيرِ
مزدور کی مزدوری نہ دینے کا گناہ

(٢١٨٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((قَالَ تَعَالَى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا، فَاسْتَوْفَى مِنْهُ، وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں خود تین آدمیوں سے جھگڑوں گا: (۱) وہ آدمی جس نے میرے نام سے عہد دیا پھر دھوکہ دیا، (۲) وہ آدمی جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور (۳) وہ آدمی جس نے کسی کو مزدوری پر لگایا، اس سے کام تو پورا لے لیا اور اس کو مزدوری ادا نہ کی۔''

شرح: یہ حدیث صحیح ہے، مذکورہ روایت بعینہ اسی طرح ایک اور سند سے بھی مروی ہے، اس میں ہے ((أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمَهُ خَصَمْتُهُ۔)) ......''قیامت والے دن میں خود ان سے جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اس پر غالب آجاؤں گا۔'' (صحیح ابن حبان: ٧٣٣٩)

(68)......بَابُ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالرُّقْيَةِ بِهِ
قرآن پڑھانے اور دم کرنے کی اجرت لینا

(٢١٨٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سَيْدَانُ بْنُ مُضَارِبٍ أَبُو مُحَمَّدٍ مُحَمَّدُ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ يُوسُفُ بْنُ يَزِيدَ الْبَرَاءُ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ الْأَخْنَسِ أَبُو مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ فِيهِمْ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کے ایک گروہ کا گزر چشمے پر ہوا، وہاں ایک

(٢١٨٧) أخرجه البخاري: ٢٢٢٧، ٢٢٧٠.

(٢١٨٨) أخرجه البخاري: ٥٧٣٧.

لَـدِيـغٌ أَوْ سَلِـمٌ ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْـمَـاءِ ، فَـقَـالَ: هَـلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ؟ إِنَّ فِي الْـمَـاءِ رَجُلا لَدِيغًا أَوْ سَلِيمًا ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِـنْـهُـمْ ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ ، فَـجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ ، فَكَرِهُوا ذَلِكَ ، وَقَـالُـوا: أَخَذْتَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَـيْـهِ وَسَـلَّـمَ أَخَـذَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا ، فَـقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَحَـقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ۔))

بچھو یا سانپ کا ڈسا ہوا آدمی تھا، وہاں پانی پر رہنے والے لوگوں میں سے ایک آدمی آیا اور پوچھنے لگا: کیا تم میں سے کوئی آدمی دم کرسکتا ہے؟ ایک آدمی کو سانپ یا بچھو نے ڈس لیا ہے، صحابہ میں سے ایک آدمی گیا اور چند بکریوں کے عوض سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، وہ آدمی تندرست ہوگیا، وہ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اسے برا سمجھا اور کہنے لگے: تو نے اللہ کی کتاب پر مزدوری لی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ ہی تو ہے جس پر مزدور لینے کے تم سب سے زیادہ حقدار ہو۔''

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: حدیث میں تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز کی دلیل ہے، نیز اجرت لینے کی شرط لگانے کے جواز کی بھی دلیل ہے۔ عطاء، حکم، مالک، شافعی، اور ابوثور رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، حکم کہتے ہیں: میں نے نہیں سنا کہ کسی فقیہ نے بھی اسے مکروہ کہا ہو۔

نیز اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ قرآن اور اللہ کے ذکر سے دم کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ قراءت اور فقہ جائز کام ہیں، نیز اس میں طبیب اور معالج کی اجرت کا جواز بھی ہے، امام زہری، ابوحنیفہ اور اسحاق رحمہ اللہ کے ہاں تعلیم قرآن پر اجرت اور معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

منصور، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ معلم کی اجرت کو مکروہ جانتے تھے۔

جابر بن زید کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایک شخص کو میں قرآن سکھایا کرتا تھا۔ اس نے مجھے ایک کمان تحفہ دی ہے، جو کہ رقم تو ہے نہیں، میں اللہ کی راہ میں اس سے تیر چلاؤں گا (تو کیا یہ لینا جائز ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تجھے آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کرلے۔''

(صحیح، ابوداود: ٣٤١٦، ابن ماجہ: ٢١٥٧)

جن کے نزدیک اجرت لینا جائز ہے وہ اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ تعلیم کے وقت ان کا مقصد معاوضہ لینا اور فائدہ اٹھانا نہیں تھا بلکہ ان کی نیت محض اجروثواب کی تھی تو نبی ﷺ نے انہیں اجر وثواب کے ضائع ہو جانے سے ڈرایا تھا، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی گم شدہ چیز ثواب کے ارادے سے واپس کردیتا ہے تو اسے اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ ثواب حاصل کرنا نہ چاہے اور اجرت کا مطالبہ کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کی دلیل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث ہے۔

حسن، ابن سیرین اور شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: شرط لگائے بغیر تعلیم قرآن کے عوض مال لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کچھ علماء کا موقف یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی موجود ہو جو یہ فریضہ سرانجام دے رہا ہو تو پھر اس کے لیے تعلیم قرآن کی اجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ اسی پر تو منحصر نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی حالت یا جگہ میں ہے کہ وہاں کوئی اور ایسا شخص موجود نہیں ہے جو اس فریضہ کو سرانجام دیتا ہو تو پھر اس کے لیے اجرت لینا جائز نہیں ہے، انہوں نے اس مسئلہ میں پائی جانے والی مختلف احادیث کو یوں تطبیق دی ہے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ لوگ بھی مختلف دلیل لیتے ہیں جو مصحف بیچنا اور اس کو لکھنے کی اجرت لینا جائز سمجھتے ہیں۔

مصاحف کی فروخت کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مصاحف بیچنا اور ان کے لکھنے کی اجرت لینا بدترین تجارت ہے، مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: میں چاہتا ہوں کہ مصحف قرآن بیچنے والے ہاتھ کاٹ دیے جائیں، کچھ لوگ جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور حکم بھی شامل ہیں مصحف بیچنا تو مکروہ سمجھتے ہیں لیکن خریدنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: مصحف خریدنے کا معاملہ تو ہلکا ہے مگر اس کو بیچنے کی رخصت مجھے معلوم نہیں ہے۔

حسن، شعبی، عکرمہ، سفیان ثوری، مالک، شافعی رحمہ اللہ اور اصحاب الرائے وغیرہ جمہور فقہاء نے مصحف خریدنے اور بیچنے دونوں کاموں کی رخصت دی ہے۔

(69)......بَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ
بنجر زمین آباد کرنا

(۲۱۸۹)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لأَحَدٍ، فَهُوَ أَحَقُّ))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی ایسی زمین آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہ آدمی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔''

قَالَ عُرْوَةُ: قَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ۔

عروہ کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔

(۲۱۸۹) أخرجه البخاري: ۲۳۳۵ .

شرح یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۱۹۰)۔ أَخْبَرَنَاأَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ۔))

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہے، اور ظالم کی محنت ناحق اور فضول ہے۔''

شرح امام صاحب فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے انہی الفاظ سے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے، اسی طرح ایوب نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے سعید بن زید سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام اور ان کے بعد والے علماء میں سے اکثر کا عمل اسی پر ہے کہ جو شخص بنجر زمین آباد کرے جس پر کسی مسلمان کا حق نہ ہو تو آباد کرنے والا ہی اس کا مالک ہوگا خواہ بادشاہ کی طرف سے اسے اجازت نہ بھی ہو۔ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے نیز امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مالک تو وہ ہوگا مگر بادشاہ سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ امام صاحب کے دونوں شاگرد ابو یوسف اور محمد اس مسئلہ میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

''لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی زمین غصب کرکے اس میں درخت یا فصل لگاتا ہے تو اس فصل پر اس کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کو اکھاڑا جا سکتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: ''احیاء اموات'' کا مطلب آباد کرنا ہے اور آبادی مختلف مقاصد اور مختلف طریقوں سے ہوتی ہے، اگر گھر بنانے کے لیے آباد کی ہو تو اس کی چار دیواری بنا کر اور اس پر چھت ڈال کر مالک بنے گا، اگر باغ لگانے کے لیے زمین آباد کی ہو تو چار دیواری کر کے نالیاں نکال کر، پودے لگا کر اور سیراب کر کے مالک بنے گا، اگر زراعت کے لیے آباد کی ہو تو اس طرح مالک بنے گا کہ اس کے اردگرد مٹی اکٹھی کر کے رکاوٹیں بنائے، اس میں ہل چلائے اور فصل بوئے تاہم ہر اس مقصد کے لیے زمین آباد کی جاسکتی ہے جو عرف میں موجود ہو۔

جب کوئی آدمی زمین آباد کر کے اس کا مالک بن جاتا ہے تو اس کے اردگرد کی زمین کا بھی وہی مالک ہوتا ہے۔ کوئی اور آدمی اسے آباد نہیں کرسکتا، اس کی ضرورت سے آگے جو جگہ ہو اس کا وہ مالک بن سکتا ہے خواہ وہ پہلے آباد کار کے قریب ہی کیوں نہ ہو، نبی ﷺ نے مدینہ میں کچھ گھر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بطور جاگیر دیے جو کہ انصار کے گھروں

(۲۱۹۰) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۳۰۷۳، والترمذی: ۱۳۷۸ .

اور نخلستانوں کے درمیان تھے، بنوعبد بن زہرہ کہنے لگے: ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو ہم سے علیحدہ کر دو، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ''(اگر میں یہی کام کروں) تو پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا کس لیے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی پاک نہیں کرتا جس میں کمزور کو اس کا حق نہیں دلوایا جاتا۔''

(صحیح، وقد رواه البیهقی موصولا: ۱۰/ ۹۳)

''نَكَبَ عَنَّا'' کا معنی ہے اسے ہم سے دور کر دو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّهُمْ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ﴾ وہ سیدھے راستے سے دور ہٹے ہوئے ہیں۔ ''لَا يُقَدِّسُ أُمَّةً'' یعنی اس امت کو پاک نہیں کرتا۔

(70)......بَابُ الْحِمَى

چراگاہ بنانا

(۲۱۹۱)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ۔))

سیدنا صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کو چراگاہ بنانے کا حق نہیں ہے۔''

شرح زہری کہتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک چراگاہ تھی، مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے وہ چراگاہ صدقے کے اونٹوں کے لیے محفوظ کی ہوئی تھی۔

یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یحییٰ بن بکیر عن اللیث عن ابن یونس عن ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے لیے ذاتی چراگاہ بنانا بھی جائز تھا مگر آپ نے پھر بھی ذاتی چراگاہ نہیں بنائی، نقیع نامی چراگاہ آپ نے مسلمانوں کے رفاہی کاموں کے لیے بنائی تھی، مثلاً ان گھوڑوں کے لیے جو فی سبیل اللہ تیار کیے جاتے تھے، یا ان جانوروں کے لیے جو صدقے کے حصوں سے بچ جاتے تھے، اور ان جانوروں کے لیے جو جزیہ میں آتے تھے۔

نقیع مدینہ میں ایک مشہور جگہ تھی جہاں پانی جمع ہوتا تھا۔ جب پانی خشک ہو جاتا تو گھاس پیدا ہو جاتی تھی،

(۲۱۹۱) أخرجه البخاری: ۲۳۷۰.

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ممانعت کا تعلق اس علاقے سے ہے جو وسیع نہ ہو اور اگر وہاں چراگاہ بنائی جائے تو آس پاس کے چرواہوں کے لیے جگہ تنگ ہو جائے، نیز رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی بھی حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ ذاتی چراگاہ بنائے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا رفاہی کاموں کے لیے چراگاہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بعض علماء "لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ" حدیث کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، اور بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے فلاحی کاموں کے لیے چراگاہ بنائی تھی بشرطیکہ وہاں کے باشندوں کو اس کا نقصان نہ ہو، جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں، ان کے ہاں مذکورہ حدیث میں ذاتی چراگاہ بنانے کی ممانعت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی (فلاحی کاموں کے لیے) چراگاہ بنائی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

(۲۱۹۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، نَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَهُ، يُقَالُ لَهُ: هني عَلَى الْحِمَى، فَقَالَ لَهُ: يَا هني، اضْمُمْ جَنَاحَكَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مُجَابَةٌ، أَدْخِلْ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَرَبَّ الْغُنَيْمَةِ، وَإِيَّايَ وَنَعَمَ بْنَ عَوْفٍ، وَابْنَ عَفَّانَ، فَإِنَّهُمَا إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُمَا يَرْجِعَا إِلَى زَرْعٍ وَنَخْلٍ، وَإِنَّ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَالْغُنَيْمَةِ، إِنْ تَهْلِكْ مَاشِيَتُهُ، يَأْتِينِي بِبَنِيهِ، فَيَقُولُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَفَتَارِكُهُمْ أَنَا؟ لَا أَبَا لَكَ، فَالْمَاءُ وَالْكَلَأُ أَيْسَرُ عَلَيَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَايْمُ اللّٰهِ، إِنَّهُمْ لَيَرَوْنَ أَنْ قَدْ ظَلَمْتُهُمْ، إِنَّهَا لَبِلَادُهُمْ قَاتَلُوا عَلَيْهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَسْلَمُوا

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو جس کا نام "ھنی" تھا چراگاہ پر نگران مقرر کیا تو انہیں یہ ہدایت کی: اے ھنی! مسلمانوں سے اپنے ہاتھ روک کے رکھنا (ان پر ظلم نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے ہر وقت بچتے رہنا، کیونکہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، چند اونٹوں اور چند بکریوں کے مالکوں کو چراگاہ میں داخل ہونے دینا اور ابن عوف اور ابن عفان کے جانوروں سے بچنا (یعنی ان کی امارت کی وجہ سے ان کے جانوروں کو غریبوں پر چراگاہ پر مقدم نہ رکھنا) کیونکہ ان کے جانور اگر ہلاک بھی ہو گئے تو یہ کھجور کے باغات اور کھیتوں سے اپنی معاش حاصل کر سکتے ہیں لیکن تھوڑے جانوروں والے (غریب) لوگوں کے جانور اگر مر گئے تو وہ اپنے بچوں کو لے کر میرے پاس آئیں گے، اور فریاد کریں گے، اے امیر المؤمنین (ان کو پالنا)، تو میں کیا انہیں

(۲۱۹۲) أخرجه البخاري: ۳۰۵۹.

عَلَيْهَا فِي الإِسْلامِ، وَايْمُ اللّٰهِ، لَوْلا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا حَمَيْتُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ بِلادِهِمْ شِبْرًا۔

چھوڑ دوں گا (تیرا باپ نہ رہے) ان کے لیے چارے اور پانی کا انتظام کر دینا میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ میں ان کے لیے سونے چاندی کا انتظام کروں، اللہ کی قسم! وہ (اہل مدینہ) یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے، کیونکہ انہوں نے جاہلیت میں اس کے لیے لڑائیاں لڑی ہیں اور اسلام لانے کے بعد بھی ان کی ملکیت کو بحال رکھا گیا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ اموال (گھوڑے وغیرہ) نہ ہوتے جن پر جہاد میں لوگوں کو سوار کرتا ہوں تو ان کے علاقوں میں ایک بالشت زمین کو بھی چراگاہ نہ بناتا۔

شرح یہ بھی مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے "شرف" اور "ابذة" نامی جگہ کو چراگاہ مقرر کیا تھا

امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث رسول "لَا حِمَى إِلا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اس میں اہل جاہلیت کے طریقہ کار کا رد ہے جن کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی طاقتور آدمی سرسبز و شاداب علاقے میں گھاس کی تلاش میں نکلتا تو اگر وہاں پہاڑ ہوتا تو پہاڑ پر کتا لے کر چڑھ جاتا۔ اگر پہاڑ نہ ہوتا تو کسی اونچی جگہ پر کتا لے کر چڑھ جاتا، پھر آواز سننے کے لیے دور دور تک آدمی کھڑے کر دیتا، کتا بھونکتا اور جہاں تک اس کی آواز سنائی دیتی تو چاروں طرف سے اتنی جگہ اپنے لیے محفوظ کر لیتا، نیز باقی جگہوں پر بھی لوگوں کے ساتھ اس کے جانور چر سکتے تھے اور اس محفوظ جگہ کو وہ اپنے کمزور جانوروں کے لیے باقی لوگوں کے جانوروں سے بچا کے رکھتا تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ "لا حمی الا للّٰہ ولرسوله" کا مفہوم یہی ہے کہ اس طرح خاص انداز میں چراگاہ بنانا جائز نہیں ہے۔

"للّٰہ" ہر جگہ اللہ کی ہے خواہ وہ ممنوع و محفوظ ہو یا نہ ہو۔

"لِرَسُولِه" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے جگہ محفوظ کرتے تھے نہ کہ اپنی ذات کے لیے، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے جس کو انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صرف اسی انداز میں چراگاہ مقرر کی جاسکتی ہے جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔

بعض احادیث میں ہے: ((لَا حِمَى إِلَّا فِي ثَلَاثٍ ثَلَّةِ الْبِئْرِ وَمَرْبَطِ الْفَرَسِ وَحَلْقَةِ الْقَوْمِ)) ......

''صرف تین مقاصد کے لیے جگہ محفوظ کی جاسکتی ہے، کنویں سے نکلنے والی مٹی پھینکنے کے لیے، گھوڑے کو ڈھیل دے کر رسی

لمبی کرنے کے لیے، لوگوں کی مجلس کے لیے۔" (مرسل، سنن بيهقى: ٦/ ١٥٦)

ابوعبید کہتے ہیں: "ثلة البئر" یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کنواں کھودے جو کسی کی ملکیت نہیں۔ کنویں کے اردگرد جہاں تک کنویں سے نکلنے والی مٹی پھینکی جائے گی وہ جگہ اسی کی ہوگی۔

"ثلة البئر" اس مٹی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت کنویں سے نکلتی ہے۔

"طول الفرس" یہ ہے کہ آدمی لشکر میں ہو، اور اپنے گھوڑے کو باندھ دے تو اس کے آس پاس کی جگہ گھوڑے کے گھومنے کے لیے لوگوں سے محفوظ کرسکتا ہے، "حلقة القوم" سے مراد یہ ہے کہ حلقے کے درمیان نہ بیٹھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حلقے کو عبور کرنا پھلانگنا مراد ہے کیونکہ وہ جگہ بھی مجلس والوں کے لیے محفوظ ہے۔

(71)......بَابُ الإِقْطَاعِ

جاگیر دینا

(٢١٩٣)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ......

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ خَرَجَ مَعَهُ إِلَى الْوَلِيدِ، قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الأَنْصَارَ إِلَى أَنْ يُقْطِعَ لَهُمُ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالُوا: لا، إِلا أَنْ تُقْطِعَ لإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِثْلَهَا، قَالَ: ((أَمَّا لا، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي، فَإِنَّهُ سَتُصِيبُكُمْ أَثَرَةٌ بَعْدِي۔))

یحییٰ بن سعید جب سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ولید کے پاس جارہے تھے تو انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرمارہے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کو بلایا تاکہ بحرین میں انہیں جاگیر دیں، تو انہوں نے کہا: اگر آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اسی طرح جاگیر دیں تو ہم لیں گے ورنہ ہم بھی نہیں لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم نہیں لیتے تو صبر کرو حتی کہ تم مجھے آملو، بے شک تمہیں میرے بعد ترجیح کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

شرح یہ حدیث صحیح ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حاکم وقت مفتوحہ علاقے میں سے وہ زمین جو کسی مسلمان کی ملکیت نہ ہو کسی بھی آدمی کو بطور جاگیر دے سکتا ہے اور جسے بادشاہ کوئی جگہ عطا کردے تو وہ باقیوں کی نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے جب وہ اس جگہ کو آباد کرے گا تو اس کا مالک بن جائے گا، اس سے پہلے مالک نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی زمین کو باڑ لگالے تو باقیوں کی نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا لیکن مالک تب بنے گا جب اسے آباد کرے گا، ایسے ہی اگر کسی کے مملوکہ درخت پر کوئی پرندہ بچے نکال لے تو باقیوں کی نسبت ان

(٢١٩٣) أخرجه البخاري: ٢٣٧٦، ٢٣٧٧، ٣١٦٣.

بچوں پر اس کا زیادہ حق ہوگا لیکن ان کا مالک تب بنے گا جب انہیں پکڑ لے گا۔

علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انہیں حضر موت میں جاگیر عطا کی تھی۔ (صحیح، ابوداود: ۳۰۵۸، ترمذی: ۱۳۸۱) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے جاگیریں دی تھیں اور تین سال کے اندر اندر آباد کرنے کی شرط لگائی تھی، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جاگیریں دیں تو کوئی شرط نہیں لگائی۔

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ کا بحرین سے جاگیر دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) غیر آباد جگہ سے دی تھی جس کا کوئی مالک نہیں تھا اور آباد کرنے کی وجہ سے انہیں مالک بنا دیا۔

(۲) یا پھر آباد جگہ سے دی تھی جو خمس میں آپ کو ملی تھی۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے بحرین کو فتح کیا اور اس کی زمین کو تقسیم نہیں کیا بلکہ یونہی رہنے دیا جیسے بنو نضیر کا علاقہ فتح کیا اور اسے تقسیم نہیں کیا جیسے خیبر کا علاقہ تقسیم کیا تھا۔

کان دو طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ جس سے حاصل ہونے والا نفع ظاہر ہو جیسے پہاڑوں میں نمک ہوتا ہے، پٹرول، تارکول اور گندھک وغیرہ ہوتی ہے۔ ایسی کانوں کو آباد کرنے والا ان کا مالک نہیں بن سکتا نہ بادشاہ کسی کو دے سکتا ہے۔ ان پر تمام لوگوں کا حق برابر ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو پانی، گھاس اور پتھر کا ہوتا ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتا، اگر دو آدمی کان میں کام کرنے کے لیے آئیں اور کان میں دونوں کے کام کرنے کی گنجائش موجود ہو تو دونوں ہی کام کریں گے اور اگر دونوں کی گنجائش نہ ہو پہلے آنے والے کا حق مقدم ہے۔ وہ ضرورت کے مطابق نکال لے، باقی دوسرے شخص کے لیے چھوڑ دے، اگر دونوں اکٹھے آئیں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے گا جس کی دلیل یہ ہے۔

(٢١٩٤)۔ أَخْبَرَنَامُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ، أَخْبَرَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ قَيْسٍ الْمَأْرِبِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ شَرَاحِيلَ، عَنْ سُمَيِّ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ شَمِيرٍ......

عَنْ أَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ الْمَأْرِبِيِّ، أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ الَّذِي بِمَأْرِبَ، فَأَقْطَعَهُ إِيَّاهُ، فَلَمَّا وَلَّى، قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَدْرِي مَاذَا أَقْطَعْتَ؟ إِنَّمَا أَقْطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ: فَرَجَعَهُ مِنْهُ، قَالَ: وَسَأَلَهُ مَاذَا يُحْمَى مِنَ

ابیض بن حمال ماربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفد بن کر گئے، انہوں نے آپ سے نمک کی اس کان کا بطور جاگیر مطالبہ کیا جو مارب (یمن) میں تھی، آپ نے وہ کان انہیں عطا کر دی، جب وہ واپس لوٹے تو ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اسے کیا دیا ہے؟

(٢١٩٤) حسن ...... أخرجه ابوداود: ٣٠٦٤، والترمذي: ١٣٨٠، وابن ماجه: ٢٤٧٥.

الأَرَاكِ؟ قَالَ: ((مَا لَمْ تَنَلْهُ أَخْفَافُ الإِبِلِ.))

آپ ﷺ نے تو اسے نہ ختم ہونے والا پانی بطور جاگیر دیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے اس کو واپس لے لیا۔ ابیض بن حمال کہتے ہیں: انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ پیلو کے درخت کس قدر بطور چراگاہ محفوظ کئے جا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں اونٹوں کے پاؤں نہیں پہنچتے۔''

شرح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسی کانیں بطور جاگیر دینا جائز نہیں ہے جن کا نفع ظاہر ہو جیسے جاری رہنے والا پانی جاگیر کے طور پر دینا جائز نہیں، ''العدض'' اس پانی کو کہتے ہیں جو جاری ہو، ختم نہ ہوتا ہو، ''اسقطع'' کا مطلب ہے کہ اس نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اسے جاگیر کے طور پر عطا کر دیں۔

''مَا لَمْ تَنَلْهُ أَخْفَافُ الإِبِلِ'' سے مراد یہ ہے کہ پیلو کے ان درختوں کو بطور چراگاہ محفوظ کیا جا سکتا ہے جو آبادی سے دور ہوں اور چرنے والے اونٹ چرنے کے دوران وہاں نہ پہنچتے ہوں، اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو گھاس اور جو چارہ کسی کی ملکیت نہ ہو چرنے والے جانوروں کو وہاں سے روکا نہیں جا سکتا نہ کوئی آدمی اسے اپنے لیے خاص ہی کر سکتا ہے، البتہ جو گھاس یا پیلو کسی کی ملکیت ہو تو وہ اسی کا ہوگا اور وہ باقی درختوں کی طرح اس سے باقیوں کو منع کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر حاکم کو معلوم ہو کہ اس نے غلط فیصلہ کر دیا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے، کیونکہ نبی ﷺ نے جاگیر دینے کے بعد اپنا فیصلہ واپس لے لیا تھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ تو جاری پانی کی طرح ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے، مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانی، گھاس اور آگ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سب مسلمان شریک ہیں۔''

(صحیح، ابوداود: ۳۴۷۷، ابن ماجہ: ۲۴۷۲)

گھاس سے مراد وہ گھاس ہے جو غیر آباد جگہوں پر اگتا ہے، اور آگ سے مراد وہ پتھر ہیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے، اگر وہ ویرانے میں پڑے ہوں تو کسی کو بھی وہاں سے پتھر اٹھانے سے روکا نہیں جا سکتا، البتہ جو آگ کوئی آدمی خود جلاتا ہے اسے اس آگ سے دوسروں کو روکنے کا حق بھی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انگارہ لینے سے تو روک سکتا ہے لیکن اس سے چراغ روشن کرنے یا لکڑی جلانے سے نہیں روک سکتا کیونکہ اس سے اس کی آگ کم نہیں ہوتی۔ کانوں کی دوسری قسم وہ کانیں ہیں جن کا فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے اور بغیر مشقت کے حاصل نہیں ہوتا جیسے سونے، چاندی، لوہا، پیتل اور دیگر دھاتوں کی کانیں اس قسم کی کانیں ہیں۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی

ﷺ نے بلال بن حارث کو مقام قبل کی کانیں ان کی بالائی اور زیریں جانب اور جبل قدس کی وہ زمین جو کاشت کے قابل ہے عطا کر دی اور انہیں کسی دوسرے مسلمان کا حق نہیں دیا۔ اور انہیں ایک تحریر عنایت فرمائی۔

(حسن، ابوداود: ۳۰۶۲، ۳۰۶۳)

ایسی ہی روایت عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے بھی مروی ہے جس میں ہے ''فرع کے اطراف میں مقام قبل کی کانیں دیں۔'' ''جلسیھا'' سے مراد اونچی جگہ ہے کیونکہ اونچی جگہ کو ''جلس'' کہا جاتا ہے، اصمعی کہتے ہیں: ہر اونچی جگہ کو ''جلس'' اور ہر نیچی جگہ کو ''غور'' کہتے ہیں۔

کیا ایسی کانوں کو آباد کرنے والا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں:

(۱) جس طرح زمین کو آباد کرنے والا مالک بن سکتا ہے اسی طرح ان کانوں کو آباد کرنے والا ان کا مالک بن سکتا ہے تو اس صورت میں جب وہ اصل جگہ تک پہنچ جائے گا تو مالک بن جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی غیر آباد زمین میں کنویں کھودتا ہے تو اس وقت تک اس کا مالک نہیں بن سکتا جب تک کہ پانی تک نہ پہنچ جائے۔

(۲) کان کو آباد کرنے والا اس کا مالک نہیں بن سکتا بخلاف زمینوں کے، کیونکہ زمین کو ایک دفعہ آباد کیا جائے تو وہ آباد ہو جاتی ہے جبکہ کانوں میں روزانہ کام کرنا پڑتا ہے تب جا کے اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے، کبھی کبھار آباد کرنے والے کو کان دی جا سکتی ہے جس کا وہ مالک نہیں ہوتا جیسا کہ بازاروں میں سامان فروخت کرنے کی جگہ آباد کرنے والے کو دی جا سکتی ہے، اس صورت کے مطابق اگر جو آدمی کان میں سب سے پہلے کام شروع کرتا ہے وہ دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک سکتا ہے لیکن اگر وہ کان کو چھوڑ دے تو پھر کسی کو نہیں روک سکتا، جیسے کوئی آدمی فائدہ لینے کے لیے صحراء میں کنویں کھودتا ہے۔ تو اس پر اسی کا ہی حق ہوگا یا اگر کوئی آدمی صحراء میں پڑاؤ ڈالتا ہے تو اس جگہ اس کا حق باقیوں سے مقدم ہے لیکن جب وہ اس جگہ کو چھوڑ دے گا تو پھر کسی کو اس سے روکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

جاگیر دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مالک نہیں بن سکتا، جیسے بازار میں بیٹھ کر آدمی سامان بیچ سکتا ہے لیکن اس کا مالک نہیں بن سکتا مگر باقیوں کی نسبت وہ اس جگہ کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے جہاں تک وہ اپنا سامان رکھتا ہے اور اس کے گاہک کھڑے ہوتے ہیں، بادشاہ وہ جگہ اسے استعمال کے لیے دے سکتا ہے اگر چہ مالک نہیں بنا سکتا، سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی آدمی کنواں کھودتا ہے تو اس کے اردگرد چالیس ہاتھ تک کوئی آدمی کنواں نہیں کھود سکتا تاکہ وہ اپنے جانوروں کو بٹھا سکے۔''

(حسن، ابن ماجہ: ۲۴۸۶)

امام صاحب فرماتے ہیں: سفر کے دوران جب آدمی کسی جگہ اترتا ہے یا پڑاؤ ڈالتا اور اس جگہ اپنا سامان وغیرہ رکھتا ہے تو باقیوں کی نسبت وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے، اگر وہ اس جگہ کو چھوڑ کر چلا جائے تو پھر کسی کو اس جگہ اترنے سے روک نہیں سکتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منیٰ ہر اس شخص کے لیے ٹھہرنے کا مقام ہے جو پہلے آجاتا ہے۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۰۱۹، ترمذی: ۸۸۱، ابن ماجہ: ۳۰۰۶)

اسمر بن مضرس کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کی بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی چیز کو پہلے حاصل کرلے جو اس سے پہلے کسی مسلمان کے قبضہ میں نہ ہو تو وہ اسی کی ہوگی۔'' (ضعیف، ابوداود: ۳۰۷۱)

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجور کا درخت عطا کیا تھا۔ (حسن صحیح، ابوداود: ۳۰۶۹)

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کھجور کا درخت ایسا مال ہے جس کا وجود ظاہری ہوتا ہے فائدہ نقد ہوتا ہے جیسے کہ ظاہری کانوں میں ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے انہیں یہ درخت خمس میں سے اپنے حصے سے دیا ہو۔ واللہ اعلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے مدینہ میں مہاجرین کو گھر عطا کیے تھے۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ مہاجرین کے گھروں کا وارث ان کی بیویوں کو بنایا جائے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی بیوی ان کے گھر کی وارث بن گئی جو مدینہ میں تھا۔ مذکورہ عطیہ کی تاویل دو طرح سے کی گئی ہے:

(۱) آپ نے ان کو خالی جگہ عطا کی تھی تا کہ اس پر تعمیر کرلیں۔ اس صورت میں تعمیر کی وجہ سے وہ اس جگہ کے مالک بن جائیں گے اور آپ کا مہاجرین کی عورتوں کو وارث بنانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے باقی وارثوں کو چھوڑ کر انہیں اسی لیے وارث بنایا ہے کہ وہ اجنبی ہیں۔ مدینہ میں ان کا کوئی خاندان نہیں ہے، چنانچہ تو آپ نے گھروں کی وراثت میں ان کا حصہ مقرر کردیا کیونکہ اس میں مصلحت اور فائدہ تھا۔

(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ آپ کا مہاجرین کو گھر عطا کرنا عاریتاً تھا، ابواسحاق مروزی کا مذہب یہی ہے چنانچہ اس صورت میں وہ ورثہ نہیں بن سکتا کیونکہ وراثت تو وہ چیز بنتی ہے جو موروث (مرنے والے) کی ملکیت ہو البتہ ان کی وفات کے بعد وہ گھر ان کی بیویوں کے پاس ہی رہنے دیے تا کہ انہیں رہائش میں آسانی ہو، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور حجرات آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں کے پاس ہی رہے مگر وہ آپ کی وراثت نہیں تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

(صحیح بخاری: ۳۰۹۳، صحیح مسلم: ۱۷۵۷)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی بیویاں عدت کے حکم میں تھیں کیونکہ ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا تھا، اور جو عورت عدت میں ہو اس کو رہائش دی جاتی ہے چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں، ان گھروں میں آباد رہیں مگر وہ ان کی مالک نہ تھیں، یہ جملہ ابوسلیمان خطابی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو گھوڑا دوڑانے کے بقدر قطعہ اراضی عطا کی چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا، جب گھوڑا کھڑا ہو گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینک دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں کوڑا گرا ہے وہاں تک جگہ ان کو دیدو۔'' (ضعیف الاسناد، ابو داود: ۳۰۷۲)

(72)......بَابُ تَرْتِيبِ سَقْيِ الْأَرَاضِي بَيْنَ الشُّرَكَاءِ
ساجھی زمین کو سیراب کرنے کی ترتیب

(۲۱۹۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ......

أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ الزُّبَيْرَ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ خَاصَمَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ، كَانَا يَسْقِيَانِ بِهِ كِلَاهُمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ: ((إِسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَى جَارِكَ)) فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: ((اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ۔)) فَاسْتَوعَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ حَقَّهُ لِلزُّبَيْرِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ ذَلِكَ أَشَارَ عَلَى الزُّبَيْرِ

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی سے جو کہ جنگ بدر میں شامل تھا حرہ کی نالیوں کے بارہ میں میرا جھگڑا ہو گیا دونوں ان نالیوں سے اپنی اپنی زمین کو سیراب کرتے تھے میں جھگڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: زبیر! پانی پلا کر آگے اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دینا، انصاری غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اس لیے (آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے) کہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں، (یہ سن کر) آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے زبیر رضی اللہ عنہ! اپنی کھیتی کو سیراب کر کے پانی روک رکھ یہاں تک کہ پانی منڈیر تک پہنچے۔'' نبی ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا، جبکہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ایسے کام کا مشورہ

(۲۱۹۵) أخرجه البخاري: ۲۳۵۹، ۲۳۶۲، ومسلم: ۲۳۵۷.

بِرَأَيٍ سَعَةٍ لَهُ، وَلِلْأَنْصَارِيِّ، فَلَمَّا أَحْفَظَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَوْعَى لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ، قَالَ عُرْوَةُ: قَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللّٰهِ! مَا أَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ إِلَّا فِي ذٰلِكَ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾............الْآيَةَ

دیا تھا جس میں ان دونوں کے لیے آسانی تھی، جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ نے صریح حکم دے کر زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا۔ عروہ کہتے ہیں: سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں یہ آیت اسی بارہ میں اتری تھی ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ''پس نہیں، تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا ہو جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔'' [سورۂ نساء: ٦٥]

شرح اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے اسے قتیبہ بن سعید اور محمد بن رحم، عن اللیث سے بیان کیا ہے۔

ابن جریج کہتے ہیں: ابن شہاب نے مجھے کہا: انصار اور باقی لوگوں نے نبی ﷺ کے اس قول کا اندازہ لگایا: ''اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ'' (کھیتی کو سیراب کر کے پانی روک رکھ یہاں تک کہ پانی منڈیر تک پہنچے) کہ یہ تب ہے جب ٹخنوں تک پانی کھڑا ہو جائے۔

''الشِّرَاج'' سے مراد وہ نالیاں ہیں جن میں پہاڑوں سے میدانی علاقے میں پانی بہ کر آتا ہے، اس کی واحد ''شریج'' اور ''شرج'' ہے۔

''حَرّۃ'' دو پہاڑوں کے مابین کالے پتھروں کو حرہ کہتے ہیں، اس کی جمع ''حرون'' ''حرات'' اور ''حرار'' آتی ہے۔

''أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ'' اس کا معنی ہے یہ فیصلہ آپ نے اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ ''اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔''

''حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ'' الجَدْر، الجِدَار سے مراد وہ رکاوٹ ہے جو پانی کو روکنے کے لیے لگائی جاتی ہے، بعض راویوں نے دال کی جگہ ذال یعنی ''الجذر'' ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے مکمل طور پر سیراب کرنا۔ یہ لفظ ''جذر الحساب'' سے لیا گیا ہے مگر پہلا معنی زیادہ درست ہے۔

"فَاسْتَوْعٰی لِزُبَیْرٍ حَقَّہٗ" یعنی انہیں پورا پورا حق دیا، یہ "وعاء" سے لیا گیا ہے، "وعاء" اس برتن کو کہتے ہیں جس میں چیزیں اکٹھی کی جاتی ہیں، گویا آپ نے ان کا حق ایک برتن میں جمع کر دیا ہے۔

"اَحْفَظَ" یعنی آپ کو ناراض کیا، بعض جملوں میں یہ الفاظ بھی ہیں: "بَدَرَتْ مِنِّیْ کَلِمَۃٌ اَحْفَظْتُہٗ" ''مجھ سے بے ساختہ یہ بات نکل گئی جس سے میں نے اسے ناراض کر دیا۔''

آپ ﷺ کا یوں کہنا: اے زبیر! کھیتی کو پانی پلا کر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دینا۔'' پھر جب اس نے آپ کو ناراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانی روک لے حتی کہ منڈیروں تک بھر جائے۔''

پہلا حکم حسن سلوک، نرمی اور پڑوس کے طور پر نرمی والا تھا جس میں آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا کچھ حق چھوڑنے کا کہا تھا، یہ ان کے خلاف بطور فیصلہ نہ تھا، پھر جب آپ ﷺ نے انصاری کی نادانی دیکھی کہ وہ اس نرمی پر بھی خوش نہیں تو آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا حق پورا پورا وصول کریں۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ امام کسی کی تعزیری سزا کو معاف کر سکتا ہے کیونکہ آپ نے اس انصاری کو سزا نہیں دی جس نے ایسی بات کی تھی جس سے آپ ﷺ کو غصہ آ گیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا دوسرا حکم بطور سزا تھا جس میں انصاری کو مالی سزا دی گئی، نیز اس دور میں بعض لوگوں کو مالی سزا نہیں دی جاتی تھیں، جیسا کہ نبی ﷺ نے مانع زکوۃ کے متعلق فرمایا تھا: ''ہم یہ بھی اور اس کے ساتھ اس کا آدھا مال بھی لے لیں گے، یہ بھی میرے رب کے احکامات میں سے ایک حکم ہے۔'' (حسن، ابوداود: ۱۵۷۵، نسائی: ۲۴۴۳، نسائی: ۲۴۴۸)

اسی طرح جب شراب حرام ہوئی تو شروع شروع میں آپ نے مٹکے تڑوا دیے تھے، مگر پہلی بات درست ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے انصاری کے خلاف فیصلہ غصے کی حالت میں کیا تھا حالانکہ آپ نے غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ معصوم عن الخطاء ہیں، خوشی یا ناخوشی ہر حالت میں آپ ﷺ صرف حق ہی بولتے ہیں ناحق نہیں بولتے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ وادیوں اور چشموں میں بہنے والے پانی جس کا منبع اور نالیاں کسی کی ملکیت نہ ہوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور سب لوگ اس سے برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں (یعنی شرعاً اس پر سب کا حق برابر ہے) جو شخص پہلے ہوگا باقیوں سے اس کا حق مقدم ہوگا، جن لوگوں کی زمین اوپر ہوگی وہ نیچے والوں سے مقدم ہوں گے کیونکہ وہ پانی کی طرف نیچے والوں سے پہلے آتے ہیں، اور یہ کہ اوپر والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی کھیتی کو اس حد تک سیراب کر سکتے ہیں کہ پانی ٹخنوں تک کھڑا ہو جائے پھر بقدر ضرورت سیراب کر لینے کے بعد انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ پانی کو نیچے جانے سے روکیں، اگر پانی کا منبع کسی ایک آدمی کی ملکیت ہو مثلاً اس نے اپنی ملکیتی جگہ میں کنواں کھودا ہو، یا غیر آباد زمین میں اپنی ملکیت قائم کرنے کے لیے کنواں کھودا ہو تو پھر اس

پانی پر اس کا حق ہے باقیوں کا نہیں ہے، اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برتن یا تالاب میں پانی جمع کرلے تو کیا وہ اس کا مالک ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا درست قول یہ ہے کہ اس وقت تک اس کا مالک نہیں بن سکتا جب تک اسے جمع نہ کرلے، البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت سے زائد پانی سے کسی کو بھی روکا جاسکتا ہے جب وہ کھیتی کو لگانا چاہتا ہو لیکن اگر جانوروں کے چارہ یا پینے کے لیے مطلوب ہو تو پھر نہیں روکا جاسکتا، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ''گھاس روکنے کے ارادے سے پانی نہیں روکا جاسکتا۔''

(صحیح بخاری: ۲۳۵۳، صحیح مسلم: ۱۵٦٦)

اگر پانی نکلنے کا منبع کئی لوگوں کی ملکیت ہو اور وہ سب اس میں حصہ دار ہوں تو اس میں اوپر کی زمین والے یا نیچے کی زمین والے سبھی برابر حق رکھتے ہیں، البتہ اگر وہ آپس میں معاہدہ کرلیں اور باری مقرر کرلیں تو ٹھیک ہے وہ اسی معاہدہ کی پاسداری کریں گے لیکن اگر ان میں اختلاف ہو جائے تو قرعہ ڈالا جائے گا۔ جس کے حق میں قرعہ نکلے گا پہل اس کی ہوگی۔

(20)......كِتَابُ الْعَطَايَا وَالْهَدَايَا
عطیات اور تحفہ تحائف دینے کا بیان

(1)......بَابُ الْوُقُفِ
وقف کے احکام ومسائل

(٢١٩٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، أَنْبَأَنِي نَافِعٌ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَصَابَ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ، فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ؟ قَالَ: ((إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا)) قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ، وَلَا يُوهَبُ، وَلَا يُورَثُ، وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ، وَفِي الْقُرْبَى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمُ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ، قَالَ: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ سِيرِينَ، فَقَالَ: غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین کا ایک قطعہ ملا تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک زمین کا ٹکڑا ملا ہے۔ اس سے بہتر مال مجھے اب تک کبھی نہیں ملا تھا، آپ اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر جی چاہے تو اصل زمین اپنی ملکیت میں باقی رکھ اور پیداوار صدقہ کر دے۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دیا کہ نہ اسے فروخت کیا جائے گا نہ اس کو ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔ اسے آپ نے محتاجوں کے لیے، رشتہ داروں کے لیے، غلام آزاد کرانے کے لیے، اللہ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے اور مہمانوں

(٢١٩٦) أخرجه البخاري: ٢٧٣٧، ٢٧٦٤، ومسلم: ١٦٣٢.

کے لیے صدقہ (وقف) کر دیا اور یہ کہ اس کا متولی (اہتمام کرنے والا) اگر دستور کے مطابق اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق وصول کر لے یا کسی محتاج کو دے تو اس پر کوئی الزام نہیں، ابن عون نے بیان کیا کہ جب میں نے اس حدیث کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انہوں نے کہا کہ (متولی) اس میں مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

شرح (غَيْرَ مُتَاثِلٍ مَالًا) ......''مال اکٹھا کرنے والا نہ ہو۔'' ہر وہ چیز جو زمانہ قدیم سے چلی آتی ہو، اس کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے یعنی موروثی اشیاء پر، مثلاً موروثی مالدار یا موروثی شرافت کا حامل شخص، کسی چیز کی جڑ اور بنیاد کو ''اثلة الشیء'' کے جملے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہل علم خواہ ان کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یا بعد کے ادوار ہو سے یہی موقف رکھتے ہیں کہ جائداد کو وقف کر دینا جائز ہے خواہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ (زمین وغیرہ) مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ منورہ میں بہت ساری جائدادیں معاشرتی اور شرعی مصالح کے لیے وقف تھیں، اور کسی اہل علم کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ اس نے ان کے متعلق نکیر کی ہو اور نہ یہ منقول ہے کہ خود وقف کنندہ نے بعد ازاں ضرورت پڑنے پر اپنے موقف سے رجوع کیا ہو۔

جناب مغیرہ نے جناب ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ وہ اس موقف کے قائل تھے کہ اللہ کے راستے میں صرف ہتھیاروں اور گھوڑوں ہی کو وقف کیا جا سکتا ہے کسی اور چیز کو نہیں۔

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ وقف کنندہ نے اگر وقف کردہ املاک پر کوئی نگران اور مہتمم مقرر نہ کیا ہو بلکہ سارا انتظام وانصرام وہ بذات خود سرانجام دیتا ہو تو وہ اس جائداد سے بقدر ضرورت کھا پی سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا)) ......''اس کا متولی اگر دستور کے مطابق اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق وصول کر لے تو کوئی حرج نہیں۔''

جب کوئی شخص اپنی جائداد کا کچھ حصہ راہ للہ وقف کر دے اور ساتھ یہ شرط باندھ دے کہ میرا خرچ، اخراجات اور نا ؤ ونوش کا سلسلہ اسی وقف سے چلے گا یا وہ بھی اس سے مستفید ہوتا رہے گا تو اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات جواز کے قائل ہیں اور اپنے موقف کی تائید کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا کہ میرا ڈول بھی اس میں، مسلمانوں کے ڈول کی طرح ہوگا (مجھے کچھ اختصاص حاصل نہ ہوگا اور یہ کہ میرا استفادہ ایک عام شخص کی طرح ہوگا)۔

(حسن، ترمذی: ۳۷۰۳، نسائی: ۳٦۱۰)

بعض اہل علم ایسی صورت میں کچھ فرق کے قائل ہیں کہ اگر وقف کنندہ کا وقف مخصوص افراد واشخاص کے لیے ہے تو پھر وقف کرنے والے کے لیے یہ شرط لگانا ہی جائز نہیں ہے کہ وہ بھی منفعت کے حصول میں ان کے ساتھ ہوگا اور اگر اس کا وقف مخصوص نہیں بلکہ عام ہے تو پھر اس کیلئے اپنی وقف شدہ چیز سے استفادہ درست ہے، جیسے مسجد اور پل وغیرہ۔ ظاہر ہے اس قسم کی اشیاء افادہ عام کے لیے ہوتی ہیں اور کسی کے لیے تخصیص نہیں ہوتی اور وقف کنندہ بھی ایک عام آدمی کی طرح ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور یہ استفادہ بغیر شرط لگائے لیا جا سکتا ہے تو بھلا مشروط استفادہ کیونکر جائز نہ ہوگا، اس کے جواز کے امکان کو ہرگز رد نہیں کیا جاسکتا۔ مشترکہ جائداد جو مشاع (غیر تقسیم شدہ) ہو اس کا وقف کرنا جائز ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر میں اپنا رہائشی حصہ اپنی محتاج اور ضرورت مند اولاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وقف کے سلسلہ میں واقف کی طرف سے عائد کردہ شرائط کا ضرور پاس ولحاظ رکھا جائے گا اور اس کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے تحت جو آئے ضرور مستفید ہو اور جو ان اصول کی ذیل میں نہ آئے اسے محروم رکھا جائے (مثلا اس کی شرط ہے کہ میرے وقف سے یتیم فائدہ اٹھائیں تو بلوغت کے بعد چونکہ یتیمی ختم ہو جاتی ہے، اس لیے اسے منافع سے محروم کر دیا جائے گا) مروی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھروں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی ایک مطلقہ لڑکی سے کہا تھا کہ وہ اس میں قیام پذیر رہے لیکن اس گھر کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ اس میں کوئی دوسرا نقصان کرے اور جو خاوند والی بیٹی ہوتی اس کو وہاں رہنے کا حق نہیں۔ اس اثر میں وارد شدہ لفظ "المردودۃ" سے مراد مطلقہ عورت ہے۔

جناب ابوعبید نے کہا: سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے اثر میں یہ بات شرعی احکام ومسائل اور فقہ سے تعلق رکھتی ہے کہ ایک شخص اپنے گھر یا زمین کو مخصوص افراد کے لیے وقف کر سکتا ہے اور ساتھ یہ شرط لگا سکتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست میں مرضی کے مطابق اضافہ اور کمی کر سکتا ہے، اسے اس کا اختیار حاصل ہوگا۔

وقف اگرچہ صدقہ ہی ہوتا ہے مگر اس کے کچھ احکامات خاص ہیں، بنسبت عام صدقے کے۔ دیکھیے بسا اوقات وقف کنندہ فی سبیل اللہ وقف کرتے ہوئے اصل زمین اپنی ملکیت میں باقی رکھ لیتا ہے اور اس کی پیداوار صدقہ کر دیتا ہے (اور وقف میں ایسا کرنا جائز ہے) لیکن صدقہ میں ایسا ہرگز جائز نہیں بلکہ اس میں اصل کو بھی اللہ کی راہ میں دینا ہوتا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ نے ایسے شخص کے بارے میں کہا تھا جس نے ہزار دینار اللہ کے راستے میں وقف کر دیئے اور انہیں اپنے ایک تاجر غلام کو دے دیا تھا کہ اس سے کاروبار کرے اور اس کے نفع کو محتاجوں (اور رشتہ داروں کے لیے) صدقہ کیا، کیا وہ شخص ان اشرفیوں کے نفع میں سے کچھ کھا سکتا ہے اس نے نفع کو محتاج پر صدقہ نہ کیا ہو جب بھی اس میں سے کھا نہیں سکتا۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ اگر وصیت کرنے والا شخص بایں الفاظ وصیت کرے (هٰذا بِعَقِبِ فُلان) ......"یہ وقف فلاں کی اولاد کے لیے ہے۔" تو اس میں مذکورہ شخص کی تمام مذکر ومؤنث اولاد آجائے گی نیز بیٹیوں کی اولاد نرینہ اور

مادینہ بھی اس میں شامل ہوگی البتہ بیٹیوں کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔

اسی طرح اگر واقف (بِوَلَدِ فُلان) ......''فلاں صاحب کی اولاد کے لیے۔'' کے الفاظ سے کوئی چیز وقف کرتا ہے تو اس وقف سے اس شخص کی مذکر اور مؤنث دونوں قسم کی اولادیں استفادہ کرسکتی ہیں، بیٹوں کی اولاد بھی مستفید ہوسکتی ہے البتہ بیٹیوں کی اولاد کا اس میں کوئی حق نہیں، کیونکہ بیٹیوں کی اولاد نسبی لحاظ سے نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔

جب وقف کنندہ "لذرية فلان" کے الفاظ سے کوئی جائداد وقف کرے تو اس جائداد سے استفادے اور حصول منفعت کا حق اس کی نر اور مادہ دونوں اولادوں اور ان کی نسلوں کو ہوگا اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فرمان ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ﴾......''اور ان کی اولاد میں سے داود کو اور سلیمان۔'' (سورہ انعام:۸۵) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سیدنا نوح اور سیدنا ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا اور وہ ان کی بیٹی کی نسل سے تھے) کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت رجال ہی میں شمار ہوتی ہے۔

جب وقف کرنے والا شخص اپنی وصیت میں (لِلْأَرَامِلِ مِنْ وَلَدِ فُلان) ......''فلاں شخص کی نسل سے تعلق رکھنے والی بیوہ خواتین کے لیے۔'' کے الفاظ بول جائے تو پھر اس جائداد سے صرف بیوہ خواتین جن کے خاوند فوت ہو چکے ہوں ہی مستفید ہوں گی اور ایسے مرد حضرات جن کی بیویاں فوت شدہ ہوں کے لیے استفادے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ عربی زبان ولغت میں ایسے شخص کے لیے لفظ "ایّم" مستعمل ہے، اس کے لیے لفظ "ارمل" کا اطلاق نہیں ہوتا البتہ اگر وقف کنندہ (لِلْعزابِ مِنْ اَوْلَادِ فُلان) کے الفاظ سے کوئی جائداد وقف کر جائے تو پھر اس سے ایسے مرد جن کی بیویاں نہیں اور ایسی عورتیں جن کے خاوند نہیں، دونوں مستفید ہوسکتے ہیں کیونکہ لفظ "عزاب" میں دونوں کے لیے گنجائش موجود ہے۔

(2)......بَابُ الْعُمْرٰى وَالرُّقْبٰى

عمریٰ اور رقبیٰ سے متعلق احکام ومسائل

(٢١٩٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِي أُعْطِيَهَا، لا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس شخص کو کوئی چیز اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے بطور عمریٰ دی گئی، وہ اس کے پاس

(٢١٩٧) أخرجه مسلم: ١٦٢٥.

تَـرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا ، لأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ.))

رہے گی جسے دی گئی، دینے والے کے پاس واپس نہیں جائے گی کیونکہ اس نے ایسا عطیہ دیا ہے جس میں وراثت واقع ہو چکی ہے۔''

شرح: ایک اور سند سے مروی ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے عمریٰ کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ اس کے پاس رہے گا جسے دیا گیا۔(صحيح بخاری: ٢٦٢٥)

(٢١٩٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ ، حَدَّثَنِي النَّضْرُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ......

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الْعُمْرَى جَائِزَةٌ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عمریٰ نافذ اور جاری ہو جائے گا (واپس نہیں آئے گا)۔''

(٢١٩٩)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـعَبَّـاسِ الأَصَـمُّ ح وَأَخْبَـرَنَـا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْـعَـارِفُ ، قَـالا: أنـا أَبُـو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، عَنْ عَطَاءٍ......

عَـنْ جَـابِـرٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ قَالَ: ((لا تُعْمِرُوا وَلا تُرْقِبُوا ، فَمَنْ أُعْـمِـرَ شَيْـئًـا ، أَوْ أُرْقِبَـهُ ، فَهُـوَ سَبِيلُ الْمِيرَاثِ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمریٰ اور رقبیٰ نہ دو، جس شخص کو کوئی چیز بطور عمریٰ یا رقبیٰ دی گئی تو وہ چیز اس شخص کی وراثت بن جائے گی۔ (یعنی وہ چیز اس کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی)۔''

(٢٢٠٠)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الْـوَاحِـدِ بْـنُ أَحْـمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُـرَيْحٍ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ،

(٢١٩٨) أخرجه البخاري: ٢٦٢٦ ، ومسلم: ١٦٢٦ .

(٢١٩٩) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٣٥٥٦ ، والنسائي: ٣٧٣٤ .

(٢٢٠٠) أخرجه البخاري: ٢٦٢٥ ، ومسلم: ١٦٢٥ .

أَخْبَرَنَا زُهَيرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيرِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ لا تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى، فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا حَيَاتَهُ وَلِعَقِبِهِ.))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مال اپنے پاس رکھو اور انہیں خراب نہ کرو، بلاشبہ جس شخص نے کوئی چیز بطور عمریٰ (عمر بھر کے لیے) دی تو وہ اسی کی رہے گی جس کو عمر بھر کے لیے دی گئی، اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی۔''

شرح: امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا: عمریٰ باالاتفاق جائز اور مباح ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عطیہ دینے والا کہتا ہے: میں نے تجھے یہ گھر عمر بھر کے لیے دیا، یا یہ چیز تجھے عمر تک کے لیے دی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا معاملہ ہبہ جیسا ہے۔ جب کوئی چیز بطور عمریٰ کسی کو دے دی جائے تو معمرلہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس چیز کو اس کی ملکیت تصور کیا جائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ اس کا ترکہ شمار ہوگی خواہ عمریٰ کرنے والے نے یہ الفاظ (هِيَ لِعَقَبِكَ مِن بَعْدِكَ اَوْ لو رثتك) ......''یہ چیز تیرے مرنے کے بعد تیرے ورثاء کی ہے یا لواحقین کی ہے۔'' کے الفاظ کہے ہوں یا نہ کہے ہوں۔ یہ موقف سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، جناب عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار اور امام مجاہد اسی کے قائل ہیں۔ امام ثوری، شافعی، احمد، اسحاق اور اہل رائے یہی موقف رکھتے ہیں۔

جناب حبیب بن ابی ثابت نے بیان کیا کہ ہم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی شخص نے آ کر دریافت کیا: میں نے اپنے ایک بیٹے کو ایک اونٹنی زندگی بھر کے لیے دی تھی اب اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے کہا: وہ اونٹنی اسی کی رہے گی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اس نے کہا: میں نے وہ اونٹنی بطور صدقہ دی تھی، تو حضرت نے کہا: پھر تو وہ تجھے بالکل ملنے کی نہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص دیتے وقت یہ الفاظ نہ کہے (هی لعقبك من بعدك)''یہ چیز تیرے مرنے کے بعد تیرے ورثاء کی ہے۔'' تو وہ چیز معمرلہ کی وفات کے بعد دینے والے کے پاس واپس لوٹ آئے گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْمَرَ عُمْرىٰ لَهُ وَلِعَقِبه) ......''جو شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی چیز اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے بطور عمریٰ دے دے۔'' تو اس حدیث مبارکہ میں اولاد کو دینے کے لیے بطور خاص الفاظ کا تذکرہ ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس عمریٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری ہو جانے کا فیصلہ فرمایا (یعنی واپس نہیں ہوگا) وہ، وہ ہے جس میں عطیہ کرتے وقت (هِيَ لَكَ وَلِعَقَبِكَ) کے الفاظ بولے جائیں۔ رہا وہ عمریٰ جس میں یہ کہا جائے کہ یہ چیز میرے جیتے جی تیرے استعمال میں رہے گی، ایسے الفاظ سے کیا گیا عمریٰ، معمرلہ کی وفات کے بعد ہبہ کندہ کی طرف واپس لوٹ آئے گی۔ (صحیح مسلم: ١٦٢٥)

جناب معمر نے کہا: امام زہری رحمہ اللہ یہی فتویٰ دیا کرتے تھے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ مروی ہے کہ امام مالک نے کہا: العمریٰ میں کسی شخص کو کسی چیز سے منفعت اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے بخلاف رقبیٰ میں۔ اس لیے عمریٰ کی ہوئی چیز عمر بھر معمرلہ کے استعمال، ملکیت اور زیر منفعت رہے گی۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ چیز معمرلہ اور اس کی اولاد کے لیے دی گئی ہو تو پھر اس میں وراثت جاری ہوگی۔ یعنی اس چیز سے فائدہ اس کی اولاد بھی اٹھائے گی۔

رقبیٰ کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز بطور تحفہ دے اور کہے، میں تجھ سے پہلے مرگیا تو یہ تحفہ تیرے پاس ہی رہے گا اور اگر تو مجھ سے پہلے مرگیا تو یہ تحفہ واپس آجائے گا مثلاً گھر وغیرہ۔ اسے رقبیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے اور رقبیٰ بھی انتظار کو کہتے ہیں (چونکہ یہ کوئی اچھی صورت نہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار بلکہ خواہش کرے) اس لیے اہل علم نے اس کے جائز ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے عمریٰ کی طرح۔ اور جب وہ شخص فوت ہو جائے جس کو عطیہ دیا گیا ہے تو عطیہ کی اس صورت کو اس کا ترکہ شمار کیا جائے اور اس کے ورثاء میں تقسیم کردیا جائے اور واپسی کی شرط باطل ہے (کیونکہ رقبیٰ ہبہ کی شکل ہے، اس میں رجوع جائز نہیں) امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ بعض اہل علم اس موقف کے بھی قائل ہیں کہ رقبیٰ جائز نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ادھار کی ایک صورت ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ لیکن پہلا موقف حدیث مبارکہ کے ظاہری الفاظ کے موافق ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص عطیہ دیتے اور ہبہ کرتے وقت کوئی فاسد شرط لگا دیتا ہے مثلاً یہ شرط عائد کردیتا ہے کہ موہوب (جس کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہے) اس چیز کو فروخت نہیں کرے گا یا کسی کو آگے ہبہ نہیں کرے گا یا اگر ہبہ کی جانے والی چیز لونڈی ہو تو اس سے ہمبستری نہیں کرے گا یا اسی قسم کی کوئی اور باطل شرط لگا دیتا ہے تو اس کا ہبہ جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

اگر عطیہ کرنے والا بایں الفاظ (جَعَلْتُهَا لَكَ حَيَاتِي) ...... ''میں نے یہ چیز تجھے اپنی زندگی تک کے لیے دی۔'' کوئی چیز عطیہ کرے، تو اس کی وراثت نہیں چلے گی۔ اسے عطیہ کرنے والے کی طرف سے عاریت اور ادھار سمجھا جائے گا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرط باطل ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

عمریٰ والی حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ معاملات اور خرید و فروخت میں لوگوں کے درمیان مستعمل اصطلاحوں اور الفاظ کا ہی اعتبار کیا جائے گا، مثلاً اگر کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ کسی کو ایک کنیز دیتا ہے (اَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَة) ...... ''میں آپ کی خدمت میں یہ لونڈی پیش کرتا ہوں۔'' تو ایک قول کے مطابق اسے ہبہ سمجھا جائے گا اور بعض نے کہا: عاریت اور ادھار جانا جائے گا اور اگر کوئی کہے: میں نے یہ کپڑا تجھے پہنا دیا تو اسے ہبہ سمجھا جائے گا اور

اگر کوئی کہے: میں نے تجھے اس گھوڑے پر سوار کیا تو بعض علماء نے اسے عمریٰ قرار دیا ہے اور بعض نے کہا یہ ادھار دینے کے الفاظ ہیں، وہ چیز واپس کرنا ہوگی۔

(3)......بَابُ الرجُوْعِ فِي الْهِبَةِ

ہبہ اور تحفے میں رجوع کرنا

(۲۲۰۱)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ......

يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ۔))

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہبہ کر کے واپس لینے والا اپنی قے چاٹنے والے (کتے) کی طرح ہے۔''

(۲۲۰۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ السِّخْتِيَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔))

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:...... ''تحفہ دے کر واپس لینے والا اپنی قے چاٹتا ہے اور ہمارے لیے گندی مثال نہیں ہے۔''

شرح: امام رحمہ اللہ نے کہا: ہبہ اور تحفہ میں اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی جب تک اسے قبول نہ کرلیا جائے اور جب کوئی چیز تحفہ کردی جائے تو اس میں رجوع کرنا (واپس لینا) جائز نہیں ہے ماسوائے اپنی اولاد کو ہبہ کی ہوئی چیز کے کہ اس میں رجوع کی تخصیص سنت مطہرہ میں موجود ہے۔

(4)......بَابُ الرُّجُوْعِ فِي هِبَةِ الْوَلَدِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْأَوْلَادِ فِي النَّحلِ

اولاد کو تحفہ دے کر واپس لینے اور اولاد کے درمیان عطیہ دیتے وقت برابری کا بیان

(۲۲۰۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ

(۲۲۰۱) أخرجه البخاري: ۲۵۸۹، ۲۶۲۱، ۶۹۷۵، ومسلم: ۱۶۲۲.

(۲۲۰۲) أخرجه البخاري: ۲۶۲۲، ۶۹۷۵.

(۲۲۰۳) أخرجه البخاري: ۲۵۸۶، ۲۵۸۷، ومسلم: ۱۶۲۳.

الْهَـاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ، يُحَدِّثَ انَهُ......

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلَامًا كَانَ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هَذَا)) فَقَالَ: لا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((فَارْجِعْهُ.))

سیدنا محمد بن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام عطیہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تو نے اسی طرح اپنے تمام بیٹوں کو عطیہ دیا ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس سے بھی واپس لے لو۔''

شرح سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رجوع کیا اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔

(صحیح بخاری: ۲۵۸۷، صحیح مسلم: ۱۶۲۳)

داؤد بن ھند نے امام شعبی سے نقل کیا: انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس بات پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنا لو۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ یہ تیرے ساتھ حسن سلوک کرنے میں برابر ہوں؟'' اس شخص نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر ایسا نہ کرو۔'' (صحیح مسلم: ۱۶۲۳)

ابو حیان نے امام شعبی رحمہ اللہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تب تم مجھے گواہ نہ بناؤ کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔'' (صحیح مسلم: ۱۶۲۳)

حدیث میں مذکورہ لفظ (الجَوْر)...... ''ظلم'' سے مراد اولاد کے درمیان برابری نہ کرنا ہے۔

امام رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں ڈھیر سارے علمی فوائد ہیں، ایک تو یہ کہ اولاد کے درمیان میں عطیہ اور دیگر حسن سلوک کے امور میں مساوات رکھنا مستحب ہے حتی کہ چومنے میں بھی، مذکر اور مؤنث دونوں قسم کی اولاد میں تاکہ ان کے دلوں میں ماں باپ کے بارے میں کدورت اور غبار نہ آئے جس کی بنا پر وہ ان سے نیکی کرنے سے رک جائیں۔

دوسرا فائدہ یہ معلوم ہوا کہ اولاد میں سے کچھ کو عطیہ اور تحفہ میں خاص کر لینا اور زیادہ دینا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ کے الفاظ مبارک ہیں: ''پھر اسے بھی واپس کر لو۔'' اگر ایسا کرنا درست اور صحیح نہ ہوتا تو واپس کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اہل علم کا اس مسئلہ کی بابت کہ اولاد میں سے بعض کو تحفہ اور عطیہ زیادہ دے دیا جائے اختلاف ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ اگر کوئی کر گزرے تو نافذ ہو جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور اہل

رائے رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں، جناب ابراہیم نے کہا: اہل علم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اپنی اولاد کے درمیان میں عدل وانصاف کیا جائے حتی کہ بوسہ لینے میں بھی۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اولاد کے درمیان میں سے کسی کو عطیہ وغیرہ میں فضیلت دینا جائز نہیں اور اس حوالے سے بچوں اور بچیوں کے مابین برابری رکھنا واجب ہے، اگر کوئی والد اپنے بعض بچوں کو نوازتا اور فضیلت دیتا ہے تو اس کا عطیہ کرنا شریعت کی رو سے جاری نہ ہوگا، جناب طاؤس اور داود ظاہری اس کے قائل ہیں سفیان ثوری نے بھی اسے جائز قرار نہیں دیا۔

بعض حضرات کا موقف ہے اولاد کے مابین برابری کا مطلب یہ ہے کہ مذکر کو دو مؤنثوں کے برابر دیا جائے (یعنی عطیہ دینے میں اسلامی قانون وراثت کو ملحوظ رکھنا ہی برابری اور مساوات ہے) اگر کوئی بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر سرابر عطیہ دیتا ہے یا بیٹوں کے درمیان فرق کرتا ہے یا بیٹیوں کے معاملے میں تفاوت کا شکار ہوجاتا ہے تو اس کا عطیہ جاری نہ ہوگا، جناب اس کے قائل ہیں اور یہی قول امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، ان حضرات کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ ہیں:...... ''کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔'' اور اولاد کے مابین ظلم اور زیادتی کرنا قابل رد ہے اور جو حضرات اولاد کے درمیان میں عطیہ وغیرہ کے سلسلہ میں تفضیل کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ اولاد میں سے ایک کو زیادہ دینا یہ احسن راستے اور عمدہ طرز عمل سے انحراف ضرور ہے لیکن جائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک ہیں: اس معاملے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ کرلو۔'' اگر ایسا کرنا سرے سے ہی باطل ہوتا تو آپ کسی اور کو گواہ بنانا جائز قرار نہ دیتے، ادھر دیکھیے!

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ساری اولاد سے ہٹ کر بیس وسق غلے کے ساتھ تحفے میں فضیلت دی۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کو کسی چیز میں فضیلت دی جو انہوں نے صرف اسی کو ہی عطیہ کی۔

اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام کلثوم کے بطن سے ہونے والی اولاد کو باقی بیویوں کی اولاد سے فضیلت دی۔

تیسرا فائدہ یہ پتہ چلا کہ والد جب اولاد کو کوئی چیز ہبہ کردے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے اور ایسا کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یہی حکم ماؤں اور دادیوں کا بھی ہے، واضح رہے والدین کے علاوہ کسی کا تحفہ دے کر واپس لینا درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے: (العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ) ...... ''تحفہ دے کر واپس لینے والا ایسے ہی ہے جیسے قے کرکے چاٹنے والا۔'' یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن والد کے لیے بھی اولیٰ اور بہترین بات یہی ہے کہ بغیر کسی مضبوط وجہ اور پختہ غرض کے ہبہ میں نہ لوٹے جس طرح اس کے لیے اولاد کے درمیان مساوات قائم رکھنا ازحد ضروری ہے، یا پھر اس کا مقصود ہبہ شدہ چیز کے عوض عمدہ اور زیادہ مفید چیز کی ادائیگی ہو۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ والد کو بھی کیے گئے ہبہ میں رجوع کا حق نہیں اور نہ کسی اور محرم رشتہ دار کو ہی یہ حق حاصل ہے۔ ہاں البتہ (بعض کے نزدیک) وہ اجنبی لوگوں کو دیا گیا ہبہ واپس لے سکتا ہے جب تک ان کی طرف سے ہبہ کا بدل نہ وصول کیا ہو ایسا موقف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نیز یہی قول امام ثوری اور اہل رائے کا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ہبہ کردہ چیز میں لوٹنا یعنی اسے واپس لے لینا جائز ہے جب تک ہبہ کردہ چیز اپنی اصل شکل میں برقرار ہو اور بدلی نہ ہو۔ سب اہل علم کا مشترکہ موقف ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک دوسرے کو تحفہ دے تو اسے واپس نہیں لے سکتا۔

امام زہری رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا، مجھے حق مہر کا کچھ حصہ یا سارا ہی چھوڑ دو پھر اس نے چند دنوں کے بعد ہی اسے طلاق دے دی ہو اور عورت نے ہبہ کیے ہوئے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کر دیا ہو تو اس بارے میں امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: اگر تو اس نے اپنے دل کی خوشی سے معاف کیا ہو اور اس میں چکمہ دینے کا کوئی پہلو کارفرما نہ ہو تو جائز ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ﴾...... ”اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔“ (سورہ نساء:۴)

جو لوگ بالخصوص والد کے لیے ہبہ کردہ چیز میں رجوع کے قائل ہیں ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ہے۔

(۲۲۰۴)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، قَالَ: أنا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ......

عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا يَحِلُّ لِوَاهِبٍ أَنْ يَرْجِعَ فِيمَا وَهَبَ إِلا الْوَالِدَ مِنْ وَلَدِهِ۔))

جناب طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی ہبہ (عطیہ) کرنے والے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لے سوائے والد کے جو اپنے بچے کو دیتا ہے۔“

شرح یہی روایت حسین المعلم عن عمرو بن شعیب عن طاؤس عن ابن عمر وابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مروی ہے۔ اسی طرح ایک اور سند یزید بن ذریع عن حسین المعلم

(۲۲۰۴) صحيح ...... أخرجه عن طاووس عن ابن عمر وابن عباس ابوداود: ۳۵۳۹، والترمذي: ۱۲۹۹، والنسائي: ۳۶۹۲، وابن ماجه: ۲۳۷۸.

عن عمرو بن شعیب عن طاؤس سے بھی مروی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص بدلے اور عوض کی شرط پر کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے پھر بعض اہل علم کا موقف ہے کہ یہ معاوضے اور ادلے بدلے کی ایک قسم ہے اور اس صورت میں معاوضے کے سارے احکام لاگو ہوں گے (یعنی ہبہ بالعوض بیع کی مانند ہے اور اس کا حکم بھی بیع والا ہے) یعنی عیب کی موجودگی میں چیز واپس کی جاتی ہے، تین دن کی شرط لگائی جاسکتی ہے۔ نیز مجلس کی شرط بھی لگائی جاسکتی ہے اور سود کے احکام میں بھی (یعنی کسی حرام چیز سے دیا ہوا ہدیہ واپس کیا جاسکتا ہے) اور یہ بھی واجب ہے کہ ہدیے کا بدلہ اور عوض معلوم اور متعین ہو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عوض کی شرط کے ساتھ کیا ہوا ھدیہ معاوضے (تجارت) کی ذیل میں نہیں آتا اس لیے کسی عیب اور نقص کی بنا پر واپس نہ ہوگا، نہ تین دن کا اختیار دیا جائے گا، اور غیر معین اور مجہول ہدیہ کے عوض بھی جائز ہے اگر شرط کے بعد کوئی ہبہ کا بدل اور عوض نہ دے تو ھدیہ واپس لینا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص سود کی رقم سے خرید کر کوئی چیز ہبہ کردے تاکہ اسے بدلے میں ویسا ہی مال ملے تو اسی مجلس میں اپنے قبضہ میں لینے کی شرط لگانا درست نہ ہوگا۔

اہل علم کا مطلق اور غیر مشروط ہبہ کے بارے میں اختلاف ہے جس میں بدلے کی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو، بہت سارے فقہاء کا موقف ہے کہ ایسے ہبہ میں بھی بدل دینا چاہیے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے اور اس کا بدلہ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری: ٢٥٨٥)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی تحفہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے چھ اونٹنیاں دیں، وہ پھر بھی ناراض ہوگیا۔ جب آپ کو یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحمدللّٰه" کہا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فلاں شخص نے مجھے اونٹنی تحفے میں دی، میں نے اسے بدلے میں چھ اونٹ دے دیے، وہ پھر بھی ناراض ہے، اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں کسی قریشی، انصاری، ثقفی یا دوسی شخص کے علاوہ کسی سے تحفہ قبول نہیں کروں گا۔'' (صحیح، ابوداود: ٣٥٣٧، ترمذی: ٣٩٤٥، نسائی: ٣٧٦٨)

بعض اہل علم نے تحفے کے اعتبار سے لوگوں کے تین درجے بنائے ہیں:

(١) بڑی حیثیت والے شخص کا کم تر حیثیت والے شخص کو تحفہ دینا، مثلاً استاد کا شاگرد کو، چچا کا بھتیجے کو اور ماموں کا بھانجے وغیرہ کو۔ اس میں عموماً شفقت ورأفت اور اکرام والطاف کا پہلو پایا جاتا ہے اور واپسی کا ذہن ملحوظ نہیں ہوتا۔

(٢) برابر حیثیت والوں کا ایک دوسرے کو تحفہ دینا، اس میں بھی الفت ومحبت اور رکھ رکھاؤ کے جذبات وعواطف کارفرما ہوتے ہیں، مقصود واپسی نہیں ہوتی بلکہ تعلقات کی خوشگواری اور شگفتگی ہوتی ہے۔

(٣) کم تر حیثیت والے کا برتر حیثیت والے کو تحفہ دینا، اس میں عوض اور بدل کا ذہن پایا جاتا ہے، اس صورتحال میں بالعموم تحفہ دینے والا شخص اپنے تحفے کے مقابل عوض کا متمنی ہوتا ہے، وصول کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کے تحفے

کا بدلہ عرف اور معاشرتی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے ادا کرے، ایک قول یہ بھی ہے کہ تحفہ میں دی جانے والی چیز کی قیمت کو پیش نظر رکھ کر واپسی کی جائے، ایک قول کے مطابق تحفہ دینے والے کو راضی اور خوش کرنا چاہیے وہ جیسے بھی ممکن ہو، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ نے اعرابی کو معاوضہ میں چھ اونٹ دے دیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ مطلقاً تحفے میں واپسی نہیں ہے، تحفہ دینے والا برابر حیثیت کا حامل ہو خواہ برتر حیثیت کا یا فروتر حیثیت کا مالک ہو۔ جو علماء ہبہ اور تحفہ میں معاوضہ لینا جائز قرار دیتے ہیں، ان کا موقف ہے کہ اگر تحفہ دینے والے کو عوض نہ ملے تو وہ اپنا تحفہ واپس لے سکتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار کو کوئی چیز تحفتاً دے یا بطور صدقہ دے تو اسے واپسی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے اور جو شخص ان دونوں صورتوں کے علاوہ تحفہ دیتا ہی اس غرض اور نیت سے ہے کہ مجھے عوض دیا جائے تو وہ اگر اپنے تحفہ کے عوض اور بدل پر راضی نہ ہو تو اپنی ہبہ شدہ چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: عمومی ادلہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع حرام ہے جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

(ع،س)

مروی ہے کہ أَن النَّبِیّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِی امْرَأَة تخرجُ من عِنْد عَائِشَة مَعهَا شیء تحملهُ، فَقَالَ لَهَا: ((مَا هَذَا؟)) فَقَالَت: أَهْدیتُهُ لعَائِشَة، فَأَبت أَن تقبلَه منِّی، فَقَالَ النَّبِیّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لعَائِشَة حِین دخل عَلَیْهَا: ((أَلا قَبِلْتِیه مِنْهَا مَرَّةً وَاحِدة۔)) قَالَت: یَا رسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا مُحْتَاجَةٌ، وَهِی کَانَتْ أَحْوَجُ إِلیْهِ مِنِّی، قَالَ: ((فَهلا قَبِلْتِیهِ وَأَعْطَیْتِهَا خَیْرًا مِنْهُ۔)) ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک ایسی خاتون سے ہوئی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سے جا رہی تھی اور اس نے کوئی چیز بھی اٹھا رکھی تھی، آپ نے اس عورت سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں یہ چیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بطور تحفہ لے کر آئی تھی لیکن انہوں نے مجھ سے تحفہ وصول کرنے سے انکار کر دیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو ان سے فرمایا: ''ایک مرتبہ تو نے اس سے تحفہ قبول کیوں نہ کر لیا۔'' انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ خود ضرورت مند تھی اور اسے اس چیز کی مجھ سے زیادہ ضرورت واحتیاج تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس سے تحفہ قبول کر لیتی اور بطور عوض اس سے بہتر اور عمدہ لوٹا دیتی۔'' (مصنف عبد الرزاق: ١٩٦٧٠)

(5)......بَابُ قَبْضِ الْمَوْهُوْبِ
تحفہ میں دی گئی چیز کا قبضے میں لینا ضروری ہے

(٢٢٠٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّیرَزِیُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِیُّ،

(٢٢٠٥) صحیح علی شرط الشیخین ...... أخرجه مالك فی "المؤطا": ١٤٧٤.

أَنا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ......

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ نَحَلَهَا جَادَّ عِشْرِينَ وَسْقًا مِنْ مَالِهِ بِالغابَةِ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الوَفَاةُ، قَالَ: وَاللهِ يَا بُنَيَّةُ مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ غِنًى مِنْكِ بَعْدِي، وَلا أَعَزُّ عَلَيَّ فَقْرًا مِنْكِ بَعْدِي، وَإِنِّي كُنْتُ نَحَلْتُكِ جَادَّ عِشْرِينَ وَسْقًا، فَلَوْ كُنْتِ جددتيه، وَاحْتَزْتِيهِ كَانَ لَكِ، وَإِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ مَالُ وَارِثٍ، وَإِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ مَالُ وَارِثٍ، وَإِنَّمَا هُمَا أَخَوَاكِ وَأُخْتَاكِ، فَاقْتَسِمُوهُ عَلَى كِتَابِ اللهِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: وَاللَّهِ يَا أَبَتِ لَوْ كَانَ كَذَا وَكَذَا، لَتَرَكْتُهُ إِنَّمَا هِيَ أَسْمَاءُ، فَمَنِ الأُخْرَى؟ قَالَ: ذُو بَطْنِ ابْنَةِ خَارِجَةَ أُرَاهَا جَارِيَةً۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں غابہ کے علاقے میں موجود اپنی زمین سے بیس وسق کھجور عطیہ کی تھی، پھر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا، اے بیٹی! اللہ کی قسم، مجھے اپنے بعد تمام لوگوں میں سے آپ کا مالدار ہونا محبوب تر ہے اور آپ کا فقر وفاقہ میں مبتلا ہونا حددرجہ شاق ہے اور میں نے تجھے بیس وسق کھجور کے عطیہ کیے تھے۔ اگر تو انہیں کاٹ لیتی اور چن لیتی تو وہ تیری ملکیت ہوتے لیکن آج یہ وارثوں کا مال ہے، لیکن آج یہ وارثوں کو مل جائے گا، اور وہ وارث تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، تو اس مال کو آپس میں اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کرلینا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابا جی! اگر معاملہ یوں ہے تو اللہ کی قسم! میں اس سے دستبردار ہوں، میری ایک بہن تو اسماء ہے دوسری کون ہے؟ انہوں نے کہا: بنت خارجہ کے بطن میں جو بچہ ہے میرے خیال میں وہ بھی لڑکی ہے۔

شرح ((جَادَّ عِشْرِينَ وَسْقًا)) کا مطلب ہے ہر سال کھجور کے پھل سے بیس وسق کھجوریں۔ حدیث ھذا میں اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو دیگر اولاد پر عطیہ دینے میں ترجیح دی جاسکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہبہ کردہ چیز میں اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی جب تک ہبہ شدہ چیز موہوب کے قبضہ اور کنٹرول میں نہ چلی جائے، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ اگر کسی نے اپنے کسی وارث کو بحالت صحت وتندرستی کوئی چیز ہبہ کی ہو مگر وہ چیز اس کے قبضہ میں نہ گئی ہو حتی کہ تحفہ دینے والا مرض وفات میں مبتلا ہو گیا ہو تو اس چیز کا حکم وہی ہو گا جو مرض الموت میں ہبہ کی گئی چیز کا حکم ہے اور وہ واپس ہو جائے گی، نیز حالت صحت میں ہی ہدیہ دینا مندوب ہے اور صحت کے دوران ہی میں اگر وہ شخص اسے حاصل کرلے جس کو ہدیہ دیا گیا ہے تو وہ مالک بنے گا۔

ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر ہدیہ دینے اور لینے والے دونوں ہی مر گئے اور جس کو ہدیہ دیا گیا ہے اس کی زندگی میں ہی ہدیہ والا مال الگ کرلیا گیا تھا تو اب وہ اسی کی وراثت ہوگی جس کو ہدیہ دیا گیا تھا اور اگر اس کی زندگی میں الگ

نہیں کیا گیا تو پھر ہدیہ دینے والے کی وراثت ہوگی۔

جناب حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر قاصد نے اس ہدیے کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا تو پھر اسی شخص کی وراثت ہوگی جس کو ہدیہ دیا گیا تھا، متصدق علیہ قبضے کے ذریعے سے صدقے کا مالک بن جاتا ہے، زبان سے قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ جو آدمی اپنے قرضے کی رقم جو کسی کے ذمہ ہے کسی آدمی کو ہبہ کر دیتا ہے یا مقروض کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے ذمے سے قرض ساقط ہو جائے گا خواہ وہ قبولیت کا اقرار نہ بھی کرے اور جس کو تحفہ دیا جائے اسے چاہیے کہ وہ ایسا ہی تحفہ واپس بھی کرے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور جو تمہیں تحفہ دے اس کا بدلہ دو، اگر بدلہ نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو۔'' (صحیح، ابوداود: ۵۱۰۹ نحوہ)

(6)......بَابُ مَالِوَلِيِّ الْيَتِيْمِ أَنْ يَّنَالَ مِنْ مَّالِ الْيَتِيْمِ

یتیم کا سرپرست اس کے مال سے کس قدر وصول کر سکتا ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾...... ''اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے۔'' (سورہ بقرہ: ۲۲۰)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾...... ''اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچی میں تباہ نہ کردو۔'' (سورہ نساء: ۶)

بادرۃ کا معنی ہے جلدی کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اس خوف سے کہ یتیم جوان ہو کر اپنا مال لے لے گا تم جلدی جلدی اس کو ٹھکانے لگا دو اور شاہ خرچیوں میں اڑا دو۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ...... ''مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھا لے۔'' (سورہ نساء: ۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ آیت کریمہ یتیم کے سرپرست اور ولی کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یتیم کے مال کا ذمہ دار اور محافظ ہے۔ اگر یتیم کے مال اور جائداد کی نگرانی کرنے والا فقیر اور مفلس ہے تو وہ دستور کے مطابق معاشرتی اصول وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی نگرانی کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۵۷۵)

مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ وصی (جس کو یتیم کی سرپرستی کی وصیت کی گئی ہے) یتیم کے مال سے بقدر اپنی مزدوری کے لے سکتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دستور کے مطابق واجبی طور سے کھا لے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔

(٢٢٠٦)۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَيْرَبَنْدِ كُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ السِّجْزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ التَّمَّارُ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ السِّجِسْتَانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُمْ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ يَعْنِي الْمُعَلِّمَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي فَقِيرٌ لَيْسَ لِي شَيْءٌ، وَلِي يَتِيمٌ؟ قَالَ: فَقَالَ: ((كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ۔))

جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں فقیر ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے ہاں ایک یتیم بھی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے، لیکن اسراف اور فضول خرچی ہو، نہ جلدی کرنے والا ہو (کہ اس کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے اس کے مال کو خرچ کر ڈالے) اور نہ اس کے مال سے تو کوئی جمع پونجی بنانے والا ہو۔''

شرح: (غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ)...... ''مال جمع کرنے والا نہ ہو۔'' کسی چیز کی اصل، جڑ اور بنیاد کو ''اثلة الشی'' کہتے ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر باپ فقیر اور مفلس ہو تو وہ اپنے بیٹے کے مال سے وصول کر سکتا ہے، اس کا بیٹا چھوٹا ہو خواہ بڑا ہو، یہ حدیث مبارکہ اس بارے میں نہیں ہے کیونکہ یتیم تو کہتے ہی ایسے بچے کو ہیں جس کا باپ نہ ہو (یتیم بچہ بالغ ہونے کے بعد اپنے امور کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے اور اس سے یتیمی کے احکام اٹھ جاتے ہیں) اور یہاں باپ موجود ہے بلکہ اس حدیث کا تعلق یتیم کے سرپرست کے ساتھ ہے جو اس کے امور کا ذمہ دار ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کا کاروبار، جائداد اور اراضی وغیرہ کی دیکھ بھال کا معاوضہ دستور کے مطابق وصول کر سکتا ہے۔

اللہ عزوجل کے فرمان ﴿إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ...... ''سوائے اس طریقہ کے جو بہت ہی بہتر ہے۔'' کی بابت کہا گیا ہے کہ یتیم کا نگران اور محافظ بقدر ضرورت لباس اور کھانا وصول کر سکتا ہے یعنی موسم سرما اور گرما کا لباس اور دو وقت کی روٹی کا خرچہ اس کے لیے لینا جائز ہوگا، ویسے اس مسئلہ کے متعلق اہل علم کے مابین خاصا اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ یتیم کا سرپرست اس کے مال سے کس قدر لینے کا مجاز ہے، ایک قوم کا موقف ہے کہ اس کے مال سے بتقضائے ضرورت کھا پی سکتا ہے مگر مال کو اڑا نہیں سکتا کہ اسے فنا کر دے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(٢٢٠٦) حسن صحيح...... أخرجه ابوداود: ٢٨٧٢، والنسائي: ٣٦٧٠، وابن ماجه: ٢٧١٨.

(۲۲۰۷)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ......

سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنَّ لِي يَتِيمًا وَإِنَّ لَهُ إِبِلًا، أَفَأَشْرَبُ مِنْ لَبَنِ إِبِلِهِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنْ كُنْتَ تَبْغِي ضَالَّةَ إِبِلِهِ، وَتَهْنَأُ جَرْبَاهَا، وَتَلُطُّ حَوْضَهَا، وَتَسْقِيهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، فَاشْرَبْ غَيْرَ مُضِرٍّ بِنَسْلٍ، وَلَا نَاهِكٍ فِي الْحَلْبِ۔

جناب قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: بلاشبہ میرے پاس ایک یتیم ہے اور اس کی ایک اونٹنی ہے، کیا میں اس کی اونٹنی کا دودھ پی سکتا ہوں؟ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تو اس کے گمشدہ اونٹ کی تلاش کرتا ہے، اس کے خارشی اونٹوں کو گندھک کا لیپ کرتا ہے، ان کے حوض کو لیپتا ہے، اور ان کو باری والے دن گھاٹ پر لے جاتا ہے تو پھر اونٹ کی نسل کو نقصان پہنچائے بغیر اور دودھ پینے میں مبالغے سے بچتے ہوئے تو دودھ پی لے۔

شرح (تَهْنَأُ جَرْبَاها) ''گندھک کا لیپ کرنا۔'' الهنأ سے مراد گندھک ہے۔

(وَتَلُطُّ حَوضَها) درست عبارت "تَلُوط حوضها" ہے، (تو اس کے حوض درست کرتا اور اسے لیپتا ہے۔) لفظ اللط کے لغوی معنی حفاظت کرنے اور سنبھالنے کے ہیں، اسی میں روکنے کا مفہوم بھی آ جاتا ہے (لَطَّ الغريم) کا مطلب ہے ''اس نے قرض خواہ کا حق روک لیا ہے اور ادائیگی موقوف کر دی ہے۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے یتیم کے بارے میں کہا: جب یتیم کے مویشی ہوں تو اس کا وصی اور متولی ان کی اون اور دودھ سے مستفید ہو سکتا ہے "الثلة" سے مراد اون ہے اور "الرِّسل" سے مراد دودھ ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جب یتیم چھوٹا ہو تو اس کا متولی دیانتداری کے ساتھ اس کے مال سے کھا سکتا ہے اور جب وہ بڑا ہو جائے تو اس کا کھایا ہوا مال واپس لوٹا دے۔ یہ قول جناب سعید بن جبیر، مجاہد، عبیدہ السلمانی کا ہے، امام اوزاعی بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یتیم کے سرپرست اور متولی کو چاہیے کہ اس کے معاملات کی دیکھ بھال کرے اور خوب محنت کے ساتھ اسے پروان چڑھائے، اس کی مصلحت کا خیال رکھے اور ضائع ہونے سے بچائے، امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے نزدیک یتیم کے مال کی نگہداشت اور حفاظت و دیانت کے حوالے سے پسندیدہ بات یہ ہے کہ یتیم کے تمام کرم فرماؤں، خیر خواہوں اور اولیاء کو اکٹھا کیا جائے اور ان میں سے ایک دیانتدار، متقی، محنتی اور خیر خواہ شخص کا انتخاب کیا جائے۔

(۲۲۰۷) أخرجه مالك فی "المؤطا": ۱۷۳۹ .

جناب طاؤس رحمہ اللہ سے جب یتیموں کی بابت پوچھا جاتا تو یہ آیت کریمہ تلاوت کیا کرتے تھے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾...... ''بدنیت اور نیک ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے۔'' (سورہ بقرہ: ۲۲۰)

جناب عطاء رحمہ اللہ نے چھوٹے اور بڑے یتیم افراد کے بارے میں کہا: ان کا ولی ہر یتیم شخص پر اس کے حصے سے بقدر ضرورت و مصلحت خرچ کرتا رہے۔

سفر وحضر میں کسی یتیم بچے سے خدمت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس میں اس کی بھلائی ہو، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (جو میرے سوتیلے باپ تھے) نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! انس سمجھ دار اور صاحب فہم وذکاء بچہ ہے، یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی سفر اور حضر میں خدمت کی۔ (صحیح بخاری: ۲۷۶۸، صحیح مسلم: ۲۳۰۹) امام نخعی رحمہ اللہ نے کہا: یتیم کا معاملہ آپ کی اولاد کے معاملے کی طرح ہے یعنی اسے بھی برے کاموں، گندے امور اور مخرب الاخلاق حرکتوں سے روکا جائے جیسے کوئی اپنی اولاد کو روکتا ہے۔

(7)......بَابُ اللُّقَطَةِ

گمشدہ چیز کے احکام ومسائل

(۲۲۰۸)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ......

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: ((اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلا فَشَأْنُكَ بِهَا)) قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: ((هِيَ لَكَ أَوْ لأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ)) قَالَ: فَضَالَّةُ الإِبِلِ، قَالَ: ((مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا سِقَائُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔))

سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کسی کی گم شدہ اٹھائی ہوئی چیز کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان لے، پھر اس کا ایک سال تک اعلان کر، اگر اس کا مالک آجائے (تو اسے واپس کردے) وگرنہ تو اس کے ساتھ جو چاہے کر۔'' پھر اس نے گمشدہ بکری کے متعلق پوچھا (اگر وہ ملے تو کیا کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔''

(۲۲۰۸) أخرجه البخاري: ۹۱، ۲۳۷۲، ۲٤۲۹، ومسلم: ۱۷۲۲ .

صحابی نے پوچھا اونٹ جو راستہ بھول جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں اس سے کیا غرض، اس کے ساتھ خود اس کا مشکیزہ ہے، اس کے کھر ہیں، پانی پر وہ خود ہی پہنچ جائے گا، اور خود ہی درخت کے پتے کھالے گا اور اس طرح کسی نہ کسی دن اس کا مالک اسے خود پالے گا۔''

شرح: اسماعیل بن جعفر عن ربیعہ کی سند سے مروی الفاظ اس طرح ہیں: ''ایک سال اس کی تشہیر کر، پھر اس کے تسمے اور تھیلی کو پہچان لے اور انہیں خرچ کرلے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کردے۔''

(صحیح مسلم: ۱۷۲۲)

سفیان عن ربیعہ کی سند سے مروی الفاظ کا ترجمہ یوں ہے: ''(گمشدہ چیز ملنے پر) ایک سال تک اس کا اعلان کر، اگر کوئی ایسا شخص آگیا جو اس کی تھیلی اور تسمے کے متعلق تجھے بتلائے (تو ٹھیک) ورنہ اس کو خرچ میں لے آ۔''

(صحیح بخاری: ۲۴۲۷)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ''لُقَطَہ'' (گری پڑی چیز) سے مراد وہ قیمتی چیز ہے جو مالک سے اس کی غفلت کی وجہ سے کہیں گر جائے اور اسے اٹھالیا جائے۔

مروی ہے کہ خلیل بن احمد نحوی نے کہا: لفظ ''لُقَطَۃ'' (قاف متحرک کے ساتھ) سے مراد گری ہوئی چیز اٹھانے والا شخص ہے اور ''لُقْطَۃ'' (قاف ساکن کے ساتھ) سے مراد گری ہوئی اور گمشدہ چیز ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: خلیل بن احمد نے یہ بات عقلی اور قیاسی طور پر کہی ہے، اس لیے کہ عربی زبان میں ''فُعَلَۃ'' کا وزن بالعموم فاعلیت کے لیے اور ''فُعْلَۃ'' کا وزن مفعولیت کے لیے آتا ہے لیکن لفظ لقطہ خلاف قیاس استعمال ہوا ہے۔ تمام اہل لغت اور راویان ذخیرہ ادب عربی اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ''لُقَطَہ'' سے مراد وہ چیز ہے جسے اٹھایا جائے۔ امام فراء، ابن الاعرابی اور علامہ اصمعی کی بھی یہی رائے ہے، (التقاط) سے مراد کسی چیز کا بغیر ڈھونڈے اور جستجو کیے مل جانا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ﴾ ...... ''اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھالے جائے۔'' (سورۂ یوسف: ۱۰)

نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ﴾ ...... ''اسے آل فرعون نے اٹھالیا۔'' (سورۂ قصص: ۸)

(الفصاص) سے مراد وہ تھیلی، بٹوہ اور پرس وغیرہ ہے جس میں نقد رقم رکھی جاتی ہے خواہ وہ چمڑے کی ہو یا کپڑے یا کسی اور چیز کی، اس لیے کسی بوتل یا شیشی کے سرے پر چڑھائے جانے والے چمڑے کو جس سے بوتل سیل بند کرنا مقصود ہوتا ہے کو (الفصاص) کہتے ہیں اس لیے کہ وہ بوتل کے لیے بمنزلہ برتن اور ظرف کے ہے، یاد رہے! اس سے مراد وہ ڈاٹ نہیں ہے جو بسا اوقات بوتل کے منہ میں پھنسا دیا جاتا ہے کہ اس کے اندر موجود مواد باہر نہ گرے۔

الوکاء سے مراد وہ دھاگہ یا تسمہ ہے جس سے تھیلے وغیرہ کا منہ باندھا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے فرمان (مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا) ......''اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ اور جوتے ہیں۔'' کا مطلب جو گمشدہ اونٹ کی بابت ارشاد ہوا ہے، کہ اس کی مشک اس کے پاس ہے، یعنی اس کا معدہ پانی کو ذخیرہ کر لیتا ہے اور زیادہ دیر تک پیاسا رہ سکتا ہے، جب کبھی کسی چشمے پر پہنچے گا تو پانی سے پیٹ بھر لے گا۔ اسے پانی پینے کے لیے مالک کی ضرورت نہیں۔ ''اس کے پاس اس کے جوتے موجود ہیں۔'' کا مطلب ہے کہ وہ بلا خوف وخطر لمبا فاصلہ طے کر سکتا ہے، اس لیے ممکن ہے خود ہی چل کر اپنے مالک کے پاس پہنچ جائے یا مالک اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے، بڑے بڑے صحرا عبور کر کے گھاٹوں اور درختوں کے ذخیروں تک پہنچ سکتا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں جو فقہ اور فائدہ کی چیز ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی گمشدہ چیز ملے وہ اس چیز کی علامتیں یاد رکھے یعنی اس قسم کا بٹوہ ہے، فلاں رنگ اور فلاں ڈیزائن ہے، ظرف اور تسمے کی حفاظت کرے (اس بات کو یاد رکھے کہ اس میں اتنی رقم ہے جس میں سے اتنی رقم بڑے نوٹوں کی صورت میں ہے وغیرہ) پھر ایک سال تک مناسب حد تک اس کی تشہیر کرے۔ اس کے لیے موقع بہ موقع سال بھر میں لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات اور مساجد کے دروازوں پر اعلان کرنا وغیرہ، زیادہ اعلانات اور تشہیری مہم ایسی جگہ پر ہونی چاہیے جہاں سے وہ چیز ملی ہو (فائدہ: آج کل اعلان کے ذرائع بہت وسیع ہو چکے ہیں، اخبارات، ویڈیو، موبائل میسج اور انٹرنیٹ کے ذریعے سے اعلانات کا فریضہ پورا کیا جا سکتا ہے۔ (ع،س)) اس دوران اگر اس چیز کا مالک آ جائے اور ایسی علامتیں بتائے جس سے یقین آ جائے کہ یہ گم شدہ چیز اسی کی ہے تو وہ چیز اسے واپس کر دی جائے اور اگر ایک سال تک مناسب حد تک مالک کی تلاش اور اعلان کا فرض ادا کر دیا جائے تو اب جسے وہ چیز ملی ہوا سے استعمال کر سکتا ہے، شریعت اسے اس چیز کا مالک قرار دیتی ہے، کھانے والی چیز ہو تو کھا لے، استعمال والی ہو تو استعمال میں لے آئے، تاہم اگر بعد میں بھی مالک آ جائے تو ویسی چیز یا اس کا بدل ادا کر دینا چاہیے، اس چیز کو پانے والا امیر ہو یا غریب دونوں کا حکم برابر ہے، یہی قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اہل علم صحابہ کا اور بعد کے علماء کا مروی ہے، سیدنا عمر بن خطاب اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ گری پڑی چیز پانے والے کو چاہیے کہ وہ ایک سال تک اعلان کرنے کے بعد اسے صدقہ کر دے اور اگر وہ مالدار ہے تو ہرگز اس چیز سے فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ موقف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جناب عطاء بھی اسی کے قائل ہیں، جناب سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور اہل رائے کا یہی موقف ہے لیکن پہلا موقف حدیث مبارکہ کے الفاظ کے ظاہر کے زیادہ قریب ہے۔

جناب سلمہ بن کہیل، جناب سوید بن غفلہ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابی بن

کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ مجھے سو دینار کی ایک تھیلی (کہیں راستے میں پڑی ہوئی) ملی۔ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہ۔'' میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا (مگر اس چیز کا مالک نہ ملا) پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہ۔'' میں نے پھر (سال بھر) اعلان کیا لیکن ان کا مالک مجھے نہ ملا۔ تیسری مرتبہ حاضر ہو کر عرض کیا، مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اسے پہچان سکتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیناروں کی تعداد، تھیلی کے بندھن اور تھیلی کی بناوٹ کو یاد رکھ لے، اگر اس کا مالک (تلاش کرتا ہوا) آجائے (تو ٹھیک ہے) ورنہ اپنے خرچ میں اسے استعمال کر لے۔'' چنانچہ میں نے اسے استعمال کرلیا (شعبہ نے بیان کیا کہ) پھر میں نے سلمہ سے اس کے بعد ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ مجھے یاد نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث میں) تین سال تک (اعلان کرنے کیلئے فرمایا تھا) یا صرف ایک سال کے لیے۔ (صحیح بخاری: ٢٤٢٦، صحیح مسلم: ١٧٢٣)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مالدار شخص بھی لقطہ (گری پڑی چیز) کو استعمال میں لا سکتا ہے، اس لیے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قبیلہ انصار کے مالدار اور خوشحال لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک دینار ملا تو آپ رضی اللہ عنہما نے حکم دیا کہ اسے کھالے (یعنی ضروریات میں خرچ کرلے) اگر لقطہ کے احکام صدقہ جیسے ہوتے تو اس کا استعمال اور ضروریات میں خرچ کرنا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے قطعاً جائز اور حلال نہ ہوتا کیونکہ حضرت کا شمار ان افراد میں ہوتا ہے جن کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ جمہور اہل علم کا مسلک یہی ہے کہ لقطہ (گمشدہ قیمتی چیز) کے لیے اعلان کی مدت ایک سال ہے جیسا کہ سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں مذکور ہے۔ باقی رہا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اعلان کی مدت کا تین سال مذکورہ ہونا تو اس میں راوی کو شک ہے، اہل علم میں اس موقف کا کوئی بھی قائل نہیں۔

فائدہ: (روایت کے آخری الفاظ تین سال یا ایک سال کے متعلق علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کا تبصرہ لائق مطالعہ ہے، لکھتے ہیں: ولم يقل احد بان اللقطة تعرف ثلاثه احوال والشك يوجب مسقوط المشكوك فيه وهو الثلاثة فوجب العمل بالجزم وهو رواية العام الواحد...... ''لقطہ کو تین سال تک اعلان کرانے کا کوئی بھی قائل نہیں اور شک سے مشکوک فیہ خود ہی ساقط ہو جاتا ہے جو یہاں تین سال ہے، پس پختہ اور یقینی چیز پر عمل واجب ہے اور وہ ایک سال ہی ہے۔'' بعض اور روایتوں میں بھی تین سال کا ذکر آیا ہے مگر وہ مزید احتیاط اور تورع پر مبنی ہے اور بہتر ہے۔ (ع،س)

حدیث مبارکہ کے الفاظ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ لقطہ خواہ قلیل ہو یا کثیر، معمولی نوعیت کا ہو یا قیمتی حیثیت کا اس کا اعلان کرانا ایک سال تک ہی واجب ہے، بعض اہل علم کا یہی موقف ہے جبکہ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ

معمولی چیز جس کے گم ہونے کی زیادہ پروانہیں کی جاتی اس کا اعلان نہ کرنا جائز ہے، اب سوال یہ ہے کہ معمولی چیز کسے قرار دیا جائے اور قیمتی کسے؟ اس سلسلے میں بعض اہل علم یہ رائے رکھتے ہیں کہ دس درھموں سے کم قیمت والی چیز معمولی ہے، ادھر بعض اہل علم کا موقف ہے کہ ایک دینار سے زیادہ قیمت رکھنے والی چیز کی تشہیر ضرور کی جائے۔ ان کا استنباط اس حدیث مبارکہ سے ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں ایک دینار ملا، انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ عزوجل کا رزق ہے، اس سے آٹا اور گوشت خرید لو۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کھایا، اس کے بعد دینار کا مالک اسے ڈھونڈتا ہوا آ گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی! وہ دینار ادا کردو۔'' (صحیح، ابوداود: ١٧١٥)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ معمولی چیز کی تشہیر ضروری نہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جناب عطاء بن یسار کی سند سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اس کا اعلان کر۔'' بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر گمشدہ چیز جو ملی ہے اس کی قیمت ایک دینار سے کم ہو تو ایک جمعہ تک اس کی تشہیر کی جائے یہ قول امام اسحاق رحمہ اللہ کا ہے۔ اہل علم کی ایک قوم کا خیال ہے کہ اگر وہ چیز معمولی ہے جس کے گم ہونے کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی تو اعلان کیے بغیر اس کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے مثلاً، جوتی، کوڑا، گٹو وغیرہ، اور اسے سنبھال کر نہ رکھے، اس کی دلیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھڑی، کوڑا، رسی اور اس قسم کی چیزیں اٹھالینے کی رخصت دی تھی کہ انسان ان سے فائدہ اٹھالے۔ (ضعیف، ابوداود: ١٧١٧)

اہل علم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا) ......''اس کی تھیلی (برتن) اور اس کا سر بند یاد رکھو۔'' کی تشریح کی بابت اختلاف کیا ہے اور یہ کہ اگر اس چیز کا متلاشی آجائے اور لقطہ کے متعلق دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور اس کی تھیلی، اس کی ڈوری اور علامت بتادے تو کیا وہ چیز اس کے سپرد کردی جائے یا نہیں؟ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ بغیر گواہی طلب کیے وہ چیز اس کے سپرد کردینا واجب ہے اور تھیلی اور ڈوری پہچاننے سے یہی مقصود ہے کہ ایسی علامتیں یاد رکھنے اور اس کے بتانے سے یقین آجائے گا کہ یہ گم شدہ چیز اس کی ہے، یہ قول امام مالک اور احمد رحمہ اللہ کا ہے، کیونکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ پھر اگر اس کا مالک آجائے اور اس کی گنتی بتادے اور تھیلی کا سر بند بھی تو اس کے حوالے کردو۔ (صحیح مسلم: ١٧٠٣)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اگر لقطہ کا متلاشی تھیلی، تسمہ، تعداد اور وزن ٹھیک ٹھیک بتادے اور آپ کا ضمیر مطمئن ہو کہ یہ سچا شخص ہے، جھوٹ نہیں بول رہا تو وہ چیز اس کے سپرد کردی جائے اور گواہ لانے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر اس کی باتوں پر شک گزرے تو اس سے گواہ طلب کیے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس نے گم شدہ چیز اٹھانے والے کو اٹھاتے دیکھ لیا ہو یا اس سے کچھ صفات سن لی ہوں اور اب رنگ بازی سے کام لے رہا ہو۔ یہ موقف اہل رائے کا ہے،

ان حضرات کا کہنا ہے حدیث مبارکہ میں وارد الفاظ (فَـإِنْ جَـاءَ صَـاحِبُهَا فَعَرَفَ عَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا) بیان کرنے میں حماد متفرد ہے۔ باقی تمام راوی اس طرح بیان نہیں کرتے (اس لیے گواہ ضرور طلب کیے جائیں) اس تشریح کی روشنی میں (اِعْـرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا) ......''اس کی تھیلی اور بندھن کو یاد رکھ لے۔'' کا حکم اس لیے ہوگا تاکہ اس طرح ملنے والا مال آدمی کے اصل مال کے ساتھ مل نہ جائے اور اس طرح آمیزش نہ ہو جائے کہ الگ الگ کرنا مشکل ہو جائے اور مالک کے آنے پر اس کی تلاش ایک مسئلہ بن جائے اور اس لیے بھی کہ گمشدہ چیز اٹھانے والا اگر فوت ہو جائے تو اس کے ترکے سے اس چیز کو الگ کیا جا سکے اور اس کے ورثاء اس کی وراثت جان کر آپس میں تقسیم نہ کرلیں، اس موقف پر دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔

(٢٢٠٩)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُـحَـمَّـدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ......

عَـنْ زَيْـدِ بْـنِ خَـالِدٍ، أَنَّ رَجُلا سَأَلَ رَسُولَ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَـقَـالَ: ((عَـرِّفْهَـا سَـنَةً، ثُـمَّ اعْرِفْ وِكَائَهَا وَعِـفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا، فَـأَدِّهَـا إِلَيْهِ)) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ! فَضَالَّةُ الغَنَمِ، قَالَ: ((خُذْهَا، فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ)) قَالَ: يَا رَسُـولَ الـلّٰـهِ! فَـضَالَّةُ الإِبِلِ، قَالَ: فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، ثُمَّ قَـالَ: ((مَـالَكَ وَلَهَـا مَـعَهَـا حِذَاؤُهَـا، وَسِقَاؤُهَا، حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔))

منبعث کے غلام یزید، سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک سال تک اس کی پہچان کروا، پھر اس کے بندھن، برتن کی بناوٹ کو ذہن میں یاد رکھ اور اسے اپنی ضروریات میں خرچ کر، پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دے۔'' اس نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے پکڑ لو! کیونکہ وہ یا تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی ہوگی یا پھر بھیڑیے کی ہوگی۔'' اس نے پوچھا: گمشدہ اونٹ کا کیا کیا جائے؟ راوی نے کہا: آپ غصہ ہو گئے یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے یا آپکا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں اس سے کیا غرض؟ اس کے ساتھ خود اس کے کھر اور اس کا مشکیزہ

(٢٢٠٩) أخرجه البخاري: ٢٤٣٦، ومسلم: ١٧٢٢.

ہے۔اسی طرح (گھومتے پھرتے) اسے اس کا اصل مالک مل جائے گا۔"

شرح ایک اور سند (عبداللہ بن یزید عن ابیہ یزید مولی المنبعث) کی سند سے مروی ہے، سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پس اگر اس کا مالک آجائے تو اس کے سپرد کردو، ورنہ اس کا بندھن اور برتن خوب یاد کرلو اور اسے اپنے مال میں شامل کرلو، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو۔"

(صحیح، ابو داود: ۱۷۰۷، ابن ماجہ: ۲۵۰۷، ترمذی: ۱۳۷۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (أَفِـضْـهـا) کا مطلب ہے کہ اپنے مال سے ملالو، چنانچہ اس جملے سے معلوم ہوا کہ تھیلی اور بندھن وغیرہ کو یاد رکھنے سے مقصود یہی ہے کہ اگر گمشدہ چیز کو اٹھانے والا اپنے مال میں خلط ملط کرلیتا ہے تو اس کے مالک اور متلاشی کے آنے پر اسے الگ کیا جا سکے۔ یہ حکم اس لیے نہیں ہے کہ دعویٰ کرنے والے کو یہ چیز بغیر گواہ طلب کے دے دینا واجب ہے۔

عام اہل علم کا موقف ہے کہ لقطہ پانے پے شخص پر اس کا اٹھانا ناپسندیدہ عمل نہیں ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے لقطہ اٹھانے پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے گری پڑی چیز اٹھانے کو ناپسند جانا ہے، ایک قول یہ بھی ہے لقطہ اٹھانا واجب ہے تاکہ کسی مسلمان کا مال ضائع نہ ہو اسے یونہی چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہیں اور جب مسلمان کوئی چیز اٹھائے تو مستحب ہے کہ موقع پر گواہ بنالے (تاکہ کوئی شخص خیانت کا الزام نہ لگائے) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے چاہیے کہ ایک یا دو عادل گواہ بنالے، اور چھپائے نہیں پھر اگر اس کے مالک کو پائے تو اسے لوٹا دے، ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہتا ہے عنایت فرمادیتا ہے۔" (صحیح، ابو داود: ۱۷۰۹، ابن ماجہ: ۲۵۰۵)

گواہ بنانے کا یہ حکم (بعض اہل علم کے نزدیک) ادب وارشاد اور معاملات میں عمدگی اور نکھار پیدا کرنے کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے یعنی یہ حکم تعلیم وتربیت کی نوعیت کا ہے اور اس کے دو فوائد ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیطان اس کے دل میں اس کے مالک بن جانے کا وسوسہ پیدا نہ کردے اور اس طرح وہ یہ امانت ادا نہ کرے اور خیانت کا مرتکب ہو جائے۔ دوسرا یہ ہوسکتا ہے کہ اسے موت کا پیغام پہنچ جائے اور اس کے ورثاء اس کو ترکے میں شمار کرلیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گواہ بنانا واجب ہے۔

(فِيْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ) ......"بھولی ہوئی بکری وہ تمہاری ہوگی، تمہارے بھائی کی ہوگی، ورنہ پھر بھیڑیا اسے اٹھالے جائے گا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں گمشدہ بکری کو اپنے قبضہ میں لے لینے کا

جواز ہے، ان الفاظ کا مطلب ہے کہ بکری ایک ضعیف جانور ہے، اپنے دفاع پر قادر نہیں۔ کوئی بھی اسے پکڑ سکتا ہے تو پھر تو ہی کیوں نہ پکڑ لے، تو نہیں پکڑے گا تو کوئی اور پکڑ لے گا یا اپنے دفاع میں کمزور ہونے کی بنا پر وہ بھیڑیے کے ہاتھ لگ جائے گی اور اس طرح مسلمانوں کا مال ضائع ہو جائے گا۔ وہ گمشدہ چیز جو صحراء اور ریگستان میں ہو اور چھوٹے قسم کے درندوں سے دفاع کرسکتا ہو، جیسے اونٹ، بیل، گھوڑا، خچر اور گدھا وغیرہ، اسی حکم میں وہ جانور بھی ہیں جو اپنی سبک رفتاری کی بنا پر کسی کے قبضہ میں آنے سے بچ سکتے ہیں مثلاً ہرن، خرگوش وغیرہ۔ اسی طرح وہ پرندے جو اڑ کر اپنی جان بچا سکتے ہیں تو اس قسم کے جانوروں کا پکڑنا اور قبضہ میں لینا امام وقت کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں، امام وقت اگر اس جانور کو قبضہ میں لے کر باندھ لے اور مالک کے آنے پر اس کے حوالے کر دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر ان کو کوئی اور شخص پکڑ لیتا ہے تو وہ ضامن اور ذمہ دار قرار پائے گا اور وہ اس وقت تک اپنی ضمانت سے عہدہ برآ نہیں ہو پائے گا جب تک کہ مالک تک اس کی چیز نہ پہنچ جائے۔ اگر وہ چیز اپنا دفاع نہیں کرسکتی حتی کہ چھوٹی قسم کے درندوں سے بھی وہ معرض خطر میں ہے، مثلاً بکری، اونٹ کا بچہ، بچھڑا اور کمزور و لاغر بیل وغیرہ اور اس جیسے دوسرے جانور، پھر وہ چیز ریگستان یا ہلاکت کے مقام میں ہے تو اس کا حکم بھی گری ہوئی چیز کا ہے۔ پانے والا انہیں کھا لے اور مالک آنے پر اس کی قیمت (یا بدل) مالک کو دے دے۔ اگر مناسب جانے تو اس جانور کو ایک سال تک اپنے پاس رکھنے، چارہ وغیرہ ڈالنے اور اس کی تشہیر پر اٹھنے والے اخراجات اپنے کھاتے میں ڈال لے (مالک سے وصول بھی کیے جا سکتے ہیں)

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص صحراء میں بکری کو اکیلا بھٹکتا ہوا پائے اور کھا لے تو اس پر کوئی قیمت کی ادائیگی یا بدل نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: (هِـــيَ لَكَ)...... ”وہ تیری ہے۔“ باقی علماء ان الفاظ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں اس کے لیے کھا لینے کی اباحت اور جواز کا بیان ہے۔ ان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مالک کے آنے پر قیمت یا بدل نہیں دے گا۔ یہی حکم ان کھانے پینے کی اشیاء کا ہے جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتیں، ان کو پانے والا ان کو اپنے استعمال میں لے آئے اور قیمت کی ادائیگی اس کے ذمے ہے، اگر اس نے وہ کھانا نہیں کھایا تب بھی کھانے کی قیمت کی ادائیگی کرے گا (کہ اس نے مسلمانوں کا مال ضائع کیوں ہونے دیا، نہ خود کھایا نہ کسی کو مستفید ہونے دیا)۔

اور اگر ملنے والا ایسا جانور ہے جس کا کھانا شرعاً حلال نہیں، جیسے گدھا تو اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھے یہاں تک کہ پہچان کروانے کی مدت ختم ہو جائے، پھر وہ اس رقم کا مالک بن جائے گا۔ اگر کسی کو گمشدہ جانور کسی بستی سے ملے یا آبادیوں کے درمیان سے ملے تو اسے چاہیے کہ اس جانور کی ایک سال تک تشہیر کرے جس طرح باقی اشیاء کی تشہیر کی جاتی ہے۔ اس اعلان میں بکری اور اونٹ کا معاملہ ایک جیسا ہے، دونوں کی تشہیر کرنا ہو گی کیونکہ عموماً آبادیوں میں قرب و جوار میں اونٹ چرواہے چراتے ہیں، انہیں بغیر نگران کے نہیں چھوڑا جاتا، حدیث مبارکہ میں جو گمشدہ اونٹ کے نہ پکڑنے اور گمشدہ بکری کے پکڑنے کا ذکر ہے تو اس فرق کا تعلق صحراء سے ہے، اس لیے کہ اونٹ کھلی

چراگاہوں اور صحراؤں میں بغیر محافظ کے چرنے کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ اسے نہ پکڑو اور بکری کو قبضے میں لے لو، تا کہ جنگل میں کوئی بھیڑیا وغیرہ نہ کھا جائے، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیئے کی، بھیڑوں کا خوف صحراء میں بھیڑ بکری کے متعلق بہت زیادہ ہوتا ہے، بستیوں اور آبادیوں میں ان کا آنا نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ گمشدہ جانور اونٹ ہو یا کوئی اور بڑی قسم کا جانور ہو، صحراء اور ریگستان سے ملے یا بستی اور آبادی سے اس کا حکم یکساں ہے کہ اسے نہ پکڑا جائے بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ ایک حدیث کے ظاہری الفاظ اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''بھٹکے ہوئے (گم شدہ) جانور کو (اپنے ریوڑ میں) وہی جگہ دیتا ہے جو بھٹکا ہوا (گمراہ) ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ١٧٢٠، ابن ماجه: ٢٥٠٣)

مروی ہے کہ ثابت بن ضحاک کو ایک اونٹ ملا تو انہوں نے اس کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''جاؤ، جہاں سے تمہیں یہ ملا ہے اسے وہیں چھوڑ آؤ۔''

(٢٢١٠)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ ، عَنِ الْحَسَنِ......

عَنْ مُطَرِّفٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔))

سیدنا عبداللہ بن شخیر (عامری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا گم شدہ جانور (جہنم کی) آگ کا شعلہ ہے۔''

شرح اکثر اہل علم کے نزدیک اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا جانور پکڑ لے جو قوی اور بڑا جانور ہے، مثلاً اونٹ اور گائے وغیرہ اور اپنے دفاع اور بچاؤ پر قادر ہے تو ایسے جانور کو پکڑنا جائز نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ تو بیخ اس شخص کے لیے ہے جو جانور کو اس لیے پکڑتا ہے کہ اس کا اعلان نہ کرے، بلکہ قبضہ کرلے (اگر وہ جانور کے مالک کی تلاش کا ارادہ رکھتا ہو تو کوئی حرج نہیں) اس کی دلیل سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھٹکے ہوئے جانور کو جگہ دیتا ہے وہ گمراہ ہے جبکہ اس کا اعلان نہ کرے۔'' (صحیح مسلم: ١٧٢٥)

(٢٢١١)۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرْبَنْدْكُشَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسُ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سِرَاجٍ الطَّحَّانُ ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشٍ ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ ،

(٢٢١٠) صحيح ...... أخرجه ابن ماجه: ٢٥٠٢ . (٢٢١١) انظر الحديث السابق .

أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ ، عَنِ الْحَسَنِ......

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلا سَأَلَهُ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا نُصِيبُ هَوَامِيَ الإِبِلِ ، فَقَالَ: ((ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔))

سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم صحراء میں بھٹکے ہوئے اور ریوڑ سے الگ تھلگ ہوئے اونٹ پاتے ہیں؟(ان کا کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا گم شدہ جانور (یا آپ ﷺ نے فرمایا) مسلمانوں کا گمشدہ جانور (جہنم کی) آگ کا شعلہ ہے۔''

شرح ابو عبید نے کہا: (الهَوَامِي) سے مراد وہ جانور ہے جو بغیر نگران، محافظ اور چرواہے کے از خود چر چگ رہے ہوں مذکر کے لیے بعیر هام اور مؤنث کے لیے ناقة هامة کے الفاظ مستعمل ہیں۔

قولہ (حَرَقُ النَّار) امام ثعلب نے کہا اس سے مراد آگ کا شعلہ ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ریوڑ سے بچھڑا ہوا جانور اس نسبت سے پکڑ لیتا ہے کہ اس پر قبضہ کر لے تو یہ عمل اس کو آگ میں لے جانے کا سبب بنتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جب کسی کو بکری، کسی بستی سے بھی ملے تو اس کا کھانا جائز ہے، جیسے صحراء سے ملی بکری کا کھانا جائز ہے۔ جب کسی کو تازہ کھانا ملے جو زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکتا ہو تو اس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اسے نوش کر لے اور مالک ملنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرے اور دوسرا قول جسے ان کے شاگرد مزنی نے پسند کیا ہے کہ اس کھانے کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو اپنے پاس محفوظ رکھے پھر اس کا اعلان کرے کیونکہ نبی ﷺ نے مُلْتَقَط (گری ہوئی چیز اٹھانے والے) کو (شَأْنَكَ بِهَا)......''ورنہ تم جانور (یعنی اس کے مالک بن جاؤ)۔'' کے الفاظ ایک سال تک اعلان کرنے کے حکم کے بعد فرمائے تھے، ایسا حکم ان چھوٹے، ضعیف اور کمزور جانوروں کے بارے میں ہے جو ایسے علاقے سے ملیں جو محفوظ نہ ہوں، ان جانوروں کو کھایا جا سکتا ہے (فائدہ: مگر مالک مل جائے تو بہر صورت اسے وہ چیز واپس لوٹانی ہوگی خواہ ایک مدت کے بعد اعلان کرتے رہنے کے بعد اسے اپنی ضروریات میں خرچ کیوں نہ کیا ہو۔ (ع،س)

(٢٢١٢)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورِ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُظَفَّرِيُّ السَّرْخَسِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضِلِ ، حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ أَحْمَدَ الْجَوْهَرِيُّ ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ......

(٢٢١٢) حسن ...... أخرجه ابوداود: ١٧١٠ ، والترمذي: ١٢٨٩ ، والنسائي: ٤٩٧٣ ، وابن ماجه: ٢٥٩٦ .

عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلا مِنْ مُزَيْنَةَ يَسْأَلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَالَّةِ الإِبِلِ، فَقَالَ: ((مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا، تَأْكُلُ الشَّجَرَ وَتَرِدُ الْمَاءَ، دَعْهَا حَتَّى يَأْتِيَ بَاغِيهَا)) وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: ((إِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، احْبِسْهَا حَتَّى يَأْتِيَ بَاغِيهَا)) ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْ حَرِيسَةِ الْجَبَلِ تُؤْخَذُ مِنْ مَرَاتِعِهَا، قَالَ: ((فِيهَا ثَمَنُهَا مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَالٍ، فَمَا أُخِذَ مِنْهَا مِنْ أَعْطَانِهِ، فَفِيهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ ثَمَنُ الْمِجَنِّ)) وَسَأَلَهُ عَنِ الثِّمَارِ، فَقَالَ: ((مَا كَانَ فِي أَكْمَامِهَا، فَمَنْ أَكَلَ بِفَمِهِ، وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً، فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَمَنْ وُجِدَ قَدْ حَمَلَ، فَفِيهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَيْنِ، وَضَرْبُ نَكَالٍ، وَمَنْ أَخَذَ مِنْ أَجْرَانِهِ فَفِيهِ الْقَطْعُ، إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا نَجِدُ فِي السَّبِيلِ الْعَامِرِ مِنَ اللُّقَطَةِ؟ قَالَ: ((عَرِّفْهَا حَوْلا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلا فَهِيَ لَكَ)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا نَجِدُ فِي الْخَرَابِ الْعَادِيِّ، قَالَ: ((فِيهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمْسُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو سنا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے متعلق پوچھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے پاس جوتے بھی ہیں مشک بھی، وہ درختوں کے پتے کھاتا رہے گا اور وہ پانی (کے چشموں) پر جائے گا (اور پانی پی لیا کرے گا) اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کو تلاش کرنے والا آجائے۔ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ اسے پکڑ لو حتی کہ اس کا متلاشی آجائے۔'' پھر اس نے آپ سے پہاڑی چراگاہوں اور سرسبز وادیوں میں چرنے والے جانوروں کی بابت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو پکڑنے میں دوگنی قیمت اور عبرت ناک سزا ہے اور جو جانور اپنے باڑے میں پناہ گزین ہو جانے کے بعد پکڑے جائیں تو ان میں ہاتھ کاٹنا ہے، اگر اس جانور کی قیمت ڈھال کے برابر ہو۔'' اس شخص نے آپ سے پھلوں کے متعلق سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ پھل جو چھلکوں کے اندر ہوں (یعنی لٹکتے پھل) تو جس کسی نے اسے اپنے منہ سے کھا لیا، اپنے پلو میں کچھ نہ باندھا ہو تو اس پر کچھ نہیں، لیکن جو وہاں سے کچھ اٹھا کر نکلتا ہوا پایا جائے تو اس پر دوگنا جرمانہ اور سخت سزا ہے اور جس نے پھلوں کو ان کے مخزن میں آجانے کے بعد چرایا تو اگر وہ ڈھال کی قیمت کے برابر ہوا تو اس پر ہاتھ کٹے گا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسی گری پڑی چیز جو ہمیں آباد راستے سے ملے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا ایک

سال تک اعلان کرو، پس اگر اس کا ڈھونڈنے والا آجائے (تو اس کے حوالے کردو) ورنہ وہ تمہاری ہے۔''
اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور جو چیز ہمیں کسی اجاڑ ویران جگہ سے ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اس میں اور ایسے ہی کوئی دفینہ ملے، تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) ہے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: (حَرِيسَةُ الْجَبَلِ) سے مراد ایسی گائے، بکری اور اونٹ ہے جو چراگاہ سے پکڑلی جائے۔ جب کوئی شخص چراگاہ سے بکری پکڑ لے تو کہا جاتا ہے: (اِحْتَرَسَ الرَّجُل) ایسے جانور کو ہتھیا لینے پر دوہری قیمت وصول کرنے کا جو ذکر حدیث مبارکہ میں ہے ممکن ہے آپ کا یہ حکم زجر وتوبیخ کی قبیل سے ہو ورنہ تلف شدہ چیز کی قیمت اس کی مثل ہی وصول کرنے کا حکم ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس فرمان رسول کے مطابق دوہری قیمت ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی موقف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آغاز اسلام میں بعض مالی معاملات میں اس طرح فیصلے کیے گئے، پھر اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم!

حدیث میں وارد الفاظ (ضَرْبُ نكَالٍ) سے مراد تعزیر ہے۔ (وَمَا سُرِقَ مِنْهَا مِنْ اَعْطَانِهِ) ......''اور جو جانور اپنے باڑے سے چرایا جائے۔'' اس سے مراد جانوروں کا اپنی آرام گاہ اور باڑے میں پناہ گزین اور محفوظ ہونا ہے تو اس مقام سے چرا لے جانے پر ہاتھ کاٹنا ہے اور اگر وہ ریگستان میں یونہی چلے پھر رہے ہیں یا پہاڑی وادیوں اور چراگاہوں میں بغیر نگران کے چر رہے ہیں تو ان کے چرانے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور (ثَمَنُ الْمِجَنّ) ''ڈھال کی قیمت'' سے مراد تین درہم ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کی بنا پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری: ٦٧٩٥، صحیح مسلم: ١٦٧٦)

بعض علماء نے تین درہم کو حد مقرر کردیا ہے کہ اس میں ہی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھلوں کے بارے میں آپ ﷺ کے فرمان ''جس کسی نے اپنے منہ سے کھا لیا ہو، اپنے پلو میں کچھ نہ باندھا ہو تو اس پر کچھ نہیں۔'' میں مذکور لفظ (الْـخُبْـنَة) سے مراد کپڑے میں ڈال کر کچھ اپنے ساتھ اٹھا لینا ہے، جب آدمی اثنائے سفر میں چلتے ہوئے اپنا دامن اٹھالے تو اہل عرب کہتے ہیں (قَدْ رَفَعَ خُبْنَتَهٗ)

ابن الاعرابی نے کہا: جب کوئی شخص اپنی شلوار میں پیٹ کی طرف کوئی چیز اڑس لے تو اس کیفیت کو ''اَخْبَنَ الرَّجُل'' کے جملے سے ادا کیا جاتا ہے اور جب کوئی شخص شلوار میں کسی چیز کو چھپالے مگر وہ پشت کی جانب ہو تو اس کیفیت کو اَثْبَنَ

کے جملے سے بیان کیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درختوں پر لٹکتا ہوا پھل کھالینا جائز ہے۔بعض اہل علم کا یہی موقف ہے یا بوقت ضرورت کھالینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اپنے پلو میں کچھ باندھ لینے اور اپنے ہمراہ لے لینے پر اسے جرمانہ اور سزا ہے اور سزا سے مراد تعزیر ہے کیونکہ ساتھ اٹھانا انسان کی ضرورت اور مجبوری نہیں البتہ بھوک لگنے پر کچھ کھالینا تو ضرورت اور احتیاج کے زمرے میں آتا ہے۔اگر کوئی شخص لٹکتے پھل کو اپنے ساتھ پوٹلی میں باندھ کر لے جاتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ یہ پھل مخزن اور کھلیان میں سے نہیں لیا گیا بلکہ غیر محفوظ مقام سے لیا گیا ہے اس لیے اس پر چوری کی تعریف صادق نہیں آتی، اور اس وقت مدینہ کے باغات کے اردگرد دیوار نہیں ہوا کرتی تھی کہ جس سے پھل کو محفوظ تصور کیا جائے۔

(وَمَنْ اَخَذَ مِنْ اَجْرَانِهٖ) ......''اور جس نے کوئی چیز مخزن سے چرائی۔'' اجران، جرین کی جمع ہے اور اس سے مراد پھلوں اور غلوں کو جمع کرنے کی جگہ ہے یعنی مخزن اور وہ مقام پھلوں وغیرہ کے لیے بمنزلہ حرز کے ہے جیسا کہ باڑہ بکریوں کے لیے حرز (پناہ گاہ) ہے، کسی چیز کے حرز ہونے کا فیصلہ علاقائی طور اطوار اور عادات ورسومات کو سامنے رکھ کر ہوگا، شریعت نے پھلوں میں ہاتھ کاٹنے کی سزا اس وقت رکھی ہے جب وہ کھلیان میں جمع ہو چکے ہوں اور اسے حرز قرار دیا ہے، اگر کسی کو آباد گزرگاہوں سے کوئی چیز ملے تو وہ لقطہ ہوگا۔ اور اگر کسی کو ایسے کھنڈرات، ویران، اجاڑ اور بے آباد بستیوں سے کوئی چیز ملے جو اسلام کے زیرنگیں نہیں آئیں تو اس چیز کا حکم رکاز (جاہلی دفینے) کا ہے۔ اس میں خمس (پانچواں حصہ زکاۃ) ہے اور باقی چاروں حصے ملنے والے کے ہیں۔ واللہ اعلم

اگر کوئی شخص زمین کا کوئی قطعہ خریدے اور اس میں کوئی جاہلی خزانہ نکل آئے تو اسے فروخت کنندہ کا تصور کیا جائے گا اگر وہ اس کا دعویٰ کردے اور اگر وہ اس کا دعویٰ نہ کرے تو اس شخص کو ملے گا جس سے بائع (بیچنے والے) نے حاصل کیا ہے اور وہ اس کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔ اگر بائع اور خریدار کا جھگڑا ہو جائے تو پھر وہ دفینہ خریدار کو ملے گا کیونکہ قبضہ اس کے پاس ہے۔

(۲۲۱۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ......

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا، فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص نے دوسرے شخص سے مکان خریدا اور مکان کے خریدار کو اس کے مکان میں ایک گھڑا ملا جس

(۲۲۱۳) أخرجه البخاري: ۳۴۷۲، ومسلم: ۱۷۲۱.

الـعَـقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ: خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي ، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الأَرْضَ ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ ، وَقَالَ الَّذِي بَاعَ الأَرْضَ: إِنَّمَا بِعْتُكَ الأَرْضَ وَمَا فِيهَا ، فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ ، فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَما إِلَيْهِ: أَلَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَ أَحَدُهُمَا: لِي غُلامٌ ، وَقَالَ الآخَرُ: لِي جَارِيَةٌ ، فَقَالَ: أَنْكِحُوا الْغُلامَ الْجَارِيَةَ ، وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِكُمَا مِنْهُ ، وَتَصَدَّقَا۔))

میں سونا تھا جس سے وہ مکان اس نے خریدا تھا۔ اس سے اس نے کہا بھائی گھڑا لے جا کیونکہ میں نے تم سے گھر خریدا ہے سونا نہیں خریدا۔ لیکن پہلے مالک نے کہا کہ میں نے گھر کو ان تمام چیزوں سمیت تمہیں بیچ دیا تھا جو اس کے اندر موجود ہوں۔ یہ دونوں ایک تیسرے شخص کے پاس اپنا مقدمہ لے گئے، فیصلہ کرنے والے نے ان سے پوچھا کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ اس پر ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے، فیصلہ کرنے والے نے ان سے کہا کہ لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو اور سونا انہیں پر خرچ کردو اور خیرات بھی کردو۔''

جناب عامر شعبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے کوئی ایسا جانور ملا ہو کہ اس کے مالک اس کو چارہ دینے سے عاجز آ گئے ہوں اور پھر انہوں نے اسے چھوڑ دیا ہو تو جو کوئی اسے لے لے اور اسے زندہ کرلے تو وہ اسی کا ہوا۔'' (حسن، ابوداود: ۳۵۲٤)

بعض اہل علم کا یہی موقف ہے کہ اگر کسی جانور کا مالک اسے چھوڑ دے اور ہلاکت کے سپرد کردے تو جو کوئی اسے پکڑ لے گا (اور علاج اور خدمت کے ذریعے سے تندرست کرلے) وہ اس کا مالک قرار پائے گا، امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ وہ مالک نہیں بن جائے گا بلکہ وہ جانور نقلہ کی ذیل میں آئے گا اور اس کے مالک کے عاجز آجانے اور ہاتھ اٹھا لینے سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ بصرہ کے قاضی عبیداللہ بن الحسن نے کہا: ایسے جانور اور کھجور کی ایسی گٹھلی (عمدہ کھجور کا بیج) جسے کھانے والا کھا کر پھینک دیتا ہے، اگر ان کے بارے میں کہنے والا کہے کہ میں اس کو لوگوں کے لیے جائز قرار نہیں دیتا تو اسی کی بات کو قسم اٹھوانے کے بعد مانا جائے گا۔

(8)......بَابُ اللَّقِيطِ

گرے ہوئے بچے کو اٹھانا

(٢٢١٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

عَنْ سُنَيْنٍ أَبِي جَمِيلَةَ رَجُلٍ مِن بَنِي سُلَيْمٍ ، جناب ابن شہاب (امام زہری رحمہ اللہ) سُنین ابو جمیلہ سے

(٢٢١٤) صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطأ": ١٤٤٨ ، والبيهقى: ١٢١٣٣ .

أَنَّهُ وَجَدَ مَنْبُوذًا فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، قَالَ: فَجِئْتُ بِهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى أَخْذِ هَذِهِ النَّسَمَةِ؟ قَالَ: وَجَدْتُهَا ضَائِعَةً، فَأَخَذْتُهَا، فَقَالَ عَرِيفُهُ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ إِنَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ، فَقَالَ: كَذَلِكَ؟، فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اذْهَبْ، فَهُوَ حُرٌّ، وَلَكَ وَلاؤُهُ، وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ۔

بیان کرتے ہیں جو کہ بنو سلیم کے ایک فرد ہیں۔ انہوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک بچے کو راستے میں پھینکا ہوا پایا تو میں اسے اٹھا کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا، انہوں نے کہا: تجھے اس جان کو اٹھا لینے پر کس چیز نے ابھارا؟ انہوں نے کہا: میں نے اسے پایا کہ یہ ضائع ہو جائے گی سو میں نے اسے اٹھا لیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا واقعی یہ نیک آدمی ہے؟ اس نے کہا: ہاں جی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جاؤ، یہ بچہ آزاد ہے اور اس کی آزادی کی نسبت تیرے لیے ہے اور اس کی پرورش کا خرچہ ہمارے ذمہ ہے۔

شرح امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ہمارے ہاں جو مسئلہ بالکل اتفاقی نوعیت کا ہے وہ یہ ہے کہ راستے سے ملنے والا یا گرا ہوا بچہ آزاد متصور ہوگا اور اس کی نسبت آزادی مسلمانوں کو حاصل ہوگی اور اس کی دیت بھی مسلمان ہی بھریں گے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس واقعے سے پتہ چلا کہ لقیط (راستے میں پھینکے ہوئے بچے) کو اٹھا لینا چاہیے، اسے ضائع کر دینا کسی طور پر جائز نہیں، نیز وہ بچہ آزاد اور مسلمان ہی متصور ہوگا۔ اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہی اس کے ورثاء ٹھہریں گے اور ایسے بچے کی پرورش و پرداخت کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے جاری ہوگا اور اگر ایسے بچے کو کوئی ایسا شخص اٹھالے جو غیر امانت دار ہو تو بچہ اس کے ہاتھ میں نہ رہنے دیا جائے بلکہ حاکم وقت بچے کو اپنے کنٹرول میں لے لے اور کسی معتبر، نیک اور امانت دار شخص کے حوالے کر دے اور بیت المال سے اس کا خرچہ جاری کر دے۔

(21)...... كِتَابُ الْفَرَائِضِ
علم میراث کی کتاب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ ...... ''مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اس میں سے جو اس (مال) سے تھوڑا ہو یا بہت، اس حال میں کہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔'' (سورۂ نساء: ۷)

''نَصِيبًا مَّفْرُوضًا'' سے مراد مقرر کیا ہوا حصہ ہے، لفظ ''الْفَرْض'' کے معنی ''تَوْقِيت'' کے ہیں، اصل میں اس کا معنی کاٹنا ہے، جب آپ مال کا کچھ حصہ کسی کو عطا کرتے ہیں تو کہتے ہیں: فرضت لفُلان، إذا قطعتَ لهُ من المَال شَيْئا۔

(۲۲۱۵)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ، حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلا أَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اقْرَءُ وا إِنْ شِئْتُمْ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [سورة الاحزاب: ٦] فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالا، فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا، أَوْ ضَيَاعًا، فَلْيَأْتِنِي، فَأَنَا مَوْلَاهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں دنیا و آخرت میں ہر مومن کے سب سے زیادہ قریب ہوں، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے۔'' لہٰذا جو ایماندار مال چھوڑ کر مرے گا تو اس کے عصبہ اس کے وارث بنیں گے، وہ جو بھی ہوں، اور جو اس حال میں مرے گا کہ وہ قرض یا بچے وغیرہ چھوڑ جائے، تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا ذمہ دار ہوں گا۔''

(۲۲۱۵) أخرجه البخاري: ۲۳۹۹، ومسلم: ۱٦۱۹.

شرح ((أَو ضَياع)) ہر اس چیز کو "ضَيَاع" کہتے ہیں کہ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، جیسے چھوٹے بچے، معذور، اپاہج اور طویل علالت کی وجہ سے کمزور لوگ وغیرہ۔ یہ لفظ منصوب ہے اور یہ مصدر ہے، جو اسم سے نائب ہے، کہا جاتا ہے: مَاتَ وَتَركَ فَقْرًا (وہ مر گیا اور فقیری چھوڑ گیا) یعنی فقیر لوگ چھوڑ گیا، اگر آپ "ض" کو کسرہ دے کر ضِيَاعٌ پڑھیں تو یہ ضائع کی جمع ہوگی، جیسے جَائِع اور جیاع۔

((فَأَنَا مَوْلاهُ)) یعنی میں اس کا ولی اور کفیل ہوں گا۔

(٢٢١٦)۔ أَخْبَرَنَا حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ:......

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِينَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَأَيُّكُمْ تَرَكَ دَيْنًا، أَوْ ضَيْعَةً فَادْعُونِي، فَإِنِّي وَلِيُّهُ، وَأَيُّكُمْ تَرَكَ مَالًا، فَلْيُؤْثِرْ بِمَالِهِ عَصَبَتَهُ مَنْ كَانَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں کتاب اللہ کے حکم کے مطابق مومنوں کے سب سے زیادہ قریب ہوں، لہٰذا جو مومن اس حال میں مرے کہ وہ قرض یا بچے وغیرہ چھوڑ جائے تو مجھے بلایا کرو، میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور جو مال چھوڑ کر مرے تو اس کے عصبہ اس کے وارث بنیں گے، وہ جو بھی ہوں۔"

(٢٢١٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ، فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔))

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مقررہ حصے ان کے حقداروں کو دو، پھر جو بچ جائے وہ سب سے قریبی مذکر رشتہ دار کے لیے ہوگا۔"

شرح ((أَلْحِقوا الفَرَائِضَ)) یعنی حصہ داروں کو ان کے حصے دو۔

((لأَوْلَى رَجُلٍ)): سب سے قریبی آدمی، ولی سے مراد قریبی ہوتا ہے، مراد نسب کا قرب ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى﴾ (سورۂ قیامہ: ٣٤) یعنی تیری ناپسندیدہ چیز تیرے قریب پہنچ چکی، لہٰذا اس سے بچ۔

(٢٢١٦) انظر الحديث السابق.

(٢٢١٧) أخرجه البخاري: ٦٧٣٢، ٦٧٣٥، ومسلم: ١٦١٥.

((لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) میں "رَجُل" کے ساتھ "ذَکَر" کا ذکر تاکید کے لیے ہے، (ویسے تو رَجُل بھی مرد کو ہی کہتے ہیں) جیسے زکوۃ سے متعلقہ حدیث میں فرمایا: فابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٍ۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: میراث کے اسباب تین ہیں: نسب، نکاح اور ولاء۔ نسب سے مراد قرابت اور رشتہ داری ہے جس کی وجہ سے بعض رشتہ دار بعض کے وارث بنتے ہیں، نکاح سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں اور ولاء یہ ہے کہ آزاد کنندہ اور اس کے عصبہ بنفسہ آزاد شدہ کے وارث بنتے ہیں۔

کل ورثاء سترہ ہیں: دس مرد ہیں اور سات خواتین، دس مرد یہ ہیں: (۱) بیٹا، (۲) پوتا نیچے تک، (۳) باپ، (۴) دادا اوپر تک، (۵) بھائی، وہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی ہوں، (۶) بھتیجا، وہ عینی ہو یا علاتی، نیچے تک، (۷) چچا، وہ عینی ہو یا علاتی، (۸) چچا کے بیٹے، نیچے تک، (۹) خاوند اور (۱۰) آزاد کنندہ۔

سات خواتین یہ ہیں: (۱) بیٹی، (۲) پوتی نیچے تک (۳) ماں (۴) جدہ صحیحہ، نانی ہو یا دادی، (۵) بہن، وہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی (۶) بیوی (۷) آزاد کنندہ خاتون۔

ان ورثاء میں سے مندرجہ ذیل چھ افراد کو حجب حرمان بالشخص لاحق نہیں ہوتا:

(۱) باپ، (۲) بیٹا، (۳) خاوند، (۴) ماں، (۵) بیٹی (۶) بیوی۔

اِن ورثاء کی کل دو اقسام ہیں: (۱) اصحاب الفروض (۲) عصبہ۔

(۱)...... **اصحاب الفروض**: جن ورثا کے حصے مقرر ہیں۔

(۲)...... **عصبہ**: اکیلا ہونے کی صورت میں سارے مال کے اور اصحاب الفروض کی موجودگی میں ان سے بچے ہوئے مال کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

وَلاء کی وراثت کا تعلق عصبہ سے ہے اور میاں بیوی کے وارث بننے کا تعلق اصحاب الفروض سے ہے۔

نسب کے ذریعے سے وارث بننے والے بعض لوگ اصحاب الفروض ہوتے ہیں، جیسے ماں، جدہ صحیحہ اور اخیافی بہن بھائی اور بعض عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث بنتے ہیں، جیسے بیٹا، پوتا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد اور بعض کبھی اصحاب الفروض ہونے اور کبھی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث بنتے ہیں، جیسے باپ، یہ عصبہ بھی بنتا ہے، لیکن اگر میت کی اولاد موجود ہو تو باپ اپنا فرضی حصہ (۱/۶) لے گا، بیٹی فرض حصہ وصول کرتی ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ بیٹا بھی موجود ہو تو وہ عصبہ بن جاتی ہے اور مال ان کے مابین دو ایک کی نسبت سے تقسیم کر دیا جاتا ہے، اسی طرح عینی اور علاتی بہنیں ہیں، یہ فرضی حصہ لیتی ہیں، لیکن اگر ان کے ساتھ ان کا بھائی موجود ہو تو یہ عصبہ بن جاتی ہیں اور مال ان کے درمیان دو ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جاتا ہے، بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ عینی اور علاتی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ مع الغیر بنتی ہے اور بیٹی یا پوتی یا دونوں کے حصے سے جو کچھ بچتا ہے، وہ لے لیتی ہے۔

مقررہ حصے چھ ہیں: النصفُ ، الرّبع ، الثُّمن ، الثُّلثان ، الثلث ، السُّدس (آدھا، چوتھا، آٹھواں، دو تہائی، ایک تہائی، چھٹا)

نصف (۱/۲): یہ تین افراد کا فرضی حصہ بنتا ہے:

(۱)......خاوند کا حصہ، جبکہ بیوی کی اولاد موجود نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ ......"تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ جائیں گی، تمہیں اس میں سے نصف ملے گا، بشرطیکہ اُن کی اولاد موجود نہ ہو۔" (سورۂ نساء: ۱۲)

(۲)......بیٹی کا فرضی حصہ یا پوتی کا فرضی حصہ، بشرطیکہ اس کی صلبی اولاد موجود نہ ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ...... اور وہ ایک بیٹی ہو تو اس کا نصف ملے گا۔" (سورۂ نساء: ۱۱)

(۳)......عینی اور علاتی بہن کا فرضی حصہ بھی نصف ہے، جبکہ ماں باپ کی اولاد موجود نہ ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ ...... "اور اس کی بہن موجود ہو تو اس کو ترکے کا نصف ملے گا۔"

(سورۂ نساء: ۱۷۶)

رُبُع (چوتھا یعنی ۱/٤): یہ خاوند کا فرضی حصہ ہے، جب فوت ہونے والی بیوی کی اولاد موجود ہو، اسی طرح یہ بیوی کا فرضی حصہ بھی ہے، جبکہ وفات پانے والے خاوند کی اولاد موجود نہ ہو، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ ......"پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمھارے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے، جو انھوں نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں، یا قرض (کے بعد)۔ اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو۔" (سورۂ نساء: ۱۲)

آٹھوں حصہ (۱/۸): یہ بیوی کا فرضی حصہ ہے، جبکہ میت کی اولاد موجود ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ ......"اگر تمہاری اولاد موجود ہو تو تمہارے ترکے میں سے تمہاری بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا۔" (سورۂ نساء: ۱۲) یاد رہے کہ بیویاں دو ہوں یا تین یا چار، وہ سب چوتھے اور آٹھویں حصے ہی میں شریک ہوں گی۔

دو تہائی (۲/۳): یہ دو یا زائد صلبی بیٹیوں کا حصہ ہے، اسی طرح یہ دو یا زائد پوتیوں کا حصہ بھی ہے، بشرطیکہ ان کے ساتھ صلبی اولاد نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ ......"اگر وہ بیٹیاں دو سے زائد ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی ملے گا۔" (سورۂ نساء: ۱۱)

دو یا زائد عینی یا علاتی بہنوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ ...... ''اگر وہ بہنیں دو ہوں تو ان کو ترکے میں سے دو تہائی ملے گا۔'' (سورۂ نساء:۱۷۶)

ایک تہائی (۱/۳): یہ تین افراد کا فرضی حصہ ہیں:

(۱) ماں کا حصہ، بشرطیکہ میت کی اولاد اور اس کے کم از کم دو بہن بھائی نہ ہوں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ ...... ''اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث بن رہے ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا۔'' (سورۂ نساء:۱۱)

(۲) دو یا زائد اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ بھی ایک تہائی ہے، ان کے مرد و زن برابر برابر ہوتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾.... ''اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔'' (سورۂ نساء:۱۲)

(۳) عینی بھائیوں کے ساتھ دادا کا حصہ بھی ایک تہائی ہے، بعض حالات میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک باپ کا حصہ بھی ایک تہائی ہوتا ہے۔ (لیکن یہ مرجوح مسلک ہے)۔

چھٹا حصہ (۱/۶): یہ سات افراد کا فرضی حصہ ہے:

(۱) باپ کا فرضی حصہ، جب میت کی اولاد موجود ہو۔

(۲) ...... ماں کا فرضی حصہ، جب میت کی اولاد یا کوئی سے دو بہن بھائی موجود ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ...... ''اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، اگر اس کی اولاد ہو تو۔'' (سورۂ نساء:۱۱)

(۳) بعض حالات میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک جدِ صحیح کا حصہ بھی چھٹا ہوتا ہے۔

(۴) جدہ صحیحہ کا فرضی حصہ چھٹا ہے۔

(۵) ایک اخیافی بھائی یا بہن کا حصہ بھی چھٹا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ ...... ''اور اس کا ایک بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔'' (سورۂ نساء:۱۲) اس آیت میں اخیافی بہن بھائیوں کا ذکر ہے۔

(۶) پوتیوں کا فرضی حصہ بھی چھٹا ہے، بشرطیکہ ایک صلبی بیٹی موجود ہو، ایسی صورت میں صلبی بیٹی نصف لے گی اور پوتیوں کو چھٹا حصہ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ ملے گا۔

(۷) علاتی بہنوں کا حصہ بھی چھٹا ہے، بشرطیکہ میت کی ایک عینی بہن موجود ہو، ایسی صورت میں عینی بہن کو نصف اور علاتی بہنوں کو چھٹا حصہ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ ملے گا۔

((فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ورثاء بعض دوسروں کو محجوب کر دیتے

ہیں، دراصل حج کی دو قسمیں ہیں: (۱) حجب نقصان اور (۲) حجب حرمان۔

حجب نقصان کی مثال یہ ہے کہ فوت ہونے والی بیوی کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد کی وجہ سے اس کے خاوند کو نصف کی بجائے چوتھائی حصہ ملے گا، اسی طرح خاوند کی اولاد کی وجہ سے بیوی کو چوتھے حصے کی بجائے آٹھواں حصہ ملے گا، اسی طرح اولاد یا دو یا زائد بہن بھائیوں کی وجہ سے ماں کو ایک تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملتا ہے۔

حجب حرمان کی مثال یہ ہے کہ ماں تمام جدات کو محجوب کر دیتی ہے، وہ نانیاں ہوں یا دادیاں اور اکثر اہل علم کے نزدیک میت کا باپ اپنی ماں یعنی میت کی دادی کو محجوب کر دیتا ہے، یہ سیدنا عثمان، سیدنا علی اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول ہے، جبکہ سیدنا عمر، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ باپ اپنی ماں کو محجوب نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا باپ نانی کو محجوب کرے گا یا نہیں، بعض کی رائے ہے کہ وہ اس کو ساقط کر دے گا، جیسے ماں دادی کو محجوب کر دیتی ہے، لیکن اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ باپ نانی کو ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ بھی حجب حرمان کی مثال ہے کہ ہر قریبی نانی دور والی دادی کو محجوب کر دے گی، لیکن قریبی دادی دور والی نانی کو ساقط نہیں کرے گی، اور جب یہ جداتِ صحیحہ ایک درجے میں برابر ہو جائیں تو چھٹے حصے میں شریک ہوں گی۔ اخیافی بہن بھائی اِن چار افراد کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں: باپ، دادا اوپر تک، صلبی اولاد، بیٹے کی اولاد نیچے تک۔

عینی بہن بھائی اِن تین افراد کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں: باپ، بیٹا، پوتا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق یعنی بہن بھائی، دادے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ علاتی بہن بھائی اِن چار افراد کی وجہ محجوب ہو جاتے ہیں: باپ، بیٹا، پوتا اور عینی بھائی۔ ہر قریبی عصبہ دور والے عصبہ کو ساقط کر دے گا، سب سے قریبی عصبہ بیٹا، پھر پوتا، پھر باپ، پھر دادا، اوپر تک۔ اگر دادے کے ساتھ عینی یا علاتی بھائی ہو تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق وہ دونوں شریک ہوں گے، اگر دادا موجود نہ ہو تو عینی بھائی وارث ہوں گے اور پھر یعنی ان کی عدم موجودگی میں علاتی بھائی اور پھر بھتیجے، بھتیجوں میں سے بھی جو قریب تر ہو گا، اس کو مقدم کیا جائے گا، وہ عینی ہو یا علاتی، اگر وہ درجۂ قرابت میں برابر ہو جائیں تو عینی زیادہ مستحق ہو گا، بھتیجوں کے بعد عینی چچا اور پھر علاتی چچا اور پھر بھتیجوں کی طرح بالترتیب ان کی اولادیں، پھر باپ کے چچے اور پھر دادا کے چچے اسی ترتیب کے ساتھ، اگر کوئی عصبہ بنفسہ موجود نہ ہو، جبکہ میت پر ولاء کا حق ہو تو آزاد کنندہ وارث بنے گا اور اگر وہ بھی زندہ نہ ہو تو اس کے عصبہ بنفسہ وارث بنیں گے۔

ابن سیرین سے مروی ہے کہ فکیہہ بنت سمعان فوت ہو گئیں اور ان کے ورثا یہ تھے: علاتی بھتیجا اور عینی بھتیجوں کی اولاد، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علاتی بھتیجے کو وارث بنایا، (کیونکہ وہ قریب ترین تھا اور عصبہ میں پہلے درجۂ قرابت کو دیکھا جاتا اور پھر قوتِ قرابت کو)۔

(1)......بَابُ مِيرَاثِ الْأَوْلَادِ

اولاد کی وراثت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾...... ''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے، پھر اگر وہ دو سے زیادہ عورتیں (ہی) ہوں، تو ان کے لیے اس کا دو تہائی ہے جو اس نے چھوڑا۔'' (سورۂ نساء: ۱۱)

(۲۲۱۸)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَالثُّلُثَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میت کا مال اولاد کو مل جاتا تھا اور والدین کے حق میں وصیت کی جاتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں سے جس چیز کو چاہا منسوخ کر دیا اور مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ قرار دیا اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا اور ایک تہائی حصہ، بیوی کے لیے چوتھا اور آٹھواں اور خاوند کے لیے نصف اور چوتھا حصہ قرار دیا۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ابتدائے اسلام میں رشتہ داروں کے لیے وصیت واجب ہوتی تھی، یہاں میراث والی آیات کے ذریعے اس کو منسوخ کر دیا گیا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ ((إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔)) ......''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہوگی۔''

(صحیح، ابوداود: ۲۸۷۰، ترمذی ۲۱۲۰، نسائی: ۳۶۴۳، ابن ماجہ: ۲۷۱۲)

(۲۲۱۹)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو قَيْسٍ، قَالَ:......

(۲۲۱۸) أخرجه البخاري: ۲۷٤۷، ٤٥۷۸.

(۲۲۱۹) أخرجه البخاري: ٦۷۳٦.

سَمِعْتُ هُزَيْلَ بْنَ شُرَحْبِيلَ، يَقُولُ: سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنِ ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ، وأخت، فقال للبنت النصف، وللأخت النصف، وأت ابن مسعود فسيتابعني، فسئل ابن مسعود، وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى، فَقَالَ: لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ، أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لِلبِنْتِ النِّصْفُ، ولابْنَةِ الابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، ومَا بَقِيَ فَلِلأُخْتِ، فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى، فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: لا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ۔

ہزیل بن شرحبیل کہتے ہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت فوت ہوگئی ہے اور اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، (ان کو اس کی وراثت سے کتنا حصہ ملے گا)؟ انھوں نے کہا: مال کا ایک نصف بیٹی کو اور ایک نصف بہن کو ملے گا (اور پوتی محروم رہے گی) اور ساتھ ہی کہنے لگے کہ تم سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، وہ بھی میرے ساتھ اتفاق کریں گے، لیکن جب سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ساتھ ہی ان کو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے کہا: اگر میں بھی یہی فیصلہ کردوں تو میں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا، میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کروں گا اور وہ یہ ہے کہ بیٹی کو جائیداد کا نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا، تاکہ اولاد میں مال کا دو تہائی پورا ہو جائے اور جو مال باقی بچے گا وہ بہن کو دیا جائے گا۔ پھر ہم لوگ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ والے فتویٰ سے آگاہ کیا، یہ سن کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک یہ عالم تمہارے اندر موجود ہے، مجھ سے کوئی سوال نہ کیا کرو۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب بیٹا اکیلا ہوتو وہ سارا ترکہ لے لے گا، اگر وہ زیادہ ہوں گے تو سب شریک ہوں گے، لیکن جب بیٹی اکیلی ہوگی تو وہ نصف لے گی اور اگر وہ دو یا زائد ہوں گی تو دو تہائی ان کا حق ہوگا۔ اگر میت اپنے ورثاء میں بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ جائے تو تقسیم اس طرح ہوگی کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ملے گا، صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتوں اور پوتیوں کا حکم بھی صلبی اولاد کی طرح کا ہوگا، جب میت کی اپنی اور بیٹے کی اولاد جمع ہو جائیں تو اگر صلبی میں کوئی بیٹا ہوگا تو بیٹے کی اولاد کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی اور اگر صلبی اولاد بیٹی ہوگی اور اگر وہ ایک ہوگی تو اس کو نصف ملے گا اور باقی پوتا ہونے کی صورت میں پوتے کو مل جائے گا، اور اگر

ایک یا زائد پوتیاں ہوں تو ان چھٹا حصہ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ ملے گا اور اگر بیٹے کی اولاد میں مذکر اور مؤنث سب شامل ہوں گے تو باقی مال ان میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا اور اگر صلبی اولاد میں ایک سے زائد بیٹیاں ہوں گی تو دو تہائی ان کا حصہ ہوگا اور پوتی کو کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر اس کے درجے میں یا اس سے نیچے کوئی پوتا ہوگا تو وہ ان کو عصبہ بنا دے گا اور باقی مال ان میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا، عینی اور علاتی بہن بھائیوں کے مسائل بھی اسی طرح حل کیے جائیں گے، یعنی اگر عینی بھائی مذکر ہوگا تو علاتیوں کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر عینی بہن ہوگی تو دیکھا جائے گا، اگر وہ ایک ہوگی تو اس کو نصف ملے گا اور باقی علاتی بھائی کو مل جائے گا، اگر وہ ہوا تو، اگر وہ علاتی بہن ہوگی تو اس کو چھٹا حصہ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ ملے گا اور اگر علاتی بہن بھائی ہوں گے تو باقی مال ان میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا، اور اگر عینی بہنیں ایک سے زائد ہوں گی تو ان کو دو تہائی ملے گا اور علاتی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر ان کے ساتھ کوئی مذکر ہوگا تو وہ باقی مال ان میں دو ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔ یہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل علم کا قول ہے، البتہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ورثاء میں بیٹی، پوتیاں اور پوتے موجود ہوں تو بیٹی کو نصف اور پوتیوں کو مقاسمہ یا چھٹے حصے میں سے جو کم ہوگا، وہ ملے گا اور اگر ورثاء میں دو بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں موجود ہوں تو بیٹیوں کو دو تہائی اور باقی مال پوتوں کو ملے گا اور پوتیاں محروم رہیں گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹیوں اور پوتیوں کا حصہ دو تہائی سے نہیں بڑھ سکتا۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آدمی عینی بہن اور علاتی بہن بھائی چھوڑ کر فوت ہو تو عینی بہن کو نصف اور علاتی بہنوں کو مقاسمہ اور چھٹے حصے میں سے کم تر ملے گا۔ لیکن اگر آدمی دو عینی بہنیں اور علاتی بہن بھائی چھوڑ کر مرے گا تو عینی بہنوں کو دو ثلث ملے گا اور باقی مال علاتی بھائیوں کو ملے گا اور علاتی بہنوں کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وراثت کے پانچ مسائل میں متفرد ہیں، مندرجہ بالا چار اور پانچواں یہ ہے: کافر، غلام اور قاتل کی طرح کے محروم لوگ اصحاب الفرائض کو حجبِ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اس طرح خاوند کو نصف کی بجائے چوتھا، بیوی کو چوتھے کی بجائے آٹھواں اور ماں کو ایک تہائی کے بجائے چھٹا حصہ ملے گا، جبکہ عام صحابہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایسا محروم شخص حجبِ نقصان کا باعث نہیں بن سکتا، جیسے وہ حجبِ حرمان کا سبب نہیں بنتا۔

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہزیل کی حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ عینی یا علاتی بہن، بیٹی کے ساتھ عصبہ بنتی ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد والے اہل علم میں سے عام علماء کا نظریہ یہی ہے، ما سوائے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ بہن، بیٹی کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی، کیونکہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ ...... ''اگر مرد فوت ہو جائے اور اس کی اولاد نہ ہو، البتہ اس کی بہن ہو تو اس کو ترکے کا نصف ملے گا۔'' (سورۂ نساء: ۱۷۶)

قابل غور بات یہ ہے کہ بہن کو نصف تب دیا جا رہا ہے، جب میت کی اولاد نہ ہو۔ بہرحال عام اہل علم کا قول آیت

کے ظاہری مفہوم کے موافق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بہنوں کا فرضی حصہ بیان کیا اور اولاد کی موجودگی میں ان کا فرضی حصہ واقع نہیں ہوتا۔

(2)......بَابُ مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ

بھائیوں کی میراث

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ ...... ''کہہ دیجیے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے چھوڑا۔'' (سورۂ نساء: ۱۷۶)

(۲۲۲۰)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ......

سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ لا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ، وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لِمَنِ الْمِيرَاثُ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلالَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، جبکہ میں بیمار تھا اور مجھے کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پھر وہ پانی مجھ پر ڈالا، اس سے مجھے افاقہ ہو گیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری میراث کس کے لیے ہو گی، میرے وارث تو صرف کلالہ ہیں؟ چنانچہ میراث والی آیت نازل ہوئی۔

شرح: صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری وارث بننے والی صرف بہنیں ہیں، چنانچہ فرائض والی آیت نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مائے مستعمل پاک ہے اور وارثوں کو کلالہ کہتے ہیں۔ نیز امام صاحب رحمہ اللہ نے کہا: اخیافی بہن بھائیوں کے ایک فرد کے لیے چھٹا حصہ اور دو یا زائد کے لیے تیسرا حصہ ہے، ان کے مذکر اور مؤنث برابر برابر ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ ...... ''اور اگر کوئی مرد، جس کا ورثہ لیا جا رہا ہے، ایسا ہے جس کا نہ ماں باپ ہو نہ اولاد، یا ایسی عورت ہے اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔'' (سورۂ نساء: ۱۲)

(۲۲۲۰) أخرجه البخاري: ٤٥٧٧، ومسلم: ١٦١٦.

سعد اس آیت کو یوں تلاوت کرتے تھے: وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ لِأُمٍّ۔ (یعنی "لِأُمٍّ" کا اضافہ کرتے تھے، جس سے واضح طور پر پتہ چل رہا ہے کہ یہاں اخیافی بہن بھائیوں کے حالات بیان ہو رہے ہیں۔) عینی یا علاتی بہن بھائیوں کے حالات اولاد کی طرح ہی ہیں، جب صلبی اولاد موجود نہ ہو، ما سوائے مسئلہ مُشَرِّکہ کے، جو کہ یہ ہے: خاوند، ماں، اخیافی بھائی اور عینی بھائی، اس صورت میں خاوند کو نصف، ماں کو چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کو ایک تہائی ملے گا، لیکن عینی بھائی بھی ان کے ساتھ شریک ہوں گے اور ان کے رؤس کی تعداد کے مطابق ان پر ایک تہائی تقسیم ہوگا، ان کے مذکر ومؤنث برابر برابر ہوں گے، اگر عینی بھائیوں کی جگہ پر علاتی ہوتے تو انہیں کو کچھ نہ ملتا، یہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا زید رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ شریح، سعید بن مسیّب، زہری اور نخعی بھی اسی کے قائل ہیں، نیز امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی نظریہ ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: باپ نے ان کے قرب میں اضافہ کیا ہے، لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں عینی بہن بھائیوں کا بھی کوئی حصہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ علاتیوں کی طرح عصبہ ہیں اور ان کے لیے کچھ نہیں بچا، یہ سیدنا علی، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابوموسیٰ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی رائے ہے، شعبی، ثوری اور اصحابِ رائے بھی اسی کے قائل ہیں اور سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا زید رضی اللہ عنہما سے یہ مذہب مروی ہے، لیکن ان دونوں سے مشہور مذہب تشریک کا ہی ہے، اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب بہن بھائیوں میں سے صرف عینی، یا علاتی بہنیں ہوں گی تو ان کو ان کا فرضی حصہ ملے گا اور مسئلہ عولیہ ہوگا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: صرف کلالہ میرا وارث بن رہا ہے۔

اہل علم کا کلالہ کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے، صحابۂ کرام کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد ہو نہ والدین، شعبی سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جوابا کہا: میں اپنے رائے کی روشنی میں جواب دوں گا، اگر وہ درست ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر وہ غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا، میرا خیال یہ ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ جس کے والدین ہوں نہ اولاد، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ سے اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس چیز کی تردید کروں جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہی ہے۔ ایسی میت کو بھی کلالہ کہتے ہیں اور اس کے وارثوں کو بھی، بہرحال میت اور اس کے ورثاء، دونوں کو ہی کلالہ کہتے ہیں، میت کو کلالہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ جب فوت ہوتا ہے تو دونوں اطراف یعنی اصل اور فرع سے خالی ہوتا ہے اور ہر کوئی اپنے نسب کی بنیاد ہوتا ہے اور وارثوں کو کلالہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ میت کو اس کی اطراف اور جوانب سے گھیر لیتے ہیں، جیسے پٹکا ہوتا ہے، جو سر کو اطراف سے گھیر لیتا ہے اور سر کا درمیانہ حصہ خالی اور ننگا ہوتا ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارثوں کو کلالہ کہا گیا ہے، لیکن اس آیت ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ میں میت کو کلالہ کہا گیا ہے۔ "إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةً" اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ورثاء ان کے وارث بن رہے ہیں، جو نہ

اولاد ہیں اور نہ والدین، جبکہ ان کی بہنیں موجود تھیں۔

سیدنا عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختلف اقوال مروی ہیں، ایک قول دوسرے صحابہ کی طرح کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو، یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آخری قول تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا، جواباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گرمیوں والی آیت تمہیں کافی ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۶۱۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلالہ کے بارے میں دو آیتیں نازل فرمائیں، ایک آیت سردیوں میں نازل ہوئی تھی، یہ سورۂ نساء کے شروع والی آیت ہے اور ایک آیت گرمیوں میں نازل ہوئی تھی، یہ سورۂ نساء کی آخری آیت ہے اور اس میں اتنی وضاحت ہے کہ اتنی توضیح سردیوں والی آیت میں نہیں ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس آیت کے سپرد کیا۔ جن حضرات نے کلالہ سے مراد وہ شخص لیا ہے جس کی اولاد نہ ہو، انھوں نے اس آیت ﴿إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ کے ظاہری مفہوم کو لیا ہے، عام لوگوں کے ہاں اس کی وضاحت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی پیش کی جاتی ہے، جبکہ یہ آیت نازل بھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوئی تھی، جبکہ اس وقت نہ ان کا باپ زندہ تھا اور نہ ان کا کوئی بیٹا تھا، کیونکہ ان کے والد گرامی سیدنا عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے، جبکہ کلالہ والی آیت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے آخر میں نازل ہوئی، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نازل ہونے والی آخری آیت یہ ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النِّسَاء: ۱۷۶) اس طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حالت نے آیت کی مراد کو واضح کیا ہے، نہ کہ اس کے نزول کو۔

ابوسلیمان خطابی نے کہا: اس کی ایک اور صورت بھی ہے، وہ حدیث کے معنی کے زیادہ موافق ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلالہ کے بارے میں سوال کرنے والے سے کہا: گرمیوں والی آیت تجھے کافی ہے، غور کریں کہ کلالہ کا معنی سمجھنے کے لیے ایک آیت کا حوالہ دیا گیا، جس سے ثابت ہوا کہ اس کا مفہوم اسی آیت سے مستنبط ہوگا، نہ کہ کسی اور سے۔ اس میں ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ ''والد'' اور ''اولاد'' دونوں ''ولادت'' سے اسم مشتق ہیں، جو بھی ولادت کے لفظ میں آئے گا، اوپر سے آئے یا نیچے سے، اس کو ''اولاد'' کہا جائے گا، والد کو بھی اولاد کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی بھی تو ولادت ہوتی ہے اور مولود کو بھی اولاد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی پیدا ہوا ہوتا ہے، جیسے لفظ ذُرّیہ ہے، یہ ''ذَرأ اللّٰہ الْخلق'' (اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا) سے ماخوذ ہے اور اولاد ذُرّیہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ پیدا کیے ہوئے ہوتے ہیں، اس نقطے کے صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت بھی ہے: ﴿وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ۔﴾ ...... ''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔'' (سورۂ یس: ۴۱) غور کریں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے سب افراد کو ذُرّیہ کہا، یعنی آباء کو اولاد کی طرح ذُرّیہ قرار دیا، کیونکہ دونوں اسماء ''ذرء'' سے مشتق ہیں، لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾

(نساء:١٧٦)میں ''ولد'' سے مراد دونوں اطراف کا اولاد ہونا ہے، اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ واللہ اعلم۔

(3)......بَابٌ فِيْ مِيْرَاثِ الْأَبِ وَالْجَدِّ

باپ اور دادے کی میراث

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿فَـإِنْ لَّـمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ......''اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث بن رہے ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور اس کے بھائی موجود ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔'' (سورۂ نساء: ١١)

(٢٢٢١)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُـحَـمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ......

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: كَتَبَ أَهْلُ الْـكُـوفَةِ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي الْجَدِّ، فَقَالَ: أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَـوْ كُـنْـتُ مُتَّـخِذًا مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ خَلِيلا، لاتَّخَذْتُهُ)) أَنْزَلَهُ أَبًا يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ اہل کوفہ نے دادا کے بارے میں سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا: ''اگر میں نے اس امت سے خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔'' اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا تھا۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب باپ منفرد ہوگا تو سارا ترکہ لے لے گا، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور دوسرے اصحاب الفروض موجود ہوں تو باپ ان کے حصوں کے بعد باقی ترکہ لے گا اور میت کی اولاد ہوگی تو باپ کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی ترکہ اولاد کو ملے گا اور اگر میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو باپ کو چھٹا اور بچیوں کو ان کا فرضی حصہ ملے گا اور باقی باپ کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ دادا یعنی باپ کا باپ اوپر تک، باپ کی عدم موجودگی میں باپ کے قائم مقام ہوگا، ماسوائے ان چار مسائل کے:

(١) جب مسئلہ خاوند اور ابوین پر مشتمل ہو۔

(٢) جب مسئلہ بیوی اور ماں باپ پر مشتمل ہو، کیونکہ ان صورتوں میں ماں کے لیے احد الزوجین کے حصے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی ہوگا اور باقی مال باپ کو ملے گا، حقیقت میں ان دو مسائل میں سے پہلے مسئلے میں ماں کو چھٹا اور دوسرے میں چوتھا حصہ ملے گا، اور اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو ماں کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا، یہ صحابہ کرام اور بعد والے اہل علم کی اکثریت کا قول ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مجھے اس طرح نہیں دیکھ سکتے تھے کہ میں ماں کو باپ سے زیادہ حصہ دوں۔

(٢٢٢١) أخرجه البخاري: ٣٦٥٨.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ کہ جب ورثاء میں احد الزوجین اور ابوین ہوں تو ماں کو جمیع مال کا ثلث ملے گا، شریح کا قول بھی یہی ہے، اور ابن سیرین کی بیوی اور ماں باپ والے مسئلے میں یہی رائے ہے، کیونکہ اس میں ماں کا حصہ باپ کے حصے سے زیادہ نہیں بنتا۔ سیدنا عمر اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی خاوند، دادا اور ماں یا بیوی، دادا اور ماں کے بارے میں آراء مختلف ہیں، ان سے مروی ہے کہ احد الزوجین کے حصے کے بعد ماں کو مابقی کا ثلث ملے گا اور باقی دادا کو ملے گا، جیسے باپ کے مسئلے میں تھا، لیکن یہ بھی روایت ہے کہ ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۳) دادی، باپ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، لیکن دادے کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے، البتہ سیدنا عمر اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دادی، میت کے باپ کی موجودگی میں بھی وارث بنے گی۔

(۴) باپ، میت کے بھائیوں کو ساقط کر دیتا ہے، لیکن جب کسی مسئلہ میں دادا اور میت کے عینی یا علاتی بھائی موجود ہوں تو اہل علم مختلف فیہ نظر آتے ہیں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ دادا باپ کی طرح بھائیوں کو ساقط کر دے گا، یہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا معاذ، سیدنا ابو درداء اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے کہ میرے پوتے میرے وارث بنتے ہیں، نہ کہ میرے بھائی تو پھر یہ ٹھیک کیوں نہیں ہے کہ میں اپنے پوتوں کا وارث نہ بنوں؟ حسن بصری، عطا، طاؤس اور قتادہ کی بھی یہی رائے ہے اور اما ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام اسحاق کا نظریہ بھی یہی ہے۔ لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ دادا میت کے بھائیوں کو ساقط نہیں کر سکتا، یہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا خیال ہے اور امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ علیہم کا نظریہ بھی یہی ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق دادا اور بہن بھائیوں کی میراث کی تفصیل یہ ہے: اگر ان کے ساتھ کوئی اور مقررہ حصے والے وارث نہ ہوں تو دادا کے لیے دو میں سے وہ صورت اختیار کی جائے گی جو اس کے حق میں بہتر ہو گی (یعنی جو زیادہ مال پر مشتمل ہو گی): بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ مقاسمہ یا تمام مال کا ایک تہائی اور اگر کوئی اور صاحبِ فرض ہو تو دادا کے لیے تین میں وہ صورت ہو گی جو اس کے حق میں بہتر ہو گی: جمیع مال کا چھٹا حصہ، یا مقاسمہ، یا صاحبِ فرض کے حصے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک دادا کے حق میں مقاسمہ بہتر رہے گا تو اس کو مقاسمہ ہی دیا جائے گا، اور چھٹا حصہ مقاسمہ سے بہتر ہو گا تو پھر چھٹا حصہ دیا جائے گا اور سیدنا علی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک بہن کو دادا کے ساتھ فرضی حصہ دیا جائے گا، لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق دادا کے ساتھ بہن کو فرضی حصہ نہیں دیا جائے گا، ما سوائے مسئلہ اکدریہ کے، جس کے افراد یہ ہیں: خاوند، ماں، دادا اور بہن۔ اس صورت میں خاوند کو نصف، ماں کو ایک تہائی، دادا کو چھٹا اور بہن کو نصف ملے گا اور مسئلہ چھ سے نو تک عول پکڑے گا، پھر بہن کا حصہ دادے کے حصے کے ساتھ

جمع کر کے ان دونوں میں مال دو ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا، چونکہ چار تین پر پورا تقسیم نہیں ہوگا، اس لیے تین کو نو میں ضرب دی جائے گی اور مسئلہ ستائیس سے بن جائے گا، اب خاوند کو نو اور ماں کو چھ ملیں گے اور باقی بارہ بچ جائیں گے، ان میں دادے کو آٹھ اور بہن کو چار مل جائیں گے، اگر اس صورت میں بہن کی جگہ بھائی ہوگا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر دو بہنیں ہوں گی تو خاوند کو نصف، ماں کو چھٹا حصہ، دادا کو چھٹا حصہ اور باقی دو بہنوں کو ملے گا، یہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسئلہ اکدریہ کو یوں حل کیا: بہن کا حصہ اس کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے گا اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاوند، ماں، دادا اور بھائی کا مسئلہ یوں حل کیا: خاوند کو نصف، ماں کو ثلث مابقی اور ایک حصہ دادے کو اور ایک حصے بھائی کو دیا جائے گا، اور اگر دادے کے ساتھ عینی یا علاتی بھائی جمع ہو جائیں تو وہ دادا کے حق میں برابر برابر ہی ہوں گے، گویا وہ ایک جہت سے ہیں، پھر دادا کے حصے کے بعد اگر عینی بھائی مذکر ہوا تو باقی مال لے لے گا اور اگر وہ مؤنث ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ باقی مال اس کے فرضی حصے کے برابر ہے یا کم ہے، اگر کم ہوا تو ٹھیک اور بھائی کے لیے کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ زیادہ ہوا تو فرضی حصے سے جتنا زیادہ بنے گا، وہ بھائی کو دیا جائے گا، مثال کے طور پر اگر کوئی آدمی یہ ورثاء چھوڑ کر مرتا ہے: دادا، عینی بھائی، علاتی بھائی، تو دادے کو ایک تہائی ملے گا اور باقی عینی بھائی کے لیے ہوگا، اور اگر عینی بہن اور علاتی بہن ہو تو مال دادا اور عینی بہن کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر دادا کے ساتھ عینی بہن اور علاتی بھائی ہو تو دادا کو (۴/۱۰)، عینی بہن کو (۵/۱۰) اور بھائی کو ایک حصہ ملے گا، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دادا، عینی بہن اور علاتی بھائی کے بارے میں کہا: بہن کو نصف ملے گا اور باقی دادا اور بھائی کو نصف نصف کر کے دے دیا جائے گا۔ اس طرح صحابہ کرام میں دادے اور بھائی کے اکٹھا ہونے کی صورت میں بڑے عجیب عجیب اختلافات موجود تھے، اکثر فقہاء نے ان مذاہب میں سے ایک اختیار کیا ہے: یا تو دادے کی وجہ سے بھائیوں کو محجوب کر دیا جائے گا یا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق سابق تفصیل کو سامنے رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دادے کی میراث کو قلم بند کیا، لیکن جب ان پر اعتراضات کیے گے تو انھوں نے وہ تحریر منگوا کر اس کو مٹا دیا اور کہا: تم خود اپنی رائے سے فیصلہ کر لینا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان افراد کے سوال کے جواب میں کہا: اگر دادا موجود نہ ہو تو مسئلہ لاؤ، حل کر دیتا ہوں، نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آدمی اس بات پر خوش ہو کہ وہ جہنم کی جڑ میں گھس جائے تو وہ دادا اور بھائیوں کا فیصلہ کرے، عبیدہ نے کہا: مجھے دادے کے بارے میں اسی طرح مختلف فیصلے یاد ہیں۔

4......بَابٌ فِيْ مِيْرَاثِ الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ

ماں اور جدہ صحیحہ کی میراث

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ......''اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث بن رہے ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور اس کے بھائی موجود ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔'' (سورۂ نساء: ۱۱)

(۲۲۲۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ خَرَشَةَ......

عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا، فَقَالَ مَالَكِ: فِي كِتَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَارْجِعِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ، فَسَأَلَ النَّاسَ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ، فَقَالَ: ((هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ؟)) فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ، فَأَنْفَذَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ السُّدُسَ، ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا، فَقَالَ: مَالَكِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، وَمَا كَانَ الْقَضَاءُ الَّذِي قُضِيَ بِهِ إِلَّا لِغَيْرِكِ، وَمَا أَنَا بِزَائِدٍ فِي الْفَرَائِضِ شَيْئًا، وَلَكِنْ هُوَ ذَلِكَ السُّدُسُ، فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فِيهِ، فَهُوَ بَيْنَكُمَا، وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ، فَهُوَ لَهَا۔

قبیصہ بن ذؤیب کہتے ہیں: ایک جدہ اپنی میراث کا سوال کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، انھوں نے اس سے کہا: کتاب اللہ کے مطابق تیرے لیے کوئی چیز نہیں ہے اور مجھے اس بارے میں سنتِ رسول کا علم بھی نہیں ہے، تو واپس چلی جا، میں لوگوں سے اس کے بارے میں سوال کروں گا، پھر جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا تو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا تھا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تیرے ساتھ کوئی اور بندہ بھی ہے (جو یہی حدیث بیان کرے)؟ جواباً سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ والی بات کہی، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جدہ کے لیے چھٹا حصہ نافذ کر دیا، پھر ایک اور جدہ اپنی میراث کا سوال کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور انھوں نے جواباً کہا: تیرے لیے کتاب اللہ میں کسی حصے کا ذکر نہیں ہے اور جو فیصلہ کیا گیا وہ تو تیرے علاوہ دوسری جدہ کا تھا، بہرحال اب یہ چھٹا حصہ ہی ہے، اگر تم جمع ہو جاؤ گی، (یعنی دو جدہ

(۲۲۲۲) حديث صحيح، أخرجه ابوداود: ۲۸۹٤، والترمذي: ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، وابن ماجه: ۲۷۲٤.

ہو جاؤ گی) تو یہی ایک حصہ تم میں تقسیم کیا جائے گا اور تم میں سے جو اکیلی ہو گی تو یہی حصہ اس کو مل جائے گا۔

شرح قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ دو جدات، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تھیں اور انھوں نے ان دونوں کے مابین چھٹا حصہ تقسیم کیا تھا۔

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کے نزدیک جدہ کو سدس ملے گا، وہ نانی ہو یا دادی، اور جب دو جمع ہو جائیں گی تو وہی چھٹا حصہ ان میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا، لیکن نانے کی کوئی میراث نہیں ہے اور نہ اس جدہ کے لیے ہے، جو نانے کی طرح کے جد فاسد کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہو گی اور ماں کی موجودگی میں جدہ کو کوئی میراث نہیں ملے گی، (یعنی ماں حاجب ہو گی)، سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے ماں موجود نہ ہو۔ (ضعیف، ابوداود: ۲۸۹۵)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جدات کے لیے کوئی میراث نہیں ہے، یہ تو بس ان کو فائدہ دیا گیا ہے، جدہ قریبی ہو یا دور کی، سب برابر ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے، جب میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد یا دو بہن بھائی موجود ہوں، اگر میت کی اولاد یا دو بہن بھائی موجود نہ ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملتا ہے، ماسوائے ابوین اور احد الزوجین والے مسئلے کے، اس میں ماں کو احد الزوجین کا حصہ نکال کر باقی حصے کا ثلث ملے گا۔

(5)......بَابُ الْوَلَاءِ

وَلاء

(۲۲۲۳)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔))

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولاء تو آزاد کنندہ ہی کے لیے ہے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس آدمی نے غلام آزاد کیا، اس کے لیے وَلاء کا حق ثابت ہو جائے گا اور وہ ایسے آزاد شدہ کا وارث بنے گا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِم۔))...... ''لوگوں کا آزاد کردہ غلام بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے۔'' (صحيح بخاري: ٦٧٦١)

(۲۲۲۳) أخرجه البخاري: ٦٧٥٢، ومسلم: ١٥٠٤.

عام اہل علم کا یہی نظریہ ہے اور اگر آزاد کنندہ خود زندہ نہ ہو تو اس کے عصبہ بنفسہ آزاد شدہ کے وارث بنیں گے، اگر اس کے عصبہ بنفسہ ہوں تو آزاد کنندہ کا آزاد کنندہ اور اس کے عصبہ بنفسہ بالترتیب وارث بنیں، وَلاء کے عصبات نسبی عصبات کی ترتیب کی طرح ہوں گے، اگر کسی آزاد کنندہ کا باپ اور بیٹا زندہ ہوں تو ولاء صرف بیٹے کو ملے گی، نہ کہ باپ کو، کیونکہ قریبی عصبہ بیٹا ہے، اسی طرح اگر اس کے باپ اور بھائی زندہ ہوں تو ترکہ باپ کو ملے گا، نہ کہ بھائی، البتہ یہ الگ بات ہے کہ آزاد کنندہ کا بیٹا اس کی بیٹی کو اور اس کا بھائی اس کی بہن کو عصبہ نہیں بنا سکے گا، اگر آزاد کنندہ کا دادا اور بھائی زندہ ہوں تو ان کے بارے میں دو اقوال ہیں، ایک یہ ہے کہ بھائی زیادہ مستحق اور قریب ہے، کیونکہ یہ بُنُوّہ کے واسطے سے قریب ہوتا ہے اور یہ دادا سے زیادہ مستحق ہے، جو کہ اُبُوّہ کے ذریعے قریب ہوتا ہے، تو جیسے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے، اسی طرح معتق کا بھتیجا، اس کے دادے سے زیادہ مستحق ہوگا اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ دادا اور بھائی دونوں برابر ہیں، اس لیے دادا معتق کے بھتیجے سے اور بھائی پڑدادے سے زیادہ مستحق ہوگا، البتہ بھتیجا اور پڑدادے کے برابر ہو گا، اسی طرح معتق کا چچا اور پڑدادا ہیں، اس کے بارے میں بھی دو اقوال ہیں: (۱) یہ دونوں برابر ہیں، (۲) چچا زیادہ مستحق ہے، نسب میں دادا، پڑدادا اوپر تک بھتیجے اور چچا سے بالاتفاق اولی ہیں۔ آدمی کے عصبہ کے معتق کے لیے کوئی میراث نہیں ہوگی، البتہ باپ یا دادا کے معتق کے لیے میراث ہوگی، کیونکہ جس نے غلام آزاد کیا تو ولاء اس کی اولاد اور بیٹوں کی اولاد کے لیے بھی ثابت ہوگی، وہ مذکر ہوں یا مؤنث، البتہ بیٹیوں کی اولاد پر ثابت نہیں ہوگی، الا یہ کہ ان کا باپ غلام ہو، تو وَلاء ماں کے آزاد شدہ غلاموں کے لیے ثابت ہوگی، پھر جب باپ کو آزاد کر دیا جائے گا تو وہ ولاء کو باپ کے موالی کی طرف کھینچ لائے گا، اسی طرح جس نے لونڈی کو آزاد کیا تو اس کے لیے اس کی اولاد پر ولاء نہیں ہوگی، الا یہ کہ ان کا باپ غلام ہو تو پھر اس کی اولاد پر ولاء ثابت ہو جائے گی، پھر جب باپ کو آزاد کیا جائے گا تو وہ ولاء کو اپنے موالی کی طرف کھینچ لائے گا، اور وَلاء باپ کے معتق کے لیے ثابت ہو جائے گی، جب بچے پر کسی اور کی وَلا نہیں ہوگی، اگر باپ کسی آدمی کا معتق ہو، اور بیٹے کا معتق اور ہو تو باپ کے معتق کے لیے بیٹے کی ولاء نہیں ہوگی۔ خاتون وَلاء کے ذریعے سے وارث نہیں بنتی، ما سوائے اپنے آزاد شدہ کے، یا جو اس کے معتق کی طرف ولاء یا نسب کے ذریعے منسوب ہو، اس طرح عورت اپنے آزاد شدہ اور اپنے آزاد شدہ کے آزاد شدہ اور اپنے آزاد شدہ کے پوتوں کی وارث بن جاتی ہے۔

روایت ہے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے اپنا غلام آزاد کیا اور وہ اپنی بیٹی اور اپنی آزاد کنندہ بنت حمزہ چھوڑ کر فوت ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کی بیٹی اور آزاد کنندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی۔ (ابن ماجہ: ۲۷۳۴)

ابراہیم سے ان دو بہنوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک نے اپنے باپ کو خرید کر آزاد کر دیا اور پھر وہ باپ فوت ہو گیا، انھوں نے کہا: دو بہنوں کو ان کا فرضی حصہ دو تہائی ملے گا اور باقی مال آزاد کنندہ بہن کو ملے گا۔ علماء کا قول بھی یہی ہے، اگر آزاد کنندہ کو بیٹا اور بیٹی یا بھائی اور بہن ہو تو میراث صرف بیٹے یا بھائی کو ملے گی، بیٹی یا بہن کو

نہیں ملے گی، زہری نے سالم کے واسطے سے ان کے باپ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلاموں کے وارث بنتے تھے، نہ کہ ان کی بیٹیاں۔ اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ آزاد شدہ غلام وارث نہیں بنے گا، کیونکہ آپ ﷺ نے وَلاء کو آزاد کنندہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الـوَلاءُ لِمَنْ أَعْطَى الوَرِقَ وَوَلِيَ النِّعْمَةَ۔)) ......''وَلا اس کے لیے ہے جو چاندی خرچ کرے اور نعمت کا والی بنے۔'' (صحیح بخاری: ۶۷۶۰) یہ اکثر اہل علم کا قول ہے، لیکن شریح اور طاؤس سے بیان کیا گیا ہے کہ مولیٰ اسفل کے لیے میراث ہوگی۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب آدمی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوگا، وہ اس کا وارث نہیں بنے گا اور نہ ولا حلف اور موالاۃ سے ثابت ہوگی، کیونکہ آپ ﷺ نے ولاء کو صرف آزاد کنندہ کی طرف ''ال'' کے ساتھ منسوب کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وَلا صرف معتق کے لیے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: الدَّار لزید۔ اس جملے کا تقاضا یہ ہے کہ ملکیت صرف زید کے لیے ہوگی اور غیر زید سے اس کی نفی کی جائے گی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ (نساء: 33) میں موالی سے مراد ورثاء ہیں اور ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (نساء: ۳۳) سے مراد یہ ہے کہ جب مہاجر لوگ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ انصاریوں کے وارث بنتے تھے، نہ کہ ان کے رشتہ دار، یہ نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ بھائی چارے کی وجہ سے تھا، پھر جب یہ آیت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نازل ہوئی تو اس نے سابقہ حکم منسوخ کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ (نساء: ۳۳) اس سے مراد تائید ونصرت اور خیر خواہی ہے، اس طرح کی میراث کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، البتہ وصیت کی جا سکتی ہے۔ لیکن بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ موالاۃ کے ذریعے سے بھی وَلاء ثابت ہو جائے گی، یہ سفیان اور اور اصحاب الرائے کا خیال ہے، ابراہیم نے کہا: جب ایک آدمی دوسرے آدمی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو اس کے لیے اس کی میراث بھی ہوگی اور وہ اس کی طرف دیت بھی ادا کرے گا، اسحاق کا قول بھی یہی ہے، اس رائے کی دلیل یہ ہے: سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس آدمی کے بارے میں کیا سنت ہے جو مشرکوں میں سے کسی مسلمان آدمی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاتِهِ ومَمَاتِهِ)) ......''وہ مسلمان اس کی زندگی اور موت دونوں میں اس کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔'' (حسن صحیح، ابوداود: ۲۹۱۸، ابن ماجہ: ۲۷۵۲، ترمذی: ۲۱۱۲)

امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ اس میں میراث کا ذکر بھی نہیں ہے، البتہ جہاں یہ احتمال ہے کہ اس کا تعلق میراث سے ہوسکتا ہے، وہاں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا تعلق میراث کے علاوہ دوسرے حقوق مثلاً تائید ونصرت اور نیکی کے ساتھ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔''

اگر کوئی یہودی اور عیسائی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس کی وَلاء تو ثابت ہوگی، لیکن وہ اختلافِ دین کی وجہ سے وارث نہیں بن سکے گا، جیسے اختلافِ دین کی وجہ سے نسبی رشتہ دار بھی وارث نہیں بنتے، اگر آزاد کنندہ مسلمان ہو جائے اور پھر آزاد شدہ مسلمان مرے تو وہ وارث بنے گا، لیکن امام مالک نے کہا: کسی صورت میں اس کے لیے ولاء ثابت نہیں ہوگی اور اس کی میراث مسلمانوں کے لیے ہوگی، لیکن اگر یہودی نے یہودی کو آزاد کیا، پھر آزاد کنندہ مسلمان ہو گیا تو اس کی ولاء باطل نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اگر آزاد شدہ معتق کے اسلام کے بعد فوت ہوا تو تب بھی آزاد کنندہ وارث بنے گا، اگر آزاد کنندہ کا بیٹا مسلمان ہو اور آزاد شدہ اپنے آزاد کنندہ سے پہلے مسلمان ہو کر مر جائے تو بالاتفاق وہ مسلمان بیٹا اس کا وارث بنے گا، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنا عیسائی غلام آزاد کیا، پھر وہ مر گیا تو عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جائے۔

(٢٢٢٤)۔ أَخْبَرَنَاعَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا آدمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ، وَقَتَادَةُ......

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔)) أَوْ كَمَا قَالَ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں کا غلام ان ہی میں سے ہوتا ہے۔“ یا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(6)......بَابُ جَرِّ الْوَلَاءِ

نسبتِ ولاء حاصل کرنا

(٢٢٢٥)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، نَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، نَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، نَا الْعَلاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَاهُ يَعْقُوبَ تَزَوَّجَ أُمَّ عَبْدِ الرَّحْمنِ، فَوَلَدَتْهُ، وَكَانَ يَعْقُوبُ مُكَاتِبًا لأَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ، وَكَانَتْ أُمُّ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلاةً لِرَجُلٍ مِنَ الْحُرَقَةِ، فَاخْتَصَمَا إِلَى

علاء بن عبد الرحمٰن اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ یعقوب نے عبد الرحمٰن کی والدہ سے نکاح کیا اور اس نے عبد الرحمٰن کو جنم دیا۔ یعقوب، اوس بن حدثان کے مکاتب غلام تھے اور ام عبد الرحمٰن قبیلہ حرقہ کے ایک شخص کی

(٢٢٢٤) أخرجه البخاري: ٦١٦٧.

(٢٢٢٥) رجاله ثقات غير أن محمد بن إسحاق قد عنعن وهو مدلس...... أخرجه الدارمي في "مسنده": ٣٢١٧.

عُثْمَانَ فِي وِلايَتِهِ، فَقَضَى عُثْمَانُ أَنَّ مَا وَلَدَتْ أُمُّ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَيَعْقُوبُ مُكَاتَبٌ فَهُوَ لِلْحُرَقِيِّ، وَمَا وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهِ، فَهُوَ لأَوْسٍ۔

آزاد کردہ لونڈی تھی۔ وہ دونوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں جھگڑا لے کر پیش ہوئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فیصلہ فرمایا کہ ام عبدالرحمٰن نے جو بچے یعقوب کی غلامی کے دور میں جنم دیے۔ ان کا مالک حرقی شخص ہوگا اور جو بچے یعقوب کی آزادی کے بعد جنم دیے ان کا مالک اوس بن حدثان ہوگا۔

شرح امام صاحب کہتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب ماں کو کسی شخص نے آزاد کیا ہو لیکن باپ غلام یا مکاتب ہو تو بچے کی ولا کی نسبت کے حقدار ماں کے آزاد کندہ ہوں گے لیکن اگر باپ آزاد ہو جائے تو بچوں کی نسبت ولا باپ کے آزاد کندگان کو ملے گی خواہ بچہ باپ کی آزادی سے پہلے پیدا ہوا یا بعد میں، اگر بچہ باپ کے آزاد ہونے سے پہلے مر گیا اور بچے کی وراثت ماں کے آزاد کندگان نے حاصل کر لی پھر باپ آزاد ہو گیا تو ماں کے آزاد کندگان سے وہ وراثت واپس نہیں لی جائے گی کیونکہ اس دن کو مدنظر رکھا جائے گا جس دن بچہ فوت ہوا اور اس دن باپ کے آزاد کندگان بچے کی ولا کے حقدار نہیں تھے۔

مروی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا جبکہ اس غلام کی بیوی آزاد تھی اور اس سے اس کے بیٹے تھے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے ان کی ولا کا حقدار میں ہوں اور ان کی ماں کے آزاد کندگان کہنے لگے ان کی ولا کے حقدار ہم ہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان بچوں کی ولا کا فیصلہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا۔

مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! جو عورت آزاد ہو اور اس کا خاوند غلام ہو اور وہ اس کے بچوں کو جنم دے، پھر باپ آزاد ہو جائے تو ان بچوں کی ولا باپ کے آزاد کرنے والوں کو ملے گی، جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ اگر دادا آزاد ہو اور باپ غلام ہو تو جمہور علماء کے ہاں بچے کی ولا کے حقدار دادا کے آزاد کندگان ہوں گے۔ امام مالک، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت کچھ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔

(7)......بَابُ الْوَلَاءُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ

ولا کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے

(۲۲۲۶)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

(۲۲۲۶) أخرجه البخاري: ۲۵۳۵، ومسلم: ۱۵۰۶، وابوداود: ۲۹۱۹، والنسائي: ٤٦٥٧، والترمذي: ۱۲۳٦، وابن ماجه: ۲۷٤۷، والامام احمد: ٤٥٦٠.

سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولا کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔

(٢٢٢٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ بَيْعِ الْوَلاءِ وعَنْ هِبَتِهِ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

شرح امام صاحب کہتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ولا کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ وراثت ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی بنا پر وارث بنایا جا سکتا ہے جیسے نسب وراثت میں تو نہیں دیا جاتا لیکن اس کی وجہ سے آدمی وارث بن جاتا ہے۔ دور جاہلیت میں عرب ولا کو بیچا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

(٢٢٢٨)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ......

عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ الْعَاصِيَ بْنَ هِشَامٍ هَلَكَ وَتَرَكَ بَنِينَ لَهُ ثَلاثَةً: اثْنَانِ لأُمٍّ، وَرَجُلٌ لِعَلَّةٍ، فَهَلَكَ أَحَدُ اللَّذَيْنِ لأُمٍّ، وَتَرَكَ مَالا وَمَوَالِيَ، فَوَرِثَ أَخُوهُ الَّذِي لأَبِيهِ وَأُمِّهِ مَالَهُ وَوَلاءَهُ مَوَالِيهِ، ثُمَّ هَلَكَ الَّذِي وَرِثَ الْمَالَ، وَوَلاءَ الْمَوَالِي، وَتَرَكَ ابْنَهُ وَأَخَاهُ لأَبِيهِ، فَقَالَ ابْنُهُ: قَدْ أَحْرَزْتُ مَا كَانَ أَبِي أَحْرَزَ مِنَ الْمَالِ، وَوَلاءِ الْمَوَالِي، وَقَالَ أَخُوهُ: لَيْسَ كَذلِكَ، إِنَّمَا أَحْرَزْتَ الْمَالَ،

عبدالمالک بن ابوبکر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عاصی بن ہشام تین بیٹے چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ دو ایک ماں سے تھے اور تیسرے کی ماں الگ تھی، دونوں میں سے ایک فوت ہو گیا اور کچھ مال اور غلام چھوڑ گیا تو اس کا حقیقی بھائی جو کہ ماں باپ کی طرف سے تھا اس کے مال، ولا اور آزاد کردہ غلاموں کا وارث بن گیا، پھر یہ بھی فوت ہو گیا جو وارث بنا تھا اور ایک بیٹا اور علاتی بھائی چھوڑ گیا۔ اس کا بیٹا کہنے لگا: مال اور آزاد کردہ غلاموں کی ولا مجھے ملے گی جو کہ میرے باپ کے ہیں اور بھائی کہنے لگا: مال تو تجھے ملے گا

(٢٢٢٧) انظر الحديث السابق.

(٢٢٢٨) اسناده صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ٢/ ٧٨٤، والشافعى فى "مسنده": ٦٨٣، والبيهقى فى "السنن الكبرى": ٢١٤٩٢.

وَأَمَّا وَلاءُ الْمَوَالِي فَلا ، أَرَأَيْتَ لَوْ هَلَكَ أَخِي الْيَوْمَ أَلَسْتُ أَرِثُهُ؟ فَاخْتَصَمَا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ، فَقَضَى لأَخِيهِ بِوَلاءِ الْمَوَالِي۔

لیکن ولا تجھے نہیں ملے گی کیونکہ بالفرض اگر میرا بھائی آج فوت ہوتا تو کیا میں اس کا وارث نہ بنتا؟ چنانچہ دونوں اپنا جھگڑا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے ولا کا فیصلہ بھائی کے حق میں کیا۔

شرح: امام شعبی، سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا زید رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ولاء بڑے کو ملے گی یعنی جو باپ یا ماں کی طرف سے آزاد کرنے والے کا زیادہ قریبی ہوگا۔

امام صاحب کہتے ہیں: اس حدیث میں وضاحت ہے کہ ولا کو وراثت نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کا وارث وہی ہوگا جو آزاد کرنے والے کا وارث بن رہا ہے۔ اگر آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کی موت ایک ہی دن تسلیم کی جائے۔ مذکورہ مسئلہ میں ولا کا وارث علاتی بھائی بنا کیونکہ اگر آزاد کرنے والا اسی دن فوت ہوجاتا تو اس کی وراثت اخیافی بھائی کو ملتی نہ کہ بھتیجے کو، اگر ایک آدمی نے غلام کو آزاد کیا اور تین بیٹے چھوڑ کر مر گیا، پھر وہ بیٹے دس بیٹے چھوڑ کر مر جاتے ہیں، ایک کے دو بیٹے، دوسرے کے تین اور تیسرے کے پانچ۔ اب یہ آزاد کردہ غلام مر گیا تو اس کی وراثت ان کے مابین دس حصوں میں تقسیم ہوگی کیونکہ اس غلام کو آزاد کرنے والا (ان کا دادا) اگر آج فوت ہوتا تو یہ سب اس کی وراثت میں برابر کے حصہ دار ہوتے۔ اگر یہ واضح ہو جائے کہ آزاد کردہ غلام کے پاس پرانا مال ہے تو وہ مال ان بیٹو ں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا کیونکہ وہ ان کے باپوں کی وراثت ہے جو ان کے دادا کی طرف سے ملی ہے پھر ایک کو ایک حصہ ملے گا پھر وہ حصہ ان کی اولاد میں تقسیم ہو جائے گا۔ قاضی شریح کہا کرتے تھے کہ ولا بھی مال کی طرح وراثت بن جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں آزاد کردہ غلام کا مال ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا، نیز فرماتے ہیں: اگر ایک آدمی نے غلام آزاد کیا اور دو بیٹے چھوڑ کر مر گیا پھر ایک بیٹا بھی مر گیا اور ایک بیٹا چھوڑ گیا پھر آزاد کردہ غلام مر گیا تو اس غلام کی آدھی وراثت آزاد کرنے والے شخص کے بیٹے کو ملے گی اور آدھی پوتے کو ملے گی جبکہ جمہور کے نزدیک ساری کی ساری وراثت بیٹے ہی کو ملے گی۔

(8) ...... بَابُ مِيرَاثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ

ذوی الارحام کی وراثت

(۲۲۲۹)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ......

(۲۲۲۹) أخرجه البخاري: ٦٧٦٢ ، ومسلم: ١٠٥٩ .

عَـنْ أَنَـسٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ أَوْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھانجا بھی اسی قوم کا فرد ہوتا ہے یا یوں فرمایا کہ انہی میں سے ہوتا ہے۔''

(۲۲۳۰)۔ أَخْبَـرَنَـا الإمـامُ أَبُـو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُـحَـمَّـدِ بْـنِ مَـحْـمِشٍ الزِّيَادِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الدَّارَبِجِرْدِيُّ ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْهَوْزَنِيِّ......

عَـنِ الْمِقْدَامِ الْكِنْدِيِّ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُـؤْمِـنٍ مِنْ نَفْسِهِ ، فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا ، أَوْ ضَيْعَةً فَـإِلَيْـنَا ، وَمَنْ تَرَكَ مَالا فَلِوَرَثَتِهِ ، وَأَنَا مَوْلَى مَـنْ لا مَـوْلَـى لَـهُ أَرِثُ مَـالَهُ ، وَأَفُكُّ عَانَهُ ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَن لا وَارِثَ لَهُ ، يَرِثُ مَالَهُ ، وَيَفُكُّ عَانَهُ۔))

مقدام کندی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر مومن پہ اس کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں ، جو قرض یا نابالغ اولاد چھوڑ گیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے ورثاء کا ہے ، میں ہر اس شخص کا قریبی ہوں جس کا کوئی قریبی نہ ہو، اس کے مال کا وارث بنوں گا اور اس کے قیدی کو آزاد کراؤں گا جس کا کوئی وارث نہ ہو تو ماموں اس کا وراث ہوتا ہے، وہ اس کے مال کا وراث ہوگا اور اس کے قیدی کو آزاد کرائے گا۔''

شرح: (یفك عانه) اصل عبارت (عانیه) ہے، یا حذف ہوگئی ہے، ''العانی'' قیدی کو کہتے ہیں، اس سے مراد وہ قیدی ہے جو بسبب شرعی سزاؤں کے آزاد کرنا پڑتا ہے اور قتل وغیرہ میں قاتل کی برادری پر اس کی آزادی کی ذمہ داری پڑتی ہے جیسا کہ شعبہ عن بدیل بن میسرہ والی سند سے مروی روایت میں مذکور ہے۔ وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث بھی بنے گا۔ (حسن صحیح، ابو داؤد: ۲۸۹۹، ابن ماجه: ۲٦۳٤)

یہ حدیث مبارکہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو ذوی الارحام کو وارث بنائے جانے کے قائل ہیں۔ ''ذوی الارحام'' کی فہرست میں بیٹیوں کی اولاد، نانا، بہنوں کی اولاد، بھائی کی بیٹیاں، چچا کی بیٹیاں، اخیافی چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ آتے ہیں۔

فائدہ: میت کے وہ تمام تعلق دار جو اصحاب الفروض یا عصبہ نہیں ہوتے انہیں ''ذوی الارحام'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ع،س)

(۲۲۳۰) حديث صحيح ...... أخرجه ابوداود: ۲۹۰۰ .

اہل علم کے مابین ان کی وراثت کی بابت اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کو میت کی وراثت سے کچھ نہیں ملے گا بلکہ ایسی میت جس کا کوئی وارث اور جانشین نہ ہو اس کا مال بیت المال کے سپرد کر دیا جائے گا کیونکہ تمام مسلمانوں کو اخوت اسلام کا رشتہ اپنے اندر پروئے ہوئے ہے اور وہ سب اس تعلق کی بنا پر وارث ہیں۔ مندرجہ صدر موقف کے قائل سیدنا ابو بکر، زید بن ثابت، ابن عمر رضی اللہ عنہم نیز یہی موقف امام زہری، اوزاعی، مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ ان بزرگوں نے سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی یہ تاویل اور وضاحت کی ہے کہ فوت شدہ کا کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں اپنے ماموں کو بطور تحفہ کچھ نہ کچھ دے دیا اور اسے مجازاً وارث کہہ دیا یعنی میت کے مال کو اس کی طرف لوٹا دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماموں، بھانجے کی طرف سے دیت ادا کرنے کا پابند نہیں تو پھر وہ وارث بھی نہیں بنے گا۔ اہل علم کی ایک کثیر تعداد کا موقف ہے کہ وارث نہ ہونے کی صورت میں ''ذوی الارحام'' وارث بنیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اس کے قائل ہیں۔ امام شعبی، ثوری اور اہل رائے کا بھی یہی موقف ہے۔ ایسی صورتحال میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو (مولی العتاقہ) غلام کرنے والے پر فوقیت کے قائل ہیں جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مولی العتاقہ کو پہلے وراثت میں حقدار قرار دیتے ہیں بعد ازاں ذوی الارحام کو۔ مذکورہ فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں۔ نیز وہ خاوند بیوی کے علاوہ، باقی الاصحاب الفروض جیسے بیٹی، ماں، بہن پر ردّ (دوبارہ تقسیم کرنے کو) ان ذوی الارحام پر مقدم سمجھتے ہیں جو اصحاب الفروض میں نہیں آتے اور یہ مال اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ جو مال اصحاب الفروض کے حصوں سے بچ جائے گا وہ ان کے حصوں کے مطابق ان پر تقسیم کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی پر ردّ نہیں ہوگا بلکہ بیٹی کو آدھا ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا جو باقی بچ جائے۔ اسی طرح ماں کی موجودگی میں اخیافی بھائی پر بھی ردّ نہیں ہوگا بلکہ دونوں کا حصہ ادا کر دینے کے بعد جو بھی باقی بچے گا وہ ماں کو ہی ملے گا۔ دادی کے ساتھ اگر اصحاب الفروض میں سے کوئی اور وارث موجود ہو تو دادی پر بھی ردّ نہیں ہوگا۔

اصحاب الفروض کو وراثت دینے میں مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ ورثاء مقدم ہوں گے جو میت کی طرف سے منسوب ہوں، جیسے بیٹی کی اولاد، پھر ان ورثاء کا نمبر آتا ہے جن کی طرف میت منسوب ہے جیسے نانا نانی اس کے بعد میت کے بھائیوں کی جہت کو معتبر مانا جائے گا اور اس کے بعد ددھیال اور ننھیال میں سے جو رشتہ دار میت کے زیادہ قریبی ہوں ان کے بھائیوں کی جہت کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ عصبات کی وراثت میں ہوتا ہے۔ جب تک میت کی بیٹیوں کی اولاد میں سے کوئی ایک وراثت بھی باقی ہے تو نانا کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح نانا نانی میں سے کسی کی موجودگی میں بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور بھائیوں، بہنوں کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کی موجودگی میں بھی پھوپھی، ماموں اور خالہ کو کچھ نہیں ملے گا، بیٹیوں کی اولاد میں سے جو میت کے زیادہ قریبی ہو اس کو وراثت میں مقدم رکھا جائے گا۔ خواہ

وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر میت کے ساتھ قرب میں سب برابر ہیں تو پھر وارث کے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو سبھی وراثت میں شریک ہوں گے، نیز اگر وہ ملے جلے ہوں تو وراثت ان میں اس اصول کے مطابق تقسیم ہو گی کہ مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا۔

نانا نانی کو وارث بنانے میں جو میت کے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم رکھا جائے گا۔ اگر سب برابر ہیں تو پھر وارث کے قرب کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا بلکہ دوتہائی اس وارث کو دیا جائے گا جو میت کی طرف سے وارث بن رہا ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور ایک تہائی اس وارث کو دیا جائے گا جو میت کی ماں کی جانب سے ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ پھر جس طرف وارث ایک سے زیادہ ہوں گے تو وہی دوتہائی یا ایک تہائی ان کے مابین تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ مرد عورت ہیں تو تقسیم لذکر مثل حظ الانثیین کے اعتبار سے ہی ہو گی۔

بھتیجی اور بہنوں کی اولاد میں سے جو میت کے زیادہ قریبی ہو گا اس کو وراثت میں زیادہ مقدم رکھا جائے گا خواہ وہ ماں کی جانب سے ہوں یا باپ کی جانب سے ہوں یا دونوں جانب سے۔ اگر سب کا مرتبہ برابر ہو تو پھر ان کو مقدم رکھا جائے گا جو وارث کے قریبی ہیں خواہ وہ کسی بھی جانب سے ہوں۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہیں تو پھر وہ وارث مقدم ہوں گے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں پھر وہ جو صرف باپ کی طرف سے ہوں اور پھر وہ جو صرف ماں کی طرف سے۔ اسی طرح پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد میں سے جو میت کے زیادہ قریبی ہیں ان کو وراثت میں مقدم رکھا جائے گا خواہ وہ ماموں کی جانب سے ہوں یا پھوپھی اور چچا کی جانب سے۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہیں تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اگر سب رشتہ دار ایک ہی جانب سے ہوں یعنی چاچے، پھوپھیاں اور ان کی اولاد یا ماموں، خالائیں اور ان کی اولاد تو ان کو مقدم رکھا جائے گا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں پھر جو صرف باپ کی طرف سے ہوں اور پھر وہ جو صرف ماں کی طرف سے ہوں اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو سب کے سب وراثت میں برابر کے شریک ہوں گے اگر مرد عورت دونوں طرح کے ورثاء ہوں تو پھر مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا۔ اگر ماں اور باپ دونوں جانب کے رشتہ دار موجود ہوں تو مال تین حصوں میں تقسیم ہو گا دو حصے باپ کے رشتہ داروں کو اور ایک حصہ ماں کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا اور وہ حصے سب سے پہلے ان رشتہ داروں کو دیے جائیں گے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں، پھر جو باپ کی طرف سے ہوں اور پھر جو ماں کی جانب سے ہوں۔ اس میں اگرچہ فقہاء کے درمیان اختلاف موجود ہے تاہم مشہور مذہب یہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خالہ کو تیسرا حصہ اور پھوپھی کو دوتہائی دیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خالہ بمنزلہ ماں اور پھوپھی بمنزلہ باپ اور بھتیجی بمنزلہ بھائی ہے، چنانچہ جب وارث خود موجود نہ ہو تو ہر رشتہ دار اسی رشتہ کی جگہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ میت کی طرف منسوب ہوتا ہے مسروق بھتیجی اور ماموں کے متعلق کہتے ہیں کہ ماموں کو اس کی بہن کا حصہ ملے گا اور بھتیجی کو اس کے باپ کا۔

(9)......بَابُ الرَّجُلُ يَمُوتُ وَلَا وَارِثَ لَهُ

جو آدمی لا وارث مر جائے

(۲۲۳۱)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدٍ الضَّحَّاكِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ الإِسْفَرَايِينِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَبَّاسِ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينُ بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدَ بْنَ وَرْدَانَ يُحَدِّثُ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ مَوْلًى لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ، فَجَاءُ وا بِمِيرَاثِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَهٰهُنَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ؟)) قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: ((أَعْطُوهُ إِيَّاهُ))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام فوت ہو گیا، لوگ اس کا مال وراثت لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: ”کیا یہاں اس کی بستی کا کوئی آدمی موجود ہے؟“ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مال اس کو دے دو۔“

شرح: یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے: أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ، وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا، وَلا حَمِيمًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَعْطُوا مِيرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ۔))...... نبی ﷺ کا ایک غلام فوت ہو گیا، نہ کوئی وارث چھوڑ گیا اور نہ کوئی دوست تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس کی وراثت اس کی بستی کے کسی آدمی کو دے دو۔“

سیدنا عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک آدمی کی وراثت موجود ہے اور مجھے کوئی ازدی نہیں ملا میں جس کے حوالے کر دوں۔ آپ نے فرمایا: ”جاؤ اور ایک سال تک کسی ازدی کو تلاش کرو۔“ سال بعد وہ آدمی دوبارہ آیا اور کہنے لگا: مجھے کوئی ازدی نہیں ملا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھو اور بنوخزاعہ کا جو آدمی آپ کو سب سے پہلے ملے، یہ مال اس کے حوالے کرو۔“ جب وہ واپس مڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس آدمی کو واپس بلاؤ۔“ جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھو، بنوخزاعہ کے کسی بڑے آدمی کے حوالے کرو۔“ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ”بنوخزاعہ کے سب سے بڑے آدمی کے حوالے کر دو۔“ (ضعیف، ابوداود: ۲۹۰۴، مسند احمد: ۲۲۹۴۴)

(۲۲۳۱) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ۲۹۰۲، وابن ماجه: ۲۷۳۳، والترمذي: ۲۱۰۵، واحمد: ۲۵۰۵٤.

امام صاحب کہتے ہیں: علماء کے نزدیک یہ حکم بطور وراثت نہیں تھا بلکہ جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال مسلمان عوام کا ہے جبکہ حاکم وقت جہاں مناسب سمجھے گا استعمال کرے گا، چنانچہ اسی اعتبار سے نبی ﷺ نے یہ مال اس کے قبیلے والوں کو دے دیا۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((الْمَرْأَةُ تَحُوزُ ثَلَاثَ مَوَارِيثَ: عَتِيقَهَا وَلَقِيطَهَا، وَوَلَدَهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَلَيْهِ۔)) ''عورت تین وراثتیں سمیٹتی ہے (۱) جسے اس نے آزاد کیا (۲) راستے سے ملنے والا بچہ (۳) لعان والا بچہ۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۹۰۶، ترمذی: ۲۱۱۵، مسند احمد: ۱۶۰۰۴)

تاہم یہ حدیث علمائے روایت کے ہاں ثابت نہیں ہے البتہ علماء کا اس بات کا اتفاق ہے کہ وہ اس شخص کو وراثت بنائے گی جس کو اس نے آزاد کیا ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ گرے ہوئے بچے کو اٹھانے سے اٹھانے والے کی ولاء ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آپ نے ولاء صرف آزاد کرنے ولے کیلئے ہی ثابت کی ہے البتہ اسحاق بن راھویہ لقیط کی ولاء کے قائل تھے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ایک شخص لعان کے ذریعے ایک بچے کا انکار کر دیتا ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے کیونکہ وراثت کا سبب نسب ہے اور لعان کو وجہ سے نسب ختم ہو جاتا ہے چونکہ ماں کے ساتھ اس کا نسب ثابت ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ماں کی وراثت کس طرح ہوگی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ماں زندہ ہے تو اس کے سارے مال کی وہ وارث بنے گی اور اگر فوت ہو چکی ہے تو یہ مال اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ نخعی، شعبی، مکحول اور سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ اکیلی ماں ہی اس کی ماں اور باپ کے قائم مقام بنے گی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا کوئی عصبہ نہیں اس کی ماں عصبہ بن جاتی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی ماں اس کی وارث اور عصبہ بنتی ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں: ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور باقی ماں کے عصبہ کو ملے گا اگر میت کا بھائی موجود ہو تو اس کو چھٹا حصے ملے گا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی ماں اخیافی بھائی اور ماں کا عصبہ اس کے وارث بنے گے۔ اگر کوئی شخص اس تہمت لگائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے۔

امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں اگر اس کی ماں آزاد ہے یا عربی النسل ہے تو اسے تیسرا حصہ ملے گا، باقی بیت المال میں جائے گا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سلمان بن یسار، عمر بن زبیر اور زہری کا بھی یہی مذہب ہے اور اگر ماں آزاد شدہ ہے تو تیسرا حصہ ماں کو ملے گا، باقی اس کے آزاد کرنے والوں کو ملے گا۔ اگر میت کے بھائی ہوں تو وہ بھی وارث بنیں گے۔ اگر کہا جائے کیا وجہ ہے کہ تم نے باقی مال ماں کے آزاد کرنے والے عصبہ کو دیا جبکہ انہوں نے عصبہ نسبی کو دیا تو ہم کہیں گے یہ ایسے بھی ہے جیسے اگر باپ غلام ہو تو ماں کے حصہ سے زائد مال ماں کو آزاد کرنے والوں کو ملے گا نہ کہ عصبہ نسبی کو۔ سیدنا

علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا عصبہ بھی وہی ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے۔ اہل رائے کہتے ہیں کہ لعان والی عوت کے بیٹے کی وراثت بھی عام میت کی مانند ہی تقسیم ہوگی۔ البتہ اس کا کوئی عصبہ نہیں ہے ماں کو حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ ماں پر ہی رد کر دیا جائے گا۔ اگر ماں کے ساتھ کوئی اور حصہ دار بھی موجود ہو تو باقی مال ان پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ اگر لعان والی عورت کا بیٹا نانی اور اخیافی بھائی چھوڑ جائے تو سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے مطابق نانی کو تیسرا حصہ اور بھائی کو دو تہائی حصہ ملے گا جبکہ زید رضی اللہ عنہ کے ہاں نانی کو چھٹا، بھائی کو تیسرا حصہ اور باقی بیت المال میں جائے گا۔ ولد زنا زانی کا وارث نہیں بن سکتا نہ زانی ہی اس کا وارث بن سکتا ہے۔ علماء کے نزدیک ولد ملاعنہ کی طرح اس کا تعلق بھی صرف ماں ہی سے ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ولد زنا کے اولیاء کو کہا تھا کہ اپنے بیٹے کو لے لو، تم اس کے وارث بنو گے، اس کی دیت ادا کرو گے لیکن وہ تمھارا وارث نہیں بنے گا۔

(10)......بَابُ الْأَسْبَابِ الَّتِيْ تَمْنَعُ الْمِيْرَاثَ

وراثت سے مانع اسباب

(٢٢٣٢)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بكرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ......

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔))

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ کافر مسلمان کا۔''

شرح: جمہور صحابہ اور تابعین کا عمل اسی پر ہے کہ نہ تو کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا کیونکہ ان کے مابین کوئی ولدیت باقی نہیں رہی البتہ سیدنا معاذ اور معاویہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے البتہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، ابراہیم نخعی سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے نکاح کر سکتا ہے جبکہ کافر مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اسحاق بن راھویہ اسی کے قائل ہیں۔ اختلاف دین کے باوجود کافر ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں، مثلاً یہودی عیسائی کا

(٢٢٣٢) أخرجه البخاري: ٦٧٦٤، ومسلم: ١٦١٤.

وارث بن سکتا ہے،عیسائی مجوسی اور مشرک کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ پورا کفر ایک دین ہے اور ان کا باہمی اختلاف ایسے ہی ہے جیسے مسلمانوں میں پایا جانے والا فقہی اختلاف،جمہور علماء اسی کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (سورۂ انفال: ۷۳) ''سب کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' کچھ علماء کافروں کے مابین دینی اختلاف کو بھی مانع وراثت سمجھتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک یہودی عیسائی کا وارث نہیں بن سکتا، نہ عیسائی مجوسی کا۔ یہ قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، زہری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، اور اسحاق سے مروی ہے۔ ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

(۲۲۳۳)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمَشٍ الزِّيَادِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الدَّارَبِجِرْدِيُّ ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، أَخْبَرَنَا حَبِيبٌ الْمُعَلِّمُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتَّى۔))

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو مختلف دینوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔''

شرح: جو لوگ اس کو جائز سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد کفر اور اسلام ہے۔ باقی رہا کفر تو وہ سب ایک ہی دین ہے، چنانچہ ان کا ایک دوسرے کا وارث بننا دو الگ دینوں پر محمول نہیں ہوگا۔ مرتد کسی کا وارث نہیں بنتا۔ نہ مسلمان کا نہ کافر کا نہ مرتد کا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک اس کا مال متروک وراثت نہیں بلکہ فے ہوگا۔ اس قول کے قائل ابن ابی لیلیٰ، ربیعہ، مالک اور شافعی ہیں۔ کچھ علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس کی وراثت اس کے مسلمان رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی۔ یہ قول ،سیدنا علی، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ،حسن ،شعبی ،عمر بن عبد العزیز، اوزاعی، اسحاق، ابو یوسف اور محمد کا ہے۔ ایک مذہب کے مطابق جو مال اس نے اسلام میں رہ کر کمایا ہے وہ مسلمان ورثاء کو ملے گا اور جو مرتد ہونے کے بعد کمایا ہے وہ مال فے بن جائے گا۔ یہ قول سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کا ہے۔ قتادہ سے منقول ہے کہ مرتد کی وراثت ان لوگوں کو ملے گی جو اس دین پر ہیں جس میں یہ منتقل ہوا ہے جبکہ حدیث اس کی وراثت کے منع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں کفر کے مابین کوئی فرق نہیں۔ جب کوئی قیدی کافروں کی قید میں مر جائے تو جمہور علماء کے نزدیک وہ وارث بھی بنے گا اور اس کی وراثت تقسیم بھی کی جائے گی البتہ سعید بن مسیّب سے منقول ہے کہ قیدی وارث نہیں بنے گا۔

امام صاحب کہتے ہیں: وراثت سے مانع اسباب چار ہیں: (۱) اختلاف دین (۲) غلامی (۳) قتل (۴) اندھی موت۔

(۲۲۳۳) حسن ...... أخرجه ابوداود: ۲۹۱۱ ، وابن ماجه: ۲۷۳۱ ، واحمد: ٦٦٦٤ .

غلام نہ کسی کا وارث بنتا ہے نہ اس کا کوئی وارث بنتا ہے کیونکہ اس کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے خواہ وہ مدبر ہو ،مکاتب ہو،ام ولد ہو،یا مکمل غلام ہو۔جس غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو وہ کسی کا وارث نہیں بنتا البتہ اس کے آزاد ہونے کے برابر لوگ آدھے حصہ کے وارث بنیں گے۔ امام شافعی کے دوقولوں میں سے درست قول یہی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں بنتی لیکن بھتیجا پھوپھی کا وارث بنتا ہے۔ نانی ،نواسی کی وارث بنتی ہے جبکہ نواسی نانی کی وارث نہیں بنتی ،سیدنا علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو غلام آدھا آزاد ہو چکا ہو وہ آدھا وارث بھی بنے گا بیوی کا حصہ کم کردے گا یعنی بیوی کو چوتھائی کی بجائے سولھواں حصہ ملے گا،اسی طرح ماں کا حصہ بھی ایک تہائی سے کم کرکے بارہواں حصہ کردے گا۔قتل بھی مانع وراثت ہے۔

(۲۲۳۴)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ......

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، أَنَّ رَجُلا مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ، يُقَالُ لَهُ قَتَادَةُ حَذَفَ ابْنَهُ بِسَيْفٍ، فَأَصَابَ سَاقَهُ، فَنُزِيَ فِي جُرْحِهِ، فَمَاتَ، فَقَدِمَ سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اعْدُدْ لِي عَلَى مَاءِ قُدَيْدٍ عِشْرِينَ وَمِائَةَ بَعِيرٍ حَتَّى أَقْدَمَ عَلَيْكَ، فَلَمَا قَدِمَ عَلَيْهِ عُمَرُ أَخَذَ مِنْ تِلْكَ الإِبِلِ ثَلاثِينَ حِقَّةً، وَثَلاثِينَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعِينَ خَلِفَةً، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ أَخُو الْمَقْتُولِ؟ فَقَالَ: هَا أَنَا ذَا، فَقَالَ: خُذْهَا، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ۔))

عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ بنو مدلج کا ایک آدمی،جس کا نام قتادہ تھا،اس نے اپنے بیٹے کو پھینک کر تلوار ماری، جو اس کی پنڈلی پر لگی اور زخم سے خون بہنے کی وجہ سے وہ مر گیا،سیدنا سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں ماءقدید مقام پر آؤں تو مجھے 120اونٹ گنتی کر دینا، جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں گئے تو انہوں نے تیس حقہ، 30 جذعہ، 40 بچے والی اونٹنیاں لیں، پھر پوچھا کہ مقتول کا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں یہاں موجود ہوں تو آپ نے کہا: یہ اونٹ لے لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:''قاتل کو کچھ نہیں ملتا۔''

شرح: امام صاحب کہتے ہیں: ایک سو بیس اونٹ اس لیے لازم کیے کہ اس نے اپنے محرم کو قتل کیا تھا۔مروی ہے کہ جناب سعید بن مسیّب اور سلیمان بن یسار سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص حرمت والے مہینے میں قتل کر دے تو کیا

(۲۲۳۴) قال البيهقي: هَذِهِ مَرَاسِيلُ جَيِّدَةٌ يَقْوَى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ، وَقَدْ رُوِيَ مَوْصُولًا مِنْ أَوْجُهٍ ...... أخرجه ابوداود: ٤٥٦٤ ، لكن ذكر من هذا الحديث لفظة "لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ" فقط ، واسناده حسن .

اس سے دیت مغلظہ لی جائے گی تو انہوں نے جواب دیا: نہیں البتہ حرمت کو پامال کرنے کی بنا پر ان سے کچھ زائد وصول کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میری رائے کے مطابق ان دونوں کا مقصد یہی ہے کہ وہی دیت وصول کی جائے جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدلجی شخص سے وصول کی تھی جس نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تھا، حمید بن عبدالرحمٰن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قاتل وارث نہیں بن سکتا۔'' لیکن اس کی سند ضعیف ہے، تاہم جمہور اہل علم کا عمل یہی ہے کہ جو شخص اپنے مورّث کو قتل کر دے، وہ اس کا وارث نہیں بن سکتا۔ قتل کرنے والا بچہ ہو، مجنون ہو یا عاقل بالغ ہو، نیز قتل جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس قتل پر قصاص، دیت یا کفارہ واجب ہو وہ میراث سے مانع ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قتلِ خطا میراث سے مانع نہیں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے کیونکہ یہ قتل، قاتل کیلئے تہمت کا باعث نہیں ہے البتہ دیت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ حکم، عطاء اور زہری اسی کے قائل ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دیت میں بھی وہ وراث بنے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بچے کا قتل مانع میراث نہیں ہے۔ تاویلی قتل کے مانع ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے کسی باغی کا ساتھ دے دیا ہو، اور دوسرا عادل کا ساتھ دے رہا ہو دوران جنگ کوئی ایک دوسرے کو قتل کر دے تو کیا وہ وارث بنیں گے یا نہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے کہ وہ دونوں ہی قاتل ہیں۔ بظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے کہ ان کا قتل بالتاویل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر عادل اپنے باپ کو قتل کر دے تو وہ اس کا وارث بنے گا کیونکہ وہ حق پر ہے لیکن اگر باغی قتل کر دے تو وارث نہیں بنے گا کیونکہ ناحق ہے۔

اگر قاتل نے حد میں مقتول کو قتل کیا تو جمہور کے نزدیک یہ قتل مانع وراثت نہیں ہوگا۔ اگر کسی آدمی نے اپنے باپ کو زخمی کر دیا اور زخمی کرنے والا، زخمی ہونے والے سے پہلے مر گیا تو زخمی ہونے والا اس کا وارث بنے گا، کیونکہ قاتل کو وراثت سے اس لیے محروم کیا گیا ہے کہ وہ قصور وار ہے اور اس طرح وراثت کو جلدی وصول کرنا چاہتا ہے جبکہ زخمی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ جب وارث اور مورّث اندھی موت مارے جائیں مثلاً پانی میں ڈوب جائیں، یا ان پر کوئی عمارت گر جائے یا لاپتہ ہو جائیں اور ان کی موت کی خبر آ جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا تو کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں بنے گا بلکہ ہر ایک کی وراثت ان ورثاء کو ملے گی جو ان کی موت کے بعد زندہ ہوں۔ ربیعہ اپنے بہت سے علماء سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل، صفین اور حرہ کے مقتولین میں سے صرف ان لوگوں کو وراثت دی تھی جن کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے مورّث کے بعد قتل ہوئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے نسل در نسل مال کے تو وارث بنیں گے البتہ اس کے اپنے کمائے ہوئے مال کے وارث نہیں بنیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سمیت جمہور علماء کے نزدیک یہ لوگ جو ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے

باقیوں کیلئے میراث سے حاجب نہیں بنتے البتہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ حاجب بنیں گے وارث نہیں بنیں گے۔ اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کا وارث ماں کے پیٹ میں ہے تو اس کی میراث موقوف کر دی جائے گی۔ اگر تو وہ زندہ پیدا ہو گیا تو وراثت اس کو مل جائے گی اور اگر مردہ پیدا ہوا تو وراثت اس کو نہیں ملے گی بلکہ پہلے ورثاء ہی میں تقسیم ہو جائے گی۔ اگر وہ زندہ پیدا ہوا اور مر گیا تو اس کو وراثت ملے گی خواہ پیدائش کے بعد وہ چلایا یا نہیں چلایا جبکہ زندگی کی علامات مثلاً چھینک، سانس،، حرکت وغیرہ اس میں پائی گئی ہوں۔ سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ اگر وہ پیدائش کے بعد چلایا نہیں تو وہ وارث نہیں بنے گا۔ محمد بن سرین، شعبی نخعی قتادہ، زہری اور مالک اسی کے قائل ہیں۔ امام زھری فرماتے ہیں: میرے خیال میں چھینک مارنا بھی استھـــــلال (چیخنا) ہی ہے۔ ان لوگوں کی دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر بچہ چیخ پڑے تو اسے وارث بنایا جائے گا۔'' استہلال کا معنی آواز بلند کرنا ہے جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مراد زندگی کی علامات کا پایا جانا ہے جس کے لئے لفظ استہلال بولا گیا ہے کیونکہ عام طور پر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو چیختا ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر بچہ (پیدائش کے بعد) چیخ پڑے تو وہ وارث بھی بنے گا مورّث بھی بنے گا اور اس کا جنازہ بھی پڑھایا جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مخنث یعنی جس کے پاس مردانہ اور زنانہ دونوں اعضاء ہوں کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اسے پیشاب کی جگہ کے مطابق وارث بنایا جائے گا یعنی اگر اس کا آلہ پیشاب مردوں جیسا ہے تو اس کو مرد والا حصہ ملے گا اور اگر عورتوں جیسا ہے تو اسے عورت والا حصہ ملے گا اور اگر دونوں طرح کے آلات (مردانہ اور زنانہ) سے وہ پیشاب کرتا ہے تو وہ خنثی مشکل ہے اور اس کی وراثت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اسے دونوں حالتوں میں سے وہ وراثت ملے گی جو کم ہے نیز اگر دونوں حالتوں میں سے ایک حالت میں وہ وارث بنتا ہے دوسری میں نہیں بنتا تو اس کی وراثت موقوف ٹھہرے گی اور اگر دونوں حالتوں میں سے ایک حالت میں اسے وراثت کم ملتی ہے تو وہ وراثت اس کو دے دی جائے گی باقی روک لی جایئے گی۔ یہ قول امام شافعی کا ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وراثت روکی نہیں جائے گی بلکہ دیگر ورثاء کو دے دی جائے گی۔ امام شعبی، ابن ابی لیلیٰ، اور ثوری کہتے ہیں کہ مخنث کو آدھی مذکر والی وراثت ملے گی اور آدھی مؤنث والی ملے گی۔ جابر رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے بچے کی وراثت کے متعلق سوال کیا گیا جس کے پاس نہ تو مردانہ عضو ہے نہ زنانہ البتہ اس کی ناف سے گاڑھا پیشاب خارج ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا: اسے آدھا لڑکے کا حصہ ملے گا اور آدھا لڑکی کا۔ اگر کسی شخص میں وراثت کے دو سبب اکٹھے ہو جائیں تو اسے دونوں کے مطابق وراثت ملے گی، جیسے ایک عورت خاوند چھوڑ کر فوت ہوگئی جس نے اس کو آزاد کیا تھا تو خاوند کو نصف بسبب خاوند ہونے کے ملے گا اور باقی باعتبار ولاء مل جائے گا یا کوئی عورت اپنی ماں کو چھوڑ کر مرگئی جس نے اس کو آزاد کیا

تھا تو ماں کو تیسرا حصہ ماں ہونے کی وجہ سے ملے گا اور باقی ولاء کی وجہ سے۔ اگر کوئی شخص مر گیا اور چچا کے دو بیٹے چھوڑ گیا۔ ان میں سے ایک اخیافی بھائی بھی ہے تو اخیافی بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو گا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک فیصلہ کیا جس میں چچا کے دو بیٹے وارث بنتے تھے۔ ان میں سے ایک اخیافی بھائی بھی تھا اور دوسرا خاوند تو آپ نے خاوند کو نصف دیا، اخیافی بھائی کو چھٹا حصہ دیا اور باقی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چچا کے بیٹوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن میں ایک اخیافی بھائی بھی ہو سارے کا سارا مال اخیافی بھائی کو ملے گا آپ نے اس کو حقیقی بھائی کے قائم مقام رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ قول بتلایا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے، یقیناً وہ بھی فقیہ ہیں مگر میں تو اسے اللہ کے مقرر کردہ حصے سے زیادہ نہیں دے سکتا اسے چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ان میں برابر تقسیم ہو گا۔ اگر کسی شخص میں دو ایسی رشتہ داریاں جمع ہو جائیں جن کے حصول کا طریقہ اسلام میں جائز نہیں ہے مثلاً کوئی مجوسی اپنی بیٹی سے نکاح کرے اور اس سے بیٹا ہو گا وہ ماں اس بچے کی ماں ہی ہو گی، بہن بھی ہو گی، اس کی وراثت میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ اس کو دونوں وراثتیں ملیں گی۔ اگر بچہ باپ کے بعد فوت ہو جائے تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ماں ہونے کی وجہ سے ملے گا اور نصف بہن ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سفیان ثوری اور اصحاب الرائے بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ اس رشتے کی بنا پر وارث بنے گا جو زیادہ قوی ہے، چنانچہ اس عورت کو ماں ہونے کی وجہ سے تیسرا حصہ ملے گا اور بہن ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اگر زیادہ قوی رشتے کی بنا پر اس کو وراثت نہیں مل رہی تو پھر وہ دوسرے رشتہ کی بنا پر وارث بن جائے گی، مثلاً ایک شخص نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا اور اس سے بیٹی پیدا ہوئی، پھر اس نے نواسی سے نکاح کر لیا جس سے بیٹا پیدا ہوا تو پہلی عورت اس لڑکے کی بہن بھی ہو گی اور نانی بھی ہو گی جبکہ دوسری عورت اس کی ماں بھی ہو گی اور بہن بھی۔ اب اگر لڑکا مر گیا تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا باقی سب باپ کو ملے گا، نانی کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس کا بہن ہونے والا حصہ باپ کی موجودگی سے ساقط ہو گیا۔ اور نانی ہونے والا حصہ اس کی ماں کی موجودگی سے ساقط ہو گیا اگر وہ لڑکا باپ کی موت کے بعد مرا تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور نانی کو آدھا ملے گا بہن ہونے کی وجہ سے کیونکہ ماں، نانی کیلئے حاجب بن جاتی ہے اور اگر وہ لڑکا ماں کے مرنے کے بعد مرا تو نانی کو چھٹا حصہ ملے گا نانی ہونے کی وجہ سے البتہ بہن ہونے کی وجہ سے وہ وارث نہیں بنے گی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، زھری، مالک، شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

(11)...... بَابُ تَوْرِيثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

خاوند کی دیت سے بیوی کی وراثت

(۲۲۳۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ،

(۲۲۳۵) صحیح ...... أخرجه ابوداود: ۲۹۲۷، وابن ماجه: ۲٦٤۲، والترمذی: ۱٤۷٤، ۲۲٤۳، واحمد: ۱۵۷٤۵.

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ......

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، كَانَ يَقُولُ: الدِّيَةُ لِلْعَاقِلَةِ ، وَلا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتَّى أَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ يُوَرِّثَ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَتِهِ ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ عُمَرُ۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ کی ہوتی ہے اور بیوی کو خاوند کی دیت سے کچھ نہیں ملے گا، پھر ضحاک بن سفیان نے انہیں بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف لکھ بھیجا تھا کہ اشیم خیابی کی بیوی کو اس کی وراثت سے دیت دی جائے تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

شرح یہ حدیث دلیل ہے کہ دیت کا حقدار مقتول ہے، پھر باقی املاک کی طرح وہ بھی اس کے ورثاء میں منتقل ہو جائے گی۔ جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اخیافی بھائی، خاوند اور بیوی کو دیت میں وارث نہیں بناتے تھے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ دیت مقتول کا حق ہے تو پھر اگر ایک آدمی نے کسی کو زخمی کر دیا، زخمی ہونے والے نے زخم مندمل ہونے سے پہلے زخمی کرنے والے کی دیت کو معاف کر دیا اور وہ شخص اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گیا تو اس کی ایک تہائی دیت معاف ہوگی۔ یہ معاملہ ایسی خطا سے متعلق ہے جس میں دیت عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اور اس کا دیت معاف کرنا قاتل کو نکال کر باقیوں کے لئے وصیت قرار پائے گی، اگر قتل عمد ہے تو اس کا قصاص معاف کر دینا درست ہے اور اگر اس پر کوئی دیت واجب آتی ہے تو اس کی معافی قاتل کے حق میں وصیت سمجھی جائے گی اور درست مذہب کے مطابق ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ قاتل کو وراثت دینا صحیح نہیں۔ اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے تو بعض علماء جیسے امام شافعی اور اصحاب الرائے وغیرہ کے نزدیک تمام ورثاء اس کے قصاص کے حقدار ہیں، نیز وہ کہتے ہیں کہ اگر ان ورثاء میں سے کوئی ایک ہی قتل معاف کر دے خواہ مرد ہو یا عورت تو قصاص ختم ہو جائے گا البتہ باقیوں کو ان کے حق کے مطابق دیت ادا کی جائے گی۔

بعض علماء کہتے ہیں: جیسا کہ حسن بصری، نخعی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ کہ خاوند اور بیوی کے علاوہ باقی تمام ورثاء قصاص کے حقدار ہیں اور ان کے نزدیک خاوند یا بیوی ایک دوسرے کا قتل معاف نہیں کر سکتے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ قصاص کا حق صرف عصبہ کو ہے اور کوئی بھی عورت قصاص معاف نہیں کر سکتی۔ امام مالک، اوزاعی اور ابن شبرمہ اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد قذف بھی میراث ہے اور یہ اس آدمی کا حق ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے۔ اگر وہ معاف کر دے تو یہ ساقط ہو جائے گی جبکہ اصحاب الرائے کے مذہب کے مطابق یہ اللہ کا حق ہے اور باقی حدود کی مانند نہ

یہ میراث بن سکتی ہے اور نہ معاف کرنے سے ساقط ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مقتول کے اولیا میں سے اگر کوئی قریبی آدمی قصاص معاف کر دے تو باقیوں کو بھی قصاص نہیں لینا چاہیے خواہ معاف کرنے والی عورت ہی کیوں نہ ہو۔''

(12)......بَابُ تَوْرِيْثِ الْمَبْتُوْتَةِ

طلاق بتہ والی عورت کی وراثت

(٢٢٣٥)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح، وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا ابْنُ أَبِي رَوَّادٍ، وَمُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ......

أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ الْمَرْأَةَ فَيَبُتُّهَا، ثُمَّ يَمُوتُ وَهِيَ فِي عِدَّتِهَا، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ: طَلَّقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ تُمَاضِرَ بِنْتَ الأَصْبَغِ الْكَلْبِيَّةَ، فَبَتَّهَا، ثُمَّ مَاتَ وَهِيَ فِي عِدَّتِهَا، فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ، قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: وَأَمَّا أَنَا فَلا أَرَى أَنْ تَرِثَ مَبْتُوتَةٌ۔

ابن ابی ملیکہ نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے دے اور عدت پوری ہونے سے پہلے وہ آدمی مر جائے (تو اس کا کیا حکم ہے) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تماضر بنت اصبغ کلبیہ کو طلاق بتہ دے دی۔ ابھی وہ عدت میں تھی کہ آپ فوت ہو گئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وارث بنایا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے نزدیک طلاق بتہ والی عورت وارث نہیں بن سکتی۔

شرح: امام صاحب کہتے ہیں: اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو رجعی طلاق دے دے اور عدت پوری ہونے سے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دے اور عورت خاوند سے پہلے فوت ہو جائے تو خاوند کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر خاوند پہلے فوت ہو جائے تو بیوی کے وارث بننے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ وہ وارث نہیں بنے گی کیونکہ وراثت کا سبب نکاح ہے جو کہ ختم ہو چکا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر وہ تندرستی کی حالت میں اسے طلاق دے دیتا تو میراث ختم ہو جاتی۔ یہ قول عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔

(٢٢٣٥) صحيح ...... أخرجه الشافعي في "مسنده": ١٩٩، والبيهقي: ١٥١٢٨، والدارقطني: ٤٠٤٩.

اور ایک جماعت کا مذہب ہے کہ وہ وارث بنے گی۔ یہ قول سیدنا عثمان، سیدنا علی رضی اللہ عنہما، زہری، امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، اور اصحاب الرائے کا ہے۔ پھر امام مالک کہتے ہیں خواہ عدت ختم ہو جائے اور وہ آگے نکاح بھی کر لے تب بھی وارث بنے گی، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جب تک آگے نکاح نہ کرے وارث بن سکتی ہے اور اصحاب الرائے کہتے ہیں کہ جب تک عدت میں ہے وارث بن سکتی ہے۔ اگر عدت پوری ہونے کے بعد خاوند فوت ہو تو عورت کو وراثت نہیں ملے گی۔ شعبی کہتے ہیں: وراثت ملے گی تو ابن شبرمہ کہنے لگے: کیا عدت پوری ہونے کے بعد وہ آگے نکاح کر سکتی ہے؟ شعبی کہنے لگے: جی ہاں۔ ابن شبرمہ کہنے لگے: اگر دوسرا خاوند بھی فوت ہو جائے (تو کیا وہ پہلے کی وارث بنے گی یا دوسرے کی) چنانچہ شعبی نے اس قول سے رجوع کر لیا۔

(22)...... كِتَابُ النِّكَاحِ
نکاح کے احکام ومسائل

(1)......بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ
نکاح کرنے کی ترغیب کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾......''ہم نے آپ سے پہلے بہت رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔'' (سورۂ رعد:٣٨)

(٢٢٣٧)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ الطُّوسِيُّ بِهَا، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الإِسْفَرَايِينِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزْدَادَ بْنِ مَسْعُودٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَجَلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ......

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَصُمْ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ۔))

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح (کے اخراجات) کی اجازت پائے وہ نکاح کرے اس لیے کہ نکاح نظر کو نیچا کرتا ہے اور شرمگاہ کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور جو شخص اخراجات برداشت نہ کر سکے وہ روزے رکھے اس لیے کہ روزے اس کی شہوت کو کچل دیں گے۔''

شرح: لفظ ''البَاءَ ۃ'' نکاح سے کنایہ ہے، جماع کو بھی ''الباء ۃ'' کہا جاتا ہے۔ لفظ ''الباء ۃ'' کے لغوی معنی جگہ اور مقام کے ہیں، انسان تھک ہار کر رات کو جس جگہ بسیرا کرتا ہے اسے ''البـــاء ۃ'' کہتے ہیں، اس سے (مبـــاء ۃ الـغـنـم) کی اصطلاح ماخوذ ہے یعنی بکریوں کا باڑہ، جہاں وہ رات کے وقت جمع ہوتی اور پناہ حاصل کرتی ہیں، نکاح کو

(٢٢٣٧) أخرجه البخاري: ٥٠٦٥، ومسلم: ١٤٠٠.

اس لفظ سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی خاتون سے نکاح کرتا ہے تو وہ اسے گھر اور رہائش فراہم کرتا ہے اور وہ اسی کے پاس اقامت گزیں ہو جاتی ہے۔ لفظ (الـوِجَـاء) کے لغوی معنی خصیوں کو کاٹ دینے کے ہیں اور ”الـخِـصَاء“ کے معنی ان کو نکال دینے کے ہیں لیکن حدیث مبارکہ میں وارد الفاظ کا مطلب (خصی ہونا نہیں کہ اس کی اسلام میں اجازت نہیں بلکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے) عورتوں سے کنارہ کش رہنے اور نکاح کرنے سے مجتنب رہنے کے ہیں، خصی ہونے والا بھی اس کام سے دور ہو جاتا ہے اور نکاح نہ کرنے والا بھی۔

ایک حدیث مبارکہ میں مذکور ہے: ”روزے رکھو اور اپنے (سر کے) بالوں کو بڑھاؤ بلاشبہ (روزے رکھنا) جماع کی رغبت کو کم کر دیتا ہے۔“

(مـجـفـرۃ) کا معنی ہے جفتی یا جماع کی رغبت کو کم کر دیتا ہے اور مادہ منویہ میں کمی کا باعث ہے۔ جب کوئی اونٹ جفتی کی کثرت کی بنا پر ٹھنڈا ہو جائے اور پھر اس طرف بالکل آمادہ نہ ہو تو ”قـد جـفـر“ کے جملے سے اس کی حالت کو بیان کیا جاتا ہے یا کہا جاتا ہے: ”هُوَ جَافِرٌ“ یہ لفظ باب نصر سے آتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں اس شخص کے لیے نکاح کے مستحب ہونے کا بیان ہے جس کی طبیعت میں شادی کی طرف میلان، رغبت اور اشتیاق پایا جائے، نیز اس کو اسباب و وسائل بھی میسر ہوں۔ ایسی صورت میں اس کے لیے نکاح نہ کرنا مکروہ ہے، بعض اہل ظاہر کا خیال ہے کہ ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا واجب ہے، عام اہل اسلام کا موقف استحباب کا ہے۔

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں، حیا و شرم، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔“ (ضعیف، ترمذی: ۱۰۸۰)

(۲۲۳۸)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ، سَمِعَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، يَقُولُ:......

سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، يَقُولُ: رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ، وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا۔

جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو (نکاح سے) کنارہ کش رہنے کی اجازت نہ دی، اگر آپ اس کو اجازت عطا کر دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

شرح حدیث مبارکہ میں مذکورہ لفظ ”التبتـل“ سے مراد عورتوں سے کنارہ کش رہنے کے ہیں، پھر یہ لفظ

(۲۲۳۸) أخرجه البخاري: ۵۰۷۳، ومسلم: ۱۴۰۲.

گوشہ نشیں ہو کر اللہ اللہ کرنے اور تنہائی کی زندگی بسر کرنے پر بولا جانے لگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:﴿وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ ...... ''اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔'' (سورہ مزمل:۸)

یعنی اللہ کی عبادت اور اطاعت کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔

(البَتُوْل) ایسی خاتون کو کہتے ہیں جو مردوں سے بالکل علیحدہ اور الگ تھلگ ہو۔ کہا گیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ''البتول'' کہنے کی وجہ ان کا وہ مقام بلند اور فزوں تر ہے جو انہیں فضیلت اور منقبت، دین وتقویٰ اور حسب ونسب کے اعتبار سے تمام امت سے ممتاز اور منفرد کر دیتا ہے۔ اللہ کے راستے میں دی گئی جس جائداد کو بالکل واضح اور ممتاز کر دیا جائے اور کسی قسم کا ابہام اور اخفاء ورثاء کیلئے نہ چھوڑا جائے اسے صدقہ بتۃ بتلۃ کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تبتل نصاریٰ کی شریعت کا ایک حصہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنی امت کو منع فرما دیا تا کہ امت محمدیہ کی نسل بڑھے اور پھلے پھولے اور جہاد کا تسلسل قائم رہے۔

فائدہ: آیت میں تبتل سے مراد رہبانیت ہرگز نہیں۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے اور تبتل کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع وخضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود ومطلوب ہے۔ (ع،س)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جناب سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کہا: شادی کر لو! بلاشبہ اس امت کا بہترین شخص وہ ہے جس کی بیگمات زیادہ ہوں۔ (صحیح بخاری: ٥٠٦٩)

(٢٢٣٩)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَرَجِ الْمُظَفَّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ حَمْزَةُ بْنُ يُوسُفَ السَّهْمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَسَدُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، حَدَّثَنِي حُيَيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَأْذَنُ لِي أَخْتَصِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خِصَاءُ أُمَّتِي الصِّيَامُ وَالْقِيَامُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے خصی ہو جانے کی اجازت دیتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کا خصی ہونا روزے رکھنا اور قیام اللیل کرنا ہے۔''

(٢٢٣٩) صحيح دون ذكر القيام ...... أخرجه احمد فى "المسند": ٦٦٢٣ .

شرح حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ جو شخص نکاح کی طاقت اور اسباب وسائل نہ رکھتا ہو اس کے لیے قوت باہ کو کچلنے کے لیے ادویات کا استعمال جائز ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے شہوت میں کمی لانے کے لیے اور اس کی شدت کو توڑنے کے لیے روزے کو بطور علاج تجویز کیا ہے۔ البتہ وہ شخص جو وسائل واسباب مہیا ہونے کے باوجود اور قدرت واستطاعت کے باوصف اپنے اندر نکاح کے لیے کوئی رغبت اور شوق وذوق نہیں پاتا اس کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کے لیے یکسو ہو جانا، نکاح کرنے سے افضل ہے اور اہل رائے کا موقف ہے کہ ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا افضل ہے۔

(٢٢٤٠)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ يُوسُفَ الْجُوَيْنِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ شَرِيكٍ الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُسْلِمٍ أَبُو بَكْرٍ الْجُورَبَذِيُّ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي اللَّيْثُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ الْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جن کی اللہ عزوجل ضرور مدد کرتا ہے، ایک وہ (غلام) جس نے (آزاد ہونے کے لیے اپنے آقا سے) تحریری معاہدہ کر رکھا ہو اور وہ مکاتبت کی رقم ادا کرنا چاہتا ہے، دوسرا وہ جو زنا سے بچاؤ کے لیے نکاح کرتا ہے اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

(2)......بَابُ اخْتِيَارِ ذَاتِ الدِّيْنِ
دیندار خاتون کو پسند کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ ''اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔'' (سورہ فرقان: ٧٤)

(٢٢٤١)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ،

(٢٢٤٠) حسن ...... أخرجه الترمذي: ١٦٥٥، والنسائي: ٣٢١٨، وابن ماجه: ٢٥١٨.

(٢٢٤١) أخرجه البخاري: ٥٠٩٠، ومسلم: ١٤٦٦.

حَدَّثَنِی سَعِیدُ بْنُ أَبِی سَعِیدٍ، عَنْ أَبِیهِ......

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((تُنْکَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ، لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِینِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار باتوں کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مالدار ہونے کی بنا پر، اس کی خاندانی شرافت کے سبب، اس کی خوبروئی کے پیش نظر اور اس کی دینداری کی وجہ سے، پس تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو، تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔''

شرح: الحسب سے مراد آدمی اور اس کے آباء واجداد کے قابل فخر کارنامے عمدہ، افعال اور اوصاف حمیدہ ہیں (جن کی بنا پر ایک خاندان معاشرے میں اونچا مقام اور لوگوں کے دلوں میں احترام حاصل کر لیتا ہے) یہ لفظ (الحساب) یعنی گننے اور شمار کرنے سے ماخوذ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب جب آپس میں فخر بازی کرتے تو ہر ایک اپنے اور اپنے بزرگوں کے فضائل ومناقب گنواتا، ان کی بہادری، سخاوت وغیرہ کی داستانیں شمار کرواتا تھا۔ اگر یہ لفظ سین کے اوپر جزم کے ساتھ پڑھا جائے یعنی (اَلْحَسْبُ) تو معنی ہوگا گننا اور شمار کرنا اور اگر سین کو مفتوح پڑھا جائے یعنی (اَلْحَسَبُ) تو معنی ہوگا ''گنی ہوئی چیز۔''

جیسے العَدُّ اور اَلْعَدَدْ کا معاملہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد عورت کے قریبی رشتہ داروں اور آباء واجداد کی کثرت اور بہتات ہے (جس کی وجہ سے ایک خاتون کو معاشرے میں شرف اور بزرگی حاصل ہوتی ہے)۔

(تَرِبَتْ یَدَاكَ) ''تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔'' ان الفاظ کا مطلب کسی کام کی رغبت دلانا، اکسانا اور شوق وذوق کو ابھارنا ہوتا ہے اگرچہ لغوی معنی خاک آلود ہونے کے ہیں (مگر یہ مراد نہیں ہوتے)۔ جب کوئی شخص مفلس وقلاش ہو جائے اور فقر وفاقہ کی نوبت آ جائے تو کہتے ہیں (تَرِبَ الرَّجُلُ) اور جب کوئی خوشحال اور آسودہ ہو جائے تو اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے (أَتْرَبَ) کا لفظ بولتے ہیں۔ (تَرِبَتْ یَدَاكَ) کا جملہ اہل عرب بطور تکیہ کلام بولتے ہیں، اس سے مقصود دعا اور حقیقت نہیں ہوتی، جیسے وہ اپنی روزمرہ گفتگو میں (لَا أَرْضَ لَكَ) ''تجھے کہیں امان نہ ملے۔'' اور (لَا أُمَّ لَكَ) ''تیری ماں نہ رہے۔'' کی تراکیب استعمال کرتے ہیں اور جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے اثنائے حج میں حیض آ جانے کے موقع پر فرمایا: (عَقرَى حَلقَى أَحَابِسَتْنَاهِی) ...... ''مردار، سرمنڈی کیا یہ ہمیں روک دے گی۔'' (صحیح بخاری: ۱۵۶۱، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)

ان الفاظ کے لغوی معنی ہیں: اللہ اس کے جسم کو ہلاک کرے اور اسے ایسی بیماری لاحق ہو جس سے اس کے سر کے

بال جھڑ جائیں لیکن ان الفاظ سے آپ کی مراد حقیقت میں ایسا ہو جانا ہرگز نہیں تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے ان دعائیہ الفاظ سے حقیقت مراد ہے کہ آپ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے فقر وفاقہ کو غنی اور آسودگی کی بجائے بہتر جانا۔ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تو دیندار اور احکام شریعت کی پابند عورت کو چھوڑ کر خوبصورت اور مالدار عورت کو پسند کرے گا تو پریشان، نادم اور خاک آلود ہوگا گویا معنی یہ ہوئے اگر تو نے میرے حکم کے مطابق عمل نہ کیا تو نقصان اٹھائے گا اور نادم و پشیمان ہوگا، لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ پتے کی بات معلوم ہوئی کہ مناکحت میں کفو کا خیال رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ اس سلسلہ میں دینداری اور نیکی وتقویٰ کو اولیت دی جائے۔ کس کس چیز میں کفائت کا اعتبار کیا جائے گا؟ اس مسئلے میں اہل علم کا طویل اختلاف ہے، اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ کفائت میں چار چیزوں کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے، دین، آزادی، نسب اور پیشہ۔ یاد رہے کہ دین سے مراد اسلام اور عدالت ودینداری، تقویٰ اور صالحیت ہے، فاسق وفاجر شخص ایک عفیفہ اور پاکدامن خاتون کے لیے کفو نہیں بن سکتا، جس طرح ایک کافر شخص، مسلمان عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، اسی طرح غلام، آزاد عورت کے لیے اور آزادی حاصل کرنے والا شخص خاندانی آزاد عورت کے لیے، اسی طرح حقیر پیشے سے منسلک شخص، بلند تر صنعت وحرفت سے وابستہ خاندان کی عورت کے لیے کفو نہیں ہوسکتا۔ بعض اہل علم نے کفو میں عیوب جسمانی اور امراض خبیثہ سے محفوظ اور سلامت ہونے کو بھی شامل کیا ہے مثلاً جنون، کوڑھ، برص اور آلہ تناسل کے کٹے ہونے سے محفوظ ہونا۔

اگر کسی مرد میں مذکورہ بالا نقائص اور بیماریوں میں سے کوئی ایک چیز پائی جائے تو وہ ان سے محفوظ عورت کے لیے کفو نہ ہوگا، بعض علماء کفو میں خوشحالی، آسودگی اور مالداری کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اس طرح کفو چھ اشیاء کے مجموعے کا نام ہوگا۔ (1) دین (2) آزادی (3) نسب (4) پیشہ (5) مالداری (6) صحت۔ جب کسی عورت کی شادی اس کی رضا مندی کے بغیر ایسے شخص سے کردی جائے جو اس کا کفو نہیں تو اس کا نکاح درست نہیں ہوگا، شادی کرنے والا کوئی بھی ہو خواہ باپ ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ عورت بالغہ ہو یا کم سن ہو اور اگر عورت کا ولی اس کی رضا مندی کے ساتھ نکاح کردے تو نکاح درست ہوگا الا یہ کہ وہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے کردے تو ایسی صورت میں کسی حال میں بھی نکاح درست نہیں ہوگا۔ اگر کوئی مرد اپنے سے کم تر کفائت والی عورت سے نکاح کرلیتا ہے تو وہ نکاح درست ہوگا، مگر یاد رہے کہ اگر لڑکا چھوٹا ہو اور اس کی جگہ اس کے والد نے بطور دولھا کے ولی کے کسی لونڈی کو قبول کرلیا ہو تو ایسا نکاح درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر والد نے اپنے بیٹے کے لیے کسی عیب دار اور مریضہ دلھن کو قبول کرلیا ہو مثلاً جنون، جذام، برص یا بانجھ پن میں مبتلا عورت کو تو وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اہل کتاب کی عورت یا حسب ونسب میں کم تر عورت کو قبول کرلیا ہو تو اس مسئلے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں نے اختلاف کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ کفائت صرف دین کے ساتھ مختص ہے اور تمام اہل اسلام ایک دوسرے کے کفو

ہیں۔ اسی قسم کی بات سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ محمد بن سیرین، عبید بن عمیر، عمر بن عبدالعزیز، ابن عون اور حماد بن ابی سلیمان رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: کفائت کا تعلق دین اور نسب دونوں کے ساتھ ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب کسی آزاد شدہ (سابقہ غلام) کی شادی ٹھیٹھ عربی خاتون سے ہو جائے تو ان کے درمیان میں جدائی کرا دینی چاہیے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

سیدنا ابن عباس اور سیدنا سلمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: مولیٰ (آزادی حاصل کرنے والا غلام) کسی عربی خاتون کے لیے کفو نہیں ہو سکتا۔ بعض علمائے کرام کا موقف ہے کہ قریش کے سارے قبائل، ایک دوسرے کیلئے کفو ہیں، اسی طرح خالص اہل عرب باہم کفو ہیں، اگر کسی مولیٰ کے اسلام میں دو یا تین باپ ہوں تو ایسے غلام مرد و خواتین آپس میں کفو ہو سکتے ہیں۔ باقی رہا وہ شخص جو پہلے غلام ہو بعد ازاں آزاد ہو گیا ہو یا ذمی نے اسلام قبول کر لیا ہو تو ایسا مرد کسی ایسی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا جو موالی میں سے ہو اور اسلام میں اپنے دو یا تین باپ رکھتی ہو۔ یہ اہل رائے کا موقف ہے۔ جو لوگ صرف اور صرف دین کو کفائت کیلئے معتبر جانتے ہیں ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ہے، سیدنا ابو حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جب تمہارے پاس ایسا شخص (رشتہ لے کر) آئے جس کا دین و اخلاق تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اس میں (یہ یہ نقائص ہوں تو بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لے کر آئے جس کا دین اور اخلاق تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا۔ (حسن، ترمذی: ۱۰۸٤، ابن ماجہ: ۱۹٦۷)

حدیث کے راوی ابو حاتم رضی اللہ عنہ کو شرف صحابیت حاصل ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی صرف یہی روایت مروی ہے، کوئی اور روایت معروف نہیں۔

(۲۲٤۲)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَنِيفِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطُّوسِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ خَلادٍ، حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُقْرِءُ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، وَابْنُ لَهِيعَةَ، قَالا: نا شُرَحْبِيلُ بْنُ شَرِيكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيَّ يُحَدِّثُ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا ساری کی ساری فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک بیوی ہے۔''

(۲۲٤۲) أخرجه مسلم: ۱٤٦۷.

شرح: جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: ﴿هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ ایسی بیویاں عطا کر جو اللہ کی اطاعت گزار ہوں، پابند صوم وصلوٰۃ اور پاکدامن اور پاکیزہ خصال ہوں۔ ایک شخص کے لیے اس سے بڑھ کر کیا چیز آنکھوں کے سکون، دل کے قرار اور ٹھنڈک کا باعث ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے دوست اور حبیب کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مگن دیکھے۔ جناب حسن کے پاس ایک شخص آیا، اس نے مشورہ طلب کیا کہ میری ایک بیٹی ہے جس سے مجھے بہت پیار ہے، اس کے بہت سے رشتے آئے ہیں، آپ کیا مشورہ دیتے ہیں میں کس سے اس کی شادی کروں؟ انہوں نے کہا: اس کی شادی ایسے شخص سے کر جو اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے تقویٰ سے آراستہ ہو۔ اگر اسے اپنی بیوی سے محبت ہوگئی تو اس کا حددرجہ اعزاز واکرام کرے گا اور اگر اس سے نفرت ہوئی تو بھی اس پر ظلم نہیں کرے گا۔

(3)......بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

عورتوں کے فتنے سے بچنے کا بیان

(٢٢٤٣)۔ أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، حَدَّثَنَا السَّيِّدُ أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ دَاوُدَ الْعَلَوِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا الْغَزَارِيُّ، وَجَرِيرٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ......

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا تَرَكْتُ بَعْدِي عَلَى أُمَّتِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔))

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد مردوں کے حق میں شدید ترین فتنہ خواتین کے فتنے کو سمجھتا ہوں۔''

(٢٢٤٤)۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْفَضْلِ زِيَادُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْحَنَفِيُّ الْهَرَوِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عُقَيْلِ بْنِ الأَزْهَرِ بْنِ عُقَيْلٍ الْبَلْخِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو قِلَابَةَ الرَّقَاشِيُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الدُّنْيَا حُلْوَةٌ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور

(٢٢٤٣) أخرجه البخاري: ٥٠٩٦، ومسلم: ٢٧٤٠.

(٢٢٤٤) أخرجه مسلم: ٢٧٤٢.

خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا ، فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا ، وَاتَّقُوا فِتْنَةَ النِّسَاءِ ، فَإِنَّ فِتْنَةَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔))

بلاشبہ اللہ نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ تم کیا عمل کر رہے ہو؟ پس تم دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچے رہنا کیوں کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے فتنے عورتوں کے سبب رونما ہوئے۔''

(۲۲۴۵)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ، وَسَالِمٍ ابني عبدالله بن عمر……

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((الشُّؤْمُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نحوست گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوسکتی ہے۔''

شرح ایک قول کے مطابق ان اشیاء میں نحوست کا مطلب مندرجہ ذیل ہے: گھر کے منحوس ہونے کا مطلب اس کا تنگ وتاریک ہونا، ضروریات زندگی کے لیے ناکافی ہونا، کھلا اور وسیع نہ ہونا، دھوپ چھاؤں جیسی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہونا، وبائی علاقے میں ہونا اور پڑوسی کا بداخلاق ہونا ہے، گھوڑے کے منحوس ہونے کا مطلب ہے اس کو جہاد کے لیے استعمال نہ کرنا اور عورت کے منحوس ہونے کا مطلب اس کا بانجھ ہونا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان اشیاء میں نحوست کا مطلب ہے مثلاً گھوڑے کا سرکش اور اڑیل ہونا کہ جس سے سوار کو ہر وقت گرنے کا خطرہ رہے، مالک کی ہدایات پر عمل نہ کرے، عورت بدخلق، بدزبان، بے لحاظ اور بے دین ہو، اس کا حق مہر انتہائی گراں ہو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ الفاظ آپ کی طرف سے بطور مشورہ اور راہنمائی کے ہیں کہ جو شخص ایسے گھر میں رہائش پذیر ہو جس کی رہائش اسے ناپسند ہو تو وہ اس کی رہائش ترک کردے اور کسی اور جگہ رہنا شروع کردے، عورت کے ساتھ نباہ مشکل نظر آئے، روزانہ کی بحث وتکرار سے گھر کا ماحول افسردہ اور سوگوار رہنے لگے، گھر میں ہر وقت جھگڑا رہے جس سے پریشانی کا دور دورہ ہو اور زندگی اجیرن ہو جائے تو اسے طلاق دے ڈالے۔ گھوڑا پسند نہیں، پریشانی کا باعث بنا رہتا ہے تو اسے بیچ ڈالے۔ ان اشیاء میں نحوست کا یہی مطلب ہے۔ اس سے وہ نحوست اور بدشگونی مراد نہیں جس کا عقیدہ رکھنا شریعت میں منع ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس گھر میں تھے تو ہم بہت سے افراد تھے۔ (پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہوئے تو) ہمارے افراد مر گئے، ہمارے آپس کے تعلقات بہت خوبصورت اور عمدہ تھے، پھر ہمارے اخلاق بگڑ گئے، ہمارے اموال بھی بہت تھے پھر ہم فقیر ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس

(۲۲۴۵) أخرجه البخاري: ۵۰۹۳، ومسلم: ۲۲۲۵.

گھر سے نقل مکانی کیوں نہیں کر لیتے، یہ برا گھر ہے۔'' عورت نے کہا: ہم کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے فروخت کردو یا کسی کو ہبہ کردو۔'' (مرسل، سنن بیهقی: ١٦٣٠٦، مصنف عبد الرزاق: ١٩٥٢٦)

فائدہ: سنن ابوداود میں اس قسم کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا فِي دَارٍ كَثِيرٌ فِيهَا عَدَدُنَا وَكَثِيرٌ فِيهَا أَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا إِلَى دَارٍ أُخْرَى فَقَلَّ فِيهَا عَدَدُنَا وَقَلَّتْ فِيهَا أَمْوَالُنَا۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((ذَرُوهَا ذَمِيمَةً۔)) ......سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک گھر میں تھے، اس میں ہماری تعداد بھی زیادہ تھی اور مال بھی بہت تھا، لیکن جب ہم ایک دوسرے گھر میں منتقل ہوئے تو ہماری تعداد بھی کم ہوگئی اور مال بھی گھٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو، اس حال میں کہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔''

(حسن، ابوداود: ٣٩٢٤) (م،م)

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا: ایک انسان کو اپنی زندگی میں خیر وشر سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، فوائد کا حصول بھی ہوتا ہے اور نقصانات اور خساروں سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ ان دونوں کیفیات کے لیے دو لفظ (یمن) ''برکت'' اور (الشوم) ''بے برکتی'' مستعمل ہیں۔ انسانی زندگی کی گاڑی دھکیلنے کے لیے مندرجہ صدر تین چیزوں کا وجود ناگزیر ہے مگر یاد رہے کہ یہ اشیاء اپنی ذاتی تاثیر کے لحاظ سے بری نہیں یعنی یہ چیزیں مؤثر بالذات نہیں۔ چیزوں میں تاثیر اللہ کریم کے حکم، ارادے اور فیصلے ہی سے پیدا ہوتی ہے، ویسے ہر چیز کا معاملہ یہی ہے، پھر ان تین اشیاء کا ذکر اس لیے کردیا گیا ہے کہ ایک شخص کو عموماً ان سے تعلق اور واسطہ رہتا ہے، اور ان میں سے کوئی نہ کوئی چیز طبیعت کے ناموافق ہو ہی جاتی ہے، جو مستقل سردردی کا باعث بن جاتی ہے اس لیے خیر وشر کی نسبت کو ان کی طرف کردیا گیا ہے۔ ان اشیاء کی طرف یہ نسبت مقام اور محل کے اعتبار سے ہے یعنی یہ اضافت حقیقی اور اصل نہیں بلکہ اضافت ظرفی ہے۔ یاد رکھیے! خیر وشر کا اصل منبع اور سرچشمہ اللہ عزوجل کی ذات والا صفات ہے۔

فائدہ: یہاں نحوست کے معنی بدفالی کے نہیں جس کو عوام نحوست سمجھتے ہیں کیونکہ ایک دوسری روایت میں بدفالی لینے کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ (ع،س)

(4)......بَابُ نِكَاحِ الْأَبْكَارِ
کنواری عورتوں سے شادی کرنے کا بیان

(٢٢٤٦)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا مُحَارِبٌ......

(٢٢٤٦) أخرجه البخاري: ٥٠٨٠، ومسلم: ٧١٥.

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: تَزَوَّجْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا تَزَوَّجتَ؟)) فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا، فَقَالَ: مَا لَكَ وَلِلْعَذَارَى ولِعَابِهَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، فَقَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبدِ اللّٰهِ يَقُولُ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَلا جَارِيَةً تُلاعِبُهَا وَتُلاعِبُكَ۔))

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شادی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیسی عورت سے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: میں نے بیوہ سے شادی کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے کنواری عورت سے شادی کیوں نہ کی کہ اس کے ساتھ تم کھیل کود کرتے۔'' (راوی حدیث محارب نے کہا) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تذکرہ عمرو بن دینار سے کیا تو انہوں نے کہا: میں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ بیان کررہے تھے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''کنواری سے کیوں نہ شادی کی؟ تو اس سے دل لگی کرتا، وہ تجھ سے دل لگی کرتی۔''

(٢٢٤٧)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَر بَكْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُزَنِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الإِسْمَاعِيلِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْحَضْرَمِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((عَلَيْكُمْ بِالأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا، وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا، وأَرْضَى بِالْيَسِيرِ۔))

عبدالرحمٰن اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو اس لیے کہ وہ شیریں دھن ہوتی ہیں اور ان سے اولاد زیادہ ہوتی ہے اور وہ تھوڑی چیز پر خوش ہو جاتی ہیں۔''

شرح نوٹ: عبدالرحمٰن بن سالم سے مراد ابن عبدالرحمٰن بن عویم بن ساعدہ ہیں اور عبدالرحمان بن عویم کو صحابیت کا شرف حاصل نہیں۔

(انتق ارحاما) یعنی کثیر الاولاد ہوتی ہیں، زیادہ بچے جننے والی عورت کو امرأۃ ناتق ومنتاق کہا جاتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اکھاڑنے اور بلند کرنے سے ماخوذ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾...... ''جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کردیا۔'' (سورہ اعراف:١٧١)

(٢٢٤٧) حسن ...... أخرجه ابن ماجه: ١٨٦١ .

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کروتا کہ میں دیگر امتوں پر تمہاری (کثرت کی) وجہ سے فخر کرسکوں۔''

(حسن صحیح، ابوداود: ۲۰۵۰، نسائی: ۳۲۲۷)

(5)......بَابُ النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ
منگیتر کو دیکھنے کا جواز

(۲۲۴۸)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ الْجُوَيْنِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ شَرِيكٍ الشَّافِعِيُّ الْخُذَاشَاهِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ أَبُو بَكْرٍ الْجُورَبَذِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ عَاصِمٍ هُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: خَطَبْتُ امْرَأَةً، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟)) قُلْتُ: لا، قَالَ: ((فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔))

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام بھیجا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ''کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟'' میں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے دیکھ لے۔ اس سے تمہارے درمیان محبت والفت پیدا ہونا ممکن ہوگا۔''

شرح: (يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا) یعنی یہ چیز تمہارے درمیان محبت والفت اور موافقت پیدا ہوجانے کا باعث ہے، (اَدَمَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا) کا معنی ہے اللہ کریم نے ان کے درمیان یگانگت اور الفت پیدا کردی۔ یہ باب ضرب، یضرب سے ہے، یہ لفظ (من ادم الطعام) سے ماخوذ ہے۔ ادام عربی میں سالن کو کہتے ہیں جس سے لقمے کو رنگا جاتا ہے اور اس طرح روٹی حلق سے بغیر اٹکے بآسانی گزر جاتی ہے۔ منگیتر کو ایک نظر دیکھ لینے سے ممکنہ بدمزگی، کشیدگی اور مستقل سردردی سے بچا جاسکتا ہے اور زندگی خوشگوار ہوجاتی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو شادی کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس کو دیکھ کر یہ اطمینان حاصل کرسکتا ہے کہ اس عورت میں، نکاح کے لیے کوئی پرکشش بات موجود ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ضرور دیکھ لے۔'' (حسن، ابوداود: ۲۰۸۲)

بعض اہل علم کا عمل اسی بات پر ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب مرد کسی عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو منگیتر کو ایک

(۲۲۴۸) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ۱۰۸۷.

نظر دیکھ لینا جائز ہے، سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ خواہ عورت اس بات کی اجازت دے یا نہ دے اور دیکھنے سے مراد فقط اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا ہے، اس دیکھنے سے مراد عورت کو برہنہ حالت میں دیکھنا یا اس کے جسم کے کسی مستور اور قابل ستر حصے کو دیکھنا نہیں ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: شادی کا پیغام بھیجنے والا شخص صرف چہرہ دیکھ سکتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: عورت کی اجازت کے بغیر اس کی طرف نہ دیکھے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: آپ ﷺ کے فرمان (هَلْ نَظَرْتَ؟) ......''کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟'' ان الفاظ میں اس بات کی دلیل ہے کہ منگنی کا پیغام بھیجنے سے قبل دیکھنا مستحب ہے تا کہ پسند نہ آنے کی صورت میں رشتہ چھوڑنے میں کوئی دقت اور مشقت پیش نہ آئے اور ممکنہ بدمزگی سے بچا جا سکے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ عورت جب سامنے سے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور جب منہ پھیر کر جاتی ہے تو بھی شیطان کی صورت میں ہوتی ہے، تم میں سے کسی شخص کو جب کوئی عورت خوبصورت لگے تو وہ اپنی بیوی کے پاس جائے اس طرح اس کے دل سے اس عورت کا خیال دل سے نکل جائے گا۔'' (صحيح مسلم: ١٤٠٣)

(6)......بَابُ إِرْسَالِ الرَّسُوْلِ
پیغام نکاح کے لیے قاصد بھیجنا

(٢٢٤٩)۔أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي تَوْبَةَ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْحَارِثِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَحْمُودٍ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ......

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ: ((اذْكُرْهَا عَلَيَّ)) فَانْطَلَقْتُ، فَقُلْتُ: يَا زَيْنَبُ أَبْشِرِي، أَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُكِ، فَقَالَتْ: مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتَّى أُوَامِرَ رَبِّي، فَقَامَتْ إِلَى

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدہ زینب (بنت جحش) رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے (ان کے سابق خاوند) زید (بن حارثہ) رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اسے میری طرف سے نکاح کا پیغام دو۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے جا کر کہا: اے زینب! خوش ہو جاؤ، مجھے رسول ﷺ نے تیرے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا

(٢٢٤٩) أخرجه مسلم: ١٤٢٨

مَسْجِدِهَا، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، وَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ۔

ہے، وہ کہنے لگیں، میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گی حتی کہ اپنے رب تعالیٰ سے مشورہ کرلوں۔ وہ اپنی نمازگاہ کی طرف اٹھیں اور (نماز استخارہ شروع کرلی) ادھر قرآن مجید (کا حکم) اتر آیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کی اجازت کے بغیر (ان کے حجرے میں) داخل ہوگئے۔

(7)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ مُبَاشَرَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ ثُمَّ تَنْعَتُها لِزَوْجِهَا

کسی عورت کا (عریاں حالت میں) دوسری خاتون سے جسم ملانے اور پھر اس کا تذکرہ اپنے خاوند کے سامنے کرنے کی ممانعت

(٢٢٥٠)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لا تُبَاشِرُ الْمَرأَةُ الْمَرْأَةَ حَتَّى تَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا۔))

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ (ایک کپڑے میں) جسم کو جسم کے ساتھ نہ ملائے اور نہ (اس کے جسم کو دیکھ کر) اس کے جسم کے اوصاف اس طرح اپنے شوہر سے بیان کرے گویا اس کا خاوند اس کا مشاہدہ کررہا ہے۔“

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث ھذا سے حیوانات میں بیع سلم کے جائز ہونے پر دلیل لی گئی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کسی چیز کو اس طرح بیان کرنا کہ دور بیٹھے شخص کی آنکھوں کے سامنے اس چیز کی حقیقت جھلملانے لگے اور اس چیز کی پوری ماہیت نظر کے سامنے آجائے بچشم خود مشاہدہ کرلینے کی طرح ہوجاتا ہے۔“

(٢٢٥١)۔أَخْبَرَنَا ابْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ، أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ......

(٢٢٥٠) أخرجه البخاري: ٥٢٤٠.

(٢٢٥١) أخرجه مسلم: ٣٣٨.

عَـنْ عَبْـدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی سَعِيدٍ الْخُدْرِیِّ، عَـنْ أَبِيـهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰـهِ ﷺ، قَالَ: ((لا يَـنْـظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ، وَلا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْـمَـرْأَةِ، وَلا يُفْضِی الرَّجُلُ إِلَى الـرَّجُـلِ فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَلا تُفْضِی الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ۔))

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی مرد کسی دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔ نہ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: کسی مرد کو دوسرے مرد کا ستر دیکھنا جائز نہیں، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے، اسی طرح کسی عورت کو دوسری عورت کے ستر کو دیکھنا جائز نہیں۔ اگر فتنے کا اندیشہ اور شہوت کا غلبہ نہ ہو (یعنی تلذذ مقصود نہ ہو بلکہ کوئی شرعی یا طبی ضرورت ہو تو) پورے بدن کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام مالک اور ابن ابی ذئب کا موقف ہے کہ ران ستر نہیں ہے کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی شاہراہ پر اپنی سواری کو بھگایا اور میرے گھٹنے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک کو چھوتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے تہبند کو ہٹا دیا حتی کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی کو دیکھا۔

(صحیح بخاری: ۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۳۶۵)

لیکن اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ ران ستر ہے۔

(۲۲۵۲)۔أَخْبَـرَنَـا أَبُـو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِیُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِیُّ، أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الـلّٰـهِ بْـنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِیُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِیٍّ الْكُشْمِيهَنِیُّ، حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلاءِ، عَنْ أَبِی كَثِيرٍ……

عَـنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ، قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَعْمَرٍ وَفَخِذَاهُ مَـكْشُـوفَتَـان، قَـالَ: ((يَـا مَـعْـمَـرُ، غَطِّ فَخِذَيْكَ، فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ۔))

سیدنا محمد بن جحش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا جبکہ ان کے دونوں ران عریاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے معمر! اپنے ران ڈھانپ لے، بلاشبہ ران ستر ہیں (پردے والی چیز ہیں)۔''

شرح سیدنا ابن عباس اور سیدنا جرہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ران پردے والی چیز ہیں۔'' (صحیح، ابوداود: ٤٠١٤، ترمذی: ۲۷۹۵، ۲۷۹۸)

(۲۲۵۲) حديث حسن …… أخرجه الامام احمد: ۲۲٤۹٥.

دو مردوں یا دو عورتوں کا (ایک کپڑے میں) لیٹنا جائز نہیں خواہ وہ دونوں محرم ہوں، جب بچے دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں علیحدہ لٹانے اور سلانے کا اہتمام کیا جائے کیونکہ یہ ایسی عمر ہے جس میں ان کے بالغ ہونے کا احتمال ہے۔

مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نہ پڑھیں) تو انہیں اس پر مارو اور ان کے بستر جدا جدا کر دو۔''

(حسن صحیح، ابوداود: ٤٩٥)

سیدنا ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی مرد کا کسی دوسرے مرد کے ساتھ لیٹنے سے جبکہ انہوں نے کپڑے نہ پہنے ہوئے ہوں، اسی طرح کسی عورت کا دوسری کے ساتھ لیٹنے سے جبکہ انہوں نے کپڑے نہ پہنے ہوں منع فرمایا۔ (ضعیف، ابوداود: ٤٠٤٩، نسائی: ٥١٠٦)

حدیث مبارکہ میں وارد لفظ (مکامعة) سے مراد (مضاجعة) یعنی لیٹنا اور لپٹنا ہے۔ بیوی کو خاوند کی (کمیعھا) یعنی (ضجیعھا) ''اس کے ساتھ لیٹنے والی'' کہا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے "المکاعمة" سے منع فرمایا تو اس سے مراد کسی دوسرے کو چومنا اور بوس وکنار کرنا ہے یہ لفظ (کعام البعیر) کی اصطلاح سے ماخوذ ہے، جب اونٹ موسم کی شدت سے بڑھک اٹھتا ہے تو اس خطرے سے کہ وہ کسی کو کاٹ نہ ڈالے تو اس کے منہ کو باندھ دیا جاتا ہے اس عمل کو (کعام البعیر) کہتے ہیں، اس معنی کے لیے کَعَمْتُه، اَکْعَمُه اور مَکْعُوم کے الفاظ مستعمل ہیں۔ اجنبی، آزاد عورت کا پورا وجود عورہ ہے اسے کسی غیر مرد کے لیے دیکھنا حرام ہے ماسوائے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ...... ''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔'' (سورۂ نور: ۳۱)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، ایک مرد کو مبتلائے فتنہ ہو جانے کے اندیشہ سے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے سے بھی گریز کرنا چاہیے اور (غض بصر) ''یعنی نظریں نیچی رکھنے سے کام لینا چاہیے۔'' کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ ...... ''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔'' (سورۂ نور: ۳۰)

جناب قتادہ نے کہا: غض بصر (آنکھوں کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم ہر اس چیز سے ہے جس کا دیکھنا مردوں کے لیے جائز نہیں، نیز انہوں نے کہا: ﴿خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ﴾ سے مراد ہر اس چیز کی طرف دیکھنا ہے جس کی طرف دیکھنا شریعت میں ممنوع ہے۔

فائدہ: ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ...... ''سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔'' اس سے مراد وہ زینت اور وہ حصہ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑانے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا، یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا

ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہوئی یا مہندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقعہ اور چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے، تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے، امام صاحب نے اس میں چہرے کو بھی شمار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں، جمہور اہل علم عورت کے چہرے کے پردے کے قائل ہیں اس مسئلہ میں مزید تفصیل کے لیے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''احکام ستر وحجاب'' ملاحظہ کی جائے۔ (ع،س)

امام رحمہ اللہ نے کہا: اگر کسی مرد کی کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو اسے قصداً دوبارہ نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ مروی ہے، سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی نظر پھیر لو۔'' (صحیح مسلم: ٢١٥٩)

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! نظر کے پیچھے نظر مت لگاؤ، پہلی تمہارے لیے معاف ہے، (یعنی جو اچانک پڑ گئی) دوسری نہیں، (یعنی عمداً دیکھنا)۔

(حسن، ابوداود: ٢١٤٩، ترمذی: ٢٧٧٧)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی نظر، جو اچانک بغیر قصد وارادہ کے پڑ جائے وہ معاف ہے، باقی رہا کسی اجنبی عورت کو عمداً دیکھنا یہ بغیر کسی شرعی ضرورت کے ناجائز ہے، یعنی کسی عورت کو تلذذ کی خاطر دیکھنا منع ہے، کسی ضرورت کی خاطر منع نہیں مثلاً نکاح (جو کہ ایک اہم ضرورت ہے) لونڈی کی خریداری یا کسی خاتون کو گواہی دینے کی خاطر پہچاننا اور دیکھنا وغیرہ۔ اگر کسی عورت کے جسم کے ایسے حصے میں کوئی بیماری ہو جس کو چھپانا شرعی طور پر فرض ہے تو بغرض علاج کسی امانت دار اور صاحب تقویٰ ڈاکٹر کے لیے دیکھنا جائز ہے جیسے ختنہ کرنے والا ختنہ کرتے ہوئے شرمگاہ کو دیکھتا ہے۔

امام حسن اور شعبی رحمہما اللہ نے کہا: اگر کسی عورت کے زخم لگ جائے یا پھوڑا ہو اور اس کا علاج کسی غیر محرم سے کرانا مقصود ہو تو صرف مطلوبہ جگہ سے کپڑے کو پھاڑا جائے باقی جسم کو عریاں نہ کیا جائے۔

عورت کا حکم کسی اجنبی مرد کو دیکھنے کے بارے میں مرد جیسا ہی ہے اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے:

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھی جبکہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں تھیں کہ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ اور یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ ہمیں پردے کے احکام دے دیے گئے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے پردہ کرو۔'' ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ نابینا نہیں ہے، ہمیں دیکھتا نہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو کیا تم بھی اندھی ہو، تم اسے نہیں دیکھتی ہو؟''

(ضعیف، ابوداود: ٤١١٢، ترمذی: ٢٧٧٨)

لونڈی کا ستر مرد کے ستر کی طرح ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ۔ تمام محرم رشتوں کے ستر کا بھی یہی حکم ہے، البتہ نظریں پست ہی رہنی چاہیں اور بلاوجہ دیکھنے سے گریز کرنا چاہیے، جناب عطاء نے بکنے والی لونڈیوں کو خواہ مخواہ دیکھنے کو ناپسند جانا ہے الا یہ کہ خریدنے کا ارادہ ہو۔ خاوند کے لیے اپنی بیوی کے پورے جسم اور آقا کے لیے اپنی حلال لونڈی کے مکمل جسم کو دیکھنا جائز ہے یہی حکم بیوی اور لونڈی کا بھی ہے سوائے شرمگاہ کے کہ اس کی جانب دیکھنا مکروہ ہے، اسی طرح اپنی شرمگاہ کو دیکھنا بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ جب آقا اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دے تو اس کے حق میں اس کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ٹھہرے گا۔ جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی اپنی خادمہ کی اپنے غلام یا نوکر سے شادی کر دے تو اب اس خادمہ کی ناف سے لے کر گھٹنے سے اوپر تک حصے کو مت دیکھے۔'' یہ بھی مروی ہے کہ وہ اس کے ستر کو نہ دیکھے۔

(حسن، ابوداود: ٤١١٤)

کسی شخص کے لیے یہ بات نہایت ناپسندیدہ ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی ضرورت کے ننگا ہو خواہ تنہا ہی کیوں نہ ہو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔'' (حسن، ابوداود: ٤٠١٧، ابن ماجہ: ١٩٢٠)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک غریب سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عریاں ہونے سے بچو! بلاشبہ تمہارے ساتھ (رب تعالیٰ کی) وہ مخلوق ہے جو تم سے جدا نہیں ہوتی ماسوائے پیشاب پاخانے کے وقت اور اس وقت جب ایک شخص اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے۔ لہٰذا ان سے حیا کرو اور ان کی عزت کرو۔'' (ضعیف، ترمذی: ٢٨٠٠)

امام زہری رحمہ اللہ نے غیر بالغہ عورتوں کی جانب دیکھنے کو اچھا نہیں جانا خواہ وہ کم سن ہی کیوں نہ ہو۔ مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿لَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَّضَعۡنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ ''اور اگر وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔'' (سورۂ نور: ٦٠) کے متعلق کہا کہ اس سے مراد جلباب یعنی برقعہ اور اوڑھنی ہے۔

(8)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يَخْلُوَ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ
آدمی کا کسی غیر محرم خاتون کے ساتھ تخلیہ اختیار کرنے کی حرمت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ﴾...... ''تم نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے۔'' (سورہ احزاب: ٣٢)

(٢٢٥٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ......

(٢٢٥٣) أخرجه البخاري: ٥٢٣٢، ومسلم: ٢١٧٢.

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ))، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: ((الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔))

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے پاس (تنہائی میں) جانے سے بچو۔'' ایک انصاری شخص نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ دیور کے بارے میں بتائیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''دیور تو موت ہے(یعنی اس کا خلوت میں بھاوج کے پاس بیٹھنا منع ہے۔''

شرح (الحمو)''دیور''اس کی جمع الاحماء ہے اس سے مراد عورت کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔اسی طرح اس سے مراد سالیاں بھی ہیں لفظ اصہار دونوں قسم کے رشتہ داروں کو شامل ہے یعنی مرد کے سسرالی رشتہ داروں کو اور عورت کے سسرالی رشتہ داروں کو،اور حدیث مبارکہ میں آنے والے لفظ (الحمو) سے مراد دیور یعنی خاوند کا بھائی ہے اس لیے کہ وہ اس کی بیوی کے لیے محرم نہیں اور اگر اس لفظ سے مراد خاوند کا باپ یعنی سسر ہو تو پھر معاملہ نہایت سنگین ہو جائے گا کہ باوجود اس بات کے کہ سسر اپنی بہو کے لیے محرم ہے،اس سے تنہائی جائز نہیں تو پھر کسی ایسے شخص کے لیے خلوت کیونکر جائز ہوسکتی ہے جو اس کے لیے محرم ہی نہیں؟

(اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ) ''دیور تو موت ہے۔'' ابوعبید نے کہا: اس اسلوب کلام کا مطلب ہے کہ وہ مر جانا گوارہ کرلے لیکن ایسا ہرگز نہ کرے،ابن اعرابی نے کہا: یہ جملہ اہل عرب کے اس جملے کی طرح ہے کہ (اَلْاَسَدُ الْمَوْتُ) شیر کا سامنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں (اَلسُّلْطَانُ نَارٌ) بادشاہ کا آمنا سامنا آگ کے سامنے کی طرح ہے تو گویا اس جملے کا معنی ہوا کہ دیور کے ساتھ تنہائی زیادہ خطرناک اور بھیانک ہے بجائے دور کے نامحرموں کے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس جملے کا مطلب ہے دیور سے اس طرح بچ جیسے تو موت سے بچتا ہے۔

(٢٢٥٤)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي لَبِيدٍ......

عَنِ ابْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَامَ بِالْجَابِيَةِ خَطِيبًا،

جناب سلیمان بن یسار اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ مقام پر خطبہ دینے کے لیے

(٢٢٥٤) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ٢١٦٥، وابن ماجه: ٢٣٦٣.

فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِينَا كَقِيَامِي فِيكُمْ، فَقَالَ: ((أَكْرِمُوا أَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبَ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا فَمَنْ سَرَّهُ بُحْبُحَةُ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ، وَهُوَ مِنَ الاثْنِينِ أَبْعَدُ، وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ، وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ، وَسَائَتْهُ سَيِّئَتُهُ، فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔))

کھڑے ہوئے تو کہا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ہم میں کھڑے ہوئے جس طرح میں تمہارے درمیان میں کھڑا ہوا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت کرو، پھر ان لوگوں کی جوان کے قریب ہیں، پھر ان لوگوں کی جوان کے قریب ہیں۔'' پھر جھوٹ عام ہو جائے گا حتی کہ ایک شخص (خود بخود) قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم اٹھوائی نہیں جائے گی، وہ خود بخود گواہی دے گا جبکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ خبردار جس شخص کو جنت کا وسط محبوب ہے، وہ جماعت کے ساتھ ملا رہے، بلاشبہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہے جبکہ شیطان دو آدمیوں سے دور ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر شیطان ان کے ساتھ تیسرا ہوتا ہے اور جس شخص کو اپنی نیکی سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اپنی برائی سے غم زدہ ہوتا ہے تو وہ صاحب ایمان ہے۔''

شرح: جناب عبداللہ بن الزبیر روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ مقام میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آگے انہوں نے گزشتہ روایت کے ہم معنی حدیث ذکر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کی عزت وتکریم کرو، یہ لوگ تم میں بہتر ہیں پھر ان لوگوں کی جوان کے بعد ہیں، پھر ان لوگوں کی جوان کے بعد ہیں۔'' اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو جنت کا درمیانی حصہ محبوب ہے وہ جماعت کو لازم پکڑے۔''

(مذکورہ بالا حدیث ملاحظہ ہو)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: (بُحْبُحَةُ الْجَنَّةِ) اور (بُحْبُحَةُ الْجَنَّةِ) سے مراد جنت کا وسط اور درمیانی حصہ ہے۔ ہر چیز کے درمیانی حصہ اور عمدہ حصہ کو بحبوحہ کہا جاتا ہے۔ خزیمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آنے والے الفاظ (تبحبح الحیا) ہیں جن کا معنی ہے: بارش وسیع وعریض علاقے میں ہوئی یعنی اس لفظ کے لغوی معنی وسعت، کشادگی اور پھیلاؤ کے ہیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایسی عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے خاوند گھروں میں موجود نہ ہوں، بلاشبہ شیطان تم میں سے کسی ایک کے جسم میں یوں چلتا ہے جیسے خون چلتا ہے۔'' (صحیح، ترمذی: ۱۱۷۲)

(المغیبۃ) ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند گھر میں موجود نہ ہو، المغیبات اس کی جمع ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا اور سفر کرنا حرام ہے، محرم خاتون کے ساتھ سفر کرنے اور اس کے پاس آنے جانے میں کوئی حرج نہیں ہاں! یہ ضرور ہے کہ تین اوقات میں اجازت لے کر ہی داخل ہونا چاہیے جن اوقات میں عموماً ایک عورت ہلکے پھلکے لباس میں ہوتی ہے (جس میں کسی کا اس کو دیکھنا جائز اور مناسب نہیں) نماز فجر سے پہلے، عشاء کی نماز کے بعد اور دوپہر کے وقت۔

یہی حکم قریب البلوغت اجنبی لڑکے کا ہے ایک عورت کے لیے ان کے سامنے عیاں ہونا جائز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾ ...... ''تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔'' (سورۂ نور: ۵۸)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابتدائے اسلام میں غلام اور وہ بچے جو حد بلوغت کو نہیں پہنچے ہوتے تھے ان تین اوقات میں آنے کی اجازت طلب کیا کرتے تھے اور جب بچے بالغ ہو جاتے تو پھر کسی بھی وقت آنے سے قبل اجازت لیتے اور کوئی شخص اپنی والدہ کے ہاں بغیر اجازت لیے نہ جاتا اور اس کی وجہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان عالی شان ہے: ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا﴾ ...... ''اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان کے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے۔'' (سورۂ نور: ۵۹)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، کیا ایک شخص اپنی والدہ کے پاس اجازت لے کر جائے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، نیز انہوں نے کہا: اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو کسی ناگوار حالت کا سامنا کرے گا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کسی عورت کا غلام اس کے حق میں محرم ہے اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے حکم میں ہے یہ اکثر اہل علم کا موقف ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ ...... ''یا غلاموں کے۔''

(سورۂ نور: ۳۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک غلام لائے جو آپ نے ان کو ہبہ کیا تھا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ایسا کپڑا تھا کہ وہ اگر اسے سر پر لپیٹتیں تو ان کے پاؤں تک نہ پہنچتا تھا اور اگر پاؤں کو چھپاتیں تو سر پر نہ رہتا تھا، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس الجھن کو دیکھا تو فرمایا: ''تمہارے لیے کوئی حرج کی بات نہیں، تمہارے سامنے صرف تمہارے والد ہیں اور تمہارا غلام۔''

فائدہ: غلام سے پردہ واجب نہیں، بلکہ رخصت ہے۔ (ع، س)

(9)......بَابُ اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ الْبَالِغَةِ فِي النِّكَاحِ

نکاح کے لیے بالغ عورت سے مشورہ کرنا چاہیے

(٢٢٥٥)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔))

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی سے بھی اس کے نکاح کے بارے میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا (انکار نہ کرنا) ہے۔''

شرح (اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا) میں لفظ (الایم) سے مراد بیوہ ہے جس کو زندگی میں ایک بار شادی کا تجربہ ہو چکا ہو، ویسے لغتاً کنواری لڑکی کو بھی (الایم) کہہ لیتے ہیں کیونکہ اس کا بھی خاوند نہیں ہوتا مگر یہاں کنواری لڑکی مراد نہیں کیونکہ کنواری لڑکی کا حکم بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔عبداللہ بن فضل کی روایت ہے (اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا)...... ''بیوہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔'' (صحیح، ابوداود: ٢٠٩٩)

اور مروی ہے کہ عدی بن عدی کندی رحمہ اللہ اپنے والد سیدنا عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شوہر دیدہ اپنی رضا مندی کا (زبان سے) اظہار کرے اور کنواری کی رضا مندی (کی علامت) اس کا خاموش رہنا ہے۔'' (صحیح، ابن ماجه: ١٨٧٢)

فائدہ: عورت کسی حالت میں بھی اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی اس کا نکاح اس کا سرپرست ہی کرے گا، تاہم اس کی رائے کو بھی اہمیت دی جائے گی، دونوں کے مشورے سے نکاح ہوگا۔(ع،س)

(يُعْرِبُ) ابوعبید نے کہا یہ لفظ تخفیف کے ساتھ مروی ہے۔امام فراء نحوی نے کہا: یہ لفظ تشدید کے ساتھ يُعَرِّبُ ہے۔کہا جاتا ہے، عَرَّبْتُ عن القوم۔''میں نے فلاں سے گفتگو کی۔'' اکثر اہل لغت کا موقف ہے کہ اس لفظ کو دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے، یعنی اَعْرَبْتُ بھی اور عَرَّبْتُ بھی۔

(٢٢٥٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ،

(٢٢٥٥) أخرجه البخاري: ٥١٣٦، ومسلم: ١٤٢١.

(٢٢٥٦) أخرجه البخاري: ٥١٣٧، ٦٩٤٦.

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ ذَكْوَانَ......

عَـنْ عَـائِشَةَ، قَـالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ)) قُلْتُ: إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِيي؟ قَالَ: ((إِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے۔'' میں نے کہا: کنواری لڑکی تو شرماتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بالغ عاقل (ثیب) کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس کے اولیاء اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیں تو اس کا نکاح رد کر دیا جائے گا۔ اگر کنواری بالغہ، عاقلہ کا نکاح اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر کر دے تو اس صورتحال کے متعلق اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسا نکاح مردود ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ) ......''کنواری لڑکی سے (نکاح کے بارے میں) اجازت لی جائے۔'' امام اوزاعی، سفیان ثوری اور اہل رائے کا یہی مسلک ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اگر اس کا والد یا دادا بغیر اس سے اجازت لیے کر دے تو جائز یعنی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ ایسا موقف قاسم بن محمد، سلیمان بن یسار، سالم بن عبداللہ سے مروی ہے۔ امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے آپ کے الفاظ (والبکر تستاذن) کا مطلب ہے کہ کنواری لڑکی سے اس کی رضامندی معلوم کر لی جائے اور اولیاء کو یہ حکم اطمینان نفس، طیب خاطر اور ناخوشگوار صورتحال سے بچنے کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ......''اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔'' (سورہ آل عمران: ۱۵۹) یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لیے مشورہ کر لیا کریں۔

فائدہ: یعنی اولیاء کے لیے کنواری لڑکی سے اجازت لینا واجب نہیں بلکہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے، تاہم اس ناخوشگوار نتیجے سے بچنے کے لیے پہلے ہی افہام وتفہیم سے کسی متفقہ رائے پر پہنچ جانا بہتر ہے، یعنی نکاح وہاں کیا جائے جہاں عورت بھی راضی ہو اور سرپرست کو بھی اعتراض نہ ہو، ولی کی رضامندی اس لیے کہ عورت جذبات میں آ کر ایسی جگہ نکاح نہ کر بیٹھے جس میں اولیاء کو عار لاحق ہوتی ہو اور عورت کی رضامندی اس لیے کہ اس نے ساری زندگی گزارنی ہے۔ (ع، س)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکیوں کے سلسلے میں عورتوں سے (ان کی ماؤں سے) مشورہ کر لیا کرو۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۰۹۵)

مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابی سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بچی کے نکاح کے سلسلہ میں اس کی والدہ سے مشورہ کر لیں۔ آپ کا حکم اس لیے تھا کہ بچیوں کی ماؤں کی دل آزاری نہ ہو اور ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ اس لیے کہ بچیوں کا نکاح ان کی ماؤں کی رضامندی اور طیب خاطر پر موقوف ہے۔

فائدہ: یہ حقیقت ہے کہ مائیں اپنی بچیوں کی بہت عمدہ راز دار اور محرم اسرار ہوتی ہیں بلکہ ایک اچھی ماں اپنی بیٹیوں کی بہترین سہیلی ہوتی ہے اور بچیاں بالعموم اپنے دل کی بات ماؤں کے سامنے پیش کر دیتی ہیں، مذکورہ بالا نبوی مشورہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کس اہمیت کی عظیم دلیل ہے، جو اسلام نے انہیں ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی عطا فرما دیے ہیں، اسلامی تعلیمات زندہ باد۔ (ع،س)

علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت حاصل کی جائے تو اس کا خاموش رہنا جبکہ اس کے سامنے تفصیل ذکر کر دی جائے کافی ہے اور بیوہ عورت کا بول کر اپنی مرضی کا اظہار کرنا ضروری ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ کنواری لڑکی کی خاموشی اپنے والد اور دادا کے سامنے تو اجازت تصور کی جائے گی البتہ باقی اولیاء کے لیے اس کا بھی بول کر زبان سے اپنی رضامندی کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ جبکہ اکثر علماء کا موقف ہے کہ اس کی خاموشی (جو خوف اور ناراضی والی نہ ہو) تمام اولیاء کے حق میں رضامندی شمار ہو گی کیونکہ کنواری لڑکی زیادہ شرمیلی ہوتی ہے۔

جو علماء اس موقف کے قائل ہیں کہ کنواری لڑکی کو نکاح کے معاملے میں مجبور کرنا جائز ہے ان کی دلیل حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ ہیں: (اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا) ''بیوہ عورت اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے۔'' ان حضرات کا کہنا ہے کہ ان الفاظ کا تقاضا ہے کہ کنواری لڑکی کے بارے میں اس کے ولی کو زیادہ استحقاق حاصل ہے اور دونوں کے معاملے کا الگ الگ ذکر کر دینا اس اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

نبی ﷺ کے فرمان (اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا) کا مطلب ہے کہ بیوہ عورت کو اپنا خاوند پسند کرنے کے سلسلہ میں اختیار حاصل ہے، نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے، بیوہ عورت کا نکاح بھی اس کا ولی ہی کرے گا وہ خود نہیں کرے گی، یہ ذمہ داری اس کے ولی ہی کے سپرد ہے۔

فائدہ: ولی ہر عورت کے لیے ضروری ہے فرق یہ ہے کہ بیوہ کے نکاح میں ولی کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے بلکہ عورت کی رائے کو مان لینا چاہیے جبکہ کنواری لڑکی کے مسئلے میں ولی مخالفت کر سکتا ہے البتہ نکاح وہیں ہو گا جہاں ولی اور لڑکی دونوں راضی ہوں۔ یہ حدیث کے الفاظ کا صحیح معنی ہیں جو دیگر احادیث سے بھی مطابقت رکھتے ہیں۔ (ع،س)

(۲۲۵۷)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ

الْهَاشِمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ......

عَـنْ عَبْـدِ الـرَّحْمَنِ ، وَمُجَمِّعِ ابني يزيد بن جـارية الأنصارى ، عَـنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْـصَـارِيَّةِ ، أَنَّ أَبَـاهَـا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ ، فَكَرِهَتْ ذَلِكَ ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَرَدَّ نِكَاحَهَا۔

یزید بن جاریہ انصاری کے بیٹے عبدالرحمٰن اور مجمع بیان کرتے ہیں کہ خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کردیا جبکہ وہ بیوہ تھیں۔ چنانچہ خنساء نے اس (نکاح) کو ناپسند کیا، بالآخر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی (اور آپ سے پوری بات گوش گذار کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح ختم کردیا۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں اور حدیث میں بیوگی کا بطور خاص تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ کنواری لڑکی کا حکم اس کے برعکس ہے کیونکہ ایک حکم کو اوصاف کے ساتھ خاص کردینے کا لازمی تقاضا ہے کہ دوسری اشیاء کا حکم مختلف ہے اور نکاح رد کردینے کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح منعقد ہوجانے کے بعد آپ نے اسے فسخ کردیا بلکہ ان الفاظ کا مطلب ہے کہ اس قسم کا نکاح نہیں کرنا چاہیے۔

فائدہ: ایسی صورت میں جبکہ لڑکی راضی نہ ہوتو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر فسخ نکاح کے لیے عدالت یا پنچایت کی طرف رجوع کرنا ہوگا وہ صورتحال کا بغور جائزہ لے کر کوئی بہتر فیصلہ کردیں گے۔ (ع،س)

جناب عکرمہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کردیا ہے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (نکاح برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا) اختیار دیا۔ (صحیح، ابوداود: ٢٠٩٦، ابن ماجه: ١٨٧٥ عن عكرمة عن ابن عباس)

یہ حدیث مرسل ہے، اس سے دلیل قائم نہیں ہوسکتی بعض راویوں نے اس حدیث کو عکرمہ عن ابن عباس کی سند سے متصل بیان کیا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔

فائدہ: یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے، جیسا کہ شیخ البانی اور شیخ شعیب الارنووط نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (م،م)

فائدہ: سنن نسائی کی حدیث: ۳۲۷۱ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں بالکل یہی مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور اس کے بارے میں محقق کتاب کا فیصلہ ''اسنادہ صحیح۔'' کا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح بھی اس کا باپ اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا اگر کرے گا اور لڑکی راضی نہ ہوتو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، یہ مسئلہ

(٢٢٥٧) أخرجه البخاري: ٥١٣٨، ٦٩٤٥.

دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی ہی سے حل ہونا چاہیے اور کسی فریق کو بھی اپنے پچاس فیصد حق سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ (ع،س)

اس مسئلے کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں اور ایک قوم کا موقف ہے کہ فسخ نکاح کا تعلق لڑکی کی اجازت یا عدم اجازت کے ساتھ ہے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو ولی کا کیا ہوا نکاح درست ہوگا، اہل رائے کا یہی موقف ہے۔

(10)......بَابُ تَزْوِيجِ الصَّغِيرَةِ
نابالغ لڑکی کا نکاح کرنا

(٢٢٥٨)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ أَحْمَدَ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَبَنَى بِي وَأَنَا بَنْتُ تِسْعٍ، وَكُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ، وَكُنَّ جَوَارِي يَأْتِينَنِي، فَإِذَا رَأَيْنَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ، فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ سے شادی فرمائی تو میں سات سال کی تھی اور جب مجھے اپنے گھر بسایا تو میں نو سال کی تھی اور میں گڑیوں سے کھیلتی تھی۔ اور (محلے کی) بچیاں میرے پاس (کھیلنے کے لیے) آتی تھیں، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں تو آپ سے چھپ جاتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تلاش کر کے میری طرف (کھیل کود کے لیے) بھیجتے۔

شرح (يَنْقَمِعْنَ) کا معنی ہے وہ چھپ جاتیں، (انقماع) کا لغوی معنی ہے روپوش ہو جانا اور گھر کے اندر داخل ہو جانا (يسر بهن) ''انہیں ڈھونڈ کر میری جانب بھیجتے۔''

(٢٢٥٩)۔أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ......

(٢٢٥٨) أخرجه البخاري: ٣٨٩٤، ٣٨٩٦، ٥١٣٣، ومسلم: ١٤٢٢.

(٢٢٥٩) انظر الحديث السابق.

عَـنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَـزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِـيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِي عَشْرَةَ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تو وہ سات سال کی تھیں اور جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو وہ اٹھارہ سال کی تھیں۔

(۲۲۶۰)۔ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَـنْ عَـائِشَةَ، قَـالَـتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِـي شَوَّالٍ، فَأَيُّ نِسَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ كَانَ أَحْظَى عِنْدَهُ مِنِّي، قَالَ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تَدْخُلَ نِسَائَهَا فِي شَوَّالٍ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح فرمایا اور شوال ہی میں آپ کے ہاں میری رخصتی ہوئی۔ (بتاؤ!) پھر آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ہاں مجھ سے بڑھ کر محبت سے بہرہ ور ہوئی؟ راوی نے کہا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پسند کرتی تھیں کہ عورتوں کی رخصتی شوال کے مہینے میں ہو۔

(۲۲۶۱)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، حَـدَّثَـنَـا أَبُـو الْـعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حُسَيْنٍ......

عَـنْ نَـافِـعٍ، أَنَّ ابْـنَ عُـمَرَ تَزَوَّجَ بِنْتَ خَالِهِ عُثْـمَـانَ بْنِ مَظْعُونٍ، قَالَ: فَذَهَبَتْ أُمُّهَا إِلَى الـنَّبِـيِّ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ ابْـنَتِـي تَـكْـرَهُ ذٰلِكَ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُفَارِقَهَا، وَقَالَ: ((لَا تَنْكِحُوا الْيَتَامَى حَتَّى تَسْتَأْمِرُوهُنَّ، فَإِذَا سَكَتْنَ، فَهُوَ إِذْنُهُـنَّ۔)) فَتَـزَوَّجَهَا بَعْدَ عَبْدِ اللّٰهِ، الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ۔

جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے شادی کی۔ راوی نے کہا: لڑکی کی ماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا: میری بیٹی اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو) اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا: یتیم بچیوں سے اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک ان سے اجازت نہ لے لی جائے، جب وہ (بوقت اجازت) خاموش رہیں تو یہ ان کی طرف سے اجازت ہے،

(۲۲۶۰) أخرجه مسلم: ۱۴۲۳.

(۲۲۶۱) صحيح على شرط الشيخين ...... أخرجه الحاكم في "المستدرك": ۲۷۰۳

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اس لڑکی سے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا۔

شرح سیدنا ابوسلمہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا ، فَإِنْ صَمَتَتْ ، فَهُوَ إِذْنُهَا ، وَإِنْ أَبَتْ ، فَلا جَوَازَ عَلَيْهَا)) ......''یتیم لڑکی سے (نکاح کے سلسلے میں) اس کی اپنی ذات کے بارے میں مشورہ کیا جائے، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر جبر جائز نہیں۔'' (حسن صحیح، ابوداود: ۲۰۹۳، ترمذی: ۱۱۰۹)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ والد یا دادا نابالغ لڑکی کا نکاح کرسکتے ہیں اور ایسا نکاح جائز ہوگا۔ اس کی دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث مبارکہ ہے کہ وہ سات سال کی تھیں تو ان کے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح کردیا، البتہ اہل علم کا یتیم بچی کے بارے میں اختلاف ہے جب اس کا نکاح اس کے باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہو، ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسا نکاح صحیح ہے اور اسے بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا برقرار رکھنے کا۔ یہ قول اہل رائے کا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسا نکاح مردود ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے، ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارک ہیں: (اَلْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ) ''یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں مشورہ کیا جائے۔'' لفظ (الیتیمة) ایسی چھوٹی بچی پر بولا جاتا ہے جس کا والد زندہ نہ ہو۔ بلوغت سے قبل، کم سن بچی کی اجازت اور عدم اجازت کا کوئی اعتبار نہیں تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس بچی کا بالغ ہونا شرط ہے یعنی یتیم بچی کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کے بارے میں اس سے اجازت لی جائے۔

امام بغوی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ یتیم لڑکی کی عمر جب نو سال ہو جائے تو والد اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کے لیے اس کا نکاح اس کی رضامندی کے ساتھ کردینا جائز ہے اور اس صورت میں اسے فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ شاید ان کے اس قول کی وجہ یہ ہو کہ وہ جانتے تھے کہ اہل عرب کی اکثر لڑکیاں عمدہ اور کھلی آب وہوا اور خوراک (گوشت) وغیرہ کی وجہ سے جب اس عمر (نو سال) کو پہنچتی ہیں تو بالغ ہو جاتی ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب کوئی لڑکی نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ مکمل عورت ہے۔

فائدہ: اگر لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ ہو جائے تو اس کے ساتھ شب بسری میں کون سی قانونی یا اخلاقی رکاوٹ ہے؟ بلوغت کے لیے کوئی مخصوص عمر مقرر نہیں اس میں آب وہوا، جسمانی ساخت، خوراک اور عمدہ صحت کا بڑا عمل دخل ہے اس بنا پر مختلف علاقوں میں بلوغت کی عمر مختلف ہے۔ (ع،س)

وصی کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا وہ وصی مقرر کرنے والے کی بیٹیوں کا نکاح کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اکثر اہل علم وصی کے لیے حق ولایت نہیں مانتے خواہ موصی (وصی مقرر کرنے والا) اسے یہ حق تفویض بھی کیوں نہ کر گیا ہو۔ امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: اوصیاء کے لیے نکاح کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ معاملہ لڑکیوں کے اولیاء ہی کے سپرد ہے۔ امام حماد بن سلیمان نے کہا: وصی یتیم لڑکی کا بلوغت سے قبل نکاح کرنے کا اختیار رکھتا ہے، جناب شریح کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے وصی کے نکاح کو درست تسلیم کیا ہے خواہ اولیاء اس نکاح سے چیں بجبیں ہی کیوں نہ ہوں، امام مالک رحمہ اللہ نے اس صورت میں وصی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے جب لڑکی کا باپ اس کے سپرد یہ معاملہ کر گیا ہو۔

(11)......بَابُ رَدِّ النِّكَاحِ بِغَيْرِ الْوَلِيِّ

ولی کے بغیر (از خود) کیا ہوا نکاح قابل رد ہے (ناجائز ہے)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ﴾ ......"تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو۔" (سورۂ نور:۳۲)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ ......"ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو۔" (سورہ نساء:۲۵)

(الاَیِّم) ایسی عورت کو کہتے ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو یا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو، کنواری لڑکی کو بھی (اَیِّم) کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ اس کا بھی خاوند نہیں ہوتا (گویا "اَیِّم" ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ تینوں آجاتی ہیں) اور ایسے مرد کو بھی اَیِّم کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ عورت کے لیے "اَیِّم" اور "اَیِّمَة" دونوں الفاظ مستعمل ہیں۔ چونکہ یہ لفظ عربی زبان میں زیادہ تر خواتین کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے انہیں اَیِّم کہہ دیا جاتا ہے اور یہ لفظ مردوں کے لیے کم استعمال ہونے کی بنا ایسا لگتا ہے کہ عورتوں سے مستعار ادھار لیا گیا ہے۔ (حالانکہ لفظ "اَیِّم" اپنی لفظی ساخت کے لحاظ سے مذکر ہے)۔

(۲۲۶۲)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الْمَخْلَدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الثَّقَفِيُّ السَّرَّاجُ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ......

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ۔))

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔"

(۲۲۶۲) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ۲۰۸۵، والترمذي: ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، وابن ماجه: ۱۸۸۱.

(٢٢٦٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ ثَلَاثًا، فَإِنْ أَصَابَهَا، فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ۔))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے تین بار فرمایا۔ اگر شوہر اس سے صحبت کرلے تو اس کو مہر دینا پڑے گا بسبب اس کے جو اس نے اس سے فائدہ حاصل کیا۔ اگر (ولیوں کا) جھگڑا ہو جائے تو حاکم ولی ہے اس کا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

شرح: ایک سند سے نبی اکرم ﷺ سے لفظ (موالی) جمع بھی مروی ہے، یعنی (أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيْهَا) ......''جس عورت نے اپنے موالی (ولیوں) کی اجازت کے بغیر نکاح کیا۔'' یاد رہے! لفظ المولی اور الولی ہم معنی ہیں۔

لفظ المـوالـی سے مراد چچازاد بھائی اور عورت کے عصبی رشتہ دار ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ﴾ ......''مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔'' (سورہ مریم:۵)

آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے دونوں پر لفظ (الْمَوْلٰی) کا اطلاق ہوتا ہے، لفظ (الْمَوْلٰی) کا معنی مددگار اور معاون بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ......''اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے۔'' (سورہ محمد:۱۱) یعنی ان کا مددگار ہے۔

(اشتجروا) یعنی جب وہ آپس میں اختلاف کریں اور ان کے درمیان میں پھوٹ پڑ جائے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں اسی معنی میں آیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾ ......''جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔'' (سورہ نساء:٦٥)

یعنی باہمی تنازعات، جھگڑوں اور آویزشوں میں جب تک آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں۔ نبی ﷺ کے فرمان (لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ) ''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں۔'' پر ہی عام اہل علم صحابہ کرام اور ان کے بعد والے علماء کا عمل ہے۔ سیدنا عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔

(٢٢٦٣) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢٠٨٣، وابن ماجه: ١٨٧٩، والترمذي: ١١٠٢.

جناب سعید بن مسیّب، حسن بصری، شریح، ابراہیم نخعی، قتادہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، سفیان ثوری، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی عورت سے نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے یا اس کے اہل خانہ میں سے کسی باشعور اور معاملہ فہم شخص یا سلطان وقت کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔(مؤطا امام مالك: ١١١٥)

جناب عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد قاسم سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، خاندان کی ایک عورت اپنی شادی کے جملہ معاملات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیتی۔ وہ رشتے کے امور کو چلاتی، جب سب معاملات طے ہو جاتے اور صرف نکاح کرنا باقی رہ جاتا تو ام المؤمنین اس خاتون کے اہل خانہ میں سے کسی مرد کو بلا کر کہتیں کہ اس کا فلاں کے ساتھ نکاح کر دیں، بلاشبہ عورت عقد نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہے۔(سنن بیهقی: ٧/ ١١٢)

بعض علماء نے عورت کے از خود نکاح کر لینے کو جائز قرار دیا ہے (ولی کی اجازت ضروری نہیں) یہ اہل رائے کا قول ہے، امام ابوثور نے کہا: اگر کوئی عورت ولی کی اجازت سے اپنا نکاح خود کر لیتی ہے تو اس کا نکاح درست ہے اور اگر وہ ایسا بغیر ولی کی اجازت کے کرتی ہے تو اس کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے۔'' جمہور اہل علم کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی شان کا مطلب ہے کہ ولی کو عورت کے عقد نکاح کا ذمہ دار بننا چاہیے یا اسے اجازت دے دے کہ وہ مردوں میں سے کسی کو اپنے نکاح کے لیے وکیل مقرر کر لے جو اس کے عقد نکاح کا ولی اور سرپرست بنے۔ اگر اس نے بغیر ولی کی اجازت کے کسی کو اپنا وکیل نکاح بنا لیا تو اس کا نکاح باطل ہے (یعنی ہر حالت میں مرد ولی یا وکیل کی موجودگی ضروری اور شرط ہے۔ اس کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوتا)

امام مالک رحمہ اللہ کا کہنا ہے: اگر عورت معاشرتی لحاظ سے کم مرتبہ اور گرے ہوئے درجے کی ہے تو وہ اپنا نکاح خود کر لے یا کسی سے کہہ دے جو اس کا نکاح کر دے تو جائز ہے اور اگر وہ اونچے حسب ونسب کی حامل اور سماجی اعتبار سے بلند حیثیت ہے تو ایسا نہ کرے، لیکن حدیث مبارکہ کے الفاظ تو اپنے اندر عموم رکھتے ہیں اور ان میں ایسے فرق کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، الفاظ حدیث بغیر کسی تخصیص کے ان سے حق ولایت کی نفی کرتے ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ) ...... ''وہ نکاح باطل ہے۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے عقد کی درستگی ولی کی اجازت پر موقوف نہیں (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرما دیا کہ بغیر ولی کی اجازت کے کیا ہوا نکاح باطل ہے اور نکاح کر لینے کے بعد ولی کی اجازت کے کوئی معنی نہیں)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (فَاِنْ اَصَابَهَا فَلَهَا الْمَهْرُ) ...... ''اگر شوہر نے اس سے صحبت کر لی ہے تو اسے مہر مثل دینا ہوگا۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی عورت کے ساتھ شبہ کی بنا پر مجامعت کرنے کی بنا پر مہر مثل کی ادائیگی واجب

ٹھہرتی ہے، لیکن حد واجب نہیں ہوتی اور ایسی مجامعت سے نسب بھی ثابت ہو گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جو شخص ایسا جانتے بوجھتے ہوئے کرے اسے تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ جناب عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ راستہ چلتے ہوئے اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ ان میں ایک بیوہ عورت تھی، ایک شخص نے اس کے معاملے کا ذمہ دار بن کر اس کی شادی کسی شخص سے کر دی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنے والے اور نکاح کروانے والے دونوں افراد کو کوڑے لگوائے اور اس عورت کا نکاح رد کر دیا۔(مسند شافعی : ۱۳۸۰)

(فَإِنِ اشْتَجَرُوا، فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لا وَلِيَّ لَهُ) ...... ''اگر (اولیاء) کا اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

امام رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ اس موقف کی مزید تاکید کر دیتے ہیں کہ ایک عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا، ایک خاتون کسی بھی حال میں ولی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر ولی کی موجودگی کی شرط شریعت میں نہ ہوتی تو ایسی صورتحال میں ضرور اس کا نکاح درست ہوتا جبکہ اس کے اولیاء باہم دست و گریباں اور شدید اختلاف اور پھوٹ کا شکار ہیں اور معاملہ سلطان وقت کے سپرد نہ کیا جاتا، حدیث مبارکہ میں اولیاء کی مشاجرت اور جھگڑے سے مراد ان کا باہم الجھاؤ اور رکاوٹ ڈالنا ہے کہ اقرب اور نزدیکی ہونے میں بھی اختلاف ہے، یاد رہے! جب کوئی ولی عقد نکاح میں رکاوٹ ڈالے اور روڑے اٹکائے اور اس کے مقام و مرتبہ کا حامل کوئی دوسرا ولی نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح کا معاملہ سلطان وقت کے سپرد ہو جائے گا اور وہ آگے بڑھ کر شادی کرے گا۔ ایسی صورت میں معاملہ ولی ابعد کے سپرد نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا اقرب ولی اتنی مسافت پر ہو جہاں نماز قصر پڑھنا ازروئے شریعت جائز ہو جاتا ہے تو ایسی کیفیت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سلطان وقت ولی کی نیابت اور جانشینی کرے گا (نہ کہ ولی ابعد)۔

یہ اہل رائے کا موقف ہے کہ اگر اقرب ولی زیادہ دور ہو تو ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی جس طرح اگر ولی اقرب فوت ہو جائے یا دیوانہ ہو جائے تو بالاتفاق شادی کا معاملہ آگے بڑھ کر ولی ابعد سنبھال لے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ ان دونوں باتوں کے درمیان میں یوں فرق کرتے ہیں کہ کسی ولی کا مر جانا یا مجنون ہو جانا اسے ولایت سے خارج کر دیتا ہے جبکہ دور ہونے سے وہ ولایت سے خارج اور فارغ نہیں ہوتا بس اتنا ہے کہ وہ موقع پر پہنچ نہیں سکتا تو اس کی اس ذمہ داری کی نیابت سلطان وقت کر دے گا جیسا کہ ولی عاضل (غیر مشفق اور جھگڑالو ولی) کی صورت کا معاملہ ہے۔ اگر کسی عورت کے ولی بہت زیادہ ہوں اور ایک ہی مقام و مرتبہ کے حامل ہوں کسی کو اسبقیت حاصل نہ ہو مثلاً بھائی، بھتیجے، چچے اور چچا زاد بھائی اور عقد نکاح کے معاملے میں وہ اختلاف وانتشار کا شکار ہو جائیں تو ایسی صورت میں جب متعلقہ عورت کسی ولی کو اپنے معاملے کا اختیار دے دے تو وہی اس کا ولی قرار پائے گا اور اگر وہ کسی کو نامزد نہ کرے اور وہ باہم دگر مختلف ہوں اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ رہے ہوں تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا۔

ایسی صورت میں اگر ایک ولی آگے بڑھ کر، جلدی کرتے ہوئے لڑکی کی رضامندی کے ساتھ، باقی اولیاء کی اجازت کے بغیر، کفو کے حامل کسی شخص سے نکاح کردے تو وہ نکاح صحیح ہوگا اور باقیوں کو ماننا لازم ٹھہرے گا۔ اگر کوئی ولی لڑکی کی رضامندی کے ساتھ لیکن غیرکفو کے ساتھ نکاح کردے تو باقی اولیاء کو اس نکاح کے رد کرنے کا اختیار ہوگا اس لیے کہ اس رشتے کی بنا پر لاحق ہونے والی عار اور شرمندگی میں سب اولیاء برابر کے شریک ہیں، جس سے ان کا نسبی مقام ومرتبہ متأثر ہوتا ہے۔ جب کوئی قریبی ولی، لڑکی کی اجازت اور رضامندی کے ساتھ رتبہ کفائت سے فروتر کسی شخص سے نکاح کردے تو ایسی صورت میں دور والے اولیاء کے لیے اعتراض کرنے اور دم مارنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ ایسی صورتحال میں ابعد ولی کا حق ولایت کے ساتھ کوئی سروکار نہیں۔ جو شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کا خواہاں ہو جس کا دنیا میں صرف وہی ولی ہے اور اس کا کوئی اور ولی زندہ نہیں مثلاً اس کے چچا کی بیٹی یا آزاد کردہ کنیز تو ایسی صورتحال میں سلطان وقت ان کے نکاح کا ولی بنے گا۔ اگر ولی از خود متعلقہ عورت کی رضامندی کے ساتھ نکاح کرلے تو اس بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے، ایک قوم کا موقف ہے کہ ایسا نکاح جائز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ اسی موقف کے قائل ہیں جبکہ اہل رائے ایسے نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی خاتون کو شادی کا پیغام بھیجا جس کے وہ تمام زندہ لوگوں میں زیادہ قریبی تھے۔ سلسلہ جنبانی ہونے کے بعد انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا جس نے ان کی شادی کردی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ام حکیم بنت قارظ سے کہا: کیا تو اپنے نکاح کا معاملہ میرے حوالے کرتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو انہوں نے کہا: تب میں خود تجھ سے شادی کرتا ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سے دلیل پکڑی ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی بھی صورت (بھاگ یا چھپ کر) اپنا نکاح خود کرلے۔

(٢٢٦٤)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، نَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنْ يُونُسَ......

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ، قَالَ: زَوَّجْتُ أُخْتًا لِي مِنْ رَجُلٍ، فَطَلَّقَهَا حَتَّى إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا جَاءَ يَخْطُبُهَا، فَقُلْتُ: زَوَّجْتُكَ، وَفَرَشْتُكَ، وَأَكْرَمْتُكَ،

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنی ایک بہن کی شادی ایک شخص سے کردی، اس نے اسے طلاق دے دی لیکن جب عدت ختم ہوئی تو وہ شخص (ابوالبداح) میری بہن سے پھر نکاح کا پیغام لے کر آیا،

(٢٢٦٤) أخرجه البخاري: ٤٥٢٩، ٥١٣٠، ٥٣٣٠.

فَطَلَّقْتَهَا ، ثُمَّ جِئْتَ تَخْطُبُهَا؟ لا وَاللّٰهِ لا تَعُودُ إِلَيْكَ أَبَدًا۔ وَكَانَ رَجُلا لا بَأْسَ بِهِ ، وَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُرِيدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿فَلا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [الْبَقَرَة: 232] ، فَقُلْتُ: الآنَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ۔

میں نے اس سے کہا: میں نے تم سے اس کا (اپنی ہمشیرہ کا) نکاح کیا: اسے تمہاری بیوی بنایا اور تمہیں عزت دی لیکن تم نے اسے طلاق دے دی اور اب پھر تم اس کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئے ہو، ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اب میں تمہیں کبھی اسے نہیں دوں گا۔ وہ شخص (ابوالبداح) کوئی برا آدمی نہ تھا اور عورت بھی اس کے ہاں واپس جانا چاہتی تھی۔ اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ ...... ''تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۲) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اب میں کردوں گا۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر انہوں نے اپنی بہن کا نکاح اس شخص سے کردیا۔

شرح: (فرشتك) ''میں نے اسے تیری بیوی بنایا۔'' جب آپ کسی کیلئے بستر بچھا دیں تو کہا جاتا ہے: (فرشت الرجل) جیسے جب آپ کسی کے لیے کسی چیز کا وزن کردیں یا اسے ماپ دیں تو کہیں گے: وزنت الرجل وکلته۔ ''عربی زبان میں کنایۃً بیوی کو بھی بستر کہہ لیا جاتا ہے۔''

(العضل) کا معنی ہے ولی کا اپنی تحویل میں موجود عورتوں کو نکاح سے منع کرنا، اور ان کے معاملے میں رکاوٹ پیدا کرنا، اس لفظ کے لغوی معنی تنگی ڈالنے اور منع کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ اصلاً اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی کو بچہ جنتے ہوئے دشواری ہو اور اس کا اخراج بسہولت نہ ہو رہا ہو۔ یہ لفظ اہل عرب کی اصطلاح عَضَلَتِ النَّاقَةُ سے ماخوذ ہے۔

ان الفاظ حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔ اگر عورت کو اپنے مسئلے کا کلی اختیار ہوتا تو پھر اولیاء کے رکاوٹ ڈالنے اور منع کرنے کا کوئی معنی اور مطلب نہیں بنتا حالانکہ بہن تو چاہتی تھی کہ میرا نکاح ہو جائے تو معلوم ہوا کہ نکاح ولی کے اختیار میں ہے۔ اور نہ ولی کے منع کرنے کی کوئی حیثیت ہوتی اگر عورت اپنا نکاح خود کرنے پر قادر ہوتی۔

فائدہ: عقل سلیم بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عورت کو کلی طور پر آزاد نہ چھوڑا جائے اس لیے کہ شادی بیاہ میں بہت سے مصالح ہوتے ہیں جن کے تحت ولی کا ہونا لازم قرار پایا، اب تو معاشرتی اور سماجی رویوں نیز روز مرہ پیش آنے والے واقعات نے ولی کی شرط کی حقانیت اور ضرورت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے، لیکن جس کی آنکھیں

بند ہوں تو اس کے لیے دن بھی رات ہے جو لوگ ولی کا ہونا بطور شرط نہیں مانتے ان کا قول غلط اور خلاف احادیث صحیحہ ہے۔ (ع،س)

(۲۲٦۵)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح، وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا مُسْلِمٌ، عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لا نِكَاحَ إِلا بِوَلِيٍّ مُرْشِدٍ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: عقل وشعور سے بہرہ مند ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

فائدہ:......سیدنا عمران، سیدنا ابو موسیٰ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے درج ذیل روایات ثابت اور صحیح ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ۔)) ...... "ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔"

نیز فرمایا: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْنِ۔)) ...... "ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔" (ملاحظہ ہو: ارواء الغليل: ۱۸۳۹، ۱۸۵۸، ۱۸٦۰)

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا فاسق اور بدکار ولی کی ولایت کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ایسا شخص کسی نکاح کا ولی بن سکتا ہے؟ بہت سے علماء ایسے شخص کی ولایت کے ثبوت کے قائل ہیں جبکہ اہل علم کی ایک کثیر تعداد اس بات کی بھی قائل ہے کہ ایسی صورت میں نکاح گواہوں کے بغیر منعقد نہیں ہوگا، اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا صرف متاخرین میں سے چند افراد نے اختلاف کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ ابوثور کا کہنا ہے کہ گواہوں کی موجودگی نکاح میں شرط نہیں ہے۔ اکثر اہل علم کا تو موقف ہے کہ اس وقت تک کوئی نکاح منعقد نہ ہوگا جب تک عین موقع نکاح پر گواہ موجود نہ ہوں۔ بعض مدینہ کے اہل علم کا موقف ہے کہ اگر نکاح اعلانیہ اور کھلم کھلا ہو اور دو گواہ ایک وقت میں نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے بنا دیے جائیں تو بھی نکاح درست اور صحیح ہے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ گواہوں کی اخلاقی حالت کیسی ہونی چاہیے۔ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ نکاح دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ہونا چاہیے۔ گواہوں کا صاحب عدالت ہونا شرط ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ نکاح ایک آدمی اور دو عورتوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے، ان کی موجودگی کافی

(۲۲٦۵) صحيح موقوفا ...... أخرجه البيهقي: ۱۳٦۵۰.

ہے یہ قول امام احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ اسحاق اور اہل رائے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اہل رائے مزید کہتے ہیں کہ نکاح دو فاسق گواہوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے خواہ وہ معلن بالفسق ہوں۔

(12)......بَابُ إِعْلَانِ النِّكَاحِ بِضَرْبِ الدُّفِّ

نکاح کا اعلان دف بجانے کے ساتھ کیا جائے

(٢٢٦٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ بِشْرِ بْنِ الْمُفَضَّلِ...... حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ، قَالَ: قَالَتِ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ: جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ حِينَ بُنِيَ عَلَيَّ، فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي، فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ، وَيَنْدِبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ: ((دَعِي هَذِهِ، وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ۔))

جناب خالد بن ذکوان سے روایت ہے کہ ہم سے سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جب مجھے دلہن بنا کر بٹھایا گیا تو اندر تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے، اسی طرح جیسے تم اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو۔ اتنے میں ہماری کچھ لڑکیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ اور چچا جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے، ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اتنے میں ان میں سے ایک لڑکی نے پڑھا: وفینا نبی یعلم مافی غد ......''اور ہم میں ایک نبی ہے جو ان باتوں کی خبر رکھتا ہے جو کل ہونے والی ہیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بات رہنے دو! اور اس کے سوا جو کچھ تم پڑھ رہی تھیں وہ پڑھو۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: نکاح کا اعلان اور چرچا دف بجا کر کرنا مستحب ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کا اعلان اور چرچا کیا کرو، ان کا اہتمام مساجد میں کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔'' (ضعیف الا الاعلان، ترمذی: ١٠٨٩)

(٢٢٦٧)۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ، حَدَّثَنِي هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَلْجٍ......

(٢٢٦٦) أخرجه البخاري: ٥١٤٧.

(٢٢٦٧) حسن ...... أخرجه الترمذي: ١٠٨٨، والنسائي: ٣٣٦٩، وابن ماجه: ١٨٩٦.

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ هُوَ الْجُمَحِيُّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((فَصْلُ مَا بَيْنَ الحَلالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدُّفُّ فِي النِّكَاحِ.))

سیدنا محمد بن حاطب جمحی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال اور حرام نکاح کے درمیان فرق دف بجانے اور اعلان نکاح کرنے کا ہے۔''

شرح محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے بچپن میں نبی ﷺ کی زیارت کی ہے۔

ابوعبید نے کہا: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ دال پر فتحہ پڑھنا یعنی (الـدَّفْ) پڑھنا ایک لغت ہے۔ بہرحال فتحہ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں۔

حدیث میں وارد لفظ (الـصوت) سے مراد نکاح کا اعلان یا گیت اور دف کی آواز ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے گانوں کا جواز کشید کیا ہے جو کہ ٹھیک نہیں اور خطا پر مبنی ہے۔ جیسے کسی مشہور اور پاپولر شخصیت کے بارے میں کہا جاتا ہے (فُلانٌ قَدْ ذَهَبَ صَوْتُهُ فِي النَّاسِ)...... ''فلاں شخص کا آوازہ لوگوں میں مشہور ہے۔''

(٢٢٦٨)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا الفضل بْن يَعْقُوب، حَدَّثَنَا مُحَمَّد بْن سابق، حَدَّثَنَا إسرائيل، عَنْ هِشَام بْن عروة، عَنْ أبيه......

عَنْ عَائِشَة، أَنَّهَا زَفَّتِ امْرَأَة إِلَى رَجُلٍ مِنَ الأَنْصارِ، فَقَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يا عَائِشَة! ما كَانَ مَعَكُمْ لهْوٌ، فإِنَّ الأَنْصارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ.))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک دلھن کو ایک انصاری مرد کے پاس لے گئیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تمہارے پاس لھو (دف بجانے والا) نہیں تھا۔ بلاشبہ انصار کو دف پسند ہے۔''

شرح میں کہتا ہوں، شادی اور ختنہ کے موقع پر دف بجانے کی رخصت ہے۔ جناب ابن سیرین سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب گیت یا دف کی آواز سنتے تو پوچھتے: یہ کیوں ہو رہا ہو؟ اگر جواب ملتا ہے کہ فلاں جگہ شادی ہے یا ختنہ ہے تو خاموش ہو جاتے۔ جناب عکرمہ اور ابراہیم شادی بیاہ کے موقع پر لوٹنے اور باہم چھینا جھپٹی کو ناپسند سمجھتے تھے لیکن امام شعبی رحمہ اللہ اس کو برا نہیں جانتے تھے۔

(13)......بَابُ خُطْبَةِ النِّكَاحِ وَالحَاجَةِ

نکاح اور حاجت کا خطبہ

(٢٢٦٩)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، نَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ

(٢٢٦٨) أخرجه البخاري: ٥١٦٢.

(٢٢٦٩) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢١١٨، والترمذي: ١١٠٥، والنسائي: ٣٢٧٧، وابن ماجه: ١٨٩٢.

مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، نَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ح، وَأَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ الطَّاهِرِيُّ، أَنَا جَدِّي أَبُو سَهْلٍ عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْبَزَّازُ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْعُذَافِرِيُّ، أَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّبَرِيُّ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ......

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَخْطُبَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ، فَلْيَبْدَأْ، فَلْيَقُلْ: إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ، فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ، فَلا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَقْرَأُ هَذِهِ الآيَاتِ الثَّلاثَ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: 102]، ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء: 1]، ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا...... حَتَّى بَلَغَ...... فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [الأحزاب: ۷۰، ۷۱]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کسی کا ارادہ ہو کہ وہ حاجت کا خطبہ پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ کہے: (إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ، فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ، فَلا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔) ''تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے بخشش مانگتے ہیں، ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ رہنے دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' پھر وہ یہ تین آیات بھی پڑھے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾...... ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔'' (سورۂ آل عمران: ۱۰۲) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ......''اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے ناتے توڑنے سے بچو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔'' (سورہ نساء:۱) ﴿يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ ......''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، وہ (اللہ) تمہارے کام سنوار دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے بڑی کامیابی حاصل کرلی۔'' (سورہ احزاب:۷۰،۷۱)

شرح: ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حاجت کا خطبہ بھی سکھایا (جس کا آغاز) (ان الحمد لله نستعينه) کے الفاظ سے ہوتا ہے اور آگے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا خطبہ کی طرح ذکر کیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدُ لِلَّهِ فَهُوَ أَجْذَمُ۔)) ......''ہر وہ گفتگو جس کا آغاز (اَلْحَمْدُ لِلَّهِ) کے الفاظ سے نہیں کیا جاتا وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی مانند ہے۔''

(ضعیف، ابوداود: ٤٨٤٠، ابن ماجه: ١٨٩٤)

(الاجذم) ''کٹا ہوا ہاتھ۔'' اس لفظ کا معنی ہے: کٹا ہوا ہونا، تنہا اور اکیلا ہونا جس کا پیچھے کسی نظام اور سسٹم سے کوئی تعلق نہ ہو۔

فائدہ: یعنی ایسا کام اور ایسی گفتگو، خطبہ یا لیکچر بے برکت ہے، کسی بھی چیز میں برکت اور خیر اللہ تعالیٰ کے مقدس نام سے پڑتی ہے۔ جب اسی ذات باوجود کا نام نہ لیا جائے تو معاملات میں خیر وبرکت کہاں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنا ہر کام اللہ کی تعریف سے شروع کریں، خطبہ حاجت سے مراد وہ کلمات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم موقع پر خطاب فرماتے وقت آغاز میں ارشاد فرماتے تھے۔ (ع،س)

(14)......بَابُ لَفْظِ النِّكَاحِ

کن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ......''پس جب زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کرلی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا۔'' (سورہ احزاب: ۳۷)

نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ......''تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو۔'' (سورۂ نور: ۳۲)

ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں ہبہ کرتی ہوں، ایک آدمی نے کہا: اس کی شادی مجھ سے کردیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس قرآن کے عوض جو تمہیں یاد ہے، میں اس کا نکاح تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔'' (صحيح بخاری: ٢٣١٠)

(٢٢٧٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، نَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، نَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ هِشَامٌ، حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ...... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّائِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقُولُ: أَتَهَبُ الْمَرأَةُ نَفْسَهَا؟ فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيٓ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [الْأَحْزَاب: 51] الآيَةَ، قُلْتُ: مَا أَرَى رَبَّكَ إِلا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مجھے ان عورتوں کے بارے میں بڑی شرم آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کردیتی تھیں۔ میں کہتی، کیا ایک (آزاد) عورت بھی اپنا آپ ہبہ کرسکتی ہے؟ پھر جب اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری: ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ ......''ان میں سے جسے تو چاہے دور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ۔'' (سورہ احزاب: ۵۱) میں نے کہا: اب مجھے سمجھ آئی کہ آپ کا پروردگار آپ کی خوشی پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا لفظ ھبہ، بیع یا تملیک بولنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں، بعض علماء تو جواز کے قائل ہیں اور وہ اہل رائے ہیں۔ ان کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ ......''اور وہ ایمان دار عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کردے۔'' (سورہ احزاب: ۵۰)

(٢٢٧٠) أخرجه البخاري: ٤٧٨٨، ٥١١٣، ومسلم: ١٤٦٤.

بعض اہل علم ان الفاظ کے بولنے کے ساتھ نکاح منعقد ہونے کے قائل نہیں، ان کا کہنا ہے جب تک لفظ نکاح یا تزویج زبان سے ادا نہ ہوں گے نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡكِحَهَا﴾ ...... ''یہ اس صورت میں ہے کہ خود نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے۔'' (سورہ احزاب:۵۰)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ نکاح اور خرید وفروخت کے جملہ معاملات میں لفظی مشارکت ومماثلت نہیں پائی جانی چاہیے بلکہ دونوں کے درمیان میں قطعی مغایرت ہونی چاہیے تاکہ معاملہ ممتاز اور الگ الگ رہے جس طرح لفظ نکاح یا تزویج بولنے سے بیع وشراء اور خرید وفروخت کے معاملے منعقد نہیں ہوتے اسی طرح نکاح منعقد ہونے کے بھی اپنے الفاظ، تراکیب اور اصطلاحات ہیں، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح لفظ ہبہ بولنے سے منعقد ہوجاتا تھا کسی اور کا نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ...... ''یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں۔''

(15)......بَابُ الْوَفَاءِ بِشَرْطِ النِّكَاحِ
نکاح کے وقت طے شدہ شراط کو پورا کرنا

(۲۲۷۱)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ الْقَفَّالُ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ مَنْصُورُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ الْهَرَوِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَاتِي الْكُوفِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَازِمِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوَفَّى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ فُرُوجَ النِّسَاءِ۔))

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ شرطیں پوری کی جانے کا حق سب سے زیادہ رکھتی ہیں جن کے ساتھ تم نے عورتوں کی عصمت (اپنے لیے) حلال کی۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اکثر اہل علم کے نزدیک اس شرط سے مراد مہر کی رقم ہی ہے۔ نکاح کے موقع پر مرد جو رقم اپنے ذمے لے تو اس پر ضروری ہے کہ اس کی ادائیگی کو یقینی بنائے اور اپنی شرط پوری کرے، اسی طرح نکاح کے موقع پر حالات کے مطابق مزید شرائط جن کا تعلق حقوق وفرائض سے ہو رکھی جاسکتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسی شرائط ناگزیر اور وقت کی ضرورت ہوتی ہیں۔ باقی رہیں ایسی ویسی شرائط مثلاً: مرد عورت کو اس کے گھر سے نکال نہیں سکتا یا اس شہر سے

(۲۲۷۱) أخرجه البخاري: ۵۱۵۱، ومسلم: ۱۴۱۸.

اس کو منتقل نہیں کرے گا یا اس کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا اور اسی قسم کی دیگر شرائط تو ان کا پورا کرنا کچھ ضروری نہیں، مرد عورت کو اس کے گھر سے نکال کر لے جا سکتا ہے، اسے لے جا کر دوسرے شہر میں سکونت کر سکتا ہے اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ جناب عطاء، شعبی، قتادہ، ابن مسیّب، حسن بصری، ابن سیرین اور نخعی رحمہم اللہ اسی موقف کے قائل ہیں۔

امام سفیان ثوری، مالک، شافعی، اور اہل رائے رحمہم اللہ کا بھی یہی خیال ہے، امام نخعی نے کہا: طلاق کے علاوہ نکاح میں لگائی گئی ہر شرط کو نکاح ختم کر دیتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ نکاح کے موقع پر رکھی جانے والی شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ عورت جس گھر میں رہ رہی ہے مرد اسے یہاں سے کہیں نہیں لے جائے گا یا فلاں شہر سے اسے منتقل نہیں کرے گا یا اسی قسم کی دیگر شرائط۔ اس موقف کے قائل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام اوزاعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی بات مروی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حقوق اسی وقت پورے کرنے ہوں گے جب شرائط پوری کی جائیں گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت سے دو ہزار حق مہر پر نکاح کرتا ہے اور ساتھ یہ شرط ٹھہرا لیتا ہے کہ میں اسے اس گھر سے نہیں نکالوں گا جس میں وہ بس رہی ہے۔ اگر میں نے اسے نکالا تو میں بطور حق مہر چار ہزار روپے کی ادائیگی کروں گا۔ ایسی شرط کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم تو سرے سے ایسی شرط کو باطل قرار دیتے ہیں اور ایسے مشروط حق مہر کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں مانتے، البتہ خاتون کو مہر مثل ملے گا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام شریح نے کہا: شرط کو پورا کرنا ہوگا، اگر عورت کو گھر سے نکالے گا تو چار ہزار روپے کی ادائیگی کرے گا۔ امام حماد نے کہا: عورت کا حق مہر دو ہزار ہی ہے خواہ گھر میں رہنے دے یا نکال دے۔

فائدہ: نکاح کے موقع پر مزید شرائط رکھی جا سکتی ہیں جن کی وجہ سے عورت کو اس مرد سے نکاح میں ترغیب ہو، نکاح کے بعد مرد کا فرض ہے کہ یہ شرطیں پوری کرے البتہ فریقین کو ایسی شرائط مقرر نہیں کرنی چاہییں جن میں شرعاً قباحت ہو مثلاً مرد سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دے یا مرد کہے کہ عورت غیر محرموں سے پردہ نہیں کرے گی وغیرہ۔ (ع،س)

(16)......بَابُ مَالَايَجُوْزُ مِنَ الشَّرْطِ

نکاح میں ناجائز شرطوں کا بیان

(٢٢٧٢)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

(٢٢٧٢) أخرجه البخاري: ٦٦٠١، ومسلم: ١٤٠٨.

((لا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا، وَلِتَنْكِحَ، فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔)) نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنی بہن (خاوند کی پہلی بیوی) کی طلاق کا مطالبہ اس نیت سے نہ کرے کہ اس کے حصے کا رزق بھی اسے مل جائے بلکہ اس کی موجودگی میں نکاح کرے بلاشبہ اسے وہ سب کچھ مل کر رہے گا جو اس کی تقدیر میں ہے۔''

شرح (لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا) ''تاکہ یہ اس کی پلیٹ میں پڑا رزق الٹ دے۔'' یہ ایک مثال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری بیوی پہلی کے حصے کا رزق بھی سمیٹنا چاہے اور اسے طلاق دلوا کر اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہے بلکہ اسے تقدیر پر کامل ایمان رکھتے ہوئے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے جو کچھ اس کے مقدر میں لکھا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اس لیے اسے نکاح دوسری بیوی کی موجودگی میں بھی کر لینا چاہیے کیونکہ اسے اتنا ہی ملے گا جتنا اس کے مقدر میں ہوگا۔

حدیث کے یہ الفاظ (لِتُكْفِيءَ مَافِيْ صَحْفَتِهَا) ......''تاکہ اس کی پلیٹ کو اوندھا کر دے۔''

ابو عبید نے کہا: لفظ الصَّحْفَه کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اس کی جمع صحاف آتی ہے اور لفظ (لِتَكْتَفِيءَ) کے معنی الٹ دینے اور اوندھا کر دینے کے ہیں۔ یہ لفظ اہل عرب کے جملے (كَفَأْتُ الْقِدْرَ) ''میں نے ہنڈیا کو الٹ دیا اور اس میں جو کچھ تھا سب انڈیل دیا۔'' سے ماخوذ ہے۔ عموماً ایک برتن سے دوسرے برتن میں اشیاء کو منتقل کرتے ہوئے یہی انداز اپنایا جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: (لَاتَشْتَرِطُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا) ''کوئی عورت نکاح کرتے ہوئے اپنی بہن کو طلاق دے دینے کی شرط نہ لگائے۔''

حدیث مبارکہ میں آنے والے لفظ (أُخْت) سے مراد حقیقی اور سگی بہن مراد نہیں ہے کیونکہ بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں دو بہنیں نہیں رہ سکتیں۔ ان کی موجودگی حرام ہے۔ اس سے مراد سوتن ہے اور لفظ بہن سے مراد دینی اور اسلامی بہن ہے۔

(17)......بَابُ إِذَا أَنْكَحَ الْوَلِيَّانِ

جب دو ولی کسی عورت کا نکاح کر دیں تو......؟

(۲۲۷۳)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنِ مُنِيبٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ......

(۲۲۷۳) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ۲۰۸۸، والترمذي: ۱۱۱۰، والنسائي: ٤٦٩٦، وابن ماجه: ۲۱۹۰.

عَنْ سَمُرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((إِذَا أَنْكَحَ الْوَلِيَّانِ، فَالنِّكَاحُ لِلأَوَّلِ مِنْهُمَا، وَإِذَا بَاعَ رَجُلٌ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ، فَالْبَيْعُ لِلأَوَّلِ مِنْهُمَا۔))

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو ولی کسی عورت کا نکاح کر دیں تو یہ ان میں سے پہلے والے کے لیے ہوگی اور جب کسی شخص نے ایک چیز کا دو آدمیوں سے سودا کر دیا ہو تو وہ چیز پہلے والے کی ہوگی۔''

شرح: اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ کسی عورت کا نکاح اگر دو ولی کر دیں، ان میں سے ایک نے پہلے کیا اور دوسرے نے بعد میں تو تقدیم وتاخیر معلوم کرنے کے بعد پہلا نکاح درست ہوگا اور دوسرا باطل ہوگا خواہ دوسرے نے دخول کرلیا ہو یا نہ کیا ہو، البتہ عطاء سے مروی ہے کہ اگر دوسرے نے دخول کرلیا ہے تو پھر وہ اسی کی بیوی ہوگی۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور اگر دونوں نکاح بیک وقت ہوئے تو دونوں ہی باطل ہوں گے اسی طرح اگر احتمال ہو کہ دونوں نکاح اکٹھے ہوئے ہیں یا یہ احتمال ہو کہ ایک پہلے ہوا اور دوسرا بعد میں تو دونوں نکاح باطل ہوں گے البتہ اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ حاکم ان دونوں کو طلاق دینے کا حکم دے اور ان میں سے ایک طلاق دے دے پھر وہ دوسرے سے اس کا نکاح کروا دے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک نے نکاح پہلے کیا ہے پھر شبہ پڑ گیا تو واضح ہونے تک توقف اختیار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے نکاح پہلے کیا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا کہ پہلے نکاح کس کے ساتھ کیا ہے تو بھی ایک قول کے مطابق اس میں توقف اختیار کیا جائے گا۔ میرے نزدیک بھی یہی بات درست ہے اور دوسرے قول کے مطابق دونوں نکاح باطل ہوں گے جس طرح گزشتہ احتمالی صورتوں میں تھا۔

(18)......بَابُ مَنْ أَعْتَقَ أَمَةً ثُمَّ نَكَحَهَا

اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لینا

(٢٢٧٤)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْمَخْلَدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ السَّرَّاجُ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ......

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا حق مہر قرار دیا۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی کراہت نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باسند صحیح مروی ہے، سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

(٢٢٧٤) أخرجه البخاري: ٥٠٨٦، ومسلم: ١٣٦٥ .

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے: ''اس کے لیے دہرا اجر ہے۔'' (صحیح بخاری: ۵۰۸۳، صحیح مسلم: ۲۵۶۳)

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اور اس کی آزادی کو ہی اس کا حق مہر قرار دے دے تو کیسا ہے؟ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے اہل علم کی ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے۔ جناب سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام اوزاعی اور اسحاق رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس عقد کو جائز قرار نہیں دیا الا یہ کہ نئے سرے سے حق مہر مقرر کیا جائے، امام مالک اور اہل رائے کا موقف یہی ہے، ان حضرات کے نزدیک حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ لونڈی کی آزادی کو حق مہر قرار دینے کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے جس طرح بغیر مہر ادا کیے کسی خاتون سے نکاح کرنا آپ کا خاصہ تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ گویا اپنا آپ ہبہ کر دینے والی عورت کی قبیل سے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جب آقا سے اس کی کنیز کہے: تو مجھے آزاد کر دے اور شرط یہ ہے کہ میں تجھ سے نکاح کرلوں گی اور میری آزادی ہی میرا حق مہر ہوگی، پھر وہ اس شرط پر اسے آزاد کر دیتا ہے تو لونڈی کو اختیار حاصل ہے وہ اس سے نکاح کر لے یا رہنے دے، اور اس کا مالک اسے اس کی قیمت ادا کرے گا اور اگر وہ نکاح کر لیتی ہے اور اس کے ذمے مالک کی جو قیمت ہے اسی پر راضی ہو جاتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اور جو علماء آزادی حق مہر قرار دینے کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایسی شرط کے بعد لونڈی پر اپنے آقا کے ساتھ نکاح کرنا واجب ٹھہرتا ہے جیسے اگر وہ کہتی: تو مجھے آزاد کر دے اس شرط پر کہ میں تجھے فلاں فلاں چیز سی کر دوں گی یا کوئی عورت کہے: میں تیرا فلاں کام سرانجام دوں گی اس شرط پر کہ تو مجھے طلاق دے گا۔ اس معاہدے کے بعد وہ آزاد کر دیتا ہے یا طلاق دے دیتا ہے تو ان کو حسب معاہدہ وہ کام کرنے پڑیں گے جن کی انہوں نے ضمانت دی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ان الفاظ کے ساتھ وہ اپنے آقا کی بیوی قرار پائے گی کیونکہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا حق مہر قرار دیا۔ یہ چیز پتہ دیتی ہے کہ آپ کا ان کو آزاد کرنا ہی بطور نکاح تھا۔ اور جو لوگ ان الفاظ کے ساتھ لونڈی کے بیوی بن جانے کے قائل نہیں وہ ان الفاظ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے یا آپ ﷺ نے آزاد کرنے کے بعد نکاح الگ سے کیا تھا اور آزادی کو ان کا حق مہر قرار دیا تھا۔ امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث مبارکہ ہے۔

(۲۲۷۵)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ شُعَيْبٍ......

(۲۲۷۵) أخرجه البخاري: ٥١٦٩، ومسلم: ١٣٦٥ .

عَـنْ أَنَـسٍ ، أَنَّ رَسُـولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ أَعْتَـقَ صَـفِيَّةَ ، وَتَـزَوَّجَهَا ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا ، وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرمایا اور ان سے شادی کی اور ان کی آزادی کو ان کا حق مہر قرار دیا اور ان کا ولیمہ حیس (ایک قسم کی میٹھی ڈش) سے کیا۔

(19)......نِكَاحِ الْعَبْدِ وَعَدَدِ الْمَنْكُوحَاتِ

غلام کے نکاح اور (بیک وقت مباح) بیویوں کی تعداد کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ ......''تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دودو، تین تین، چار چار۔'' (سورہ نساء:۳)

یعنی دو بیویاں رکھو یا تین یا چار، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کی جو آخری مباح تعداد بیان کی ہے وہ چار کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخص بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا، اس سے زائد بیویاں رکھنا حرام ہے، آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حکم آزاد افراد کے لیے ہے کیونکہ اسی آیت کے اگلے الفاظ ﴿أَوْمَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ......''یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔'' (سورہ نساء:۳) سے پتہ چلتا ہے کہ بیک وقت چار بیویوں کے علاوہ لونڈیاں رکھی جاسکتی ہیں اور لونڈیاں آزاد لوگوں کی ہی ہوتی ہیں غلاموں کی نہیں۔

(۲۲۷٦)۔ أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الْـوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَنَا الرَّبِيعُ ، أَنَا الشَّافِعِيُّ ، نَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ......

عَـنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، أَنَّهُ قَالَ: يَنْكِحُ الْعَبْدُ امْـرَأَتَيْـنِ ، وَيُـطَـلِّـقُ طَلْقَتَيْنِ ، وَتَعْتَدُّ الأَمَةُ حَيْضَتَيْنِ ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَحِيضُ ، فَشَهْرَيْنِ أَوْ شَهْرًا وَنِصفًا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: غلام دو عورتوں سے نکاح کرتا ہے دو طلاقیں دیتا ہے اور لونڈی دو حیض عدت گزارتی ہے۔ اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ یا ڈیڑھ ماہ عدت گزارے۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: تمام امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ آزاد مرد کے لیے ایک وقت میں چار آزاد عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ چار عورتیں مسلمان ہوں یا اہل کتاب میں سے ہوں۔ چار بیویوں سے زیادہ (بیک وقت) نہیں رکھ سکتا۔ غلام دو عورتوں سے زیادہ سے نکاح نہیں کرسکتا۔

(۲۲۷٦) صحیح ...... أخرجه البيهقي: ۷/ ٤٢٥ .

امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمان نے کہا: غلام چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ عمدہ بات ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی ہے، تمام آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی غلام کے نکاح میں لونڈی ہو اور وہ اسے دو طلاقیں دے ڈالے تو وہ لونڈی اس کے لیے حلال نہیں رہتی الا یہ کہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے (اور وہ اسے اپنی مرضی سے طلاق دے) جس طرح ایک آزاد شخص کا معاملہ ایک آزاد عورت کو تین طلاقیں دینے کے بعد ہوتا ہے۔ اہل علم کا اس مسئلہ کے متعلق اختلاف ہے، جب زوجین میں سے ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو، اس کیفیت میں اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ طلاقوں کی تعداد مرد کے لحاظ سے معتبر ہوگی۔ جس طرح بیویاں رکھنے کا مسئلہ ہے۔ اس نکتہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک آزاد شخص اپنی کنیز بیوی کے لیے تین طلاقوں کا حق محفوظ رکھتا ہے اور غلام خاوند اپنی آزاد بیوی کے لیے دو طلاقوں کا۔ یہ قول سیدنا عثمان، ابن مسعود، ابن عمر، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔ جناب عطاء بن ابی رباح، ابن مسیّب، امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی موقف ہے۔

(٢٢٧٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ، نَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سَوَّارٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ، وَالعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے۔

شرح: یعنی طلاق میں مرد کی حیثیت کا اعتبار ہوگا اور عدت میں عورت کی حیثیت کا۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ طلاق کی گنتی میں عورت کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا، مثلاً غلام خاوند اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دینے کا۔ یہ قول عبیدہ، سفیان، اور اہل رائے کا ہے۔ عدت کے متعلق تمام علماء متفق ہیں کہ اس میں عورت کی حیثیت کا ہی اعتبار کیا جائے گا اور اگر عورت کی عدت وضع حمل بنتی ہو تو اس میں آزاد اور لونڈی برابر ہیں۔ اور اگر عدت کا تعلق حیض کے ساتھ ہو تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور لونڈی کی عدت دو حیض۔ اور اگر عدت کا تعلق مہینوں کے ساتھ ہو اور وہ عدت خاوند کی وفات کی ہو تو لونڈی اپنے خاوند کی وفات کی عدت دو ماہ پانچ دن گزارے گی جو کہ آزاد عورت کی عدت کی نصف ہے۔ اور اگر وہ عدت طلاق کی ہے تو اس میں دو قول ہیں، ان میں سے قیاس کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ لونڈی ڈیڑھ ماہ عدت گزارے گی اس لیے کہ دن نصف ہو سکتے ہیں بخلاف حیض کے، اور دوسرا قول ہے کہ لونڈی کی عدت دو ماہ ہے، دو حیض کی طرح اور ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بابت اختلاف کیا ہے جس میں ہے کہ اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ یا ڈیڑھ ماہ عدت گزارے، بعض نے تو کہا کہ یہ الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں اور بعض نے کہا کہ یہاں راوی کو شک ہو گیا ہے۔ آزاد اور غلام نامردی کی مدت میں برابر ہیں اور وہ مکمل ایک سال ہے۔

(٢٢٧٧) صحيح موقوفا ...... أخرجه البيهقي: ٧/ ٣٧٠.

فائدہ: (الغنۃ) کہتے ہیں نامردی کو۔ ایسے شخص کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی جس میں وہ اپنا علاج کروائے گا۔ ٹھیک ہو جانے کی صورت میں نکاح برقرار رہے گا وگرنہ عورت کو خلع لینے کا شرعاً حق حاصل ہو گا۔ اس میں آزاد اور غلام برابر ہیں۔ (ع،س)

ایلا کی مدت میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ مدت ایلا میں بھی آزاد اور غلام برابر ہیں، کیونکہ اس چیز کا تعلق انسانی جبلت اور نیچر کے ساتھ ہے کہ ایک عورت فطری لحاظ سے کم از کم کتنی مدت اپنے خاوند سے دور رہ سکتی ہے اور جس شرعی حکم کا تعلق طبع کے ساتھ ہو اس میں آزاد اور غلام برابر ہیں جیسا کہ نامردی، حیض اور رضاعت کے باب میں ہے۔

امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا موقف ہے کہ ایلاء کی مدت غلامی کی بنا پر نصف ہو جائے گی، پھر امام مالک رحمہ اللہ اس میں آدمی کی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عورت کی حیثیت کا۔ غلام کے ظہار کا معاملہ مرد کے ظہار کے معاملے کی طرح ہے اور اس کے کفارے کے روزے دونوں کو دو ماہ رکھنے ہوں گے۔ اس مسئلہ میں غلام بالاتفاق آزاد کی طرح ہے۔ اگر کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہو گا۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے کیونکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے وہ زانی ہے۔'' (حسن، ابو داود: ۲۰۷۸، ترمذی: ۱۱۱۱، ۱۱۱۲)

امام مالک رحمہ اللہ اور اہل رائے کا موقف ہے کہ ایسا نکاح موقوف ہو گا۔ اگر مالک نے اجازت دے دی تو صحیح ہو گا وگرنہ نہیں اور اگر غلام نے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا اور ہم بستری بھی کرلی تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور مہر کی رقم کی ادائیگی اس کے ذمے رہے گی یہاں تک کہ وہ آزاد کر دیا جائے (اور آزاد ہو کر اس کی ادائیگی کرے گا) یہ صحیح قول ہے اور دوسرا قول اس مسئلے میں یہ ہے کہ اسے بیچ کر حق مہر ادا کیا جائے گا جس طرح جرائم کے قرض کا مسئلہ ہے (جس کی ادائیگی میں غلام کو فروخت کر دینا ہوتا ہے)۔ کسی آزاد شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لونڈی سے نکاح کرے ماسوائے ان دو مجبوریوں کے۔ ایک تو یہ کہ اسے اپنے اوپر زنا میں واقع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کے پاس آزاد عورت کو حق مہر دینے کے لیے رقم نہ ہو۔ اس کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ ...... ''اور تم میں سے جس کسی کو

آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت وطاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کرلے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو، اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدے کے مطابق ان کے مہران کو دو، وہ پاک دامن ہوں نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔ کنیزوں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو۔'' (سورۂ نساء: ۲۵)

یہ قول سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا ہے، جناب طاؤس اور عمرو بن دینار اسی کے قائل ہیں، امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی مسلک ہے، اہل رائے نے آزاد شخص کو کنیز سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے الا یہ کہ پہلے سے اس کے نکاح میں ایک آزاد عورت موجود ہو۔

جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ علیہ نے کہا: آزاد عورت کی موجودگی میں کسی کنیز سے شادی نہ کی جائے الا یہ کہ وہ آزاد عورت اجازت دے دے۔ پھر اگر وہ اجازت دے دے تو اسے دوتہائی حصہ ملے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کہ ایک غلام اپنے نکاح میں دو کنیزوں یا ایک کنیز اور ایک آزاد عورت کو جمع کرلے یا ایک آزاد عورت کے ہوتے ہوئے کنیز سے شادی کرلے۔ لیکن اہل رائے نے اس بات کو جائز قرار نہیں دیا جس طرح ان کے نزدیک یہ کیفیت آزاد کے لیے جائز نہیں ہے۔

ایک مسلمان شخص آزاد ہو خواہ غلام اس کے لیے اہل کتاب لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ...... ''تو وہ ایماندار لونڈیوں سے نکاح کرلیں۔'' (سورہ نساء: ۲۵)

یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے، لیکن اہل رائے نے اہل کتاب لونڈیوں سے نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اہل کتاب لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے۔ مجوسی اور بت پرست لونڈی سے جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی کے ساتھ نکاح کرے، کیونکہ بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنے باپ کے معاملے میں چشم پوشی کرے اور والد اپنے بیٹے کے مال کی بنا پر غنی اور مالدار تصور کیا جائے گا (اور مالدار شخص کو چاہیے کہ وہ آزاد عورت سے شادی کرے اور بیٹے کا مال والد کا ہوتا ہے) البتہ بیٹا اپنے باپ کی لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔

ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میری والدہ نے میرے لیے اپنی لونڈی کو حلال قرار دیا ہے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ انہوں نے کہا: وہ کنیز تین شرائط کے سوا تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ (۱) ماں اسے ہبہ کرے، یا (۲) تو اس سے نکاح کرے، یا (۳) اسے خرید لے۔

(20)......بَابُ مَايَحِلُّ وَيَحْرُمُ مِنَ النِّسَاءِ وَالْجَمْعِ بَيْنَهُنَّ

کونسی عورتیں حلال ہیں اور کونسی حرام ہیں اور ان عورتوں کا بیان جن سے ایک ساتھ نکاح حرام ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾...... ''حرام کی گئیں تم پر مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (سورہ نساء:۲۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نسب کی بنا پر سات رشتے حرام ہیں اور سات سسرالی رشتے بھی حرام ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾...... [سورہ نساء:۲۳]

(صحیح بخاری: ۵۱۰۵)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾...... خاوند والی عورتیں مراد ہیں جو آزاد ہوں وہ بھی حرام ہیں اور ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾...... کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی کی لونڈی اس کے غلام کے نکاح میں ہو تو اس کو غلام سے چھین کر یعنی طلاق دلوا کر خود اپنی بیوی بنا سکتے ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: چار بیگمات ہوتے ہوئے پانچویں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، جیسے اپنی ماں، بیٹی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: کنیزوں کے بارے میں کوئی تعداد مقرر نہیں، جناب سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾...... (سورہ نساء:۲۴) کے بارے میں کہا: اس سے مراد وہ لونڈیاں ہیں جو پیچھے شادی شدہ تھیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں (استبراء رحم کے بعد)۔

(۲۲۷۸)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ......

(۲۲۷۸) أخرجه البخاري: ۵۱۰۹، ومسلم: ۱۴۰۸.

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((لا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مرد کے نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی، اور خالہ اور بھانجی کو جمع نہ کیا جائے۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اللہ عزوجل کی کتاب میں جن رشتوں کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے وہ چودہ (۱۴) ہیں نیز وہ رشتے اس کے علاوہ ہیں جن کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔ سات رشتوں کا تعلق نسب سے ہے اور سات کا تعلق سبب سے ہے، وہ سات رشتے جو سببی ہیں، ان میں سے دو کا تعلق رضاعت کے ساتھ ہے اور چار کا تعلق سسرال کے ساتھ اور ساتویں کا بیان (والمحصنت) میں ہے یعنی شوہر والی عورتیں جو پہلے سے کسی کے نکاح میں ہوں۔ سات نسبی رشتے جو حرام ہیں ان کا بیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ﴾...... ''ابدی محرمات بسبب نسب کے سات ہیں: مائیں (اوپر تک)، بیٹیاں (نیچے تک)، حقیقی بہنیں (ماں باپ دونوں کی طرف سے یا صرف باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے)، بھانجیاں، بھتیجیاں، پھوپھیاں، خالائیں۔'' محرمات ابدیہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک انسان پر اس کے اصول یعنی مائیں دادیاں وغیرہ اوپر تک اور فروع یعنی بیٹیاں، اولاد کی بیٹیاں (پوتیاں، نواسیاں وغیرہ) نیچے تک اور پہلے اصول کی فصول یعنی بہنیں، بھانجیاں، بھتیجیاں نیچے تک اور ہر اصل کی پہلی فصل جیسے پھوپھیاں، خالائیں وغیرہ اوپر تک اور محرمات رضاعیہ کا بیان اللہ عزوجل کے اس فرمان مبارک میں ہے: ﴿وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾...... ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔'' (سورہ نساء: ۲۳)

رضاعی رشتوں کی حرمت کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ سسرالی محرمات کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾ ''اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے۔'' نیز اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾...... ''اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں۔'' (سورہ نساء: ۲۳)

سسرالی رشتوں کی حرمت کے بارے میں اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو محض نکاح کر لینے سے ہی منکوحہ، نکاح کرنے والے کے آباء واجداد پر (اوپر تک) اور اس کے نسبی اور رضاعی دونوں قسم

کے بیٹوں اور پوتوں پر (نیچے تک) حرام ہو جائے گی، ابدی حرام یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

اور نکاح کرنے والے پر محض نکاح کر لینے سے ہی، منکوحہ کی نسبی اور رضاعی مائیں اور دادیاں حرام ٹھہریں گی اور اگر کسی عورت سے نکاح کر کے اس سے مباشرت کا مرحلہ بھی طے ہو گیا تو نکاح کرنے والے پر منکوحہ کی نسبی اور رضاعی بیٹیاں اور پوتیاں اور نواسیاں اس پر حرام ہو جائیں گی۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ یہ وہ تمام محرمات ہیں (نسبی محرمات، سسرالی محرمات اور رضاعی محرمات) جن پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے ماسوائے اس قول کے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ منکوحہ کی ماں محض نکاح کر لینے سے حرام نہیں ہو گی جب تک مباشرت اور خلوت صحیحہ نہ ہو جس طرح ربیبہ کا معاملہ ہے۔

فائدہ: (ربیبة) بیوی کے پہلے خاوند کی لڑکی، اس کی حرمت مشروط ہے یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہو تو ربیبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہو گا۔ (ع،س)

اور لونڈی کے ساتھ مجامعت سے مصاہرت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح نکاح کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کو لونڈی (خدمت وغیرہ کے لیے) ہبہ کرتے وقت کہا: اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم نہ کرنا کیونکہ میں نے اسے عریاں کیا تھا اور جناب سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو لونڈی ہبہ کی تو کہا: اس کے قریب مت جانا، کیونکہ میں نے اس سے قربت کا ارادہ کیا تھا اگرچہ اس کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ جناب قاسم بن محمد بن ابو بکر سے بھی اسی قسم کی بات کہ عریاں اور بے لباس کرنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے منقول ہے۔ جناب مسروق نے وفات کے وقت ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا کہ اسے فروخت کر دو کیونکہ میرا اس سے اتنا تعلق ضرور رہا ہے جس سے میری اولاد کے لیے اس کو چھونا اور اس کے جسم کو دیکھنا حرام قرار پاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی عورت سے شبہ کی بنا پر یا نکاح فاسد (غیر شرعی نکاح) کی وجہ سے مجامعت کر لے تو اس سے متاثرہ عورت کی ماں اور بیٹی اس شخص پر حرام ٹھہرے گی اور وہ عورت اس شخص کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جائے گی لیکن اس عمل سے محرم ہونا ثابت نہیں ہو گا۔ جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کر لے تو ایک جماعت کا موقف ہے کہ زانی پر مزنیہ کی ماں اور بیٹی اور مزنیہ، زانی کے باپ اور بیٹے پر حرام نہیں ہو گی۔

ایسا موقف سیدنا ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ جناب سعید بن مسیّب، عروہ اور زہری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت ایسی صورت میں تحریم کی قائل ہے، ایسا موقف سیدنا عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے، جناب جابر بن زید اور حسن کا فتویٰ بھی یہی ہے، اہل رائے بھی اسی کے قائل ہیں۔ یحییٰ بن قیس کندی سے روایت ہے، انہوں نے امام شعبی سے بیان کیا: اگر کوئی شخص لواطت کرے اور کسی لڑکے کے دخول کر دے تو اب اس کی ماں سے نکاح نہ کرے اور یہ یحییٰ راوی مشہور شخص

نہیں ہے اور نہ کسی اور نے اس کے ساتھ ہو کر یہ روایت کی ہے۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں جمع کرے خواہ وہ بہنیں نسبی (سگی) ہوں یا رضاعی کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ...... ''اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا۔'' (سورہ نساء: ۲۳)

اگر کوئی شخص دونوں سے بیک وقت نکاح کر لیتا ہے تو دونوں کا نکاح باطل ہو جائے گا اور اگر دونوں سے نکاح یکے بعد دیگرے کرتا ہے تو بعد والی کا نکاح باطل ہوگا۔ ہاں اگر پہلی بہن کو مباشرت کرنے سے پہلے یا بعد میں اپنے سے جدا کر دے یا اسے طلاق دے اور اس کی عدت پوری ہو جائے تو اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا۔ باقی رہا عدت ختم ہونے سے پہلے کا معاملہ تو ایسی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا حلال نہیں، وہ عدت رجعی طلاق کی ہو یا طلاق بائنہ کی۔ ویسے اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے نیز ایسی عورت کا خاوند جس کی عدت ابھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچی ہو چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ جناب قاسم، عروہ، ربیعہ، مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم اس موقف کے قائل ہیں۔ جبکہ ایک جماعت کا موقف ہے کہ جب تک پہلی عورت عدت سے نکل نہیں جاتی اس کی بہن سے اور چوتھی عورت سے نکاح کرنا درست نہیں ہے، اہل رائے اس موقف کے قائل ہیں۔ اسی طرح کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ عورت اور اس کی پھوپھی، اس کی خالہ کو (اوپر تک) بیک وقت نکاح میں رکھے وہ رضاعی پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی ہوں یا سگی، اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ ایک نسب سے تعلق رکھنے والی دو عورتوں میں سے ایک کو اگر مذکر تصور کیا جائے تو دوسری عورت اس پر حرام ٹھہرے تو دونوں کا کسی شخص کے نکاح میں جمع ہونا حرام ہوگا۔

یاد رہے! کسی عورت کو اور اس کے باپ کی منکوحہ کو یا اس عورت کے بیٹے کی بیوی کو ایک نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ دونوں میں سے ایک کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو ایک دوسری پر حرام ٹھہرتی ہے۔ یہ جائز اس لیے ہیں کہ ان کے درمیان میں کوئی نسبی تعلق نہیں ہے۔ جناب عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی زینب اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیوی لیلیٰ بنت مسعود التمیمی، دونوں کو اپنے نکاح میں جمع کیا۔

جناب ابن سیرین اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم نے کہا: اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جناب حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے اپنے دونوں چچاؤں یعنی (محمد بن علی اور عمرو بن علی) کی بیٹیوں کو ایک ساتھ، ایک ہی رات میں نکاح میں لے لیا اور جابر بن زید تابعی نے اس کو مکروہ جانا ہے اس خیال سے کہ کزنوں (بہنوں) میں جلاپا نہ پیدا ہو مگر یہ حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ ''اور ان عورتوں کے سوا دیگر عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں۔'' (سورہ نساء: ۲۴)

جن دو عورتوں کا بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں مثلاً (دو بہنیں، پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور

بھانجی وغیرہ) اگر وہ کسی شخص کے پاس بطور ملک یمین (لونڈی) جمع ہو جائیں تو دونوں کی موجودگی میں کسی ایک کے ساتھ جماع کرنا جائز نہ ہو گا، مثلاً اگر کسی نے ماں اور بیٹی کو خریدا اور ان میں سے ایک کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرلیا تو دوسری عورت آقا پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام قرار پائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی یا خالہ بھانجی خرید لیتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ مجامعت کر گزرتا ہے تو دوسری کے ساتھ اس وقت تک قربت جائز نہ ہو گی جب تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام قرار نہ دے لے۔ سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا ہے۔

امام نافع رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو کنیزیں تھیں، حضرت نے ان میں سے ایک کے ساتھ وطی کی، پھر جب دوسری کے ساتھ وطی کا ارادہ ہوا تو پہلی کو اپنی ملکیت سے نکال دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا بصورت کنیز دو بہنوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ایک آیت سے اس مسئلہ کا جواز ثابت ہوتا ہے اور دوسری آیت سے حرمت۔ رہا میرا موقف تو میں ایسا کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: اگر معاملے کا کچھ اختیار میرے پاس ہوتا پھر میں کسی کو ایسا کرتے ہوئے پاتا تو اسے نشان عبرت بنا کر رکھ دیتا۔ جناب ابن شہاب نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس عزم کا اظہار کرنے والے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ''دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھنے کو ایک آیت جائز قرار دیتی ہے۔'' سے حضرت کی مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان: ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ...... ''یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔'' (سورہ نساء:۳) ہے اور ایک آیت اس کیفیت کو حرام قرار دیتی ہے سے حضرت کی مراد اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ ...... ''اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا (حرام ہے)۔'' (سورہ نساء:۲۳) اور عام فقہاء حرمت کے قائل ہیں کیونکہ ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ والی آیت نے ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کے عمومی حکم کو خاص کر دیا ہے، ایسے حکم کو عام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام رحمہ اللہ نے کہا: جب کسی شخص کی ملکیت میں دو کنیز بہنیں آ جائیں اور وہ ان میں سے ایک کے ساتھ مجامعت کر لے تو پھر جب تک مدخولہ کو کسی طرح اپنے اوپر حرام نہ کرے مثلاً آزاد کر کے، فروخت کر کے، شادی کر کے یا مکاتبت کر کے تو دوسری سے تعلق قائم کرنا حلال نہ ہو گا، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: شادی کرنے اور مکاتبت کرنے سے دوسری بہن کے ساتھ تعلق قائم کرنا حلال نہ ہو گا اور جس نے کوئی لونڈی خریدی اور اسی کی دوسری بہن سے شادی کر لی تو پھر لونڈی کے ساتھ مجامعت کرنا اس کیلئے حلال نہ ہو گا۔

(21)...... بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ بِالرَّضَاعِ

محرمات رضاعیہ کا بیان (دودھ کی بنا پر حرام ہونے والے رشتے)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ...... ''اور تمہاری وہ

مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔'' (سورہ نساء:۲۳)

(۲۲۷۹)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ)) فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ أَدَخَلَ عَلَيَّ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ ما يَحْرُمُ مِنَ الوِلادَةِ۔))

نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص کی آواز سنی جو (ام المؤمنین) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنے کی اجازت چاہتا تھا، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! یہ صحابی آپ کے گھر میں (جس میں حفصہ رضی اللہ عنہا رہتی ہے) آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے یہ فلاں صاحب ہیں، حفصہ کے رضاعی چچا ہیں۔'' میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اگر فلاں زندہ ہوتے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رضاعی چچا کا نام لیا) تو کیا وہ بے حجاب میرے پاس آسکتے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ دودھ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''

شرح: الرَّضاعۃ (راء کے اوپر فتحہ) اور لفظ الرِّضاعۃ (راء کے نیچے زیر) یہ دونوں الفاظ الارضاع (دودھ پلایا) باب سے اسم کے صیغے ہیں اور لفظ الرضاعۃ (جب راء کے اوپر فتحہ ہو کوئی اور حرکت نہ ہو) کا معنی کمینگی اور ذلت بھی ہوتا ہے، بسا اوقات باب رَضُعَ يَرْضُعُ (ضاد کے اوپر ضمہ) بھی آتا ہے، بچے کے دودھ پینے کے لیے باب ضَرَبَ يَضْرِبُ آتا ہے، مثلاً (رَضَعَ أُمَّهُ يَرْضِعُ) ...... ''بچے نے ماں کا دودھ پیا۔''

(۲۲۸۰)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ،

(۲۲۷۹) أخرجه البخاري: ۲٦٤٦، ۳۱۰٥، ومسلم: ۱٤٤٤ .

(۲۲۸۰) صحيح ...... أخرجه مالك في "المؤطأ": ۱۲۹۱ .

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ......

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الوِلادَةِ۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔''

(٢٢٨١)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ، فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: ((إِنَّهُ عَمُّكِ)) فَأْذَنِي لَهُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الحِجَابُ۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا نے میرے ہاں آنے کی اجازت طلب کی، میں نے انہیں اجازت دینے سے انکار کردیا جب تک کہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے اس مسئلہ کی وضاحت نہ کرلوں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے، میں نے یہ مسئلہ آپ ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے، میں نے عرض کیا کہ مجھے دودھ عورت (یعنی اس کی بھاوج) نے پلایا ہے، مرد (یعنی اس کے بھائی) نے نہیں پلایا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تیرا چچا ہے تیرے پاس آسکتا ہے۔'' یہ واقعہ پردے کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔

(٢٢٨٢)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ جُدْعَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يُحَدِّثُ......

(٢٢٨١) أخرجه البخاري: ٥٢٣٩، ومسلم: ١٤٤٥.

(٢٢٨٢) أخرجه البخاري: ٥١٠٠، ومسلم: ١٤٤٦

عَـنْ عَـلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَـلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ بِنْتِ حَمْزَةَ، فَإِنَّهَا أَجْـمَـلُ فَتَـاةٍ فِي قُرَيْشٍ؟ قَالَ: ((أَمَا عَـلِـمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، وَإِنَّ اللّٰـهَ حَـرَّمَ مِـنَ الـرَّضَـاعَةِ مَـا حَـرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔))

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اپنے چچا حمزہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہیں گے، بلاشبہ وہ قریش کی خوبصورت ترین دوشیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے علم نہیں کہ حمزہ میرا رضاعی بھائی ہے (اور وہ میری رضاعی بھتیجی ہے) اور اللہ نے رضاعت کی بنا پر وہ رشتے حرام کردیئے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔''

(۲۲۸۳)۔أَخْبَـرَنَـا أَحْـمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَـكْـرٍ أَحْـمَـدُ بْـنُ الْـحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُـحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الـرَّبِيـعُ، أَخْبَـرَنَـا الشَّـافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ......

عَـنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِـنْـتِ أَبِـي سُـفْيَانَ، قَالَتْ: يَا رَسُـولَ الـلّٰـهِ! هَـلْ لَكَ فِـي أُخْتِي بِنْتُ أَبِي سُـفْيَـانَ؟ فَـقَـالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (فَاعِلٌ ماذا؟)) قَالَتْ: تَنْكِحُهَا، قَالَ: ((أُخْتُكِ؟)) قَـالَـتْ: نَعَمْ، قَالَ: ((أَوَ تُـحِبِّينَ ذٰلِكَ؟)) قَـالَـتْ: نَـعَـمْ لَسْـتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأُحِـبُّ مَـنْ شَـرِكَـنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي، قَالَ: ((فَـإِنَّهَا لا تَحِلُّ لِي)) قَالَتْ: فَقُلْتُ: فَوَاللّٰهِ! لَـقَـدْ أُخْبِرْتُ أَنَّكَ تَخْطُبُ بِنَتَ أَبِي سَلَمَةَ، قَـالَ: ((بِـنْـتَ أُمِّ سَلَمَةَ؟)) قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: ((فَـوَالـلّٰهِ! لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حِجْرِي مَا حَـلَّـتْ لِـي، إِنَّهَـا لابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ

زینب بنت ام سلمہ سے مروی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ میری بہن بنت ابوسفیان میں راغب ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا کروں؟'' کہنے لگیں کہ آپ اس سے نکاح کرلیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری بہن سے؟'' بولیں: ہاں، آپ ﷺ نے کہا: ''کیا تمہیں یہ پسند ہے؟'' کہنے لگیں: جی ہاں! میں کوئی آپ کے پاس اکیلی تو نہیں ہوں اور اس شراکت میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میری بہن اس خیر میں میری حصہ دار بنے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میرے لیے حلال نہیں۔'' وہ کہنے لگیں، قسم اللہ کی! مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے دختر ابوسلمہ کے لیے پیغام بھجوایا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: ''ام سلمہ کی بیٹی کے لیے۔'' کہنے

(۲۲۸۳) أخرجه البخاري: ٥١٠٦، ٥١٢٣، ومسلم: ١٤٤٩.

أَرْضَعَتْنِي، وَأَبَاهَا ثُوَيْبَةُ، فَلا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلا أَخَوَاتِكُنَّ۔))

لگیں: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ اگر میری ربیبہ نہ بھی ہوتی جو کہ میری پرورش میں ہے، تو بھی میرے لیے حلال نہ ہوسکتی تھی کیونکہ وہ میرے دودھ کے بھائی کی بیٹی (رضاعی بھتیجی) ہے، سو مجھے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی پیش کش مت کرو۔''

شرح: جناب عروہ نے کہا: "كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا، فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ، قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ"...... ثوبیہ ابولہب کی آزاد کردہ کنیز تھی۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب کی وفات ہوگئی تو اسے گھر کے کسی فرد نے بدترین حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا: تیرے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ ابولہب نے کہا: مرنے کے بعد میری تم میں سے کسی سے ملاقات نہیں ہوئی، مجھے اس انگلی سے کچھ پلایا گیا ہے کیونکہ میں نے اس کے اشارے سے ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔

(صحیح بخاری: ۱۵۰۱، صحیح مسلم: ۱۴۴۹)

(سُقِيتُ فِي هَذِهِ) اس سے مراد شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کا گڑھا ہے۔ ابوسلمہ کی بیٹی کا نام درہ تھا۔

(بِشَرِّ حِيبَةٍ) یعنی بدترین حالت میں، فلاں بشر حَیبہ کا معنی ہے فلاں شخص بری حالت میں ہے (حاء کے اوپر زبر کے ساتھ) خاء کے نیچے اگر زیر پڑھی جائے الحِیبة تو معنی ہوگا غم والا اور فقر وافلاس۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ اس بات پر دلالت کناں ہے کہ دودھ سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، جب ایک عورت کسی بچے کو دودھ پلا دے تو دودھ پینے والے اور اس کی اولاد پر، رضاعی ماں کے قریبیوں میں سے ہر وہ رشتہ حرام ٹھہرے گا جو نسب کی بنا پر حرام قرار پاتا ہے لیکن مرضعہ (دودھ پلانے والی) دودھ پینے والے بچے کے باپ اور بھائی پر کوئی رشتہ حرام نہیں کرتی نہ دودھ پینے والے پر اس کی رضاعی بہن کی حقیقی ماں کو حرام کرتی ہے اگر وہ اس بچے کی حقیقی یا سوتیلی (باپ کی بیوی) ماں نہ ہو۔ مذکورہ حکم رضاعی بہن سے ہی متعلق ہے نسبی بہن سے نہیں کیونکہ نسبی بہن کی ماں یا تو اس کی اپنی ماں بھی ہوگی یا اس کے باپ کی منکوحہ ہوگی۔ ایسے ہی رضاعی پوتے کی ماں بھی تجھ پر حرام نہ ہوگی اگر وہ تیری بیٹی یا بہو نہ ہو۔ اسی طرح تیرے رضاعی بیٹے کی دادی بھی تجھ پر حرام نہ ہوگی اگر وہ تیری ماں یا ساس نہ ہو، اسی طرح تیرے رضاعی بیٹے کی بہن تجھ پر حرام ہے اگر وہ تیری بیٹی یا ربیبہ (پروردہ) نہیں۔

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ زانیہ عورت جب بدکاری کے ذریعے اترنے والا دودھ کسی بچے کو پلائے تو اس سے دودھ پینے والے بچے اور زانی نیز زانی کے نسبی رشتہ داروں کے درمیان حرمت ثابت نہیں ہوگی جس طرح زنا کے

ذریعے نسب ثابت نہیں ہوتا، ہاں اگر اس عورت کے پستانوں میں اترنے والا دودھ نکاح یا کسی شبہ کی بنا پر ہو جانے والی مجامعت کی بنا پر اترا ہے یا لونڈی سے آقا کے جنسی تعلق کی بنا پر آیا ہوا دودھ کسی بچے نے پیا ہے تو ان تینوں صورتوں میں دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی جسطرح ان صورتوں سے نسب ثابت ہوتا ہے اور سوتن کا دودھ حرمت کا باعث ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں البتہ ابن ابی ذئب حرمت کے قائل نہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں اس مسئلہ کی بھی دلیل ہے کہ مرد سے بھی دودھ کا ناتا ہوتا ہے، جس طرح دودھ پلانے والی عورت سے تعلق جڑتا ہے ویسے ہی اس کے شوہر اور عزیزوں سے بھی جڑ جاتا ہے یعنی جس طرح دودھ پلانے والی رضاعی ماں ہوئی تو اس کا شوہر رضاعی باپ اور اس کا بھائی رضاعی چچا ہوا بلاشبہ اللہ کے نبی ﷺ نے رضاعت کے ذریعے سے بننے والے چچا کے رشتے کو ثابت کیا ہے اور اسے نسب سے ملایا ہے، نبی ﷺ کے صحابہ اور بعد کے اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا ہے اور دوسری نے ایک لڑکی کو تو کیا اب اس لڑکے اور لڑکی کا نکاح آپس میں ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں کیونکہ دودھ کا منبع ایک ہی شخص ہے۔عبارت میں استعمال ہونے والا لفظ (اللقاح) ہے جس سے مراد مرد کا مادہ منویہ ہے یعنی جو دودھ اس لڑکے اور لڑکی نے نوش کیا ہے اس کی پستانوں میں آمد کا سبب ایک شخص کا مادہ منویہ بنا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ لفظ حاملہ کرنے کے معنی میں ہو، بہرحال لغوی تفصیل جو بھی ہو، حرمت ثابت ہوگی۔اصل میں تو یہ لفظ اونٹوں کی بارآوری کے متعلق بولا جاتا ہے وہاں سے ادھار کے طور پر خواتین کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا۔

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ مرد سے دودھ کا ناتا نہیں ہوتا اور اس سے مرد کیلئے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ یہ قول سیدنا عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، زبیر رضی اللہ عنہم اور نبی ﷺ کی بعض ازواج مطہرات کا ہے، مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو تو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیتیں جن کو دودھ ان کی کسی بہن یا بھانجی نے پلایا ہوتا لیکن ایسے کسی مرد کو اپنے یہاں آنے کی اجازت نہ دیتیں جس کو ان کی بھاوجوں یا بھانجوں کی بیگمات نے دودھ پلایا ہوتا۔

(مؤطا امام مالك: ١٢٨٥)

جناب اسماعیل بن علیہ اور داود اصبہانی کا بھی یہی موقف ہے، جناب سعید بن مسیّب، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، سلیمان بن یسار اور ابراہیم سے اسی قسم کی بات مروی ہے کہ عورت کے دودھ میں خاوند کا کوئی دخل نہیں اور اس سے خاوند کے ساتھ کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔اگر کوئی آدمی کسی ایسی عورت سے نکاح کرلے جسے اس آدمی کی ماں نے یا دادی، نانی نے یا اس کی بیٹی نے یا بہن نے دودھ پلایا ہو یا اس کی بھابھی نے دودھ پلایا ہو جس کا سبب اس کا بھائی تھا تو ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔اگر ایک آدمی نے دو عورتوں سے شادی کی ہے کہ ایک عمر میں بڑی ہے اور دوسری چھوٹی ہے، بڑی عمر والی، چھوٹی عمر والی کی رضاعی ماں ہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا کیونکہ وہ بیک وقت ماں اور بیٹی بن چکی ہیں، پھر

اگر اس رضاعت کا سبب وہ آدمی خود ہی تھا (یعنی وہ دودھ اس کے حمل کی وجہ سے اترا تھا) تو دونوں عورتیں اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گی۔ چھوٹی بیٹی ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی اور بڑی اس لیے حرام ہو گی کہ وہ اس عورت کی ماں ہے جو اس کی بیوی رہ چکی ہے اور اگر اس رضاعت کا سبب کوئی اور آدمی تھا اور یہ واقعہ بڑی عورت سے دخول کرنے کے بعد پیش آیا تو پھر بھی دونوں اس پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیں گی۔ بڑی ساس ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی اور چھوٹی اس لیے حرام ہوگی کہ وہ اس کی ایسی بیٹی کی بیوی ہے جس سے وہ دخول کر چکا ہے اور اگر یہ واقعہ بڑی عورت سے دخول کرنے سے پہلے پیش آیا تو بڑی عورت تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی جبکہ چھوٹی عورت سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اگر وہ دو ایسی عورتوں سے نکاح کرتا ہے جن دونوں کو کسی اجنبی عورت نے دودھ پلایا ہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا کیونکہ وہ دونوں بہنیں ہیں اور خاوند کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا، دونوں کو اکٹھا رکھنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ دونوں بہنیں ہیں اور اگر اس عورت نے ان دونوں کو باری باری دودھ پلایا ہے تو پہلی کو دودھ پلانے کی وجہ سے ان کا نکاح فسخ نہیں ہوگا لیکن جب دوسری کو دودھ پلائے گی تو دوسری کا نکاح فسخ ہو جائے گا جبکہ پہلی کا نکاح فسخ ہونے میں یہاں دو قول ہیں، جن میں سے صحیح یہ ہے کہ اس کا نکاح بھی فسخ ہو جائے گا، امام ابوحنیفہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ جب اس نے دوسری کو دودھ پلایا تو دونوں عورتوں کے درمیان اسی طرح رشتہ اخوت قائم ہو گیا جیسا کہ ایک ساتھ دودھ پلانے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کنواری لڑکی کا دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پلا دے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اگر وہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے جو کم از کم نو سال ہے، اگر کسی آدمی کا دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پلا دے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اور رضاعت بھی نسب کی طرح ہی ہے، نکاحوں کی حرمت اور محرمیت کے ثبوت میں (یعنی ہر وہ عورت جو نسب کی وجہ سے حرام کی گئی ہے اسی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہے اور نسب کی وجہ سے ایک شخص جن خواتین کا محرم قرار پاتا ہے رضاعت کی وجہ سے بھی ان کا محرم بن جاتا ہے۔ ع،س)

حتی کہ ان خواتین کے ساتھ بوجہ حرمت رضاع خلوت اور سفر کرنا جائز ہے اور دودھ پینے والے کے لیے اپنی رضاعی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔

سیدنا ابوطفیل (عامر بن واثلہ لیثی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور وہ بیٹھ گئی۔ بتایا گیا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ (ضعیف الاسناد، ابوداود: ٥١٤٤)

جناب حجاج بن حجاج اسلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں دودھ پلانے کا حق کس طرح ادا کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک غلام یا لونڈی (لے کر اسے دے دے)۔''

(ضعیف، ابوداود: ٢٠٦٤، ترمذی: ١١٥٣، نسائی: ٣٣٢٩)

اس سے مراد دودھ پلانے والی انا کا حق اور خدمت ہے۔ آپ نے توجہ دلائی کہ اس نے تجھے بچپن میں پالا، سنبھالا اور دودھ پلایا اب تو اس کا حق ایک غلام تحفۃً دے کر ادا کر جو بڑھاپے میں اس کی خدمت کرے اور جوانی میں جو اس نے تجھ پر محنت کی اس کا نعم البدل قرار پائے۔ اس حدیث میں اسی حق مرضعہ کی بابت بیان کیا گیا ہے۔

(المذِمّة) ''ذال کے نیچے زیر کے ساتھ۔'' کا معنی حق الخدمت ہے اور یہ لفظ "الذمام" سے ماخوذ ہے اور "المذَمة" (ذال کے اوپر فتحہ) کا معنی مذمت اور بے عزت کرنا ہے اور یہ "الذم" سے ماخوذ ہے۔

یاد رہے! رضاعت کے ذریعے وراثت اور آزادی کا اثبات نہیں ہوتا نہ اس رشتہ سے خرچ اخراجات دینا واجب ٹھہرتا ہے اور نہ اس کے ذریعے گواہی دینے اور قصاص لینے کا معاملہ ہی ساقط ہوتا ہے (جس طرح نسبی باپ کو بیٹا قتل کر دینے کی بنا پر قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ رضاعی باپ کا یہ معاملہ نہیں۔ (ع،س) رضاعت کا تعلق محض نکاحوں اور محرم ہونے کے ساتھ ہے۔

(22)......بَابُ مَاتَثْبُتُ بِهِ الْحُرْمَةُ مِنْ عَدَدِ الرَّضَعَاتِ

کتنی بار دودھ پینے سے حرمت (رضاعت) ثابت ہو جاتی ہے؟

(٢٢٨٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْن أَبِی بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْن حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ......

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ فِی الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخَتْ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ فِي الْقُرْآنِ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ قرآن میں پہلے یہ نازل کیا گیا تھا: ﴿عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ﴾ ......''دس بار الگ الگ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔'' پھر اسے پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ الفاظ قرآن میں قراءت کیے جاتے تھے۔

(٢٢٨٥)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، أَخْبَرَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

(٢٢٨٤) أخرجه مسلم: ١٤٥٢.

عَـنْ عَبْـدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ مِنَ الرَّضَاعِ وَالْمَصَّتَانِ.))

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک بار چوسنا یا دوبار چوسنا حرام نہیں کرتا۔''

(٢٢٨٥) أخرجه مسلم: ١٤٥٠.

شرح مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دوگھونٹ یا ایک دو دفعہ کا چوسنا حرمت کو ثابت نہیں کرتا۔''

(صحیح مسلم: ١٤٥١)

الاملاجة اور المصة کا ایک ہی مفہوم ہے۔ ایک دوگھونٹ یا ایک دو دفعہ کا چوسنا۔ (مَلَجَ الصَّبِيُّ أُمَّهُ) کا معنی بچے کا ماں کے پستان کو ہونٹوں میں دبا کر پینا ہے۔ (يَمْلَجُهَا) بچہ ماں کا دودھ پی رہا ہے۔ یہ لفظ باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے آتا ہے۔

اَلْإِمْلَاجة سے مراد ایک مرتبہ پستان منہ میں ڈال کر چوسنا ہے۔ ایک روایت میں (لَا تُحَرِّمُ الْمِلْحَةُ وَالْمِلْحَتَانِ) کے الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ''حا'' کے ساتھ اس سے مراد ایک (الرَّضْعَة) ہے (اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی معنی یہ ہے ''بچہ پستان کو اپنے منہ سے لے کر دودھ چوسنے لگے اور پھر اپنی خوشی سے، بغیر کسی عارض کے چھوڑ دے۔'' تو یہ ایک رضعہ ہے۔ (ع،س)

جب بچہ دودھ پیے تو کہا جاتا ہے: مَلَح يملُح (باب نصَر ينصُر) اور (الْمِلْجَة) اور (الْمَصَّة) ہم معنی ہیں یعنی ایک دفعہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ چوسنا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کتنی بار دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور دیگر اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ پانچ مرتبہ الگ الگ دودھ پینے سے کم مقدار سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اسی بات کا فتوی دیتی تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے، امام شافعی رحمہ اللہ اور اسحاق کا موقف بھی یہی ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والا موقف پانچ رضعات والا اپنائے تو وہ قوی مذہب ہے۔

اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ رضاعت خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ سیدنا ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایسا موقف روایت کیا گیا ہے، جناب سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، زہری، سفیان ثوری، مالک، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، وکیع رحمہم اللہ اور اہل رائے اس موقف کے قائل ہیں۔

جناب ابوعبید، ابوثور اور داود ظاہری وغیرہ کا موقف ہے کہ تین مرتبہ سے کم دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایک دوگھونٹ یا ایک دو دفعہ چوسنا حرمت ثابت نہیں کرتے۔'' بعض علماء سے یہ قول

بھی منقول ہے کہ دس مرتبہ سے کم دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی لیکن یہ قول شاذ ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ: ''اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ الفاظ قرآن میں قراءت کیے جاتے تھے۔'' کا مقصد یہ ہے کہ یہ نسخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑی ہی مدت پہلے نازل ہوا تھا کہ کچھ لوگ، جنہیں اطلاع نہ ملی تھی یہ الفاظ تلاوت کرتے تھے مگر بعدازاں ان کی قراءت بھی منسوخ کردی گئی مگر حکم باقی رہا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو نسخ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نسخ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ حکم باقی رہے اور تلاوت منسوخ ہو جائے جیسے زنا کے سلسلہ میں رجم کا حکم۔ رجم کا حکم باقی ہے مگر قرآن مجید کی جس آیت میں اس کا حکم تھا اس کی تلاوت کو منسوخ کردیا گیا۔ رجم کا حکم اخبا آحاد کے ذریعے ثابت ہے اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ مگر قرآن مجید کا اثبات اخبار آحاد سے نہیں بلکہ اخبار متواترہ سے ہے اور اخبار آحاد سے ثابت شدہ حکم قرآن مجید میں مرقوم نہیں ہوتا۔

(23)......بَابُ رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ

بڑی عمر والے کو دودھ پلانے کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ......''اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دوسال دودھ پلائیں۔'' (سورہ بقرہ: ۲۳۳)

(۲۲۸۶)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَشْعَثِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ، فَكَأَنَّهُ تَغَيَّرَ وَجْهُهُ، كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ أَخِي، فَقَالَ: ((انْظُرْنَ مَا إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہے (یہ دیکھ کر) آپ کا چہرہ بدل گیا، گویا آپ نے اس کیفیت کو ناگوار جانا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (وضاحت کرتے ہوئے) کہا: یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا غور کرلیا کرو، تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کی بنا پر ہو۔''

شرح (إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ) ''رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کی بنا پر ہو۔'' کا مطلب

(۲۲۸۶) أخرجه البخاري: ۵۱۰۲، ومسلم: ۱۴۵۵.

ہے کہ دو سال سے کم عمر کے بچے نے دودھ اتنی مقدار میں پیا ہو جس سے اس کی بھوک مٹ گئی ہو، اس سے حرمت ثابت ہوگی، اگر کوئی بچہ دو سال کے بعد کسی عورت کا دودھ پیتا ہے جس سے اس کو کوئی جسمانی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس کی بھوک مٹنے کا انحصار ماں کے دودھ کے علاوہ خارجی اشیاء پر ہو جاتا ہے تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اس وقت اگر بچہ پستان منہ میں لیتا ہے تو اس کی وجہ بھوک نہیں بلکہ عادت ہوتی ہے بہر حال شیر خوارگی کے ایام کے بعد پیے ہوئے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رضاعت وہی معتبر ہے جو ہڈیوں کو طاقت دے اور گوشت پیدا کرے۔'' (ضعیف والصواب وقفه، ابوداود: ۲۰۶۰)

مروی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اتنا دودھ پینا حرمت کا باعث ہے جس سے گوشت اور خون پیدا ہو، اور ایک روایت میں (مَا شَدَّ الْعَظْمُ) ''جو ہڈیوں کو مضبوط کرے۔'' (صحیح، ابوداود: ۲۰۵۹) کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

اَلْاِنْشَار سے بھی مندرجہ بالا معنی ہی مراد ہیں، لفظ الانشار کے لغوی معنی زندہ کرنے کے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ﴾ ...... ''پھر جب چاہے گا اسے زندہ کرے گا۔'' (سورہ عبس: ۲۲)

ایک روایت میں ''زاء'' کے ساتھ (مَا اَنْشَزَ الْعَظْمَ) کے الفاظ بھی مروی ہیں، دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے، کوئی چیز جب حجم میں بڑھ جائے تو اسے نَشَزَ کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جس سے بچے کی انتڑیوں میں پھیلاؤ نمودار ہو۔'' (صحیح، ترمذی: ۱۱۵۲)

اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دودھ پلانے کی مدت کتنی ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ ...... ''مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔'' (سورہ بقرہ: ۲۳۳)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی آخری مدت دو سال ہے۔ جب بچہ دو سال سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو مدت رضاعت سے نکل جاتا ہے۔ اسی قسم کی بات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عمر، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

جناب سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک مسئلہ تو یہی ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلایا جائے

البتہ اگر دو سال سے کچھ دن زائد ہو جائیں تو ان کا حکم دو سال کا ہی ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت اڑھائی (۲۔۵۰) سال ہے یعنی تیس ماہ ان کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ ......''اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔'' (سورہ احقاف:۱۵)

اکثر علماء کے نزدیک اس آیت سے مراد ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے اور زیادہ زیادہ دودھ پلانا دو سال ہے۔

اور (الفصال) کے معنی دودھ چھڑانا ہیں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا﴾ ......''پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں۔'' (سورہ بقرہ:۲۳۳)

بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو لے پالک بیٹا بنایا تھا، اور پھر ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے کر دیا، پہلے سالم ایک انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا لے پالک بیٹا بنا لیتا تو لوگ اسے اس کی طرف نسبت کر کے پکارا کرتے تھے اور لے پالک بیٹا اس کی وراثت سے حصہ پاتا حتی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ﴾ ......''لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔'' (سورہ احزاب:۵)

یعنی ان کی دوسری نسبتیں ختم کر کے انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرو البتہ جن کے باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انہیں اپنا دینی بھائی اور دوست سمجھو۔ سیدہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا جو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! ہم تو سالم کو اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے اور وہ بھی مجھے ماں جیسی فضیلت دیتا تھا، اب اللہ نے جو حکم اتارا وہ آپ کو معلوم ہے، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: ''تو اسے پانچ بار دودھ پلا دے تو اس کے لیے حرام ہو جائے گی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی موقف اپنا لیا کہ جن مرد حضرات کا آنا وہ اپنے پاس پسند کرتیں۔ انہیں پانچ رضعات پلا دیئے جائیں۔ وہ اپنی ہمشیرہ ام کلثوم اور اپنی بھتیجیوں کو حکم دیتیں کہ جن مرد حضرات کا آنا وہ اپنے پاس پسند کریں ان کو پانچ بار دودھ پلا دیں۔ ان کے علاوہ تمام ازواج مطہرات اس بات کا انکار کرتیں اور اس کی قائل نہیں تھیں کہ اس طرح

بڑی عمر میں دودھ پلانے سے کوئی محرم بن سکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تو یہ محض حضرت سالم کے حق میں رخصت ہے اور ان کے ساتھ خاص ہے، اس قسم کی رضاعت کے رشتے سے کوئی شخص ہمارے گھر نہیں آ سکتا۔

فائدہ: راجح موقف وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ مسئلہ رضاعت میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الا یہ کہ کوئی حاجت وضرورت پیش آ جائے جیسا کہ بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ ہے کہ جسے کسی عورت کے پاس جانا بھی ضروری ہو اور اس عورت کا اس سے پردہ کرنا بھی دشوار ہو جیسا کہ سیدنا سالم کا سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ معاملہ تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ تھا کہ یہ ایک خاص حکم ہے جس پر اس قسم کے خصوصی حالات میں عمل کرنا جائز ہے جس سے حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو سابقہ پیش آیا بہت سارے علماء بھی خصوصی حالات میں رضاعت کبیر کے قائل ہیں۔ (ع،س)

(24)......بَابُ شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ عَلَى الرَّضَاعَةِ

دودھ پلانے والی عورت کی دودھ پلانے پر گواہی

(٢٢٨٧)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حِبَّانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ......

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ: مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَأَرْسَلَ إِلَى آلِ أَبِي إِهَابٍ، فَسَأَلَهُمْ، فَقَالُوا: مَا عَلِمْنَا أَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا، فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟)) فَفَارَقَهَا، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے ابو اہاب بن عزیز کی صاحبزادی سے نکاح کیا، ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے عقبہ اور جس عورت کے ساتھ عقبہ نے نکاح کیا ہے (دونوں) کو دودھ پلایا ہے، عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: مجھے علم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے مجھے بتایا ہی ہے۔ اس پر عقبہ نے آل ابی اہاب کی جانب پیغام بھیجا (اور) ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا ہمیں علم نہیں کہ اس عورت نے ہماری اس لڑکی کو دودھ پلایا ہے۔ اس پر وہ مدینہ منورہ گیا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ

(٢٢٨٧) أخرجه البخاري: ٢٦٤٠، ٢٦٥٩، ٥١٠٤.

نے فرمایا: ''تو اس کو کیسے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؟ جب کہ کہا گیا ہے (کہ تم دونوں کو ایک عورت نے دودھ پلایا ہے)۔'' چنانچہ عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مفارقت اختیار کر لی اور اس لڑکی نے کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر لیا۔

شرح جناب ایوب سختیانی نے کہا: انہیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے، انہوں نے کہا کہ مجھے عبید بن ابی مریم نے بیان کیا، ان سے عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے (عبداللہ بن ابی ملیکہ نے) بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث خود عقبہ سے بھی سنی ہے لیکن مجھے عبید کے واسطے سے سنی ہوئی حدیث زیادہ یاد ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس بیوی سے اب کیسے نکاح رہ سکے گا جبکہ وہ عورت یوں کہتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، اس عورت کو اپنے سے الگ کر دو۔'' (صحیح بخاری: ٥١٠٤)

عبداللہ بن ابی ملیکہ کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے اور ان کی کنیت ابو محمد ہے، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں طائف شہر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مرضعہ کی شہادت رضاعت کے مسئلہ میں قبول ہے۔ اس بابت اختلاف ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے کتنی خواتین کی گواہی ضروری ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ مزید یہ کہ اس سے قسم لے لی جائے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ جناب حسن بصری، احمد، اسحاق رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ رضاعت چار عورتوں کی گواہی کے ساتھ ثابت ہوگی اس سے کم گواہیوں کے ساتھ حرمت ثابت نہ ہوگی، نیز ہر ایسا معاملہ جس کا تعلق عموماً خواتین سے ہوتا ہے مثلاً ولادت، دخول، کنوارہ پن اور حیض وغیرہ ان کے اثبات کے لیے بھی چار عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جناب عطاء، قتادہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ دو عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اس کے قائل ہیں۔ اہل رائے کا موقف ہے کہ ولادت کا ثبوت اکیلی دائیہ کی گواہی سے ہو جائے گا جب زوجیت کا معاملہ واضح اور حمل کے آثار نمایاں ہوں۔ مروی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: بچے کی پیدائش کے معاملے میں اکیلی دائیہ کی شہادت قبول کرنا درست ہے۔

امام شافعی اور امام نخعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ) ''اب نکاح کیسے برقرار رہ سکتا ہے جبکہ کہا گیا ہے۔'' ان الفاظ میں آپ نے مفارقت کا عندیہ اور اشارہ دیا ہے۔ یہ اشارہ آپ نے ورع اور تقویٰ کے نکتہ نظر سے دیا ہے، حکم کے انداز میں نہیں دیا، کہ رشتوں ناتوں کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط کرنی چاہیے۔ آپ کے ان الفاظ میں اس بات کی کوئی دلالت نہیں کہ ایک عورت کی گواہی معاملات میں قبول کی جا سکتی ہے اس لیے کہ

شہادتیں اور گواہیاں حکام وقت کے سامنے عدالت میں دی جاتی ہیں اور یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ محض ایک عورت نے ایک واقعہ کی خبر دی ہے اور وہ بھی عدالت میں اور قاضی کے روبرو نہیں اور پھر عورت کا خاوند اس کی تکذیب کر رہا ہے۔ اس قسم کی صورتحال سے کوئی معاملہ ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ ہم اس سے اکیلی عورت کی گواہی پر جواز کی دلیل اخذ کریں۔

فائدہ: مسئلہ رضاعت میں اکیلی مرضعہ کی گواہی بھی قبول کی جائے گی اس کی تائید صحیح حدیث سے ہوتی ہے۔

(ع،س)

(25)......بَابُ لَا یَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ الْغَيْرِ

کوئی شخص پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے

(۲۲۸۸)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((لا يَخْطُبْ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نکاح نہ بھیجے۔“

شرح: (الخِطْبة) آدمی کی طرف سے بھیجے گئے پیغام نکاح کو کہتے ہیں، عورت کے اولیاء کی طرف سے قبول کرنے کو (الاختطاب) کہیں گے۔ لفظ (الخُطبة) ”خا کے اوپر ضمہ۔“ منبر کے اوپر یا نکاح کے وقت خطبہ پڑھنے کیلئے مستعمل ہے، کسی اور موقع پر خطبہ پڑھنے کیلئے نہیں۔ اور لفظ (الخطب) کسی بڑے اور اہم واقعے پر بولا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ﴾ ......”اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے۔“ (طہ: ۹۵)

(26)......بَابُ الْمُشْرِكِ يُسْلِمُ وَتَحْتَهُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ أَوْ أُخْتَانِ

کسی مشرک شخص کے اسلام قبول کرنے کے وقت اس کی زوجیت میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں تو؟

(۲۲۸۹)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ

(۲۲۸۸) أخرجه البخاري: ۵۱۴۲، ومسلم: ۱۴۱۲.

(۲۲۸۹) صحيح ...... أخرجه الترمذي: ۱۱۲۸، وابن ماجه: ۱۹۵۳.

أَحْـمَـدَ الْـعَـارِفُ ، قَـالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَـرَنَـا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا الثِّقَةُ أَحْسَبُهُ إِسْمَاعِيلَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ......

عَـنْ سَـالِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ غَيْـلانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَمْسِكْ أَرْبَعًا ، وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ۔))

سالم اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار کو منتخب کرلو اور باقیوں کو چھوڑ دو۔''

شرح امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور صحیح وہ ہے جو شعیب بن ابی حمزہ عن الزھری کی سند سے مروی ہے: انہوں نے کہا مجھے محمد بن سوید ثقفی سے بیان کیا گیا (کہ انہوں نے کہا) جب غیلان بن سلمہ مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔

(۲۲۹۰)۔أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَـدَّثَـنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَـالا: أنـا أَبُـو بَـكْـرٍ أَحْـمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَـرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا بَعْضُ أَصْحَابِنَا ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ، عَنْ عَوْفِ بْنِ الْحَارِثِ......

عَـنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، قَالَ: أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي خَمْسُ نِسْوَةٍ ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ ، فَـقَـالَ: ((فَارِقْ وَاحِدَةً ، وَأَمْسِكْ أَرْبَـعًـا)) فَـعَمَدْتُ إِلَى أَقْدَمِهِنَّ عِنْدِي عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِينَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا۔

سیدنا نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''ایک کو چھوڑ دے اور چار کو اپنے پاس رکھ لے۔'' چنانچہ ان میں سے ایک بانجھ عورت جو تقریباً ساٹھ سال سے میری رفاقت میں تھی، میں نے اسے جدا کر دیا۔

شرح ضحاک بن فیروز اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے ایک کو منتخب کرلو۔''

(حسن، ابوداود: ۲۲۴۳، ترمذی: ۱۱۲۹، ابن ماجہ: ۱۹۵۱)

(۲۲۹۰) ضعيف ...... أخرجه الامام الشافعی فی "المسند": ۱۳۱۰ ، والبيهقی: ۷/ ۱۸۴ .

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی مشرک شخص مسلمان ہو جائے اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ بھی اپنے خاوند کے ہمراہ مسلمان ہو جائیں یا مسلمان نہ ہوں لیکن وہ اہل کتاب ہوں تو مسلمان ہونے والا شخص ان میں سے چار بیگمات کا انتخاب کر لے گا اور باقیوں کو طلاق دے دے گا۔ حدیث مبارکہ کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی طلاق دے سکتا ہے خواہ ان سے نکاح ایک ساتھ کیا ہو یا یکے بعد دیگرے اور اگر نکاح متفرق اوقات میں ہوا ہے تو جائز ہے کہ وہ بعد میں حبالہ عقد میں آنے والیوں کو رکھ لے اور پہلے والیوں کو طلاق دے، یہ قول امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانی نے جب امام شافعی سے اس مسئلہ میں مناظرہ کیا تو رجوع کے بعد انہوں نے یہی مسلک اپنایا۔ اسی طرح جب کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بیویاں بہنیں ہوں تو وہ ان میں سے ایک کو منتخب کر لے گا۔ خواہ دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا ہو یا یکے بعد دیگرے، گزشتہ ذکر کردہ علماء کے موقف کے مطابق وہ بعد میں نکاح میں آنی والی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ جناب سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اگر اس نے بہت ساری عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا ہے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو روک لے (بلکہ سب کو طلاق دے گا) اور اگر ان سے نکاح مختلف اوقات میں ہوا ہو تو وہ ان چار بیویوں کو اپنے پاس رکھے گا جن سے نکاح پہلے ہوا ہے اور بعد والیوں کو چھوڑے گا یہی معاملہ دو بہنوں کا بھی ہے لیکن پہلا موقف حدیث مبارکہ کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کو اپنی بیگمات میں سے مرضی کے مطابق منتخب کرنے اور چھوڑنے کا اختیار دیا ہے۔ جو علما یہ موقف اپنائے ہوئے ہیں کہ ان میں سے پہلی چار بیویوں کو رکھا جائے اور بعد والیوں کو ہی چھوڑا جائے۔ تو اس سے اختیار دینے والی بات بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ ایام کفر وشرک کے نکاح بعد از اسلام بھی صحیح ہیں۔ اور ایام شرک میں جو کچھ ہو چکا اس کے درپے نہ ہوا جائے گا جب کہ اس عقد کی بنیاد کسی جائز چیز پر ہو۔

مثلاً اگر کسی نے حالت شرک وکفر میں بغیر گواہوں کے نکاح کیا ہو یا عدت کے دوران کسی عورت سے نکاح کرلیا ہو اور پھر وہ میاں بیوی مسلمان ہو جائیں۔ ایسی صورت میں اگر تو عدت کی مدت ختم چکی ہو تو سابقہ نکاح برقرار رکھا جائے گا اور اگر عدت ختم ہونے کا وقت ابھی باقی ہو یا مسلمان ہونے والے شخص کے نکاح میں کوئی محرم عورت ہو تو ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا کیونکہ اس نکاح کی بنیاد ایسی چیز پر ہے جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے حالت کفر وشرک میں کسی عورت سے شراب یا خنزیر کے عوض نکاح کیا ہو اور ان چیزوں کی بطور مہر ادائیگی ہو چکی ہو تو حالت اسلام میں اس جوڑے پر نئے حق مہر کی ادائیگی لازم نہیں آئے گی اور اگر معاہدے کے بعد ادائیگی کی نوبت نہ آئی ہو کہ اسی دوران میاں بیوی مسلمان ہو گئے تو خاوند کے ذمے مہر مثل کی ادائیگی کرنا لازم ہو گی۔ اس لیے کہ ان کا معاملہ حالت کفر

میں مکمل نہیں ہوا بلکہ ابھی باقی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حالت کفر میں ایک درہم کے بدلے دو درہم کی بیع کر لیتا ہے اور دو درہم وصول بھی کر لیتا ہے تو اس معاملے کو از سرے نو نہیں چھیڑا جائے گا، البتہ اگر سودا کرنے کے بعد، دو درہم وصول کرنے سے پہلے وہ شخص مسلمان ہو جاتا ہے تو پھر سودا باطل قرار پائے گا۔

حالت کفر وشرک میں اگر کسی غلام نے دو سے زیادہ عورتوں سے شادی کر رکھی ہو تو اسلام لانے کے بعد اسے ان میں سے دو کو منتخب کر لینے کا اختیار ہو گا۔ اگر ایسا غلام خاوند، اسلام لانے سے پہلے آزاد ہو جاتا ہے تو اسے اپنی بیویوں میں سے چار کا انتخاب کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اگر غلام کے نکاح میں حالت شرک میں چار کنیزیں ہوں اور وہ سب مسلمان ہوتے وقت غلام ہوں تو اسے ان میں سے دو کے انتخاب کا اختیار ہو گا اور اگر اسلام لاتے وقت خاوند بھی آزاد ہوا اور اس کی بیویاں بھی تو ایسی صورت میں وہ چاروں کو اپنے حبالہ عقد میں رکھ سکتا ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان ہونے والا خاوند تو آزاد ہو مگر اس کی بیویاں ابھی غلام ہی ہوں تو اسے ان میں سے ایک کو اپنے پاس (بطور کنیز) رکھنے کا اختیار ہو گا اور یہ رخصت بھی اس شرط پر ہے کہ وہ مفلس اور تنگ دست ہو نیز اسے اپنے اوپر گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو جس طرح ہماری شریعت میں آزاد شخص کا مسئلہ ہے کہ اگر اس کے پاس آزاد عورت سے نکاح کرنے کی سکت نہ ہو تو وہ لونڈی سے شادی کر سکتا ہے اور اس کیلئے مندرجہ صدر دو شرطوں کی موجودگی ضروری ہے: (۱) تنگ دستی (۲) بدکاری میں پڑنے کا خوف۔

کافر جب مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں ماں بیٹی ہوں تو اس صورت کی دو کیفیتیں بنتی ہیں (1) اگر تو دونوں سے تعلق زوجیت قائم ہو چکا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک کا بھی نکاح میں رکھنا جائز نہیں اور وہ دونوں اس کے اوپر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوں گی اور اگر وہ ان سے تعلق زوجیت قائم کرنے سے پہلے مسلمان ہو گیا ہے تو اس کے بارے میں علمائے کرام کے دو موقف ہیں، ایک موقف تو یہ ہے کہ ماں، بیٹی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے گا جس طرح دو بہنوں کا معاملے اور دوسرا موقف جو کہ زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ بیٹی کو اپنے عقد میں رکھے گا اور ماں کو طلاق دے ڈالے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹی کے ساتھ محض نکاح کر لینا، اس کی ماں کو محرم قرار دے دیتا ہے جبکہ ماں کے ساتھ صرف نکاح کر لینے سے بیٹی نکاح کرنے والے پر حرام نہیں ٹھہرتی جب تک کہ اس کی ماں کے ساتھ تعلق زوجیت قائم نہ ہو۔ اور اگر بیٹی سے تعلق زوجیت قائم ہو چکا ہو تو پھر اسے بھی نکاح میں رکھنا ہو گا اور اگر ماں سے تعلق زوجیت قائم ہو چکا ہو اور بیٹی سے ابھی تک نہ ہوا ہو تو پہلا موقف رکھنے والوں کے نزدیک وہ ماں کو اپنے پاس روک لے گا اور بیٹی کو چھوڑ دے گا اور دوسرے قول کے مطابق وہ کسی کو بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا بلکہ وہ دونوں اس پر حرام ہیں، ماں اس لیے حرام ہے کہ بیٹی سے نکاح ہو چکا ہے اور بیٹی اس لیے حرام ہے کہ اس کی ماں سے زن وشوہر کا تعلق قائم ہو چکا ہے۔

(27)......بَابُ الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ أَحَدُهُمَا

مشرک زوجین میں سے جب کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو......؟

(۲۲۹۱)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِكُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَرَفَةَ السِّجْزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ حَمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْخَطَّابِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ بْنِ دَاسَةَ التَّمَّارُ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ الْأَشْعَثِ، حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنِي أَبُو أَحْمَدَ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ، وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي، فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخَرِ، وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور پھر نکاح کر لیا بعدازاں اس کا شوہر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی مسلمان ہو چکا تھا اور اسے میرے اسلام قبول کرنے کا علم تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دوسرے شوہر سے چھین کر (اس کا نکاح فسخ کرا کے) پہلے شوہر کی طرف لوٹا دیا۔

شرح: امام رحمہ اللہ نے کہا: جب مشرک خاوند بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوں تو ان کا سابقہ یعنی حالت کفر کا نکاح برقرار رہے گا (تجدید کی قطعا کوئی ضرورت نہیں) اسی طرح اگر خاوند پہلے مسلمان ہو جائے اور بیوی کافرہ ہو اور اہل کتاب میں سے ہو تب بھی سابقہ نکاح قائم رہے گا۔ البتہ اگر بیوی مشرکہ ہو یا مجوسیہ ہو یا بیوی نے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہو اور خاوند ابھی کافر ہو خواہ کسی دین پر ہی ہو تو اس کیفیت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔

بعض کا کہنا ہے اگر ایسا معاملہ دخول (تعلق زوجیت قائم ہونے) سے پہلے پیش آیا ہے تو اسلام لانے سے ان میں تفریق ہو جائے گی اور اگر ایسا معاملہ تعلق زوجیت قائم ہونے کے بعد ہوا ہے تو عدت کے دوران مسلمان ہو جائے تو وہ عورت اسی خاوند کی زوجیت میں رہے گی اور اگر شوہر مسلمان نہ ہو تو پھر معاملہ واضح ہے کہ اختلاف الملتین کی بنا پر (دین جدا ہو جانے کی وجہ سے) دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی (اور نکاح فسخ ہو جائے گا) امام زہری اسی کے قائل ہیں۔ اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

ایک جماعت کا موقف ہے کہ زوجین میں سے جب کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو محض ان میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے ہی ان کے درمیان فرقت ہو جائے گی۔ یہ موقف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے،

(۲۲۹۱) ضعیف ...... أخرجه ابوداود: ۲۲۳۹، وابن ماجه: ۲۰۰۸، والترمذی: ۱۱۴۴.

جناب حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، عطاء، طاؤس، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ یہی رائے رکھتے ہیں۔ ابن شبرمہ اور ابوثور بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: جب خاوند بیوی سے پہلے مسلمان ہو جائے اور اس نے اپنی زوجہ کو اسلام لانے کی پیشکش کی ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو ان کے مابین مفارقت ہو جائے گی۔ امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا: جب عورت مسلمان ہو جائے اور اس نے اپنے خاوند کو اسلام لانے کی دعوت دی ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو ان دونوں کے درمیان میں جدائی کرا دی جائے گی۔ اہل رائے کا موقف ہے کہ اگر دونوں دارالاسلام کے ساکن ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو ان کے درمیان میں اس وقت تک جدائی واقع نہیں ہو گی جب تک کہ دوسرا دارالکفر نہ چلا جائے، یا اس پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اگر دونوں دارالحرب میں مقیم ہوں تو ان کے مابین اس وقت تک جدائی نہ ہو گی جب تک کہ مسلمان ہونے والا دارالاسلام نہ آ جائے یا عورت کو تین بار حیض نہ آ جائے، اس موقف کے قائل لوگ تعلق زوجیت قائم ہونے یا نہ ہونے کا فرق نہیں کرتے، اہل رائے کے نزدیک رہائش کا اختلاف میاں بیوی کے درمیان فرقت اور جدائی کا سبب ہے، مثلاً اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک دارالاسلام آ جائے اور اپنے ذمی ہونے کے معاہدے پر دستخط کر دے اور دوسرا دارالحرب میں ہی مقیم ہو تو ان کے درمیان جدائی واجب نہ ہونے کی دلیل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہے جس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو (ان کے شوہر) ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر پہلے نکاح ہی سے لوٹا دیا تھا، اور کوئی نیا نکاح نہیں کیا تھا۔

(صحیح، ابو داود: ٢٢٤٠، ترمذی: ١١٤٣، ابن ماجه: ٢٠٠٩)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں چھ سال بعد لوٹایا تھا۔ (صحیح، ترمذی: ١١٤٣)

اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عدت کسی عارض کی وجہ سے طوالت اختیار کر گئی تا آنکہ اتنی مدت گزر گئی۔ بہر حال سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے درمیان رہائش کا اختلاف تو تھا، سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے قید و بند سے رہائی دی تو وہ سیدھے مکہ آئے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا اور خود مکہ ٹھہر گئے۔ یہ روایت البتہ ایک دوسری روایت کے معارض ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو سیدنا ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس نیا نکاح کر کے واپس بھیجا۔ (ضعیف، ترمذی: ١١٤٢، ابن ماجه: ٢٠١٠)

فائدہ: اگرچہ مسلمان ہونے والی عورت کو عدت گزر جانے کے بعد کسی مسلمان کے ساتھ نیا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ نکاح نہ کرے اور اس کا سابقہ شوہر مسلمان ہو جائے تو انہیں ازدواجی زندگی گزارنے کیلئے نئے نکاح کی ضرورت نہیں خواہ خاوند نے طویل عرصے کے بعد ہی اسلام قبول کیا ہو اور ایسی شرط لگانا خلاف سنت ہے کہ اس کا خاوند دوران عدت ہی ہو اور نہ نیا نکاح کریں اس سلسلہ میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا تبصرہ لائق مطالعہ ہے۔

امام صاحب زاد المعاد میں رقم طراز ہیں کہ احادیث میں تو کہیں عدت کا اعتبار مذکور نہیں اور نہ نبی ﷺ نے کسی خاتون سے دریافت کیا کہ کیا اس کی عدت ختم ہو چکی ہے یا نہیں؟ ہمارے علم میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی وجہ سے لازماً تجدید نکاح کیا ہو بلکہ دونوں معاملوں میں سے ایک کا واقع ہونا ضروری ہے۔ یا تو دونوں میں جدائی ہو گی اور اس خاتون کا دوسرے مرد سے نکاح ہو جائے گا۔ یا پھر دونوں کا (پہلا) نکاح برقرار رہے گا خواہ عورت پہلے اسلام لائی ہو یا مرد۔ اور رہا جدائی کی تکمیل اور عدت کا لحاظ تو ہمیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں کسی ایک کی وجہ سے بھی فیصلہ فرمایا حالانکہ آپ کے عہد مبارک میں بکثرت مرد اور ان کی بیویوں نے اسلام قبول کیا۔

(زادالمعاد: ٥/ ١٣٧)

علاوہ ازیں نکاح جدید والی روایت ضعیف ہے دیکھیے ابن ماجہ حدیث نمبر ٢٠١٠، شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے بعض علماء کے نزدیک یہ روایت صحیح بھی ہے اور انہوں نے اس کے مطابق موقف اپنایا ہے اور بعض نے ان کے درمیان تطبیق دی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع،س)

مروی ہے کہ عورتوں کی ایک جماعت کو نبی ﷺ نے پہلے نکاح کے ساتھ ان کے خاوندوں کے ہاں واپس کر دیا جب کہ دونوں اسلام لائے بعد اس کے کہ پہلے ان دونوں میں اسلام اور رہائش کا اختلاف تھا (یعنی وہ دارالاسلام میں تھیں اور ان کے خاوند مسلمان نہ تھے) ان میں ولید بن مغیرہ کی بیٹی صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی۔ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئی اور اس کا خاوند صفوان اسلام لانے سے بھاگ گیا چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی جانب اس کے چچیرے بھائی وھب بن عمیر کو اپنی چادر دے کر بھیجا، صفوان بن امیہ کو امان دی۔ جب وہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو چار ماہ چلنے پھرنے کی اجازت دی اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ حنین اور طائف میں حالت کفر کے ساتھ شمولیت کی جبکہ اس کی بیوی مسلمان تھی، حتی کہ صفوان مسلمان ہو گئے چنانچہ اس کی بیوی اس کے پاس برقرار رہی۔ (مؤطا امام مالك: ١١٥٤، اسناده مرسل او معضل، لكن قال ابن عبد البر: لا أعلمه يتصل من وجه صحيح وهو حديث مشهور معلوم عند أهل السير وإبن شهاب إمام أهلها وشهرة هذا الحديث أقوى من إسناده إن شاء الله)

اسی طرح ام حکیم جو کہ حارث بن ہشام کی دختر اور سیدنا عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ والے دن مسلمان ہو گئیں اور ان کا خاوند عکرمہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گیا اور یمن چلا گیا چنانچہ ام حکیم یمن کا سفر کر کے وہاں پہنچی اور اس کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گیا اور فتح مکہ والے سال ہی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو ان پر نبی ﷺ کی دی ہوئی امان والی چادر تھی۔ آپ ان کی طرف خوشی سے لپکے حتی کہ اس سے بیعت لی وہ دونوں اپنے پہلے نکاح پر قائم رہے۔

(رواه مالك فى المؤطا: ١١٥٦ عن ابن شهاب مرسلا)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر عورت اپنے خاوند کے لیے سہولت حاصل کرنے کے لیے دارالاسلام میں آجائے تو ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا کیونکہ اگر وہ دارالحرب میں اپنے خاوند پر سختی کرتی تو ان کے درمیان جدائی ہو جاتی اور اگر وہ اسے غلام بنانا چاہتی تو وہ اس کا غلام ہو جاتا۔

امام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی عورت اگر یہ دعویٰ کر دے کہ اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان میں جدائی ہو چکی ہے جبکہ ان کا آپس میں نکاح معروف ومشہور ہو اور خاوند اس مفارقت کا انکار کر دے تو خاوند کی بات کو قسم کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ خواہ عورت نے کسی اور خاوند سے نکاح کر لیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اسی طرح اگر میاں بیوی تعلق زوجیت قائم کرنے سے پہلے مسلمان ہو جائیں اور ان کی آراء مختلف ہو جائیں۔ خاوند کہے کہ ہم ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہیں اور ہمارا نکاح برقرار ہے اور عورت کہے: ہم یکے بعد دیگرے مسلمان ہوئے ہیں اس لیے ہمارے درمیان نکاح برقرار نہیں ہے تو ایسی کیفیت میں بھی قسم کے ساتھ خاوند کی بات مانی جائے گی۔ اسی طرح اگر تعلق زوجیت قائم ہونے کے بعد عورت نے اسلام قبول کر لیا ہو پھر عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد خاوند نے دعویٰ کر دیا کہ میں تو تیری عدت ختم ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا اور وہ مصر ہو کہ میری عدت تیرے اسلام لانے سے قبل ختم ہو چکی تھی، تو اس کیفیت میں بھی قسم اٹھوانے کے ساتھ خاوند کی بات کو مان لیا جائے گا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو رجعی طلاق دی ہو، پھر عدت ختم ہونے کے بعد اس نے دعویٰ کر دیا کہ میں نے عدت مکمل ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا اور عورت اس بات کا انکار کرے تو خاوند کی بات کو ہی تسلیم کیا جائے گا ویسے اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

(28)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ
نکاح شغار (بٹا سٹا) کی ممانعت

(٢٢٩٢)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔

شرح: اور شغار یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اس شرط پر کہ وہ بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے گا اور ان دونوں نکاحوں میں کوئی مہر نہ ہو۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں نکاح شغار نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم: ١٤١٥)

(٢٢٩٢) أخرجه البخاري: ٥١١٢، ومسلم: ١٤١٥.

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: نکاح شغار کی وہ صورت جو اوپر حدیث مبارکہ میں مذکور ہے، ممنوع ہے لفظ (الشَّغْر) کے لغوی معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے (شَغَرَ الْكَلْبُ) ''کتے نے ایک ٹانگ اٹھا کر پیشاب کیا۔'' اس نکاح کو شغار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں رشتوں کے درمیان میں مہر ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس نکاح کے درست ہونے کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا تو یہ موقف ہے کہ نکاح شغار بالکل باطل ہے، کیونکہ حدیث مبارکہ میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے جس طرح نکاح متعہ کا معاملہ ہے اور جیسے اگر کوئی شخص اپنی پھوپھی یا خالہ سے شادی کرلے تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوعلی نے نکاح شغار کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اس کا معاملہ تو یوں ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کرے اور اپنے داماد پر شرط عائد کر دے کہ تو نے اپنی منکوحہ کے فلاں عضو کو ہاتھ نہیں لگانا تو ایسی شرط بالاتفاق جائز نہیں بس یہی معاملہ نکاح شغار کا ہے۔ اس نکاح میں ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کی شادی کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ کو مستثنیٰ کر کے اسے دوسری عورت کا حق مہر قرار دے دیتا ہے۔

فائدہ: نکاح شغار میں رشتے کے بدلے میں رشتہ طلب کیا جاتا ہے یعنی شرمگاہ کے بدلے میں شرمگاہ اور ایک کا مہر دوسرے کا نکاح ہوتا ہے، علیحدہ سے مہر ادا نہیں کیا جاتا تو گویا اس کی شرمگاہ دوسری عورت کا حق مہر ہے اور اسی طرح بالعکس ایسا نکاح جس میں حق مہر نہ ہو بالکل ناجائز اور حرام ہے اسے آجکل وٹہ سٹہ کہتے ہیں اور اگر ہر لڑکی کا حق مہر الگ سے مقرر کیا گیا ہو، تو نکاح کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر بدلے کی یہ شرط اور اس طرح کے نکاح بالعموم خاندانوں میں فساد اور ناچاقی کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے بچنے میں ہی عافیت ہے۔ (ع،س)

اہل علم کی ایک جماعت ایسے نکاح کے جواز کی قائل ہے۔ ان کے نزدیک مہر مثل ادا کرنے سے یہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ جناب عطاء بن ابی رباح، سفیان ثوری رحمہم اللہ اور اہل رائے سے یہی منقول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اگر دونوں کا الگ الگ حق مہر مقرر کیا جائے یا ایک کے حق مہر کا تعین کیا جائے تو یہ شغار کی وہ شکل نہیں بنتی جس سے حدیث مبارکہ میں روکا گیا ہے، نکاح درست ہے البتہ مہر فاسد ہے اور دونوں عورتوں کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

(29)......بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ

نکاح متعہ کی حرمت کا بیان

(٢٢٩٣)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَالْحَسَنِ ابنى محمد بن علی، عَنْ أَبِيهِمَا......

(٢٢٩٣) أخرجه البخاري: ٤٢١٦، ٥١١٥، ومسلم: ١٤٠٧.

عَـنْ عَـلِـیِّ بْـنِ أَبِـی طَالِبٍ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَـلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَی عَنْ مُتْعَةِ النَّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ ، وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر والے دن نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: نکاح متعہ آغاز اسلام میں جائز تھا، نکاح متعہ کسی عورت سے ایک مقررہ مدت تک نکاح کر لینے کو کہتے ہیں مثلاً دو دن، تین دن یا اس کے علاوہ کوئی اور مدت، جب وہ طے شدہ مدت ختم ہو جائے تو عورت اس شخص سے جدا ہو جائے۔ پہلے یہ نکاح مباح تھا پھر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

سیدنا سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، بلاشبہ اب اسے اللہ تعالیٰ نے تا روز قیامت حرام کر دیا ہے۔''

(صحيح مسلم: ١٤٠٦)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: تمام اہل علم نکاح متعہ کی حرمت پر متفق ہیں، متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجماع کی طرح ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے مضطر شخص کے لیے جس پر اپنی بیوی سے دور رہنا شاق ہو گیا ہو رخصت مروی ہے پھر انہوں نے نکاح متعہ کی حرمت پہنچنے کے بعد اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

فائدہ: امام نووی کا تبصرہ لائق مطالعہ ہے لکھتے ہیں درست بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ جائز ہوا۔ چنانچہ یہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر اسے غزوہ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا۔ پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر جائز کیا گیا اور عام اوطاس بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے حرام کر دیا گیا۔

(شرح مسلم: ٩/١٨١) (ع،س)

(30)......بَابُ نِكَاحِ الْمُحَلِّلِ

نکاح حلالہ کا بیان

(٢٢٩٤)۔أَخْبَـرَنَا أَبُو الْفَرَجِ الْمُظَفَّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّمِيمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ حَمْزَةُ بْنُ يُوسُفَ السَّهْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ ، أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْفَرَجِ ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ هُوَ الْجَزَرِيُّ ، عَنْ أَبِي وَاصِلٍ......

عَـنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَعَنَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے (دونوں پر) لعنت فرمائی۔''

(٢٢٩٤) صحيح ...... أخرجه النسائي: ٣٤١٦.

شرح جناب ہزیل بن شرحبیل نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حدیث مبارکہ میں آنے والا لفظ (اَلْمُحِلّ) ہے لیکن اس سے مراد (اَلْمُحَلِّلْ) ''حلالہ کرنے والا ہی ہے۔'' اور حلالہ ایسے عقد کو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مختلف اوقات میں تین طلاقیں دے دی ہوں (اور اس کے شوہر کا حق رجوع ختم ہو گیا ہو) تو وہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کرے اور مباشرت بھی کہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے، پھر اسے طلاق دے ڈالے یہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ اگر تو نکاح کے اندر ہی مفارقت کی شرط لگائی گئی ہے تو اکثر علماء کے نزدیک ایسا نکاح باطل ہے جیسے نکاح متعہ کا معاملہ ہے۔ اس غرض سے نکاح کرنے والے کو (مُحَلِّلْ) ''حلال کرنے والا۔'' کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نکاح سے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک شخص کی بیوی کو اس کیلئے حلال کرے اگرچہ اس سے حلت جیسا پاکیزہ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکے گا (بلکہ یہ انتہائی خبیث اور بے غیرتی کا عمل ہے نیز یہ حیوانی فطرت ہے اور انسانی فطرت کو مسخ کرنے والی چیز ہے کیونکہ انسانی فطرت تو مستقل نکاح کا تقاضا کرتی ہے۔ (ع،س)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح تو درست اور صحیح ہے لیکن یہ شرط باطل ہے اور ایسی عورت کو مہر مثل دیا جائے گا اگر نکاح میں ایسی کوئی شرط نہ ہو مگر یہ سب کچھ نیت اور عقیدے میں پوشیدہ ہو یعنی مطلقہ عورت سے اس نیت سے نکاح کرنا کہ اسے ایک دو دن جماع کے بعد چھوڑ دوں گا تو ایسی نیت سے کیا گیا نکاح صحیح ہو گا مگر نیت مکروہ ہے اور اگر ایسے نکاح کے بعد دخول ہونے کے بعد طلاق ہو کر عدت بھی مکمل ہو گئی تو وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی یہ اکثر اہل علم کا موقف ہے۔

فائدہ: تعجب ہے امام موصوف نے اس کو اکثر اہل علم کا موقف کیسے لکھ دیا ہے جبکہ حلالہ کہتے ہی ایسے عقد کو ہیں جس میں کوئی شخص مطلقہ ثلاثہ سے محض طلاق کی نیت سے ہی نکاح و مباشرت کرتا ہے تا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے، اس غرض سے نکاح کرنے والے کو محلل (حلالہ کرنے والا) کہا گیا ہے اور ایک دوسری روایت میں ایسے شخص کو (اَلتَّيْسُ الْمُسْتَعَارُ) ''مانگے کا سانڈ۔'' کہا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: حدیث ۱۹۳۶) اور جس کے لیے عورت کو حلال کیا جا رہا ہے اسے ''مَحَلَّلٌ لَهٗ۔'' (یعنی پہلا شوہر) کہتے ہیں۔ یہ ملعون فعل ہے اور ایسا فعل نکاح کی بجائے زنا ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حلالے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: (كِلَاهُمَا زَانٍ) ''دونوں بدکار ہیں۔'' (ابن ابی شیبہ: ۴/ ۲۹۴) شیخ صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے)۔

بتائیے! ایسا نکاح صحیح کیسے ہو سکتا ہے جس کے بارے میں حدیث میں ایسے سخت ریمارکس ہوں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: حلالے کے نکاح کے بطلان پر امت کا اتفاق ہے۔ (فتاوی النساء لابن تیمیه: ص/ ۲۴۲)۔ (ع،س)

امام ابراہیم نخعی نے کہا: ایسے نکاح سے عورت ہرگز حلال نہ ہو گی الا یہ کہ نکاح مستقل بسانے کی نیت اور بھرپور

رغبت سے کیا گیا ہو، اگر تینوں فریقوں میں سے کسی کی نیت میں فتور ہو گا (۱) پہلا خاوند (۲) دوسرا خاوند (۳) عورت۔ تو ایسا نکاح باطل ہے اور اسے حلالہ کہتے ہیں۔

جناب سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی شخص نکاح تو اس نیت سے کرے کہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے پھر اس کا ارادہ اسے مستقل اپنے پاس رکھنے کا بن جائے تو اس کیفیت میں مجھے جو بات پسند لگتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اسے چھوڑ دے اور پھر نئے نکاح کے ساتھ اسے اپنے گھر لائے۔ امام بغوی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ہر حال میں ان کے درمیان تفریق کرادی جائے۔

(31)......بَابُ الْعَزْلِ وَالْإِتْيَانِ فِي غَيْرِ الْمَأْتَى

عزل کا بیان اور عورت کی پشت میں مجامعت کرنے کی حرمت کا بیان

(٢٢٩٥)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ لِي جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا، وَسَانِيَتُنَا أَطُوفُ عَلَيْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ؟ قَالَ: ((اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهَا سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ)) فَقَالَ: إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ، فَقَالَ: ((قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میری ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمت گزار ہے اور ہمارے لیے پانی بھر کر لاتی ہے، میں اس سے صحبت کرتا ہوں اور اس کا حاملہ ہونا مجھے پسند نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو عزل کر لیا کرو، جو اس کے مقدر میں ہے وہ تو آ کر رہے گا۔'' کچھ دن گزرے تو اس آدمی نے آ کر بتایا کہ لونڈی حاملہ ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں کہا تھا کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ آ کر رہے گا۔''

(٢٢٩٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ،

(٢٢٩٥) أخرجه مسلم: ١٤٣٩.

(٢٢٩٦) أخرجه البخاري: ٢٥٤٢، ٥٢١٠، ومسلم: ١٤٣٨.

أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ......

عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَرَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْعَزْلِ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ، فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ، وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَأَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ، فَقُلْنَا: نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللّٰهِ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: ((مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لا تَفْعَلُوا، مَا مِنْ نَسْمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ القِيامَةِ إِلا وَهِي كَائِنَةٌ۔))

ابن محیریز کہتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے ان سے عزل کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں گئے اور ہمیں اس غزوے میں لونڈیاں ہاتھ آئیں، عرب عورتیں، ہمیں عورتوں کی بہت خواہش تھی، اور عورتوں کے بغیر (مجرد) رہنا ہمیں بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اور ہم نے عزل کو پسند کیا تو ہم نے عزل کا ارادہ کیا۔ پھر ہم نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں، ان سے پوچھے بغیر ہم یہ کام کریں (کسی طرح جائز نہیں) چنانچہ ہم نے آپ سے اس بارے میں پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر نہ کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں، قیامت تک جو جان بھی پیدا ہونے والی ہے، وہ پیدا ہو کر رہے گی۔''

شرح حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اہل عرب کو قیدی بنایا جا سکتا ہے۔ حدیث ھذا میں (وما علیکم ان لا تفعلوا) کے الفاظ آئے ہیں، ایک دوسری روایت میں (لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لا تَفْعَلُوا) کے الفاظ مروی ہیں۔ امام مبرد نے کہا: دونوں جملوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ''تم عزل کر سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' دوسرے (لا) کا معنی ہے کہ اس عمل کو ترک کر دو۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم نے عزل کی کراہیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ اس کی رخصت کے قائل ہیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم عزل کرتے تھے، جبکہ قرآن کا نزول جاری تھا۔

(صحیح بخاری: ٥٢٠٨، صحیح مسلم: ١٤٤٠)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے رخصت منقول ہے۔ سیدنا ابو ایوب، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم کے متعلق مروی ہے کہ یہ بزرگ عزل کیا کرتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم کی ایک جماعت نے اس عمل کو مکروہ جانا ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو خفیہ زندہ درگور کرنا ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱٤٤۲) اور مروی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ عزل نہیں کیا کرتے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے کہا: آزاد عورت سے عزل اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور لونڈی بیوی کے ساتھ عزل اس کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، البتہ البتہ لونڈی کے ساتھ عزل اس کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: عزل کرنے کی آزاد عورت سے اجازت لی جائے اور کنیز سے عزل کے متعلق اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲٥٦۲)

امام احمد رحمہ اللہ علیہ بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔

حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی لونڈی سے مجامعت کا اقرار تو کرتا ہے اور عزل کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو بچہ اسی کا ہوگا الا یہ کہ وہ اس کا انکار کر دے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دس باتیں ناپسند تھیں: زرد رنگ کی مرکب خوشبو یعنی خلوق، سفید بالوں کا (سیاہ) رنگ تبدیل کر دینا، چادر گھسیٹنا، سونے کی انگوٹھی پہننا، بغیر موقع مناسب کے زینت کا اظہار کرنا، گوٹیوں سے کھیلنا، شرعی معوذات کے سوا دوسرے دم جھاڑ، منکے کوڈیاں وغیرہ لٹکانا، غیر حلال میں منی ڈالنا اور چھوٹے بچے میں خرابی ڈالنا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حرام نہ کہتے تھے۔

(منکر، ابوداود: ٤۲۲۲، نسائی: ٥۱۰۳)

امام بغوی رحمہ اللہ علیہ نے کہا: مذکورہ باتوں میں سے خلوق لگانا، سونے کی انگشتری پہننا اور چادر گھسیٹنا مردوں کے لیے حرام ہیں، عورتوں کے لیے نہیں۔ سفید بالوں کو سیاہ کرنا تو حرام ہے البتہ ان کو سرخ کیا جا سکتا ہے۔ زینت کے بے موقع اظہار سے مراد عورت کا خاوند کے علاوہ نامحرموں کے سامنے بن سنور کر آنا اور اظہار زینت کرنا ہے اور چھوٹے بچے میں خرابی ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ ایام رضاعت میں بچے کی ماں سے مباشرت کی جائے۔ اس صورت میں اگر عورت کو حمل ٹھہر جائے تو بعض دفعہ دودھ بچے کیلئے مضر بن جاتا ہے جس سے بچے کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے (بچے کو اسہال لگ جاتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (غیر محرمہ) ''مگر آپ اسے حرام نہ کہتے تھے۔'' کا مطلب ہے کہ آپ اس کیفیت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر آپ نے اسے حرام بھی قرار نہیں دیا۔

(۲۲۹۷)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، نَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مُنِيبٍ، نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ......

(۲۲۹۷) أخرجه البخاري: ٤٥۲۸، ومسلم: ۱٤۳٥.

سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا: إِنَّ الْوَلَدَ يَكُونُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [الْبَقَرَة: ٢٢٣]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں، یہودی کہا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ میں پیٹھ کی جانب سے مجامعت کرے گا تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔اس پر یہ آیت اتری: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ......''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔'' (بقرہ:۲۲۳)

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مجامعت صرف عورت کی شرمگاہ (قبل) میں جائز ہے خواہ کوئی بھی طریقہ اور آسن اختیار کیا جائے پشت کی طرف سے وظیفۂ زوجیت ادا کرنا بھی درست ہے جبکہ استعمال صرف شرمگاہ کو ہی کیا جائے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آیت ﴿فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ......''اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔'' (سورۂ بقرہ:۲۲۳) کا مطلب ہے کہ عورت کے ساتھ مباشرت جس طرح چاہو آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر جائز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔(دارمی: ۱/ ۲۵۸)

جناب عکرمہ نے کہا: ﴿فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ......''اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔'' سے مراد فرج ہے، جناب حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: ﴿فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ......کا مطلب ہے ''چاہو تو عزل کرو اور اگر نہ چاہو تو رہنے دو۔'' اور اللہ عزوجل کے فرمان ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ ......''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورتیں محل زراعت ہیں اور اس کا صاف مطلب ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کی اجازت ہے جہاں سے فصل یعنی اولاد ہونے کی امید ہے اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ عورت کے دبر (پاخانہ کی جگہ) کو استعمال کرنا حرام ہے۔ جو شخص جہالت کی بنا پر یہ غیر فطری فعل کر گزرے اور اسے اس کی حرمت کا علم نہ ہو اسے اس سے منع کیا جائے گا۔ اگر دوبارہ کرے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، تم عورتوں کی پشت میں جماع نہ کرو۔''

(صحیح لغیرہ، مسند امام احمد: ۲۱۹۲٤)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص عورت سے اس کی پشت میں جماع کرے وہ لعنتی ہے۔'' (حسن، ابوداود: ۲۱٦۲، ابن ماجہ: ۱۹۲۳)

(۲۲۹۸)۔أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ الطَّاهِرِيُّ، أَخْبَرَنَا جَدِّى عَبْدُ الصَّمَدِ الْبَزَّارُ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْعُذَافِرِيُّ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ الدِّبَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ مَخْلَدٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا لا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔“

شرح: مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایسی حرکت کرنے پر مارا، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا: ایسا کام تو کوئی کافر ہی کرسکتا ہے۔

(اسناده صحيح على شرط البخاری، مسند احمد: ٦٩٨٧)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عورت کی پشت میں جماع کرنے کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: کوئی مسلمان شخص ایسا عمل کرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشت زنی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: لونڈی سے نکاح کرنا اس عمل سے بہتر ہے اور زنا کرنے سے یہ عمل بہتر ہے۔ (سنن بیهقی: ٧/ ١٩٩)

(32)......بَابُ الْغِيلَةِ

دودھ پلانے کی مدت میں جماع کرنا

(۲۲۹۹)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ......

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ الأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ حَتَّى ذَكَرْتُ أَنَّ الرُّومَ وَفَارِسَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ، فَلا يَضُرُّ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت جدامہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں، انہوں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ”میرا ارادہ تھا کہ میں لوگوں کو مدت رضاعت میں جماع کرنے سے روک دوں لیکن مجھے پتہ چلا کہ فارسی اور رومی یہ کام کرتے ہیں اور اس سے ان

(٢٢٩٨) حسن .

(٢٢٩٩) أخرجه مسلم: ١٤٤٢ .

أَوْلادَهُمْ۔)) قَالَ مَالِكٌ ، والغيلَةُ: أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرأَتَهُ وهي تُرضِعُ۔

کے (دودھ پیتے) بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: غیلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے جبکہ ابھی وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔

شرح: عربی زبان میں اس عمل کیلئے (اَغَالَ الرَّجُلُ وَاُغِيْلَ) کے الفاظ وتراکیب کا اطلاق ہوتا ہے اور اس عمل سے متاثر ہونے والے بچے کو (مُغَال)اور (مُغْيَل) کہا جاتا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: سیدہ اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''اپنی اولاد کو خفیہ طور پر قتل نہ کرو، بلاشبہ غیلہ تو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے سوار پر بھی اثر انداز ہو کر اسے گرا دیتا ہے۔'' (ضعیف، ابوداود: ۳۸۸۱، ابن ماجه: ۲۰۱۲)

(يَصْرَعُهُ) کا معنی ہے اسے گرا دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ مرضعہ عورت سے جماع کیا جائے جس کا بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور حمل ٹھہر جائے تو اس کا دودھ خراب ہو کر بچے کے لیے مضر بن جاتا ہے اور ایسا دودھ پینے والا بچہ کمزور رہ جاتا ہے اور اس کمزوری کا اثر زندگی بھر قائم رہتا ہے حتی کہ جب ایسا بچہ جوان ہو کر شہسوار بن جاتا ہے، تب بھی وہ اس سوار کا مقابلہ نہیں کرسکتا جسے بچپن میں یہ صورت حال پیش نہیں آئی اور غیلہ کی بنا پر ہونے والی کمزوری سے وہ بچہ گھوڑے کی پشت سے گر جاتا ہے۔ یہ کمزوری اور ضعف گویا اس کے قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہ قتل مخفی یعنی نہ نظر آنے والا ہے۔

فائدہ: غیلہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا، اگرچہ منع کا خیال کیا تھا چنانچہ اب مدت رضاعت میں جماع کرنا جائز ہے۔ (ع،س)

(33)......بَابُ خِيَارِ الْعِتْقِ

لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد حاصل ہونے والے اختیار کا بیان

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا: جب وہ آزاد ہو گئی تو اسے اس کے خاوند کے معاملے میں اختیار دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۵۲۸٤، صحیح مسلم: ۱۵۰٤)

(۲۳۰۰)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ ، عَنْ عِكْرِمَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا ،

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا

(۲۳۰۰) أخرجه البخاري: ۵۲۸۳ .

يُقَالَ لَهُ: مُغِيثٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا عَبَّاسُ! أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ، وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا؟)) فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَوْ رَاجَعْتِيهِ)) فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، تَأْمُرُنِي؟ قَالَ: ((إِنَّمَا أَشْفَعُ)) قَالَتْ: لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔

کے شوہر غلام تھے، انہیں مغیث (رضی اللہ عنہ) کہتے تھے (مجھے وہ منظر یاد ہے) گویا میں ان (مغیث) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے روئے پھر رہے ہیں اور ان کی داڑھی پر آنسو بہہ رہے ہیں تو نبی ﷺ نے کہا: ''اے عباس! کیا آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث بریرہ سے (شدید) محبت کرتا ہے اور بریرہ مغیث سے (شدید) نفرت کرتی ہے؟'' ایک بار نبی ﷺ نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''کاش تم ان سے رجوع کرلو۔'' انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے حکم فرما رہے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تو سفارش کرتا ہوں۔'' انہوں نے کہا: مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

شرح امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کے مابین اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں، پھر عورت (لونڈی) آزاد ہو جائے اور وہ غلام کے نکاح میں ہو تو اسے اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ چاہے اس خاوند کے ساتھ رہے، چاہے تو الگ ہو جائے، البتہ اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شوہر پہلے سے آزاد ہو اور اس کی بیوی (لونڈی) بعد میں آزاد ہو تو کیا اس صورت میں بھی اسے اختیار ہوگا یا نہیں جمہور کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو کوئی اختیار نہیں (کیونکہ اختیار کی علت غلام ہونے کی بنا پر عدم کفائت تھی جو کہ اب موجود نہیں۔ (ع،س)

امام مالک، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ایک قوم کا موقف ہے کہ اسے اب بھی اختیار حاصل ہے۔

امام شعبی، نخعی، حماد، سفیان ثوری رحمہم اللہ اور اہل رائے اس طرف گئے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل جناب اسود کی روایت ہے جو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند آزاد تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اختیار دے دیا۔

ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراهیم، عن الاسود کی سند سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

جریر عن منصور عن ابراهیم عن الاسود کی سند میں بھی یونہی مروی ہے۔

ابو عوانه عن منصور والاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشه کی سند میں سیدہ بریرہ

کے واقعہ میں ہے اور راوی نے کہا کہ اسود نے کہا: بریرہ کا شوہر آزاد تھا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے کہا: اسود کا قول منقطع ہے اور سیدنا ابن عباس کا قول ”میں نے اسے غلام دیکھا۔“ زیادہ صحیح ہے۔ اسود کی بیان کردہ روایات میں سیدنا مغیث رضی اللہ عنہ کی آزادی کا تذکرہ ہے۔ جبکہ جناب قاسم اور عروہ بن زبیر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو بیان کرتے ہیں اس میں ہے کہ بریرہ کا خاوند غلام تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان دونوں (قاسم اور عروہ) کی روایت زیادہ قابل اعتبار اور صحیح ہے اسود کی روایت سے خواہ وہ مسند ثابت ہو جائے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قاسم کی پھوپھی ہیں اور عروہ کی خالہ ہیں اور یہ دونوں بزرگ ان کے پاس بے روک ٹوک اور بغیر پردے کے آتے جاتے تھے جبکہ اسود سیدہ سے جو کچھ سنتے وہ پردے کے پیچھے سے سنتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول روایات میں اگر تعارض پایا جاتا ہے تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں ہے (کہ وہ غلام تھا) کے معارض کوئی روایت نہیں، اس لیے یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ ویسے عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی روایت میں بھی یوں مذکور ہے کہ بریرہ کا خاوند غلام تھا، (تو گویا اس روایت سے بھی ان کے غلام ہونے والے موقف کی تائید ہوگئی) اسی طرح مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلام خاوند اور بیوی (دونوں) کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو کہتی ہیں میں نے ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے مجھے عورت کی بجائے مرد کو پہلے آزاد کرنے کا حکم دیا۔

مذکورہ بالا روایت میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی کنیز اگر آزاد ہو جبکہ اس کا شوہر پہلے سے آزاد ہو تو ایسی صورت میں عورت کو کوئی اختیار نہیں۔ اگر ایسی صورت میں بھی اسے اختیار حاصل ہوتا تو پھر خاوند کو پہلے آزاد کرنے والا نبوی مشورہ بے مقصد اور بے فائدہ قرار پاتا ہے۔ بہر حال اگر خاوند پہلے آزاد ہو جائے تو بیوی کو یہ اختیار نہیں۔ اسی طرح اگر خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں اور دونوں کو بیک وقت آزادی ملے تو بھی بیوی کو کوئی اختیار نہیں۔ اگر عورت پہلے آزاد ہو جائے اور اسے اپنے آزاد ہونے کا پتہ نہ چلے اتنے میں خاوند کو بھی آزادی مل جائے تو کیا اب بیوی کو اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ اسے کوئی اختیار نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ آزادی کا علم ہونے کے فوراً بعد لونڈی کو نکاح قائم رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اگر کسی وجہ سے اسے آزادی کا علم نہیں ہوسکا جس میں وہ نکاح فسخ کرنے کی مجاز تھی تو اب اس کا حق باطل اور ختم ہوگیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں بھی اسے اختیار حاصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوران میاں بیوی ہم بستر نہ ہوئے ہوں۔ یہ قول سیدنا ابن عمر اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا اور اس سے کہا: اگر اس اختیار کے دوران مغیث تیرے ساتھ ہم بستر ہوگیا تو تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں بیان شدہ مسئلے کو ماننا واجب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: لونڈی کو اس وقت تک اختیار حاصل ہے جبکہ اس نے اپنے غلام خاوند سے تعلق زوجیت قائم نہ کیا ہو لیکن مجھے تو لونڈی کے اختیار کو محدود کرنے کے متعلق قرآن وسنت سے کسی چیز کا علم نہیں سوائے ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے قول کے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تک (غلام) خاوند اسے نہ چھوڑے (تب تک اسے اختیار حاصل ہے)۔

فائدہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت ضعیف ہے اس لیے اس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ (ع،س)

اور جب لونڈی جدائی اختیار کر لے تو اسے دخول سے قبل جدا ہونے پر حق مہر نہیں ملے گا اور اگر یہ جدائی دخول کے بعد وقوع پذیر ہو تو خاوند کے ذمے مہر کی ادائیگی واجب ہے۔

(34)......بَابُ خِيَارِ الْعَيْبِ

کوئی عیب پائے جانے پر نکاح فسخ کرنے کا اختیار

(٢٣٠١)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنَّهُ قَالَ:......

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَبِهَا جُنُونٌ، أَوْ جُذَامٌ، أَوْ بَرَصٌ، فَمَسَّهَا، فَلَهَا صَدَاقُهَا، وَذَلِكَ لِزَوْجِهَا غُرْمٌ عَلَى وَلِيِّهَا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جو شخص کسی خاتون سے نکاح کرے پھر اس سے ہم بستری کرے جو دیوانی ہو، جذام کی مریضہ ہو یا برص میں مبتلا ہو (تو چونکہ شوہر نے اسے چھوا ہے اس لیے) وہ حق مہر کی مستحق ہے اور خاوند مہر کی یہ رقم عورت کے سرپرست (ولی) سے بطور تاوان وصول کرے گا (جس نے اسے دھوکہ دیا ہے)۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: شادی کے بعد کوئی عیب نکل آنے پر نکاح فسخ کرنے کے بارے میں اہل علم کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ خاوند کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو یا وہ نامرد ہو (یعنی خاوند کا ذکر اس قدر ڈھیلا یا چھوٹا ہو کہ قوت جماع نہ رکھتا ہو) اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو ان کے درمیان طلاق کے ذریعے تفریق کرا دی جائے گی یہ قول امام نخعی اور اہل رائے کا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر دخول ہو چکا ہے تو اب وہ اس کی بیوی ہے اور اگر دخول اور تعلق زوجیت سے قبل کا مرحلہ ہے تو ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔

(٢٣٠١) رجاله ثقات رجال الشيخين لكنه منقطع بين سعيدبن المسيب وعمر بن الخطاب رضي الله عنه ...... أخرجه مالك في "المؤطا": ١١١٩.

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ سات عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے تین یہ ہیں: جنون (پاگل پن)، جزام اور برص (پھلبہری) میاں بیوی میں سے جس میں ان عیوب اور بیماریوں میں سے کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو دوسرا فسخ نکاح کا حق رکھتا ہے خواہ دخول ہو چکا ہو یا نہ۔ یہ قول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

جب کوئی عورت اپنے خاوند کو اس حال میں پائے کہ اس کا ذکر کٹا ہوا ہو یا وہ قوت جماع نہ رکھتا ہو اسی طرح اگر عورت بانجھ ہو یا اس کو ''قرن'' (ایسی بیماری جس کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ میں گوشت ابھر آتا ہے) کی بیماری ہو تو نکاح فسخ کرنا جائز ہوگا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، پھر اگر دخول سے پہلے نکاح ختم ہو گیا ہے تو عورت کو حق مہر نہیں دیا جائے گا خواہ فسخ کا مطالبہ خاوند کی طرف سے ہو یا بیوی کی طرف سے اور اگر نکاح فسخ ہونے کا مرحلہ دخول کے بعد پیش آیا ہے تو بیوی کو مہر مثل دیا جائے گا اور اگر عقد نکاح ہو جانے کے بعد ان عیوب میں سے کوئی عیب لاحق ہوتا ہے تو بھی نکاح اسی طرح فسخ ہو جائے گا خواہ وہ عیب دخول سے پہلے ظاہر ہو یا بعد میں، ماسوائے نامردی کے کہ اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر نامردی کا مرض ایک بار دخول کرنے کے بعد لاحق ہوا ہے تو اس سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہوگا (بلکہ مرد کو علاج کا موقع فراہم کیا جائے گا) جب مرد نکاح فسخ کرے اس عیب کی وجہ سے جو بعد از دخول ظاہر ہوا ہو تو عورت کو مقرر کردہ حق مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر دخول سے پہلے ایسا مرحلہ درپیش آ گیا ہے تو عورت کو مہر مثل کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ اسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی دوسرے سے دھوکا کر دے مثلاً شرائط نکاح میں تو یہ ظاہر کیا کہ وہ آزاد ہے یا اونچے حسب ونسب کا حامل ہے لیکن بعدازاں تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ تو غلام ہے یا کمتر حسب ونسب کا حامل ہے تو دوسرے کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، اس صورت میں عورت کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔ اگر یہ جدائی دخول کے بعد واقع ہوئی ہو پھر اگر عیب عورت میں موجود تھا یا دھوکہ دہی عورت کے ولی (سرپرست) کی طرف سے تھی تو کیا خاوند کو مہر کی رقم ولی کی طرف سے دی جائے گی؟ (جس نے اسے دھوکہ دیا) اس بارے میں دو آراء ہیں، صحیح تر قول یہ ہے کہ مہر کی واپسی نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اس کے مقابلے میں فائدہ سمیٹ لیا ہے (یعنی عورت سے تعلق زوجیت قائم کر لیا ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے مہر کی رقم واپس دی جائے گی اور یہ قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: خاوند کو مہر کی رقم اس صورت میں دی جائے گی جب اس سے دھوکا کرنے والا، جس نے اس عورت کا نکاح اس سے کیا وہ عورت کا باپ یا بھائی ہو یا کوئی ایسا سرپرست ہو جو حقیقت حال سے بخوبی واقف تھا اور پھر اس نے دھوکا دیا۔ اور جب اس کا نکاح کرنے والا اس کا ولی اس کے چچا کا بیٹا، آزاد کردہ غلام یا کوئی دوسرا ایسا شخص ہو جو حقیقت حال سے بے خبر ہو تو اس کے ذمے مہر کی رقم کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

البتہ اس صورت میں عورت اپنا وصول کیا ہوا حق مہر لوٹا دے گی اور اگر تعلق زن وشوہر قائم ہو چکا ہو تو حق مہر اسے

معاف کر دیا جائے گا کیونکہ اسی کی بنا پر تو اس نے اس کو حلال کیا ہے۔ پھر اگر دھوکے کا تعلق عورت کی جانب سے آزادی کے حوالہ سے ہو تو اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد آزاد تسلیم ہو گی اور خاوند کے ذمے اپنے بچوں کی قیمت ادا کرنا لازم ہو گا، پھر بعض حضرات کے نزدیک یہ رقم دھوکا دینے والے کے ذمے واجب الادا ہو گی۔

امام حکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بچوں کی آزادی ان کے باپ کے ذمے ہے سوائے نامردی کے، اس کا مسئلہ کچھ اس طرح سے ہے کہ بادشاہ (اور قاضی) کے پاس مقدمہ درج ہونے کے بعد ایک سال کی مہلت دی جائے گی (تاکہ وہ اپنا علاج کرا سکے) کیونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ اسے یہ مرض کسی عارض کی بنا پر لاحق ہوا ہو اور سال کے چاروں موسموں کے گزرنے اور رُتوں کے تبدیل ہونے سے یہ مرض نامراد جاتا رہے۔ پھر اگر بالفرض مرض کا ازالہ نہیں ہو پاتا تو ایک سال گزرنے کے بعد نکاح فسخ کرا دیا جائے گا۔ جناب سعید بن مسیّب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے نامرد آدمی کے لیے ایک سال کی مدت کا فیصلہ کیا۔

جناب سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نامرد شخص کو ایک برس کی مہلت دی جائے، پھر اگر اس کی قوت بحال ہو جائے تو ٹھیک ہے وگرنہ میاں بیوی کے درمیان جدائی کرا دی جائے۔ جب خاوند حد درجہ مفلس وقلاش ہو جائے اور عورت کا نان ونفقہ بالکل ادا نہ کر سکے تو کیا ایسی کیفیت میں بیوی کیلئے اس کے نکاح سے نکلنا جائز ہو گا یا نہیں؟ اہل علم نے اس کیفیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں اس کیلئے اپنے خاوند کے نکاح سے نکلنے کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ حضرات صحابہ میں سے سیدنا عمر، سیدنا علی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اس کے قائل ہیں۔ جناب سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ نیز امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں۔

(٢٣٠٢)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا سُفْيَانُ......

عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنِ الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَأَتِهِ؟ قَالَ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا۔ قَالَ أَبُو الزِّنَادِ: فَقُلْتُ: سُنَّةٌ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: سُنَّةٌ۔

ابو الزناد کہتے ہیں: میں نے جناب سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کی بابت پوچھا جو اپنی بیوی پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا؟ انہوں نے کہا: ان کے درمیان تفریق کرادی جائے۔ ابو الزناد نے کہا: میں نے سوال کیا: کیا یہ سنت ہے؟ تو جناب سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں یہ سنت ہے۔

(٢٣٠٢) أخرجه الامام الشافعي في "المسند": ١٢٦٦، والامام مالك بلاغا: ١٢٤٩.

شرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جناب سعید رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کو سنت قرار دینے سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقہ ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اپنے شہر (یعنی مدینہ منورہ) کے اہل علم کو اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے پایا۔

جناب حسن اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا: بیوی کو خرچہ دے یا اسے طلاق دے اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ خرچے کی قلت اور کمی کی بنا پر نکاح فسخ کرانے کی اجازت نہیں۔ یہ قول امام زہری، ابن ابی لیلیٰ اور اہل رائے رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ یہی اختلاف حق مہر ادا نہ کر سکنے کے بارے میں بھی ہے البتہ خرچہ نہ دے سکنے کے بارے میں اتنا اضافہ ضرور ہے کہ ایک مرتبہ اگر عورت راضی ہو جائے پھر اس کا ارادہ نکاح فسخ کرانے کا بن جائے تو ان حضرات کے موقف کے مطابق جو ایسی صورت میں نکاح فسخ کرنا جائز سمجھتے ہیں عورت اپنی راہ جدا کر سکتی ہے لیکن حق مہر کی ادائیگی نہ کر سکنے کی صورت میں جب ایک مرتبہ عورت خاوند کے ساتھ رہنے پر رضامند ہو جائے تو دوبارہ اس کے نکاح سے نکلنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی، بلکہ وہ اپنا حق کھو بیٹھتی ہے۔

فائدہ: کسی عیب کی بنا پر نکاح فسخ کرنا شریعت میں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں البتہ طلاق اور خلع مشروع ہے لہٰذا اگر کوئی عیب ظاہر ہو جائے جس کی وجہ سے اکٹھا رہنا دشوار ہو تو مرد طلاق دے سکتا ہے اور عورت خلع لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع،س)

(35)......بَابُ الصِّدَاقِ

حق مہر کا بیان

اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ ...... ''انہیں اُن کا مقرر مہر ادا کرو۔'' (سورہ نساء: ۲۴) یہاں لفظ اجر سے مراد حق مہر ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ ...... ''اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو۔'' (سورہ نساء: ۴)

اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے کہ حق مہر تو عورت سے فائدہ اٹھانے کا عوض اور بدل ہوتا پھر اسے آیت مبارکہ میں (نِحْلَة) کیوں کہا گیا جبکہ اس لفظ کے لغوی معنی تحفہ اور ہدیہ دینے کے ہیں جو بلا معاوضہ ہوتا ہے؟ تو جواباً کہا جائے گا کہ یہاں (نِحْلَة) سے مراد دین پر عمل کرنا اور شریعت کے ایک مقرر کردہ حکم کو بصد خوشی پورا کرنا ہے جیسا کہ عربی زبان میں کسی مذہب اور دین کو اختیار کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ اِنْتَحَلَ مَذْهَبَ كَذَا۔'' فلاں صاحب نے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے یعنی وہ بخوشی اس مذہب کا پیروکار اور متبع بن گیا ہے۔

حق مہر کو (نِحْلَة) کہنے کی ایک وجہ لغوی رعایت بھی ہو سکتی ہے کہ درحقیقت یہ رقم اسے بغیر عوض ہی حاصل ہو رہی ہے، میاں بیوی مباشرت کی لذت اور لطف اندوزی میں برابر کے شریک ہیں، جیسا خاوند محظوظ ہو رہا ہے ویسے عورت بھی

جنسی تسکین کے لمحات سے گزر رہی ہے بلکہ بسا اوقات ایک عورت غلبہ شہوت کی بنا پر زیادہ کیف ونشاط اٹھاتی ہوتی ہے تو اس طرح حق مہر کی رقم اس کیلئے بلا معاوضہ ہی ہے اور تحفہ اور ہدیہ ہی کی حقیقت رکھتی ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ پہلی شریعتوں میں حق مہر پر اولیاء کا قبضہ تھا، وہ اسے اپنا حق سمجھتے تھے، عورتوں کو کچھ نہیں ملتا تھا جیسا کہ حضرت شعیب رضی اللہ عنہما کے الفاظ قرآن مجید میں مذکور ہیں: ﴿قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ ہٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾...... ''اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر پر) کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔'' (سورہ قصص: ۲۷)

حضرت نے نکاح میں اپنا کام کرنے کی شرط لگائی ہے اپنی بیٹی کا کام کرنے کی نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہماری شریعت میں اسے عورتوں کا حق مہر دیا تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ایک تحفہ ہوا۔ واللہ اعلم

(۲۳۰۳)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ......

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَاعِدِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَائَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ، فَقَامَتْ قِيَامًا طَوِيلا، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا إِيَّاهُ؟)) فَقَالَ: مَا عِنْدِي إِلا إِزَارِي هَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِيَّاهُ جَلَسْتَ لا إِزَارَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئًا)) فَقَالَ: مَا أَجِدُ، فَقَالَ: ((فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟)) قَالَ: نَعَمْ،

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اپنے ساتھ نکاح کی پیش کش کرتی ہوں، وہ کافی دیر کھڑی رہی تو ایک صحابی اٹھا، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس (خاتون) کی ضرورت نہیں تو اس کا نکاح مجھ سے فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرے پاس مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟'' اس نے جواب دیا: میرے پاس تو صرف میری یہ چادر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تو اسے یہ تہبند دے دے گا تو تو بغیر تہبند کے بیٹھ رہے گا، جا کچھ تلاش کر۔'' اس نے کہا: مجھے کچھ نہیں ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جا تلاش کر، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔'' اس نے تلاش کیا لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا:

(۲۳۰۳) أخرجه البخاري: ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ومسلم: ۱۴۲۵.

سُورَةُ كَذَا، وَسُورَةُ كَذَا، لِسُوَرٍ سَمَّاهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.))

ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تجھے جو قرآن یاد ہے، میں نے اس کے عوض اس عورت کو تیرے نکاح میں دے دیا ہے۔“

شرح جناب زائد نے ابو حازم سے جو روایت بیان کی ہے اس میں ہے: جا! میں نے اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا ہے چنانچہ اس کو اتنا قرآن پڑھا دینا۔ عبدالعزیز بن ابی حازم عن ابیہ اور یعقوب بن عبدالرحمان عن ابی حازم کی سند سے مروی روایت میں ہے، اس شخص نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو ان سورتوں کو (بغیر دیکھے) پڑھ سکتا ہے؟“ اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: جا! تجھے جو قرآن یاد ہے، میں نے اس کے عوض اس عورت کو تیرے قبضے (نکاح) میں دے دیا۔“ (صحیح بخاری: ٥٠٨٧، صحیح مسلم: ١٤٢٥)

جناب سفیان بن ابی حازم نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں، تحقیق میں نے تیرا نکاح اس خاتون سے کر دیا ہے۔ ابو غسان عن ابی حازم کی سند ہے ”تجھے جو قرآن یاد ہے ہم نے اس کے عوض تجھے اس پر قبضہ دیا۔“

اسی قصے کی مانند سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ”تجھے قرآن کس قدر یاد ہے؟ انہوں نے کہا: سورہ بقرہ یا اس کے ساتھ والی، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اسے بیس آیتیں پڑھا دو اور یہ تمہاری بیوی ہوئی۔“ (ضعیف، ابوداود: ٢١١٢)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: روایت مذکورہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کم از کم حق مہر کا شرعاً کوئی تعین نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص سے کہا: جا! کوئی چیز تلاش کر لا۔“ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز بھی حق مہر مقرر کی جا سکتی ہے خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، پھر آپ ﷺ نے بھی یہ فرمایا: ”ڈھونڈ لاؤ۔“ خواہ لوہے کا چھلہ ہی ہو۔“ اور یہ بات تو واضح ہی ہے کہ لوہے کا چھلہ یا انگشتری بے حیثیت اور کم قیمت چیز ہے، نہایت ارزاں اور بے وقعت ہے۔

جناب ربیعہ، سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ یہ موقف رکھتے ہیں کہ کم از کم حق مہر کی کوئی تعیین اور حد نہیں بلکہ جو چیز بھی فروخت ہو سکتی ہو یا قیمت بن سکتی ہو اسے مہر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: منقّی کی تین مٹھیاں مہر ہو سکتی ہیں، جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: ایک کوڑا بطور حق مہر دینا جائز ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ کم از کم حق مہر چوری کے نصاب جتنا ضرور ہونا چاہیے، امام مالک اور اہل رائے اس کے قائل ہیں، پھر ان کے درمیان چوری کے نصاب کی تعیین میں اختلاف ہے، امام مالک کے نزدیک چوری کا نصاب تین درہم ہے اور اہل رائے کے نزدیک دس درہم ہے۔

جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ چالیس درہموں سے کم حق مہر باندھنے کو ناپسند جانتے تھے اور کہتے کہ چالیس درہموں سے کم مہر تو جسم فروش عورت کا ہوتا ہے۔ ان تمام موقفات میں سے پہلا موقف اولیٰ اور صحیح تر ہے، اس لیے کہ وہ موقف

ہمیں حدیث مبارکہ میں ملتا ہے۔سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس شخص نے کسی عورت کو مہر میں دو ہاتھ بھر کر ستو دے دیے یا کھجور، اس نے اس کو حلال کر لیا۔‘‘ (ضعیف، ابوداود: ۲۱۱۰)

(۲۳۰۴)۔وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ......

عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ وَمَعَهُ امْرَأَةٌ لَهُ، فَقَالَ: إِنِّي تَزَوَّجْتُهَا بِنَعْلَيْنِ، فَقَالَ لَهَا: ((رَضِيتِ؟)) قَالَتْ: نَعَمْ، وَلَوْ لَمْ يُعْطِنِي لَرَضِيتُ، قَالَ: ((شَأْنُكَ وَشَأْنُهَا۔))

جناب عبداللہ بن عامر اپنے والد گرامی سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: قبیلہ بنو فزارہ کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خاتون کے ہمراہ حاضر ہوا اور کہا: میں نے اس کے ساتھ جوتوں کے جوڑے کے عوض (حق مہر مقرر کر کے) نکاح کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے پوچھا: کیا تو راضی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! اگر یہ بھی نہ دیتا میں تو تب بھی راضی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ٹھیک ہے تم دونوں راضی خوشی زندگی بسر کرو۔‘‘

شرح: سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں لوہے کی انگوٹھی پہننے کی دلیل ہے،بعض علماء لوہے کی انگوٹھی پہننے کو ناپسند جانتے ہیں۔ان حضرات کی دلیل سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ’’کیا بات ہے میں تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں؟‘‘ تو اس نے وہ بھی اتار پھینکی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس چیز سے انگوٹھی بنواؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’چاندی کی بنواؤ مگر مثقال سے کم رکھنا (مثقال، ۴.۲۵ گرام کے مساوی ہے)۔‘‘

(ضعیف، ابوداود: ۴۲۲۳، ترمذی: ۱۷۸۵،نسائی: ۵۲۱۰)

اس حدیث کی سند غریب ہے اور سیدنا سہل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت زیادہ صحیح ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی لوہے کی انگوٹھی پہننے کے متعلق کراہت مروی ہے۔ان تمام احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفائت میں مال کا کچھ اعتبار اور لحاظ نہیں، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ تعلیم قرآن کو حق مہر قرار دیا جا سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں،بعض اہل علم کا موقف ہے کہ تعلیم قرآن کو حق مہر بنانا جائز نہیں ہے اور اسے مہر

(۲۳۰۴) ضعيف ...... أخرجه الترمذي: ۱۱۱۳، وابن ماجه: ۱۸۸۸.

مثل (اس کے خاندان کی عورتوں جتنا مہر یعنی اس کی پھوپھیوں، بہنوں اور بھتیجیوں جتنا مہر) دیا جائے گا۔ یہ قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل رائے کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تعلیم قرآن کو حق مہر قرار دینے کے جواز کے قائل نہیں۔ امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تعلیم قرآن کو حق مہر مقرر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے درست نہیں۔

فائدہ: جن حضرات نے مہر کی حد مقرر سمجھی ہے وہ تاویل کرتے ہیں کہ اصل مہر الگ تھا مگر ذخیرہ حدیث میں اس مہر کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ لہٰذا یہ تاویل کمزور ہے، مہر کم از کم مقرر ہے نہ زیادہ سے زیادہ۔ البتہ فریقین کی رضامندی شرط ہے، اگر کسی کے پاس مہر کے لیے کوئی رقم یا کوئی چیز نہیں تو تعلیم کے عوض بھی نکاح کیا جا سکتا ہے، اس کو آپ کا خاصہ کہنا درست نہیں اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کی شرط پر نکاح کو درست قرار دیا، ام سلیم رضی اللہ عنہا والی یہ حدیث صریح ہے کہ قبولِ اسلام کے علاوہ کوئی مہر نہ تھا۔ گویا عورت راضی ہو تو اس قسم کی دینی منفعت بھی مہر بن سکتی ہے مال ہونا ضرور نہیں۔ (ع،س)

حدیث مبارکہ میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کی دلیل ہے، اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آزادی کی منفعت کو حق مہر قرار دینا جائز ہے، اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس پر اجرت لینا جائز ہے، اسے حق مہر قرار دینا بھی جائز ہے لیکن اہل رائے آزادی کو مہر بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

نوٹ:...... اہل رائے کا یہ فتویٰ صریح حدیث کے خلاف ہونے کے بنا پر نا قابل التفات ہے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے تخصیص نہیں سمجھی۔ نیز آزادی تو عموماً مال ہی سے ہوتی ہے، لہٰذا آزادی کا مہر بننا تو مالی منفعت بھی ہے اس سے انکار عجیب بات ہے بہر حال عمل صحیح احادیث پر ہی ہے۔ (ع،س)

جو حضرات لفظ (التملیك) کے بولنے سے نکاح منعقد ہو جانے کے قائل ہیں وہ روایت مذکورہ میں بعض راویوں کے بیان کردہ الفاظ (فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا) ''میں نے تجھے اس کا مالک بنایا۔'' سے استدلال کرتے ہیں اور وہ اہل رائے ہیں لیکن اہل علم کی ایک جماعت لفظ تملیك وغیرہ کے ساتھ نکاح منعقد ہو جانے کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ اس کیلئے لفظ نکاح یا تزویج بولنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس موقف کے قائل ہیں۔

جو لوگ لفظ (تملیك) وغیرہ کے بولنے سے نکاح ہو جانے کے قائل ہیں ان حضرات کی دلیل یہاں سے تو نہیں بنتی کیونکہ یہ نکاح ایک ہی تھا اور ظاہر ہے اس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے کوئی ایک جملہ ہی صادر ہوا ہوگا البتہ راویوں نے روایت بالمعنیٰ کے طور پر مختلف الفاظ روایت کر دیئے (روایت بالمعنیٰ میں اکثر و بیشتر ایسا ہو جاتا ہے) ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح لفظ التزویج بولنے سے ہی منعقد ہوا اس لیے کہ تمام راوی یہ بیان کرنے پر متفق ہیں کہ شادی کے خواہاں شخص نے (زوجنیها) ''اے اللہ کے رسول! اس کی شادی میرے ساتھ کر دیجئے۔'' کے الفاظ ہی بولے تھے اور عقود و معاملات میں معاملہ کرتے ہوئے بالعموم فریق اول کے الفاظ ہی دہرا دیے جاتے ہیں۔

اور جن رواۃ نے لفظ تزویج کے علاوہ دوسرے الفاظ نقل کیے ہیں تو ان کے پیش نگاہ عقدہ نکاح کا معاملہ نہیں تھا بلکہ محض ایک واقعے کو نقل کرنا مقصود تھا اور یہ کہ وہ عقد تعلیم قرآن کو مہر بنا کر منعقد ہوا تھا یہ بیان کرنا مقصود تھا۔ اس تاویل کی گنجائش اس طرح بھی نکلتی ہے کہ بعض راویوں نے لفظ امکنا بھی بیان کیے ہیں اور اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ لفظ امکان اور تمکین (قبضہ دینے کے لیے بولنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا) تو معلوم ہوا کہ بعض راویوں نے محض واقعہ نقل کیا ہے، الفاظ کی باریکی ان کے پیش لحاظ نہیں تھی لہٰذا کچھ راویوں کے بیان کردہ الفاظ سے اپنا فقہی مدعا منوانے پر اصرار کرنا درست نہیں۔ (ع،س)

ایسے مقامات میں دوسرے دلائل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

(36)......بَابُ اسْتِحْبَابِ تَخْفِيفِ الْمَهْرِ

حق مہر کم مقرر کرنا مستحب ہے

(٢٣٠٥)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ ح وَأَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُغَلِّسِ، حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَارِي، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ......

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ صَدَاقُهُ لأَزْوَاجِهِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَقِيَّةً وَنَشًّا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: لا، قَالَتْ: نِصْفُ وَقِيَّةٍ۔ زَادَ يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَارِي، فَتِلْكَ: خَمْسُمائَةِ دِرْهَمٍ، هَذَا صَدَاقُ النَّبِيُّ ﷺ لأَزْوَاجِهِ۔

ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے حق مہر کے بارے میں پوچھا کہ وہ کتنا تھا؟ انہوں نے کہا: آپ کی بیویوں کا حق مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا، انہوں نے کہا: تجھے معلوم ہے کہ نش کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں معلوم، انہوں نے کہا: آدھا اوقیہ۔ یحییٰ بن محمد الجاری نے وضاحت کی کہ یہ مقدار پانچ سو درہم ہوئی جو نبی ﷺ نے اپنی ازواج کا حق مہر مقرر فرمایا تھا اور اس کی بیان کردہ روایت میں (وقیہ) کی جگہ (اوقیة) کے الفاظ ہیں۔

شرح: ایک اوقیہ میں چالیس درہم چاندی کے ہوتے ہیں اور نش بیس درھموں کا ہوتا ہے لہٰذا یہ مقدار پانچ

(٢٣٠٥) أخرجه مسلم: ١٤٢٦.

سو درہم ہوئی (اور موجودہ معیار کے مطابق ایک درہم کا وزن 2.975 گرام اور پچھلے علماء کے حساب سے 3.06 گرام ہوتا ہے۔ (ع،س)

ابن اعرابی نے کہا: ہر چیز کے نصف اور آدھے حصے کو نش کہا جاتا ہے نــش الــرغيف سے مراد آدھی چپاتی ہے۔

ابوعجفاء سلمی جن کا نام ہرم ہے۔ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اثنائے خطبہ) کہا: خبردار! عورتوں کے سلسلے میں بھاری بھاری مہرمت باندھا کرو، اگر یہ چیز دنیا میں عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا ثبوت ہوتی تو اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر ہوتے، مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر دیا۔

(حسن صحيح، ابوداود: ٢١٠٦، ترمذی: ١١١٤، نسائی: ٣٣٤٩، ابن ماجه: ١٨٨٧)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو اس طرح بارہ اوقیہ میں ۴۸۰ درہم ہوئے۔

مروی ہے کہ نجاشی نے سیدہ حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار ہزار درہم حق مہر کے عوض کی اور انہیں سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔

(صحيح، ابوداود: ٢١٠٧، والنسائی: ٦/ ١١٩)

(37)......بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ بِلَامَهْرٍ

مہر مقرر کیے بغیر شادی کرنا

(٢٣٠٦)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَةَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَأُمُّهَا بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ كَانَتْ تَحْتَ ابْنٍ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَمَاتَ، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا، وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا صَدَاقًا، فَابْتَغَتْ أُمُّهَا صَدَاقَهَا، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: لَيْسَ لَهَا صَدَاقٌ، وَلَوْ كَانَ لَهَا صَدَاقٌ لَمْ نُمْسِكْهُ، وَلَمْ نَظْلِمْهَا، فَأَبَتْ أَنْ تَقْبَلَ ذٰلِكَ، فَجَعَلُوا

جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبیداللہ بن عمر کی صاحبزادی (جن کی والدہ زید بن خطاب کی بیٹی تھی) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کے نکاح میں تھی، وہ فوت ہوگیا جب کہ اس نے نہ اس سے جماع کیا اور نہ اس کا مہر ہی مقرر کیا، بچی کی والدہ نے حق مہر کا مطالبہ کیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا کوئی حق مہر نہیں، اگر اس کا حق مہر بنتا ہوتا تو ہم اسے کبھی نہ رکھتے اور بچی پر

(٢٣٠٦) اسناده صحيح ...... أخرجه الامام مالك فى "المؤطا": ٢/ ٥٢٧.

بَيْنَهُمَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ ، فَقَضَى أَنْ لَا صَدَاقَ لَهَا ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ۔

ظلم نہ کرتے لیکن بچی کی والدہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے درمیان تصفیہ کے لیے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ڈالا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کا کوئی حق مہر نہیں البتہ اسے وراثت ملے گی۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب جوان بالغ خاتون مہر مقرر کیے بغیر شادی کرنے پر رضامند ہو جائے اور اس کا نکاح کر دیا جائے (مگر مہر کی نفی نہ کی جائے، اگر مہر کی نفی کی جائے گی تو نکاح باطل ہوگا)۔ تو ایسی عورت کو محض عقد نکاح کرنے کی وجہ سے حق مہر نہیں ملے گا (البتہ نکاح درست ہوگا) البتہ عورت نکاح ہو چکنے کے بعد حق مہر کی تعیین کا مطالبہ کرے اور پھر جس پر بھی اتفاق ہو جائے وہی مہر ہوگا اور اس کا معاملہ ویسا ہی ہوگا گویا نکاح کرتے وقت اس کی تعیین ہوئی اور اگر حق مہر مقرر کرنے سے پہلے خاوند بیوی کا تخلیہ ہو چکا ہے تو اس عورت کی ذاتی اور خاندانی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر مقرر کیا جائے گا مثلاً اس کی بہنوں یا پھوپھیوں یا بھتیجیوں یا اس کی چچا کی بیٹیوں کا عمومی مہر۔ اسے مہر مثل کہا جاتا ہے۔ یاد رہے! اس سلسلہ میں بچی کی والدہ اور خالاؤں کا حق مہر پیش نگاہ نہیں رکھنا، اس لیے کہ اس کی ماں اور ماسیوں کا نسب اس کے نسب کی طرف نہیں لوٹتا۔ اگر حق مہر مقرر کرنے کے بغیر نکاح کرنے والے جوڑے میں سے کوئی ایک دخول سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کیفیت کے بارے میں کہ اسے حق مہر ملے گا یا نہیں، اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو حق مہر نہیں ملے گا البتہ اسے وراثت ملے گی اور اسے عدت گزارنی پڑے گی، اس موقف کے قائل سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا اس لیے کہ فوت ہو جانا حق مہر مقرر کرنے کی تصدیق میں داخل ہے، تو ایسی صورت میں اگرچہ عقد نکاح میں مہر کا تعین نہیں ہو سکا تو اب مہر مثل ادا کیا جائے گا۔ اس کے قائل امام ثوری، احمد، اسحاق اور اہل رائے ہیں، ان حضرات کی دلیل علقمہ کا بیان کردہ واقعہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مر گیا جب کہ اس نے نہ اس سے جماع کیا اور نہ اس کا مہر ہی مقرر کیا تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کے لیے اسی جیسی عورتوں کے مطابق حق مہر ہے (یعنی مہر مثل) نہ کم نہ زیادہ۔ اسے عدت گزارنی پڑے گی اور اسے وراثت بھی ملے گی (یہ سن کر) سیدنا معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا جو کہ ہمارے خاندان کی ایک عورت ہے کے بارے میں آپ کے فیصلے جیسا فیصلہ فرمایا تھا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے (کہ میرا فتویٰ حدیث رسول کے مطابق ہو گیا)۔ (صحیح، ابوداود: ۲۱۱۴، ترمذی: ۱۱۴۵، نسائی: ۳۳۵۴،

ابن ماجه: (١٨٩١)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اگر سیدہ بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا والی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو جائے تو پھر نبی ﷺ کا فرمان چھوڑ کر کسی کے قول اور فتویٰ کی طرف التفات کی کوئی ضرورت نہیں نہ ہی اس میں ہمارے لیے کوئی حجت ہے۔

امام صاحب کہتے ہیں: راوی حدیث کبھی تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اور کبھی معقل بن سنان سے اور کبھی (عَنْ بَعْضِ اَشْجَعَ) " بنواشجع کے ایک شخص سے۔'' کے الفاظ سے روایت کرتا ہے اور اگر یہ حدیث ثابت نہ ہو تو ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا، وراثت ملے گی۔

اگر کسی نابالغ بچی کا نکاح مہر مقرر کیے بغیر منعقد ہو جائے تو اسے نکاح ہو جانے کی بنا پر مہر مثل دیا جائے گا اس لیے کہ حق میں کمی کرنا جائز نہیں ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا عقد نکاح بھی درست نہیں ہے۔

فائدہ: مہر مقرر کرنے کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے مگر مہر کی نفی نہ کی جائے۔ اگر مہر کی نفی کیا جائے گی تو نکاح باطل ہو گا مہر کی نفی نہ ہو، مگر مقرر نہ کیا گیا ہو تو بعد میں جس پر اتفاق ہو جائے وہی مہر ہو گا اور اگر اتفاق نہ ہو تو اسے مہر مثل دیا جائے گا۔ (ع،س)

جب ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور حق مہر کا بھی تعین ہو تو کیا بغیر کچھ ادا کیے وہ اپنی بیگم کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ بعض علماء نے بغیر کچھ ادا کیے عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسی کے قائل ہیں۔ جناب قتادہ اور زہری کی رائے بھی یہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: عورت کے پاس اس وقت تک نہ جائے جب تک حق مہر میں سے کچھ نہ کچھ ادا نہ کر دے، کم ازکم چوتھائی دینار یا تہائی دینار خواہ حق مہر کا تعین ہو چکا ہو یا نہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیمی قول تو یہ ہے کہ اگر حق مہر مقرر نہیں ہے تو میں مہر مقرر کرنے سے قبل عورت کے ساتھ ہم بستری کو ناپسند کرتا ہوں یا اسے کچھ نہ کچھ ضرور ادا کر دیا جائے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت مثلاً جناب سعید بن مسیّب، حسن بصری، نخعی، امام احمد اور اسحاق رحمہ اللہ ایسی کیفیت میں رخصت اور اجازت کے قائل ہیں۔ اگر ولی عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ مجھے کچھ مال و دولت دیا جائے تو کیا ایسی شرط سے اسے مال دینا لازم ٹھہرے گا؟ اس بارے میں اہل علم وفضل کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ایسی شرط کا کچھ اعتبار نہیں ایسی صورت میں عورت کو مہر مثل دینا واجب ہو گا اور ولی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں۔

جناب عطاء، طاؤس، مالک اور ثوری رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ ولی نے اپنے لیے جتنی رقم کا مطالبہ کیا ہے وہ بھی ساری کی ساری عورت کو ہی ادا کی جائے گی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: اگر کسی عورت کا ولی اس کا والد ہو تو اس کی لگائی ہوئی شرط کو پورا کیا جائے باقی اولیاء کی شرط کا کوئی پاس ولحاظ نہیں، اس لیے کہ اولاد کا مال والد کا ہی ہوتا ہے (اور یہ حق اسے شریعت نے دیا ہے، اس کی تائید کے لیے کچھ آثار ملاحظہ ہوں) مروی ہے کہ علی بن حسین نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تو اپنے لیے مال کی شرط ٹھہرائی۔ اسی طرح جناب مسروق نے جب اپنی بیٹی کی شادی کی تو اپنے لیے دس ہزار درہم (چاندی) کی شرط لگائی جسے انہوں نے وصول کرنے کے بعد حج کرنے اور مساکین کی دیکھ بھال میں خرچ کیا۔

(38)......بَابُ الْخَلْوَةِ بِالْمَنْكُوحَةِ

منکوحہ کے ساتھ خلوت کا مفہوم کیا ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾ ...... ”تم اسے کیسے لو گے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔“ (سورہ نساء: ۲۱) ایک قول کے مطابق اس آیت کریمہ کا مطلب ہے تم نے خلوت اختیار کر لی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ایک لحاف اور بستر میں لیٹنا ہے۔

(۲۳۰۷)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا مُسْلِمٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ لَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ، عَنْ طَاوُسٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ، فَيَخْلُو بِهَا، وَلا يَمَسُّهَا، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا: لَيْسَ لَهَا إِلا نِصْفُ الصَّدَاقِ، لأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ [الْبَقَرَة: ۲۳۷]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے کسی خاتون سے شادی کی اور خلوت اختیار کی لیکن مجامعت نہیں کی اور پھر طلاق دے ڈالی، کہ ایسی عورت کو سوائے آدھے حق مہر کے اور کچھ نہیں ملے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ ......”اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔“ (سورہ بقرہ: ۲۳۷)

(۲۳۰۷) قوی بالطریق الاخری ...... أخرجه البيهقي: ۷/ ۲۵٤.

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ایسی مطلقہ عورت جس کا حق مہر مقرر ہو چکا ہو اور میاں بیوی کی قربت کا موقع (المسیس) نہ آیا ہو کو مقررہ مہر کا آدھا مہر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾.... (سورہ بقرہ: ۲۳۷)

اور اگر میاں بیوی کو تنہائی کا موقع تو ملا لیکن مجامعت سے قبل طلاق ہوگئی تو ایسی صورتحال کے متعلق علمائے کرام کی آراء مختلف اور باہم دگر متضاد ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء میں سے اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں صرف اور صرف آدھا حق مہر ہی عورت کو دیا جائے گا کیونکہ دخول نہیں پایا گیا۔ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایسے موقع پر عورت کو پورا حق مہر دینا واجب ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یونہی مروی ہے، نیز ان کا کہنا ہے کہ جب پردے لٹکا دیے جائیں تو (مکمل) حق مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور اہل رائے کا بھی یہی موقف ہے۔ نیز ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر تو خلوت صحیحہ اور مباشرت میں کوئی شرعی رکاوٹ ہو مثلاً عورت حیض یا مدت نفاس میں ہو یا دونوں میں سے کوئی ایک روزے سے ہو یا محرم ہو یا عورت کو رتق (خواتین کا ایک مرض) یا قرن (ایسی بیماری جس کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ میں گوشت ابھر آتا ہے) کا مرض ہو تو پھر پورا حق مہر دینا واجب نہیں ٹھہرتا اور اگر خاوند کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو یا اس قدر ڈھیلا ہو کہ قوت جماع نہ رکھتا ہو تو حق مہر دینا ضروری ٹھہرے گا۔

بعض اہل علم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ ایسی صورتحال میں اخلاقاً عورت کو حق مہر مکمل دینا چاہیے نہ کہ شرعی طور پر۔ اہل علم کا اس بابت اختلاف ہے کہ کیا عورت کی شرمگاہ دیکھ لینے سے حق مہر کی ادائیگی واجب ٹھہرتی ہے یا نہیں؟ جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا: جب آدمی عورت کے جسم کا وہ حصہ دیکھ لے جس کا دیکھنا خاوند کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں تو اس حق مہر کی ادائیگی واجب قرار پاتی ہے۔

(39)......بَابُ الْمُتْعَةِ

طلاق کے وقت کچھ دے کر رخصت کرنا

فائدہ: متعہ سے مراد یہاں فائدہ پہنچانا ہے یعنی جدا ہونے والی عورت کو کچھ نہ کچھ مالی مدد دینا۔ (ع، س)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ ...... "طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔" (سورہ بقرہ: ۲۴۱)

(۲۳۰۸)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

(۲۳۰۸) صحیح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ۱۲۱۲ .

عَـنْ عَبْـدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لِكُلِّ مُـطَـلَّـقَةٍ مُتْعَةٌ إِلا الَّتِي تُطَلَّقُ وَقَدْ فُرِضَ لَهَا صَـدَاقٌ ، وَلَـمْ تُـمَــسَّ ، فَحَسْبُهَا نِصْفُ مَا فُرِضَ لَهَا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر مطلقہ عورت کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے (یعنی متعہ طلاق ہے) سوائے اس عورت کے جسے نکاح کے بعد خلوت سے پہلے طلاق دی جائے اور حق مہر کا تعین ہو چکا ہو تو اس کیلئے مقررہ حق مہر کا نصف ادا کرنا دینا کافی ہے۔

شرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تمام اہل علم اس بات پر تو متفق ہیں کہ ایسی عورت جس کا حق مہر مقرر نہ ہوا ہو اور صحبت سے پہلے اس کو طلاق دی جائے تو وہ متعہ طلاق کی حقدار ہے اور ایسی مطلقہ عورت جس کے حق مہر کا تعین ہو چکا ہو اور نکاح کے بعد خلوت سے پہلے طلاق دی جائے، اس کیلئے متعہ طلاق واجب نہیں بلکہ آدھا حق مہر ادا کرنا ہے، البتہ ایسی عورت کے بارے میں اختلاف ہے جس کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایسی عورت کیلئے فائدہ دینا (متعہ) نہیں ہے اس لیے کہ وہ حق مہر وصول کرنے کی حقدار ہے، یہ موقف اہل رائے کا ہے۔ جبکہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایسی عورت بھی فائدہ (متعہ طلاق) کی حق دار ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان میں عموم ہے اور یہ حکم ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ...... ''طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے۔'' (سورہ بقرہ: ۲۴۲)

اس موقف کے قائل سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قاسم بن محمد، زہری اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک حق مہر ملنے کی وجہ یہ ہے کہ خاوند نے اس کے جسم سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی شرمگاہ کو استعمال کیا ہے اور متعہ طلاق دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے طلاق کا صدمہ اٹھایا اور خاوند سے جدائی کا قلق اور اضطراب برداشت کیا ہے۔ پہلے قول کے مطابق کسی عورت کے لیے متعہ دینا واجب نہیں ماسوائے اس عورت کے جس کو طلاق حق مہر مقرر ہونے اور خلوت سے پہلے دی گئی ہو اور دوسرے قول کے مطابق ہر مطلقہ عورت کو متعہ دیا جائے گا سوائے اس عورت کے کہ جسے نکاح کے بعد خلوت سے پہلے جبکہ حق مہر کا تعین ہو چکا ہو طلاق دی جائے۔ ہر وہ کیفیت جہاں ہم نے متعہ طلاق (مطلقہ کو تحفہ دینے) کو واجب قرار دیا ہے اس کا تعلق ایسی صورت سے ہے جہاں خاوند کی طرف سے جدائی اور فرقت خاوند کی طرف سے ہو، عورت میں پائے جانے والے کسی عیب کی بنا پر نہ ہو یا اس کا سبب کوئی خارجی چیز ہو۔

مثلاً خاوند طلاق دے یا اس کے ناگوار رویہ سے عورت خلع کا مطالبہ کرے یا لعان کرے یا یہ دین بدل لے یا کسی اجنبی عورت کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو نکاح ختم ہو جائے گا اور اگر جدائی کا سبب عورت کی طرف سے ہے مثلاً وہ مرتدہ ہوگئی ہے یا اس نے کسی کو دودھ پلا دیا ہے جس سے رضاعت کے رشتے کی حرمت آڑے آگئی ہے یا اس نے خاوند میں پائے جانے والے کسی عیب کی بنا پر نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کر دیا ہے یا خود عورت

کے اندر پائے جانے والے کسی عیب کی بنا پر اسے طلاق دی گئی ہے تو اسے متعہ دینا واجب نہیں، اگرچہ نکاح کا فسخ خاوند کی طرف سے ہوا لیکن عورت کے اندر موجود عیب کی بنا پر ہوا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے کہا: نبی ﷺ نے لعان والی عورت کیلئے متاع کا ذکر نہیں فرمایا تھا (تو لعان والی عورت کو کچھ دینا ضروری نہیں ہے یہ مہر کے علاوہ کی بات ہے) جس جدائی (طلاق) پر متعہ دینا واجب نہیں اگر تو وہ طلاق مہر مقرر کرنے کے بعد اور دخول سے قبل ہوگئی ہے تو ایک عورت کے علاوہ کسی کے لیے بھی آدھا مہر واجب نہیں ہے اور یہ وہ عورت ہے کہ جس کا خاوند اسے مہر مقرر کرنے کے بعد دخول سے پہلے پہلے خرید لے تو اس پر واجب ہے کہ بیچنے والے کو آدھا مہر ادا کرے اور اگر طلاق مہر مقرر کرنے سے پہلے ہوگی ہے تو پھر کوئی متعہ نہیں ہے۔ کیونکہ متعہ طلاق تو طلاق کی وجہ سے واجب ہے اور طلاق خریدار کے اختیار میں ہے اور بالفرض اگر متعہ (تحفہ) واجب بھی ہو تو وہ خود اپنے آپ کو ہی دے گا موت کی وجہ سے ہونے والی جدائی پر متعہ واجب نہیں ہے اور متعہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تقریباً تیس درہم ادا کرنا مستحسن ہے۔ مروی ہے کہ عبدالرحمان نے اپنی عورت کو طلاق دی تو اس کو بطور متعہ ایک کالے رنگ کا غلام دیا۔

(40)......بَابُ الْوَلِيمَةِ

ولیمہ کا بیان

(٢٣٠٩)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ......

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا؟)) قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔))

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے اوپر زردی کے نشان تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے بتا یا کہ انہوں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اسے مہر کتنا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی ہو۔‘‘

شرح آپ ﷺ کے الفاظ مبارک (کم سقت الیھا) کا مطلب ہے تو نے اپنی بیوی کو کتنا حق مہر دیا

(٢٣٠٩) أخرجه البخاري: ٥١٥٣، ومسلم: ١٤٢٧.

ہے۔عربی زبان میں مہر کو (سوق) ''ہانکنا اور چلانا۔'' بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اہل عرب مال مویشی چرانے والے لوگ تھے اور عموماً شادی میں بطورحق مہر جانور ہی دیا کرتے تھے تو منکوحہ کے گھر اونٹ اور بکریاں بھیجنے کی بنا پر یہی الفاظ بطورحق مہر استعمال ہونے لگے۔

(۲۳۱۰)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ......

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ، قَالَ: ((مَا هَذَا؟)) قَالَ: إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے گٹھلی بھر سونے کے برابر (مہر پر) نکاح کر لیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی ہو۔''

(۲۳۱۱)۔وَأَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشِ بْنِ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيهِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَإِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، وَهُشَيْمٌ كُلُّهُمْ، عَنْ حُمَيْدٍ......

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَضَرًا مِنَ الأَلْوَانِ، فَقَالَ: مَهْيَمْ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ عَلَى نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: ((أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: میں نے انصار کی ایک خاتون سے ایک گٹھلی کے برابر سونے کے مہر پر نکاح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کا ہو۔''

شرح: (وَضَرًا) سے مراد کسی رنگ دار خوشبو (زعفران وغیرہ) کا نشان اور اثر ہے وہ نشان زردی، سرخی یا کسی بھی رنگ دار خوشبو کا ہوسکتا ہے، برتنوں کے اوپر لگ جانے والے میل کچیل کے داغ، دھبوں اور چکناہٹ وغیرہ کے

(۲۳۱۰) أخرجه البخاري: ۲۰۴۹، ۲۲۹۳، ۵۰۷۲، ومسلم: ۱۴۲۷.

(۲۳۱۱) انظر الحديث السابق.

اثرات کوبھی "الوضر" کہتے ہیں الغرض پلیٹ وغیرہ کے اوپر کھانے کے اثر وغیرہ کے لیے "وَضَرَ الْإِنَاءُ يَوْضَرُ" کی ترکیب استعمال ہوتی ہے۔

(مَهْيَم) کا مطلب ہے کیا معاملہ ہے؟ یہ کیا ہوا؟ میں یہ آپ پر کیا دیکھ رہا ہوں؟ یہ ایک یمنی کلمہ ہے جو پوچھنے اور سوال کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ پر زعفران کے نشانات دیکھے تھے۔ یعنی زعفران کے رنگ کے نشانات دیکھے لیکن آپ ﷺ نے اس کا رد اور انکار نہیں فرمایا حالانکہ نبی ﷺ نے مردوں کو زعفران لگانے سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوسلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ممکن ہے زعفران کا وہ نشان معمولی نوعیت کا ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کی رخصت عنایت فرمادی۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: بعض اہل علم نے دولھے کے لیے بموقع شادی زعفران لگانے کی رخصت دی ہے۔

فائدہ: زعفران اور دیگر رنگدار چیزیں مردوں کو استعمال کرنا جائز نہیں، سیدنا عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو یہ خوشبو بیوی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے لگی تھی، انہوں نے قصداً نہ لگائی تھی۔ اسی لیے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ (ع،س)

''سونے کے ایک نواۃ پر۔'' امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: (یہ سونے کا سکہ تھا) جس کا وزن چوتھائی نش کے برابر تھا اور نش آدھا اوقیہ (یعنی بیس درہم کا) ہوتا ہے (اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو گویا نواۃ (گٹھلی) پانچ درہم کے برابر ہوئی۔ (ع،س)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: نواۃ کا وزن ۳/۱/۳ درہم کے برابر ہوتا ہے۔

امام اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: نواۃ سونے کا ایک سکہ تھا جس کا وزن پانچ درھموں کے وزن کے برابر تھا، دراصل بات وہی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے کہی کہ اہل عرب کے ہاں ''نواۃ۔'' ایک معروف سکہ تھا جس کا وزن بھی مشہور ومعلوم تھا جس طرح اوقیہ کا معاملہ ہے وہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور نش بیس درہم کا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ انہوں نے کھجور کی گھٹلی کے برابر سونا دیا تھا جس کی قیمت پانچ درہم تھی، لیکن یہ درست نہیں (بلکہ یہ ایک سکہ ہے)۔

(بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ) ''اللہ تجھے برکت دے۔'' یہ نبوی دعائیہ کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ دولھا کو شادی کے موقع پر دعا دینا مستحب ہے، سیدنا ابوہریرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو اس کی شادی کی مبارک باد دیتے تو فرماتے: (بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔) ''اللہ تمہیں برکت دے، تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔''

(صحیح، ابوداود: ۲۱۳۰، ترمذی: ۱۰۹۱، ابن ماجہ: ۱۹۰۵)

حدیث مبارکہ میں مذکور لفظ (رَفَّـــا) سے مراد مبارک باد اور دعا دینا ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ آپ میں سلوک

واتفاق کی کیفیت اور الفت ومودت پیدا فرمائے پھٹے ہوئے کپڑے کے سینے کو رفو کرنا کہتے ہیں۔ اہل عرب کے ہاں خوشی اور شادی کے موقع پر مبارکبادی کیلئے جو الفاظ اور کلمات مستعمل تھے وہ (بِـالـرِّفَـاءِ وَالْبَنِيْنَ) ''خوشحالی اور بیٹے نصیب ہوں۔'' تھے حدیث مبارکہ میں بایں الفاظ مبارکباد دینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (موقوف روایات میں اس ممانعت کا ذکر ہے، بطور دعا ایسے الفاظ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

حدیث مبارکہ میں ولیمہ کرنے کا حکم ہے اور اس سے مراد شادی کی خوشی کے موقع پر دعوت دینا ہے۔ حدیث مبارکہ کے ظاہر الفاظ تو ولیمہ کی وجوبیت کا تقاضا کرتے ہیں لیکن اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ ولیمہ سنت مؤکدہ ہے اور بکری کا ذکر ان کے لیے ہے جو اس کے ذبح کی طاقت رکھتے ہوں بکری ذبح کرنا ولیمہ میں کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس سے کم بھی ولیمہ کیا جاسکتا ہے صحیح سند سے مروی ہے کہ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو کے ساتھ کیا۔ (صحیح بخاری: ٥١٧٢)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے شادی کی اور ان کی آزادی کو ہی ان کا حق مہر ٹھہرایا اور حیس (کھجور اور ستو کا مالیدہ) کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری: ٥١٦٩)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت کھجور اور ستو کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (صحیح، ابوداود: ٣٧٤٤، ترمذی: ١٠٩٥، ابن ماجہ: ١٩٠٩)

(٢٣١٢)۔أَخْبَـرَنَـا أَبُـو عَبْـدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰـهِ الـطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ......

عَـنْ أَنَـسٍ، قَـالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ بَيْـنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلاثًا يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ، قَالَ: فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَـى وَلِيـمَـتِـهِ، فَـمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ، وَلا لَـحْمٍ، أَمَرَ بِالأَنْطَاعِ، فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا مِنَ التَّمْرِ وَالأَقِطِ وَالسَّـمْـنِ، فَـكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَتَهُ، فَـقَالَ الْمُسْلِمُونَ: إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، أَوْ مِـمَّـا مَلَكَتْ يَمِينُهُ قَالُوا: إِنْ هُوَ حَجَبَهَا،

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ٹھہرے، شب بسری فرماتے تھے، میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمے کی دعوت دی۔ آپ کے اس ولیمے میں گوشت تھا نہ روٹی بلکہ آپ ﷺ نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور اس پر کچھ کھجوریں پنیر اور گھی رکھ دیا گیا۔ یہ آپ ﷺ کا ولیمہ تھا۔ مسلمان آپس میں کہنے لگے: یہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں یا آپ ﷺ کی لونڈی؟

(٢٣١٢) أخرجه البخاري: ٢٢٣٥، ٤٢١٢، ٤٢١٣، ٥٠٨٥.

فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ ، وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ ، فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَ لَهَا خَلْفَهُ ، وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔

پھر وہ خود ہی کہنے لگے: اگر آپ ﷺ نے انہیں پردے میں رکھا تو پھر وہ ام المؤمنین (یعنی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ) ہوں گی اور اگر پردے میں نہ رکھا تو وہ آپ ﷺ کی لونڈی ہوں گی، پھر جب آپ ﷺ نے سفر شروع فرمایا تو (اپنی سواری پر) اپنے پیچھے ان کے لیے جگہ تیار کی اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان پردہ لٹکالیا (تا کہ لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں)۔

(٢٣١٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ ثَابِتٍ......

عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ: مَا أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ ، أَوْلَمَ بِشَاةٍ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح کا ولیمہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا کیا، کسی بیوی کا ولیمہ اس طرح کا نہیں کیا، آپ ﷺ نے ان کے ولیمہ پر بکری ذبح کی۔

شرح یہ بھی مروی کہ آپ ﷺ نے (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر) لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی حتی کہ لوگ سیر ہو کر چھوڑ کر چلے گئے۔

(٢٣١٤)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ هِشَامِ بْنِ مِلَاسٍ النُّمَيْرِيُّ ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ......

عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ: أَوْلَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ابْتَنَى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ ، فَأَشْبَعَ الْمُسْلِمِينَ خُبْزًا وَلَحْمًا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو (نکاح کر کے) گھر لائے تو مسلمانوں کو خوب سیر ہو کر گوشت اور روٹی کھلائی۔

شرح ولیمہ کرنا واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مسرت اور شادمانی کا دن دکھائے اور

(٢٣١٣) أخرجه البخاري: ٥١٦٨، ٥١٧١، ومسلم: ١٤٢٨ .

(٢٣١٤) أخرجه البخاري: ٤٧٩٤ .

خوشی اور سرور کی کسی کیفیت سے نوازے تو شکرانے کے طور پر دعوت طعام کا اہتمام کرنا، اس شخص کیلئے مستحب ہے مثلاً عقیقے کی دعوت، بچے کا ختنہ کرنے پر دعوت کا اہتمام اور سفر سے واپسی پر دعوت کرنا سب مستحب دعوتوں میں سے ہیں۔ ان دعوتوں سے رب تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں اور فضل وکرم کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔ ان تمام دعوتوں میں سے زیادہ تاکید والی دعوت، شادی کے موقع پر، ختنہ کے موقع پر اور بچے کی پیدائش کے موقع پر کی جانے والی دعوت ہے۔

(41)......بَابُ الإِجَابَةِ إِلَى الوَلِيمَةِ إِذَا دُعِيَ إِلَيْهَا
دعوت ولیمہ کو قبول کرنے کا بیان

(٢٣١٥)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی شخص کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دعوت ولیمہ میں شریک ہو۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا دعوت ولیمہ پر جانا واجب ہے یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ دعوت ولیمہ کو قبول کرنا مستحب ہے اور کچھ دیگر اہل علم کا موقف ہے کہ دعوت ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر کے نہیں جاتا تو وہ گنہگار ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں ہے۔

(٢٣١٦)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى إِلَيْهَا الأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِينُ، فَمَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ، فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: سب سے بُرا کھانا، اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالدار لوگوں کو دعوت طعام دی گئی ہو اور مساکین کو چھوڑ دیا گیا ہو اور جس شخص نے دعوت کو قبول نہ کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔

شرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ۔))

(٢٣١٥) أخرجه البخاري: ٥١٧٣، ٥١٧٩، ومسلم: ١٤٢٩.

(٢٣١٦) أخرجه البخاري: ٥١٧٧، ومسلم: ١٤٣٢.

”ولیمے کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے جس میں حاضر ہونے والوں کو نہیں بلایا جاتا اور نہ آنے والوں کو بلایا جاتا ہے (یعنی دولت مندوں کو بلایا جاتا ہے اور غریبوں سے صرف نظر کیا جاتا ہے) اور جس نے (ولیمہ کی) دعوت قبول نہ کی، اس نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔“ (صحیح مسلم: ۱۴۳۲)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث کے الفاظ میں وارد شدہ تشدید اور وجوب کا تعلق دعوت ولیمہ میں شرکت کے ساتھ ہے، کھانا تو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اگر شریک ہونے والا روزے دار نہیں کیونکہ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں ہے۔

(۲۳۱۷)۔أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيٍّ الذِّرْقِّيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ يُوسُفَ الشِّيرَازِيُّ ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرَضِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَطِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَفَّانَ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ قَادِمٍ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ دُعِيَ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ ، فَإِنْ شَاءَ أَكَلَ ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کو دعوت ولیمہ میں شرکت کے لیے بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ دعوت قبول کرے پھر اگر چاہے تو کھانا نوش کرلے اور اگر چاہے تو نہ کھائے۔“

(۲۳۱۸)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ......

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْفَرَّاءِ ، قَالَ: عَمِلْتُ طَعَامًا ، فَدَعَوْتُ عَبْدَ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ ، فَجَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ دُعِيَ إِلَى طَعَامٍ ، فَلْيُجِبْ ، فَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا ، فَلْيَطْعَمْ ، وَإِنْ كَانَ صَائِمًا ، فَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ۔))

ابو جعفر فراء بیان کرتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کیا اور سیدنا عبداللہ بن شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ کو شرکت کی دعوت دی۔ وہ تشریف لائے جبکہ روزے سے تھے پھر انہوں نے بیان کیا، بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ قبول کرے پھر اگر وہ روزے سے نہیں تو کھالے اور اگر روزے سے ہے تو برکت کی دعا کردے۔“

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث مرسل ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کو (کھانے کیلئے) بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ ضرور دعوت قبول کرے، پھر اگر وہ

(۲۳۱۷) أخرجه مسلم: ۱۴۳۰ .

(۲۳۱۸) مرسل ، وانظر حديث ابى هريرة فى الشرح...... أخرجه الطبرانى فى "الكبير": ۳/ ۸۳ .

روزے سے ہوتو دعا کردے اور اگر روزہ نہ ہوتو نوش کرے۔'' (صحیح مسلم: ١٤٣١)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جس شخص کو دعوت ولیمہ میں حاضری اور شرکت سے کوئی عذر مانع ہو مثلاً طویل سفر طے کرکے پہنچنا پڑے جو باعث مشقت ہو تو حاضر نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں (البتہ دعوت ولیمہ قبول کرنے سے بلا عذر انکار نہیں کرنا چاہیے۔ (ع،س)) جناب عطاء سے مروی ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعوت طعام دی گئی تو وہ حاجیوں کو پانی پلانے کے معاملے میں مصروف تھے تو انہوں نے حاضرین سے کہا: اپنے بھائی کی دعوت قبول کرو اور اسے میری طرف سے سلام کہنا اور یہ بتانا کہ میں حد درجہ مصروف ہوں۔ (مصنف عبد الرزاق: ١٩٦٦٤)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ولیمے کے علاوہ کھانے کی کسی اور دعوت کو قبول کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اگر مجھے ایک پائے کی دعوت پر بلایا جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔'' (صحیح بخاری: ٥١٧٨)

(٢٣١٩)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ۔))

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہیں تمہارا بھائی دعوت دے تو قبول کرو، شادی (کا ولیمہ) ہو یا اس کی مانند کوئی اور۔''

شرح: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روزہ دار ہونے کے باوجود دعوت میں ضرور شریک ہوتے، وہ دعوت شادی کی ہوتی یا خوشی کی کسی اور تقریب کی۔

(٢٣٢٠)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ......

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْوَلِيمَةِ: أَوَّلُ يَوْمٍ حَقٌّ، وَالثَّانِي مَعْرُوفٌ، وَالثَّالِثُ رِيَاءٌ وَسُمْعَةٌ۔

جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی بابت فرمایا: ''بے شک ولیمہ پہلے دن حق (لازم) ہے، دوسرے دن نیکی ہے اور تیسرے دن دکھلاوا اور شہرت ہے۔''

(٢٣١٩) أخرجه البخاري: ٥١٧٣، ومسلم: ١٤٢٩.

(٢٣٢٠) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٣٧٤٥.

شرح جس طرح مندرجہ بالا حدیث مرسل ہے اسی طرح جناب معمر نے بھی مرسل روایت بیان کی ہے لیکن سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے غریب سند کے ساتھ اسی طرح کے الفاظ متصل بھی مروی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلے روز ولیمے کی دعوت کرنا حق (ضروری) ہے اور دوسرے دن سنت ہے اور تیسرے دن شہرت ہے اور جو شخص شہرت چاہتا ہے اللہ اس کو رسوا کر دیتا ہے۔'' (ضعیف، ترمذی: ١٠٩٧)

جناب قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب ابن مسیّب رحمہ اللہ کو پہلے دن دعوت دی گئی تو قبول کی، دوسرے دن بلایا گیا تو قبول کیا، تیسرے دن بلایا گیا تو انہوں نے مقام بطحاء میں (بلانے والے کو) کنکر مارے اور کہا: چلے جاؤ! تم لوگ شہرت اور دکھلاوا چاہتے ہو۔ (ابوداود: ٣٧٤٥)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ بازی میں آ کر کھلانے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح، ابوداود: ٣٧٥٤)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ الفاظ عکرمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مرسل مروی ہیں، امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے کہا: ''الْمُتَبَارِيَان'' سے مراد وہ دو اشخاص ہیں جو کوئی کام بطور فخر وریا کے سرانجام دیں کہ کون دوسرے سے جیت حاصل کرتا ہے اس عمل سے منع فرما دیا گیا کہ مقابلہ بازی کرنے والوں کا مقصد دولت کی نمائش، گھمنڈ کا اظہار اور ریاکاری ہوتا ہے۔ ایسی دعوتوں میں بعض اہل علم کو بلایا گیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا، جب ان سے کہا گیا کہ سلف امت کو جب دعوتوں میں مدعو کیا جاتا تو وہ شریک ہوتے تھے تو انہوں نے کہا: اس وقت بلانے والے بھائی چارے، الفت ومحبت میں اضافے اور ہمدردی اور مواسات کے نقطہ نظر سے بلاتے تھے اور آج تمہارے بلانے کا مقصد ریا ونمود، فخر ومباہات، اپنے بڑے پن کا اظہار، دولت کی نمائش اور مکافات عمل ہے (یعنی دعوت دینے کی بنیاد ایمان وتقویٰ نہیں بلکہ سفلی جذبات کی تسکین اور محض دنیاداری ہے۔ (ع،س)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: مروی ہے کہ سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو کھانے کی ایک دعوت میں شرکت کرنے کے لیے کہا گیا، دونوں بزرگوں نے شرکت کی۔ جب محفل سے نکلے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے شرکت تو کر لی ہے مگر شرکت نہ کرتا تو زیادہ بہتر تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیوں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: مجھے لگتا ہے یہ دعوت فخر وریاء کے لیے منعقد کی گئی تھی۔

(42)......بَابُ مَنْ دَعَا رَجُلًا فَجَاءَ مَعَهُ آخَرُ

مدعو شخص کے ساتھ کسی اور صاحب کا آ جانا

(٢٣٢١)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ،

(٢٣٢١) أخرجه البخاري: ٥٤٣٤، ٥٤٦١، ومسلم: ٢٠٣٦.

أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّفَّارُ الأَصْفَهَانِيُّ ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى الْبِرْتِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو حُذَيْفَةَ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ......

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ ، قَالَ: كَانَ فِينَا رَجُلٌ نَازِلٌ ، يُقَالُ لَهُ: أَبُو شُعَيْبٍ ، وَكَانَ لَهُ غُلامٌ لَحَّامٌ ، فَقَالَ لِغُلامِهِ: اجْعَلْ لِي طَعَامًا لَعَلِّي أَدْعُو رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَدَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ ، فَتَبِعَهُ رَجُلٌ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ: ((إِنَّكَ دَعَوْتَنِي خَامِسَ خَمْسَةٍ ، وَإِنَّ هٰذَا تَبِعَنِي ، فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ وَإِلا رَجَعَ۔))قَالَ: لا ، بَلْ آذَنُ لَهُ۔

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہمارے درمیان ایک شخص رہائش پذیر تھا جس کی کنیت ابوشعیب تھی۔ اس کا غلام گوشت بنانے کا کام کرتا تھا، اس نے اپنے غلام سے کہا: مجھے کھانا تیار کردو تاکہ میں نبی اکرم ﷺ کو کھانے پر مدعو کروں، اس نے نبی ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ (شرکائے طعام میں) پانچویں شخص تھے، آپ ﷺ کے ساتھ ایک شخص (زائد) ہوگیا۔تو نبی ﷺ نے صاحب طعام سے کہا:''آپ نے پانچ آدمیوں کو مدعو کیا ہے، یہ شخص (بلا دعوت) میرے ساتھ آگیا ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو اجازت دیں وگرنہ یہ واپس چلا جائے؟'' اس نے کہا: نہیں کوئی بات نہیں، میں اس کو اجازت دیتا ہوں۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ بن بلائے شخص کے لیے ضیافت اور دعوت طعام میں شریک ہونا جائز نہیں، مروی ہے کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کھانے پر بلایا، اتنے میں ایک مسکین شخص آحاضر ہوا۔ مدعو شخص نے دسترخوان سے روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے تھما دیا تو سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے آپ کو مدعو کیا تاکہ آپ نوش کریں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے دیے کا اجر تو کوئی اور لے جائے اور گناہ آپ پر پڑ جائے۔

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ اگر ایک شخص کے سامنے پیک کرکے کھانا رکھ دیا جائے اور اسے اختیار دے دیا جائے تو اسے اختیار ہے، چاہے تو خود کھالے یا کسی کو کھلا دے یا اپنے گھر لے جائے، البتہ اگر کسی کو دسترخوان پر بٹھا کر کھانا لگا دیا جائے تو اسے چاہیے کہ معروف طریقے سے کھانا تناول کرے اور اس میں سے کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لے جائے نہ کسی اور کو اس میں سے کھلائے۔ بعض اہل علم نے اس بات کو مستحسن اور اچھا جانا ہے کہ ایک دسترخوان پر بیٹھنے والے لوگ ایک دوسرے کو کھانا ڈال کر دیں۔ اگر وہ دو الگ الگ دسترخوانوں میں تشریف فرما ہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ کسی کو کھانا اگر کھانے کیلئے دے دیا جائے تو وہ شخص اس کا مالک نہیں بن جاتا۔ صاحب طعام جب چاہے اس کے اور کھانے کے درمیان تصرف کرسکتا ہے۔

فائدہ: میرا خیال ہے کہ اس بات کا فیصلہ موقع ومحل کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا جس طرح آجکل سیاسی اور دینی

تقریبات میں پیکنگ والا کھانا دیا جاتا ہے، اس کو گھر لانے، کسی کو اپنے یا خود کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ دستر خوان پر سے اٹھانا معیوب اور معاشرتی واخلاقی آداب کے خلاف ہے۔ (ع،س)

(43)......بَابُ الرُّجُوْعِ إِذَارَأَى مُنْكَرًا

غیر شرعی بات دیکھ کر دعوت کھائے بغیر لوٹ آنا

(۲۳۲۲)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا اشْتَرَتْ نِمْرِقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَآهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ، فَلَمْ يَدْخُلْ، فَعَرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ، وَإِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((فَمَا بَالُ هَذِهِ النِّمْرِقَةِ؟)) قَالَتْ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدُهَا، فَقَالَ: ((إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُقَالَ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ)) ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک غالیچہ (گدیلا) خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے اور اندر تشریف نہ لائے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چہرۂ انور پر ناگواری کے اثرات کو بھانپ لیا اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! میں اللہ سے اور اللہ کے رسول سے معافی چاہتی ہوں، مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ غالیچہ کیسا ہے؟۔'' میں نے عرض کیا: میں نے اسے آپ کے بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے خریدا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اس قسم کی تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اسے زندہ بھی کر کے دکھاؤ۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ علیہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس ولیمہ کی دعوت میں کسی غیر شرعی بات کا ارتکاب ہو، منکرات اور فواحش کا دور دورہ ہو، لہوولعب اور باجے گاجوں کا سلسلہ زوروں پر ہو اس میں شرکت درست نہیں بلکہ اجتناب اور کنارہ کشی واجب ہے الا یہ کہ وہ شخص با اثر اور سربرآوردہ ہو اور اس کی شمولیت سے سلسلہ

(۲۳۲۲) أخرجه البخاري: ۲۱۰۵، ۳۲۲٤، ۵۹۵۷، ومسلم: ۲۱۰۷.

ہائے فسق وفجور کا ختم ہو جانا یقینی ہو یا وہ اپنے اندر روک دینے کی قوت وہمت پاتا ہو۔

سیدنا سفینہ ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا۔ انہوں نے اس کے لیے کھانا تیار کیا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیں اور وہ بھی ہمارے ساتھ تناول فرمالیں (تو بہت خوب ہو) چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور آپ تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ دروازے کی چوکھٹ پر رکھا اور ایک منقش پردہ دیکھا جو گھر کی ایک جانب میں لگایا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو لیے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گئی اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کس وجہ سے واپس آ گئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے لائق نہیں یا کہا کہ نبی کو لائق نہیں کہ نقش ونگار والے گھر میں داخل ہو۔''

(حسن، ابوداود: ۳۷۵۵، ابن ماجہ: ۳۳۶۰)

مروی ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک پردہ لیا اور اسے دروازے پر ٹانک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زور سے کھینچا حتی کہ اسے پھاڑ دیا یا کہا کہ کاٹ دیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم دیواروں کو کپڑے پہنائیں۔'' (صحیح مسلم: ۲۱۰۷)

مروی ہے کہ سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے (ولیمے والوں کے) گھر میں ایک تصویر دیکھی تو واپس آ گئے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ انہوں نے ان کے گھر میں دیوار پر پردہ پڑا ہوا دیکھا تو کہا: تم دیواروں کو پردے پہنانے لگے ہو؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عورتوں نے ہم کو مجبور کر دیا ہے تو انہوں نے کہا: اور لوگوں کے متعلق تو مجھے اس کا خطرہ تھا لیکن تمہارے متعلق میرا یہ خیال نہیں تھا (کہ تم بھی ایسا کرو گے) اللہ کی قسم! میں تمہارے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا، چنانچہ وہ واپس آ گئے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ تصاویر پر بیٹھنا بھی ناپسندیدہ ہے، بعض اہل علم نے ایسی تصاویر کے بارے میں رخصت دی ہے جو گدیلوں وغیرہ پر ہوں اور پاؤں کے نیچے روندی جا رہی ہوں محل تعظیم میں نہ ہوں (جس طرح آج کل الماریوں اور شیلفوں پر سجا کے رکھی جاتی ہیں) مروی ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک دعوت ولیمہ میں بلایا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے کی آواز سنی تو واپس جانے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اندر تشریف لے چلیے، انہوں نے کہا: میں گانوں کی آواز سن رہا ہوں اور جس نے ایسی محفل میں یعنی شمولیت سے اضافہ کیا وہ انہی میں سے ہے اور جس شخص نے کسی کام کی بابت رضامندی ظاہر کی وہ ان کا شریک کار رہا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر آپ کو ایسا شخص کھانے پر مدعو کرتا ہے جس کی آمدنی کے غالب اور اکثر ذرائع (واضح طور پر) حرام پر مشتمل ہیں یا جس کی دعوت میں شمولیت اور شرکت دین اور دنیا کیلئے نقصان کا باعث ہو اور دینی پس منظر رکھنے والے شخص کی شخصیت مجروح ہوتی ہو اور آپ کی شرکت عوام الناس کے لیے دین سے دوری کا سبب ہو تو آپ کو

اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

(44)......بَابُ الْقَسْمِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ

سوتنوں کے درمیان باریوں کی تقسیم کا بیان

(٢٣٢٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ، وَكَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور آپ ان میں سے آٹھ کیلئے باری مقرر فرماتے تھے۔

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی جو ازواج مطہرات بقید حیات تھیں وہ عائشہ، حفصہ، سودہ، ام سلمہ، صفیہ، میمونہ، ام حبیبہ، زینب، اور جویریہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ ان میں سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی جو ان کی عقل مندی اور فرزانگی کی دلیل ہے (ع، س)

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک سے زائد بیگمات ہوں اور آزاد ہوں تو ان کے درمیان شب باشی کیلئے باری مقرر کرنا اور انصاف کرنا واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا اہل کتاب۔ اگر اس کے نکاح میں آزاد اور غلام ملی جلی عورتیں ہوں تو پھر باریوں کی تقسیم کی ترتیب یہ ہوگی: آزاد عورت کے لیے دو راتیں اور کنیز کیلئے ایک رات۔ اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کے درمیان برابری میں کوتاہی اور غفلت کرتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسے اپنی مظلوم بیوی کے حق کی تلافی کرنا ہوگی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور پھر وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو گیا تو وہ قیامت کے روز اس کیفیت میں آئے گا اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔''

(صحیح، ابوداود: ٢١٣٣، ترمذی: ١١٤١، ابن ماجہ: ١٩٦٩)

حدیث مذکور میں مائل ہونے اور جھکنے سے مراد معاشرتی برتاؤ میں کوتاہی ہے، نیز اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص نان ونفقہ، باری کی تقسیم اور ظاہری امور میں انصاف اور برابری سے کام لیتا ہے تو قلبی میلان کی کمی بیشی پر اس کی گرفت نہیں ہوگی۔

(٢٣٢٣) أخرجه البخاري: ٥٠٦٧، ومسلم: ١٤٦٥.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ...... ''تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش وکوشش کرلو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہوکر دوسری کو ادھڑ لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو۔''

(سورہ نساء: ۱۲۹)

یعنی اگر قلبی میلان اور محبت میں مساوات نہ کرسکو تو کم از کم حقوق وفرائض میں انصاف کرو اور ایک ہی کی طرف مائل ہوکر دوسری کو درمیان میں لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو یعنی اپنے ظاہری افعال کو خواہشات نفس کا تابع نہ بنالو۔

سیدنا ابو قلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان باری تقسیم کرتے اور عدل وانصاف کا اہتمام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے بس میں ہے، اور اس بات میں مجھے ملامت نہ فرمانا جس کا تو مالک ہے اور میرا اس پر اختیار نہیں۔'' (ضعیف، ابوداود: ٢١٣٤، ترمذی: ١١٤٠، ابن ماجه: ١٩٧١)

(فلا تلمنی فیما لا املك) ''اور اس بات میں ملامت نہ فرمانا جس کا میں مالک نہیں۔'' اس سے مراد محبت اور دل کا میلان ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا، جس طرح امت کے دیگر افراد پر فرض ہے، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الوفات میں بھی ان کے درمیان باری کا اہتمام فرماتے رہے باوجود مشقت اور دقت کے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں دریافت فرماتے کہ کل میری کس کے ہاں شب باشی ہے، کل میں کس کے ہاں رات بسر کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ کو اجازت عطا کردی کہ آپ جہاں پسند کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہے۔ (صحیح بخاری: ٥٢١٧)

(٢٣٢٤) ـ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ......

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ، وَلَهُ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات اپنی تمام بیویوں سے شب باشی کی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نو بیویاں تھیں۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: بعض اہل علم نے اس حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بیویوں کے درمیان میں باری کی تقسیم واجب نہیں تھی۔ اور اپنے موقف کے لیے بطور دلیل یہ آیت مبارکہ پیش کی

(٢٣٢٤) أخرجه البخاري: ٥٠٦٨، ٥٢١٥.

ہے:﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ﴾ ...... ''ان میں سے جسے تو چاہے دور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے۔'' (سورۂ احزاب:۵۱)

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ حدیث مبارکہ میں بیان کردہ واقعہ باری کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور اگر یہ واقعہ بعد کا ہو تو پھر یہ کبھی کبھار پر محمول کیا جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا آپ نے تمام ازواج مطہرات کی اجازت سے کیا ہو وگرنہ کسی خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے پاس بلا وجہ رات گزارے اور نہ یہ جائز ہے کہ ایک رات میں دو کے ساتھ شب باشی کرے الا یہ کہ وہ اجازت دے دیں۔

فائدہ: آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ دوسرے لوگوں کی طرح واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا تاکہ آپ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، مندرجہ صدر واقعہ کے متعلق مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر کیا کہ یہ حج کا واقعہ ہے احرام سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے ساتھ رات میں وقت گزارا تھا، ہمارے استاد محترم فضیلۃ الشیخ حافظ محمد امین حفظہ اللہ نے سنن نسائی کے ترجمہ وتحشیہ میں تحریر کیا ہے کہ ایسا کبھی باری کے اختتام پر ہوتا یا سفر سے واپسی پر اور عمومی حالات میں باری والا معاملہ ہی چلتا۔ واللہ اعلم۔ (ع،س)

(45)......بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ نَوْبَتَهَا لِضَرَّتِهَا

عورت کا اپنی سوتن کا باری ہبہ کرنے کا بیان

(۲۳۲۵)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ بِيَوْمِهَا وَيَوْمِ سَوْدَةَ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کردیا تھا، چنانچہ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا دن اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا دن رہا کرتے تھے۔

شرح امام رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی عورت اپنی باری سوتن کو ہبہ کردیتی ہے تو اسے قبول کرنا خاوند پر ضروری نہیں ہے بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ ہبہ کرنے والی کے پاس ہی جائے اور دوسری کے پاس نہ جائے اور اگر خاوند اسے قبول کرلے تو پھر جائز ہے۔ پھر اگر کوئی سوتن اپنی باری کو نامزد کرکے ہبہ کرے تو خاوند موہوبہ کے پاس دو دن گزارے گا، ایک اس کی اپنی باری کا اور دوسرا دن ہبہ کرنے والی کی باری کا اور اگر اپنی باری کو ہبہ کرنے والی بغیر متعین اور نامزد

(۲۳۲۵) أخرجه البخاري: ۵۲۱۲، ومسلم: ۱۴۶۳

کیے اپنی باری سے خاوند کے حق میں دست بردار ہو جائے تو خاوند کو چاہیے کہ وہ دن اپنی باقی تمام بیویوں میں برابر برابر تقسیم کردے اور ہبہ کرنے والی کو باری کی تقسیم سے نکال دے۔ یاد رہے! ہبہ کرنے والی جب چاہے اپنے ہبہ سے رجوع کرسکتی ہے۔

(46)......بَابُ الْقُرْعَةِ بَيْنَ النِّسَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا

سفر میں ہمراہ لے جانے کے لیے بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالنا

(٢٣٢٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس بیوی کا قرعہ نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص کسی غرض اور ضرورت کی بنا پر سفر کرے اور اپنے ہمراہ کسی بیوی کو لے جانا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیگمات کے درمیان قرعہ ڈالے اور جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے اپنے ساتھ لے جائے، قرعہ اندازی کے بعد کسی بیوی کو ساتھ لے جانے کی صورت میں باقیوں کو مدت سفر کے مطابق ٹائم دینا اس کے لیے واجب نہیں خواہ سفر کا دورانیہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اثنائے سفر میں اگر کسی شہر میں اقامت، مسافر کی اقامت کے برابر رہی (یعنی بروایت صحیح مسلم تین دن) تو بھی باقی ازواج کے لیے اس کی قضا واجب نہیں البتہ کسی جگہ پڑاؤ مسافر کی اقامت جس میں وہ نماز قصر پڑھ سکتا ہے سے زیادہ رہی ہو تو ایسی صورت میں وہ زائد دنوں کی قضا باقی بیویوں کے لیے کرے گا۔ یہ قول اکثر اہل علم کا ہے۔

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ پردیس اور مسافرت میں بیتے دنوں کی قضا اسے ہر حال میں دینا ہوگی، اور سفر کی ہمراہی سے محروم بیویوں کے ساتھ اتنے ایام گزارنے کے بعد پھر باری کا آغاز کرنا ہوگا۔ پہلا قول جمہور اہل علم کا ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ دوران سفر خاوند کی صحبت اور معیت کا حظ اٹھانے والی سفر کی صعوبتوں، کلفتوں، مشقتوں

(٢٣٢٦) أخرجه البخاري: ٢٥٩٣، ٢٦٨٨، ومسلم: ٢٧٧٠.

اور تھکاوٹوں سے بھی تو دوچار ہوتی ہے لہٰذا اس کے درمیان اور اس عورت کے درمیان جو اقامت کی راحت اور سکون سے متمتع رہی برابری کرنا عدل وانصاف کا خون کرنا ہے۔ اگر خاوند کسی بیوی کو بغیر قرعہ ڈالے اپنے ہمراہ لے جائے تو اسے باقی بیویوں کے لیے قضا دینا ہوگی اور وہ اپنے اس طرز عمل میں گنہگار ہوگا۔ جب سفر نقل مکانی کا ہو یعنی پورا خاندان ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ہجرت کررہا ہو اور ہر قدم بے یقینی کی منزل کی طرف اٹھتا ہو تو خاوند کو اپنی بیویوں میں سے کسی کو قرعہ کے ساتھ یا بغیر قرعہ کے اپنے لیے خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ یا تو سب کو اپنی ہمرکابی کا شرف بخشے یا سبھی کو پیچھے چھوڑ دے۔ اگر کسی بیگم کو ایسے سفر میں خلوت کے لیے خاص کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور پس ماندگان کے لیے اتنے وقت کی قضا دینا ہوگی۔ جب کوئی شوہر اپنے کسی سفر میں بذریعہ قرعہ اندازی دو بیویوں کو ساتھ لے چلے تو اسے اثنائے سفر میں ان کے مابین عدل وانصاف اور برابری کے ساتھ کام لینا ہوگا اور باری کی تقسیم کا مدار مرد کی مصروفیت اور کام کاج کی نوعیت پر ہے۔ دن کو کام کرنے والے مرد کی باری کی تقسیم رات کے اعتبار سے ہوگی اور دن اس کے تابع ہوگا اور رات کو مصروف عمل رہنے والے کی تقسیم دن کے لحاظ سے ہوگی اور رات اس کے تابع ہوگی۔ ایک مسافر شخص جب تک محو سفر رہے کسی جگہ اقامت گزیں ہونے سے کوچ کرنے تک یہی اصول پیش نگاہ رکھے گا۔ سفر قلیل ہو یا طویل، دن کا ہو یا رات کا۔

(47)......بَابُ تَخْصِيصِ الْجَدِيدَةِ بِسَبْعِ لَيَالٍ إِذَا كَانَتْ بِكْرًا أَوْثَلَاثٍ إِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا

نئی کنواری بیوی کے ہاں سات راتیں ٹھہرنا اور نئی بیوی اگر شوہر دیدہ ہو تو تین راتیں اس کے ہاں اقامت کرنا

(٢٣٢٧)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، نَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ، نَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ سُفْيَانَ، نَا أَيُّوبُ، وَخَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ......

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، وَقَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَسَمَ۔ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ: إِنَّ أَنَسًا رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت سے ہے کہ اگر کوئی شخص بیوہ (بیوی) کے ہوتے ہوئے کنواری سے شادی کرے تو اس کے ہاں سات دن رکے اور پھر باری تقسیم کرے اور جب بیوہ سے شادی کرے تو اس کے ہاں تین دن قیام کرے، پھر باری تقسیم کرے، ابوقلابہ نے کہا: اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ

(٢٣٢٧) أخرجه البخاري: ٥٢١٣، ومسلم: ١٤٦١.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے مرفوع بیان کیا ہے۔

(٢٣٢٨)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ......

أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، وَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، قَالَ لَهَا: ((لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ، وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ، وَإِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَدُرْتُ)) فَقَالَتْ: ثَلِّثْ۔

ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور آپ ﷺ نے ان کے ہاں صبح کی تو فرمایا: ''تم اپنے شوہر ﷺ کے نزدیک کوئی کم مقام ومرتبہ والی نہیں ہو، اگر تو چاہے تو میں سات دن تیرے پاس ٹھہروں اور سات دن ہی باقی بیویوں کے ہاں قیام کروں اور اگر تو پسند کرے تو تین دن تیرے پاس ٹھہروں اور پھر باری کی تقسیم شروع کردوں؟'' انہوں نے کہا: آپ تین روز قیام کریں۔

شرح اکثر اہل علم کا عمل اسی بات پر ہے کہ جب آدمی پہلی بیوی یا بیویوں کی موجودگی میں نئی شادی کرے اور نئی دلہن کنواری ہو تو اس کے پاس سات دن اقامت کرے، پھر باری شروع کرے اور سب کے درمیان برابری کرے اور اگر نئی دلہن ثیب (بیوہ یا مطلقہ) ہو تو اس کے ہاں تین دن رُکے پھر سب کے درمیان برابری کرے۔کنواری کے ساتھ زیادہ ایام گزارنے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شرم وحیا والی اور تازہ تازہ اپنے میکے والوں کی جدائی اور فرقت کا صدمہ اٹھائے ہوئے ہے نیز اسے خاوند کے مزاج، ذوق اور طبیعت کو سمجھنے کے لیے زیادہ وقت چاہیے لہٰذا اگر نئی بیوی کنواری ہے تو پورا ایک ہفتہ اس کے ساتھ رہے، خاوند کو بھی قدرتی طور پر اس کی صحبت اور قربت کا شدید اشتیاق ہوتا ہے، اس لیے اسے زیادہ توجہ اور عنایت سے خورسند کیا گیا تا کہ محبت والفت بڑھے اور دوریاں کم ہوں۔

بیوہ اور مطلقہ بیوی کے عقد نکاح میں آنے میں ان باتوں کے پاس ولحاظ کی ضرورت نہیں، اسے شادی کی زندگی کا پہلے سے تجربہ ہے، وہ مردوں کی صحبت اور رفاقت سے واقفیت رکھتی ہے، البتہ شادی کے موقع پر نئی زندگی کے آغاز کرنے پر اور شوہر کے مزاج سے شناساں ہونے کیلئے اسے کچھ نہ کچھ وقت درکار ہے لہٰذا اسے بطور عزت افزائی اور نئے

(٢٣٢٨) أخرجه مسلم: ١٤٦٠.

گھر میں خوش آمدید کہنے کیلئے تین روز دیے گئے پھر اگر دلھن ثیب (بیوہ یا مطلقہ) ہو اور وہ اپنے پاس خاوند کا سات روز رہنا پسند کرلے تو جائز ہے لیکن اس صورت میں دوسری بیوی یا بیویوں کے پاس بھی سات سات دن رہ کر باری شروع کرنا ہوگی، البتہ اگر بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد شوہر تین دن کا قیام کرے تو پھر باقیوں کے لیے قضا دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔

امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ وہ نو وارد دلھن کے ساتھ تین دن گزارے یا سات دن دوسری بیویوں کے لیے ان دنوں کی ضرور قضا دے گا۔ امام حکم، حماد اور اہل رائے کا یہ موقف ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ اگر نئی دلھن کنواری ہو تو اس کے ساتھ تین رات شب باشی کی جائے اور اگر وہ ثیبہ ہے تو دو راتیں۔ یہ قول امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے۔

(48)......بَابُ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ وَحَقِّهَا عَلَيْهِ

بیوی پر شوہر کے حقوق اور شوہر پر بیوی کے حقوق کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾...... ”اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔“ (سورہ بقرہ: ۲۲۸)

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ ...... ”پس نیک فرمانبردار عورتیں۔“ (سورہ نساء: ۳۴) یعنی اپنے شوہروں کے حقوق کی ادائیگی اور نگہداشت کرنے والیاں، القنوت سے مراد قیام ہے یعنی حقوق اور فرائض کا قیام اور (القنوت) کا معنی دعا بھی ہوتا ہے، بعض نے کہا (قَانِتَات) کا معنی ہے نماز پڑھنے والی عورتیں جیسا کہ اللہ عزوجل کے فرمان میں مذکور ہے: ﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا﴾ ...... ”بلاشبہ جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتا ہے۔“ (سورہ زمر: ۹)

(۲۳۲۹)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهَا فَأَبَتْ، فَبَاتَ غَضْبَانَ، لَعَنَتْهَا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر آنے کے لیے کہے اور وہ انکار کردے اور خاوند اس سے ناراض ہو کر رات

(۲۳۲۹) أخرجه البخاري: ۳۲۳۷، ۵۱۹۳، ومسلم: ۱۴۳۶.

الْمَلائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ۔)) گزار دے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔''

(۲۳۳۰)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى الْبِرْتِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو حُذَيْفَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ......

عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ خَرَجَ فِي غَزَاةٍ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، ثُمَّ رَجَعَ، فَرَأَى رِجَالا يَسْجُدُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَوْ أَمَرْتُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ، لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔))

ابوظبیان بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک غزوے میں تشریف لے گئے جس میں انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، پھر جب واپس آئے (تو بیان کیا) کہ وہاں انہوں نے دیکھا کہ کچھ آدمی ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا کہتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

شرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے خطبہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، بلاشبہ تم انہیں اللہ کی امان کے ساتھ اپنے پاس لائے ہو اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ساتھ ان کی عصمتوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اسے نہ بٹھائیں جس (کے گھر میں آنے) کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن سخت پٹائی نہ ہو اور تمہارے اوپر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں کھانے کے لیے اور پہننے کے لیے دستور کے مطابق دو۔'' (صحيح مسلم: ۱۲۱۸)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عورتیں (بیویاں) فواحش کی مرتکب اور غیر شرعی امور کی طرف مائل ہوں تو انہیں جسمانی سزا دی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلیں یا غیر محرموں کو بلا روک ٹوک گھر میں آنے دیں یا خاوند کے ساتھ بدتمیزی بدلحاظی سے پیش آئیں تو بھی جسمانی سزا دی جاسکتی ہے اور ان کو ادب سکھانا خاوند کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس کے امور کا وہی نگران، محافظ، مسئول اور جوابدہ ہے۔

مروی ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی بیگم خیمہ کے روزن سے باہر دیکھ رہی ہے تو انہوں نے اسے مارا۔

(۲۳۳۱)۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِ كُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ طَرَفَةَ السِّجْزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ السِّجِسْتَانِيُّ،

(۲۳۳۰) صحيح لغيره ...... أخرجه الامام احمد فى المسند: ۲۲۰٤٦.

(۲۳۳۱) حسن صحيح ...... أخرجه ابوداود: ۲۱٤۲، وابن ماجه: ۱۸۵۰.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو قَزْعَةَ سُوَيْدُ بْنُ حُجَيْرٍ الْبَاهِلِيُّ، ......

عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْبَاهِلِيِّ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: ((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلا تَضْرِبَ الْوَجْهَ، وَلا تُقَبِّحْ، وَلا تَهْجُرْ إِلا فِي الْبَيْتِ۔))

جناب حکیم بن معاویہ باہلی القشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو کھانا کھائے تو اسے بھی کھلا، جب تو کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنا اور چہرے پر نہ مار، اسے برا بھلا نہ کہہ اور گھر ہی میں (اس سے) علیحدگی اختیار کیے رکھ۔''

شرح: امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ عورت کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس اور رہائش (علاج معالجہ) وغیرہ بقدر استطاعت مہیا کرنا مرد کا فرض ہے، دیکھیے! جب نبی ﷺ نے ان اشیاء اور امور کی فراہمی کو شوہر کی ذمہ داری قرار دیا ہے تو ان کا مہیا کرنا اس پر لازم ٹھہرا اور اس کے فرائض میں شامل ہو گیا۔ وہ گھر میں موجود ہو یا غیر حاضر ہوا گر کسی وقت ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو اس کی تلافی بذمہ شوہر فرض ہے جس طرح باقی تمام حقوق واجبہ کا معاملہ ہے، خواہ مسافرت اور پردیس میں بیتے دنوں کا خرچہ قاضی اور حاکم لاگو کرے یا نہ کرے (کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسے مرد کے فرائض میں داخل کر دیا ہے اب کسی قاضی کے فیصلے کی چنداں ضرورت نہیں)۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ (وَلا يَضْرِبُ الْوَجْهَ) ......''چہرے پر نہ مارے۔'' میں اس بات کا جواز ہے کہ چہرے کے علاوہ باقی جسم پر بوقت ضرورت مارا جا سکتا ہے، ویسے ایک دوسرے فرمان میں نبی اکرم ﷺ سے چہرے پر مارنے کی عمومی نہی وارد ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کیا کسی جانور کے چہرے پر نہ مارا جائے۔

(لَا تُقَبِّحْ) کا مفہوم یہ ہے کہ ڈانٹتے وقت نامناسب اور غیر شائستہ الفاظ استعمال نہ کرے، گندی گالیاں نہ دے، مثلاً یوں نہ کہے (قَبَّحَكَ اللّٰه) ''اللہ تیرے چہرے کو قبیح کرے۔'' اس طرح کی گالی اور بددعا سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فائدہ: ان الفاظ نبویہ کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ چہرے پر نہ مارے، زور سے مارنے سے چہرے پر نشان پڑ جائے گا اور چہرہ چونکہ تمام جسم میں سے حساس مقام اور حواس کا جامع ہے اس لیے چہرہ بدصورت ہو جائے گا، اس لیے فرمایا کہ اسے بدصورت نہ بنا دے کہ اس کی خوبصورتی جاتی رہے اور بدنمائی مقدر ٹھہرے۔ (ع،س)

(وَلا تَهْجُرْ إِلا فِي الْبَيْتِ) کا مفہوم ہے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے وقتی طور پر بول چال بند کر دی جائے لیکن بستر سے کنارہ کشی نہ کی جائے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ہی بستر پر ہوتے ہوئے عورت کی طرف پیٹھ کر کے لیٹ جائے اور گھر چھوڑ کر نہ جائے (تا کہ اس کا جذباتی ہیجان اسے معافی مانگنے اور اپنی اصلاح کرنے پر مجبور

کردے) یا اسے اپنے کسی دوسرے مکان میں منتقل کردے اور گھر سے باہر نہ نکالے۔

(49)......باب

باب:

(٢٣٣٢)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكِيمِ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ......

عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ امْرَأَةً جَائَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ لِي جَارَةً، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ أَتَشَبَّعَ مِنْ زَوْجِي بِمَا لَمْ يُعْطِنِي؟ فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الْمُتَشَبِّعَ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ۔))

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے۔ کیا مجھ پر گناہ ہوگا اگر میں خاوند کی طرف سے ایسے عطیات کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہیں دیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو ایسے عطیات وتحائف کے ملنے کا اظہار کرتا ہے جو درحقیقت اسے نہیں ملے ہیں تو وہ اس شخص کی مانند گنہگار ہے جو سرتا پا جھوٹا ہو۔''

شرح: حدیث مبارکہ میں مذکور لفظ (الْجَارَة) '' پڑوسن۔'' سے مراد سوکن اور خاوند کی دوسری بیوی ہے کیونکہ وہ بھی تو خاوند کی دوسری بیوی کی پڑوسن اور ہمسائی ہے بلکہ قریبی اور نزدیکی پڑوسن ہے۔ اہل عرب شوہر کی بیوی کے لیے جارہ ''پڑوسن۔'' کا لفظ بولتے ہیں۔ اس طرح سوکنوں کے لیے (جارتین) کی اصطلاح ان کے ہاں مستعمل ہے اور لفظ الْمُتَشَبِّع کا معنی ہے: اپنی حیثیت سے زیادہ کا اظہار کرنے والا۔ لوگوں کو یہ باور کرائے کہ میں امیر اور صاحب ثروت ہوں حالانکہ کنگلا اور قلاش ہو۔

(كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ) ''جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا۔'' ابوعبید نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے تو زہد وتقشّف اور اپنی دینداری کا اظہار کرے مگر حقیقت میں بدباطن، خبیث النفس اور پرلے درجے کا فاسق وفاجر ہو۔ بعض نے کہا: اس سے مراد وہ مسخرہ اور ہنسوڑی شخص ہے جو دوہری آستین پہن کر لوگوں کو دو قمیص پہننے کا جل دے۔ بعض حضرات نے ان الفاظ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس سے مراد قبیلے کا وہ سربرآوردہ شخص ہے جو ذکاوت اور شرافت کی شہرت رکھتا ہو مگر ضرورت پڑنے پر جھوٹی گواہی دینے سے بھی نہ چوکے اور لوگ اس کی ناموری اور ظاہری

(٢٣٣٢) أخرجه البخاري: ٥٢١٩، ومسلم: ٢١٣٠.

صورتحال کے پیش نظر اس کے اوپر یقین کرلیں اور اس کی شہادت کو رد نہ کریں، بعض نے کہا: ان الفاظ میں لفظ ثوب سے مراد خود اس شخص کی شخصیت اور ذات ہے، یہ گویا کنایتاً اس کی ذاتی کیفیت غیر دینی، مذہبی اور اخلاقی صورتحال کا بیان ہے، عربوں میں یہ محاورہ عام رائج تھا کہ وہ کپڑوں کا ذکر کر کے، کپڑے پہننے والے کی شخصیت ڈسکس کرتے مثلاً (فُلَانٌ نَـقِـيُّ الثِّيَـابِ) فلاں شخص اجلے لباس والا ہے۔'' سے مراد یہ ہے کہ فلاں صاحب صاف شفاف کردار کے حامل اور لاریب شخصیت کے مالک ہیں اور (فُلَانٌ دَنِـسُ الثِّيَابِ) ''فلاں صاحب آلودہ لباس والے ہیں۔'' کا مفہوم ہے کہ اس کی شخصیت داغدار، ناقابل اعتبار اور مجموعہ رذائل ہے، تو گویا یہاں یہ ضرب المثل جھوٹے، دروغ گو اور بہروپیے کے معنی اور مفہوم میں وارد ہوئی ہے۔

(50)......بَابُ الْمُدَارَةِ مَعَ النِّسَاءِ

عورتوں سے حسن سلوک اور نرم رویہ کا بیان

(۲۳۳۳)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُـحَـمَّـدُ بْـنُ يُـوسُفَ، حَـدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ......

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ قَـالَ: ((مَـنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِـرِ، فَـلَا يُـؤْذِي جَـارَهُ، وَاسْتَـوْصُـوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْـوَجَ شَـيْءٍ فِـي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُـقِيـمُـهُ كَسَـرْتَـهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے اور عورتوں کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو، کیونکہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر کا حصہ ہے۔ اگر آپ اس کو درست کرنا چاہیں گے تو توڑ بیٹھیں گے اور اگر اس کی حالت پر چھوڑ دیں تو اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے گا پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔''

شرح صحیح مسلم کی سند کے ساتھ وارد حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''جو شخص اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہو اسے جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ خیر اور بھلائی کی گفتگو کرے یا خاموش رہے اور عورتوں کے بارے میں نصیحت قبول کرو۔'' آگے سابقہ روایت کی مانند ہی ہے۔

(۲۳۳۳) أخرجه البخاري: ٥١٨٥، ومسلم: ١٤٦٨.

(٢٣٣٤)ـأَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُظَفَّرِيُّ السَّرْخَسِيُّ بِهَا، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ الْفَقِيهُ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَلِيٍّ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لا تَسْتَقِيمُ لَكَ الْمَرْأَةُ عَلَى خَلِيقَةٍ وَاحِدَةٍ، إِنَّمَا هِيَ كَالضِّلَعِ، إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تُقِيمَهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنْ تَرَكْتَهَا تَسْتَمْتِعُ بِهَا وَفِيهَا أَوَدٌ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت آپ کے ساتھ کبھی ایک انداز پر قائم نہیں رہتی کیونکہ وہ پسلی کی مانند ہے، اگر آپ اس کو سیدھا کرنا چاہیں گے تو توڑ دیں گے اور اگر اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے تو اس میں کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: الاود سے مراد کجی اور ٹیڑھ پن ہے۔

(٢٣٣٥)ـ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، نَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ دُحَيْمٍ الشَّيْبَانِيُّ، نَا أَحْمَدُ بْنُ حَازِمِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ، أَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نَتَّقِي الْكَلامَ وَالانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا شَيْءٌ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكَلَّمْنَا، وَانْبَسَطْنَا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم عہد رسالت میں اپنی بیویوں کے ساتھ بلا تکلف گفتگو کرنے اور شگفتہ مزاجی سے اس وجہ سے پرہیز کرتے تھے کہ کہیں (کوئی بے اعتدالی ہوگئی تو) ہمارے بارے میں کوئی حکم نہ نازل ہو جائے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ہم نے خوب کھل کے گفتگو کی اور ان سے حد درجہ بے تکلفی کرنے لگے۔

(٢٣٣٦)ـأَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ أَحْمَدُ بْنُ

(٢٣٣٤) أخرجه البخاري: ٥١٨٤، ومسلم: ١٤٦٨.

(٢٣٣٥) أخرجه البخاري: ٥١٨٧.

(٢٣٣٦) أخرجه البخاري: ٣٣٩٩، ومسلم: ١٤٧٠.

يُوسُفَ السُّلَمِيُّ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، قَالَ:......

هَـذَا مَـا حَـدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا کبھی خراب نہ ہوتا اور نہ گوشت بدبودار ہوتا اور اگر حواء رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی نافرمانی کی مرتکب نہ ہوتی۔''

شرح: (وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ) کا معنی ہے کھانا کبھی متعفن اور بدبودار نہ ہوتا۔ کھانے کی خرابی اور بساند کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب خَنِزَ يَخْنَزُ، خَزِنَ يَخْزَنُ، اور خَزَنَ يَخْزُنُ تین ابواب استعمال کرتے ہیں۔

(51)......بَابُ حُسْنِ الْعِشْرَةِ مَعَهُنَّ

عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ......''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودو باش رکھو۔'' (نساء:١٩)

(٢٣٣٧)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِاللُّعَبِ، فَيَأْتِينِي صَوَاحِبِي، فَإِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَرْنَ مِنْهُ، فَيَأْخُذُهُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَرُدُّهُنَّ إِلَيَّ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں) گڑیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو مارے شرم کے چھپ جاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میری جانب بھیج دیتے۔

(٢٣٣٨)۔أَخْبَرَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ......

(٢٣٣٧) اسناده صحيح على شرط الشيخين ...... أخرجه الامام احمد فى "المسند": ٢٥٣٨٩ .

(٢٣٣٨) أخرجه البخاري: ٦١٣٠ ، ومسلم: ٢٤٤٠ .

عَـنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِـنْـدَ رَسُـولِ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ يَأْتِينِي صَوَاحِبِي، قَالَتْ: فَكُنَّ يَنْقَمِعْنَ عَـنْ رَسُـولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَـسٌ: يَـنْـقَمِعْنَ: يَفْرِرْنَ، قَالَت: فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ، فَيَلْعَبْنَ مَعِي۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گڑیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی اور میری سہیلیاں بھی میرے پاس آجاتیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چھپ جاتیں، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ینقمعن کا معنی ہے بھاگ جاتیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میری جانب بھیج دیتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔

شرح (ینقمعن) یعنی چھپ جاتیں، انقماع کا معنی ہے گھر میں داخل ہو جانا یا پردے کی اوٹ میں چلے جانا۔

(٢٣٣٩)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَـنْ عَـائِشَةَ، قَـالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، وَإِذَا كُـنْـتِ عَلَيَّ غَضْبَى۔)) قَالَتْ: فَـقُـلْتُ مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ؟ فقَالَ: ((أَمَّا إِذَا كُـنْـتِ عَنِّي رَاضِيَةً، فَإِنَّكِ تَقُولِينَ: لا وَرَبِّ مُـحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ غَضْبَى، قُلْتِ: لا وَرَبِّ إِبْـرَاهِـيـمَ۔)) قَـالَـتْ: قُلْتُ: أَجَلْ، وَاللّٰهِ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، مَا أَهْجُرُ إِلا اسْمَكَ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: ''مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تو مجھ پر خوش ہوتی ہے اور جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے دریافت کیا: آپ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جب مجھ سے خوش ہوتی ہے تو (اثنائے گفتگو) تو کہتی ہے، (لا ورب محمد) نہیں! محمد کے رب کی قسم، اور جب تو مجھ پر ناراض ہوتی ہے تو تو کہتی ہے (لا ورب ابراهيم) نہیں! ابراہیم کے رب کی قسم، انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ درست کہتے ہیں اور فقط آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (وگرنہ دل میں پوری طرح آپ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے)۔

(٢٣٣٩) أخرجه البخاري: ٥٢٢٨، ٦٠٧٨، ومسلم: ٢٤٣٩.

(۲۳٤٠)-أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ الطَّاهِرِيُّ، أَخْبَرَنَا جَدِّي عَبْدُ الصَّمَدِ الْبَزَّازُ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْعُذَافِرِيُّ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الدَّبَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: وَاللّٰهِ! لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي، وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللّٰهِ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ، ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ، فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ، الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نے دیکھا، نبی ﷺ میرے حجرے کے دروازے میں کھڑے تھے اور حبشی لوگ مسجد (کے صحن) میں نیزوں کے ساتھ کھیل رہے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی چادر کے ساتھ ڈھانپ رکھا تھا تاکہ میں آپ کے کان اور کندھے کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھوں، آپ ﷺ میری وجہ سے کھڑے رہتے۔ آخر کار میں ہی کھیل دیکھنے سے (سیر ہوکر) واپس ہوتی۔ ذرا اندازہ لگائیں ایک نوعمر، کھیل تماشہ کی شوقین لڑکی کھیل کو کتنی دیر دیکھ سکتی ہے۔

شرح: (فَاقْدُرُوا) اندازہ لگاؤ، یہ لفظ اہل عرب کے محاورہ "قدرت الامر" سے ماخوذ ہے۔ جب آپ کسی معاملے میں گہرے سوچ بچار اور حد درجہ غور وفکر سے کام لیں تو اس وقت یہ جملہ بولا جاتا ہے۔

(۲۳٤۱)-أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَا: أنا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ح وأنا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ مُوسَى الْجَوْزَجَانِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْخُزَاعِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْهَيْثَمُ بْنُ كُلَيْبٍ الشَّاشِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عِيسَى مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ سَوْرَةَ التِّرْمِذِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَخِيهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

(۲۳٤٠) أخرجه البخاري: ۵۱۹٠، ومسلم: ۸۹۲ .

(۲۳٤۱) أخرجه البخاري: ۵۱۸۹، ومسلم: ۲٤٤۸ .

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَلَسَ إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً تَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ أَنْ لا يَكْتُمْنَ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا قَالَتِ الأُولَى: زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ غَثٌّ عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ لا سَهْلٍ، فَيُرْتَقَى، وَلا سَمِينٍ فَيُنْتَقَلَ قالتِ الثَّانِيَةُ: زَوْجِي لا أَبُثُّ خَبَرَهُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ لا أَذَرَهُ إِنْ أَذْكُرْهُ، أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ وَقالتِ الثَّالِثةُ: زَوْجِي الْعَشَنَّقُ، إِنْ أَنْطِقْ، أُطَلَّقْ، وَإِنْ أَسْكُتْ، أُعَلَّقْ قَالَتِ الرَّابِعَةُ: زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ، لا حَرَّ وَلا قُرَّ، وَلا مَخَافَةَ وَلا سَآمَةَ، قَالَتِ الخَامِسَةُ: زَوْجِي إِنْ دَخَلَ، فَهِدَ، وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ، وَلا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ قَالَتِ السَّادِسَةُ: زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ، وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ، وَإِنِ اضْطَجَعَ التَفَّ، وَلا يُولِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِي غَيَايَاءُ أَوْ عَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ، كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ، شَجَّكِ أَوْ فَلَّكِ، أَوْ جَمَعَ كُلا لَكِ قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ زَرْنَبٍ قالتِ التَّاسِعَةُ: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمادِ، طَوِيلُ النَّجَادِ، عَظِيمُ الرَّمَادِ، قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ، قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ؟ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ، لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ الْمُبَارِكِ، قَلِيلاتُ الْمَسَارِحِ، إِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ، أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ، قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ: زَوْجِي

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گیارہ عورتوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ مجلس میں وہ اپنے اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کریں، کوئی بات نہ چھپائیں، چنانچہ پہلی عورت بولی: میرے خاوند کی مثال ایسی ہے جیسے لاغر اور دبلے اونٹ کا گوشت جو پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، نہ تو وہاں تک جانے کا راستہ صاف ہے کہ آسانی سے چڑھ کر اس کو کوئی لے آئے اور نہ وہ گوشت ہی ایسا موٹا تازہ ہے جسے لانے کے لیے اس پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف گوارہ کرے۔

دوسری عورت کہنے لگی: میں اپنے خاوند کا حال بیان کروں تو کہاں تک بیان کروں (اس میں اتنے عیب ہیں) میں ڈرتی ہوں کہ سب بیان نہ کرسکوں گی۔ اس پر بھی اگر بیان کروں تو اس کے کھلے اور چھپے سارے عیب بیان کرسکتی ہوں۔

تیسری عورت کہنے لگی: میرا خاوند ایک لمبا تڑنگا شخص ہے۔ اگر اس کے عیب بیان کروں تو طلاق تیار ہے اگر خاموش رہوں تو ادھر لٹکتی رہوں۔

چوتھی عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند ملک تہامہ کی رات کی طرح معتدل ہے نہ زیادہ گرم نہ بہت ٹھنڈا، نہ اس سے مجھ کو خوف ہے نہ اکتاہٹ ہے۔

پانچویں عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند ایسا ہے کہ گھر میں آتا ہے تو وہ ایک چیتا ہے اور جب باہر نکلتا ہے تو شیر (بہادر) کی طرح ہے، جو چیز گھر میں چھوڑ کر جاتا ہے اس کے بارے میں پوچھتا ہی نہیں (کہ وہ کہاں گئی؟) اتنا بے پروا ہے یا جو آج کمایا اسے کل کے لیے اٹھا کر رکھتا ہی نہیں اتنا سخی ہے۔

أَبُـو زَرْعٍ ، فَمَـا أَبُـو زَرْعٍ أُنَـاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَـيَّ ، وَمَلأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ ، وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي ، وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ ، فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ ، وَدَائِسٍ وَمُنِقٍّ ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلا أُقَبَّحُ ، وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ ، وَأَشْرَبُ فَأَتَقَنَّحُ أُمُّ أَبِي زَرْعٍ ، فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ؟ عُكُومُهَا رَدَاحٌ ، وَبَيْتُهَا فُسَاحٌ ابْنُ أَبِي زَرْعٍ ، فَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ؟ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَيُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ أَبِي زَرْعٍ ، فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ؟ طَوعُ أَبِيهَا ، وَطَوْعُ أُمِّهَا ، وَمِلْءُ كِسائِهَا ، وَغَيْظُ جَارَتِهَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ ، فَما جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ ، لا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا ، وَلا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا ، وَلا تَمْلأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا ، قَالَتْ: خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالأَوْطَابُ تُمْخَضُ ، فَلَقِيَ امْرأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالفَهْدَيْنِ ، يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ ، فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا ، فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلا سَرِيًّا ، رَكِبَ شَرِيًّا ، وَأَخَذَ خَطِّيًّا ، وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا ، وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا ، وَقَالَ: كُلِي أُمَّ زَرْعٍ ، وَمِيرِي أَهْلَكِ قَالَتْ: فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ ، قَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لأُمِّ زَرْعٍ۔))

چھٹی عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند جب کھانے پر آتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے اور جب پینے پر آتا ہے تو ایک بوند بھی باقی نہیں چھوڑتا اور جب لیٹتا ہے تو تنہا ہی اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لیتا ہے اور الگ پڑ کر سو جاتا ہے۔ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ بھی نہیں ڈالتا کہ میرا دکھ درد کچھ تو معلوم کرے۔

ساتویں عورت نے کہا: میرا خاوند تو جاہل یا مست ہے۔ صحبت کے وقت اپنا سینہ میرے سینے سے لگا کر اوندھا پڑ جاتا ہے، دنیا میں جتنے عیب لوگوں میں ایک ایک کر کے جمع ہیں وہ سب اس کی ذات میں جمع ہیں (کم بخت سے بات کروں تو) سر پھوڑ ڈالے یا ہاتھ توڑ ڈالے یا دونوں کام کر ڈالے۔

آٹھویں عورت کہنے لگی: میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں سونگھوں تو زعفران جیسا خوشبودار ہے۔

نویں عورت کہنے لگی کہ میرے خاوند کا گھر بہت اونچا اور بلند ہے، وہ قدآور بہادر ہے، اس کے یہاں کھانا اس قدر پکتا ہے کہ راکھ کے ڈھیر کے ڈھیر جمع ہیں (غریبوں کو خوب کھلاتا ہے) لوگ جہاں صلاح ومشورہ کے لیے بیٹھتے ہیں (یعنی پنچائت گھر) وہاں سے اس کا گھر بہت نزدیک ہے۔

دسویں عورت نے کہا: میرے خاوند کا کیا پوچھنا! جائداد والا ہے، جائداد بھی کیسی بڑی جائداد ویسی کسی کے پاس نہیں ہو سکتی۔ بہت سارے اونٹ جو جابجا اس کے گھر کے پاس بندھے رہتے ہیں اور جنگل میں چرنے کم جاتے ہیں، جہاں ان اونٹوں نے باجے کی آواز سنی بس ان کو اپنے ذبح ہونے کا یقین ہو گیا۔

گیارہویں عورت (ام زرع) کہنے لگی: میرا خاوند ابو ذرع

ہے۔اس کا کیا کہنا: اس نے میرے کانوں کو زیوروں سے بوجھل کردیا ہے اور میرے دونوں بازو چربی سے پھلا دیتے ہیں۔ مجھے خوب کھلا کر موٹا کردیا کہ میں بھی اپنے آپ کو خوب موٹی تازی سمجھنے لگی ہوں۔شادی سے پہلے میں تھوڑی سی بھیڑ بکریوں میں تنگی سے گزر بسر کرتی تھی۔ابوزرعہ نے مجھے گھوڑوں، اونٹوں، کھیت کھلیان سب کا مالک بنا دیا۔اتنی جائداد ملنے پر بھی اس کا مزاج اتنا عمدہ ہے کہ بات کہوں تو برانہیں مانتا مجھ کو کبھی برانہیں کہتا۔سوئی پڑی رہوں تو صبح تک مجھے کوئی نہیں جگاتا، پانی پیوں تو خوب سیراب ہوکر پی لوں۔اسی ابوزرعہ کی ماں (میری ساس) تو میں اس کی کیا خوبیاں بیان کروں اس کا توشہ خانہ مال واسباب سے بھرا ہوا، اس کا گھر بہت ہی کشادہ، ابوزرعہ کا بیٹا وہ بھی کیسا اچھا خوبصورت (نازک بدن، دبلا پتلا) ہری چھالی یا ننگی تلوار کے برابر اس کے سونے کی جگہ ایسا کم خوراک کہ بکری کے چارماہ کے بچے کے دست کا گوشت اس کا پیٹ بھر دے، ابو زرعہ کی بیٹی وہ بھی سبحان اللہ! کیا کہنا اپنے باپ کی پیاری، اپنی ماں کی لاڈلی (اطاعت گذار) کپڑا بھر پور پہننے والی (موٹی تازی) سوکن کی جلن۔

ابوزرعہ کی لونڈی اس کی بھی کیا پوچھتے ہو! کبھی کوئی بات ہماری مشہور نہیں کرتی (گھر کا راز ہمیشہ پوشیدہ رکھتی ہے) کھانا تک نہیں چراتی، گھر میں کوڑا کچرا نہیں چھوڑتی مگر ایک دن ایسا ہوا کہ لوگ مکھن نکالنے کو دودھ بلو رہے تھے(صبح ہی صبح) ابوزرعہ باہر گیا، اچانک اس نے ایک عورت دیکھی جس کے دو بچے چیتوں کی طرح اس کی کمر کے تلے دو اناروں سے کھیل رہے تھے (مراد اس کی

دونوں چھاتیاں ہیں جو انار کی طرح تھیں)۔ ابو زرعہ نے مجھ کو طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد میں نے ایک اور شریف سردار سے نکاح کرلیا جو گھوڑے کا اچھا سوار، عمدہ نیزہ باز ہے، اس نے بھی مجھ کو بہت سے جانور دے دیے ہیں اور ہر قسم کے اسباب میں سے ایک ایک جوڑا دیا ہوا ہے اور مجھ سے کہا کرتا ہے کہ ام ذرع! خوب کھا پی، اپنے عزیز واقرباء کو بھی خوب کھلا پلا۔ تیرے لیے عام اجازت ہے مگر یہ سب کچھ بھی جو میں نے تجھ کو دیا ہوا ہے اگر اکٹھا کروں تو تیرے پہلے خاوند ابو ذرعہ نے جو تجھ کو دیا تھا، اس میں ایک چھوٹا برتن بھی نہ بھرے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تیرے لیے یوں ہوں جیسے ابو ذرعہ، ام ذرعہ کے لیے تھا۔''

شرح: امام ابوعیسیٰ رحمہ اللہ کی ایک روایت میں (اَتَفَنَّحُ) کی بجائے اَشْـرَبُ فَاَتَقَمَّحُ (میم کے ساتھ) مذکور ہے۔ پہلی خاتون کے تبصرے میں لفظ ''غَـــثّ'' کے معنی دبلے، پتلے اور لاغر اونٹ کے گوشت کے ہیں، جو دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس میں خیر اور خوبی کا فقدان ہے اور اس کے ساتھ مزاج میں عاجزی اور انکساری بھی نہیں، یعنی بے حیثیت اور معمولی چیز بہت دور اور بلند مقام پر پڑی ہے نہ تو وہاں تک صاف اور باسہولت راستہ ہے کہ کوئی چڑھ جائے اور نہ وہ گوشت ہی موٹا اور قیمتی ہے کہ اس کے لیے بلند وبالا پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف اور مشقت برداشت کی جائے یہی مثال میرے خاوند کی ہے کہ مرنے کے بعد ہی کوئی آسانی کی امید کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ حد درجہ بخیل ہے۔

(وَلَا سَـمِيْـنٌ فَيُـنْتَـقَـلَ) ''نہ تو وہ گوشت موٹا ہے کہ اسے لایا جائے۔'' یعنی لوگ اسے اپنے گھروں میں لا کر کھائیں اور نوش کریں، یہ الفاظ (فَيُـنْتَـقٰى) بھی مروی ہیں کہ یہ گوشت ایسے لاغر اونٹ کا ہے کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہیں، جب کوئی شخص کسی ہڈی سے گودا نکال لے تو وہ کہے گا: نَـقَـوْتُ الْـعَـظْـمَ وَنَقَيْتُهٗ وَانْتَقَيْتُهٗ۔ نقی سے مراد گودا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے مزاج میں کوئی فائدہ نہیں۔ وہ انتہائی بدخلق اور بدلحاظ ہے گویا عورت ان الفاظ کے ساتھ اپنے خاوند کی بدخلقی اور قلیل الخیر ہونے کا ذکر کررہی ہے۔ مروی ہے (عَـلٰـى جَبَلٍ وَعْرٍ) یعنی دشوار گزار پہاڑ، جس پر چڑھنا انتہائی مشکل اور جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے، یہ الفاظ بھی مروی ہیں: (لَـحْـمُ جَمَلٍ غِثٌّ عَلٰى

رَاْسِ قَوْزٍ وَعْثٍ) لفظ القوز کا معنی ہے بلند و بالا ریت کا ٹیلا جو اپنی اونچائی کے لحاظ سے پہاڑ ہی کی مانند ہے جس پر چڑھنا اور چوٹی پر جانا انتہائی مشکل اور صبر آزما ہے۔ اس کی جمع اقواز یا قیزان آتی ہے، (الوعث) باریک اور بھربھری ریت کو کہتے ہیں جس پر چلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں۔

دوسری عورت کے تبصرے کے الفاظ (لَا اَبُثُّ خَبَرَهٗ) ''میں اپنے خاوند کی خبر نہیں پھیلا سکتی۔'' یعنی اس کے اندر اتنے معایب اور قبیح اخلاق جمع ہیں گویا وہ گنجینۂ اخلاق رذیلہ اور مجموعہ آداب سفلیہ ہے۔ میں بوجہ شائستگی اور حیا داری ان کا تذکرہ مزید بیان نہیں کرنا چاہتی۔

(اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَذَرَهٗ) ''اگر بیان کروں تو پورا بیان نہیں کر سکوں گی۔'' یعنی اس کے عیوب و نقائص کی داستان اتنی طویل ہے کہ اسے بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں، کوئی ایک عیب ہو تو آدمی بیان کرے، بعض حضرات نے ان الفاظ کا یہ ترجمہ بھی کیا ہے کہ ڈرتی ہوں کہ میرے خاوند کو کہیں خبر نہ ہو جائے اور وہ مجھے طلاق دے دے جبکہ میں اس کو چھوڑ بھی نہیں سکتی کیونکہ میرے اور اس کے درمیان خاندانی تعلقات اور روابط ہیں نیز بچوں کے بچھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

(اِنْ اَذْكُرْ اَذْكُرْ عُجَرَهٗ وَبُجَرَهٗ) ''یعنی اگر بیان کرنے پہ آؤں تو اس کے کھلے اور چھپے سارے عیب بیان کر سکتی ہوں۔'' سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں دعا کی تھی (اَشْكُوْ اِلَى اللّٰهِ عُجَرِیْ وَبُجَرِیْ) ''اے اللہ! میں اپنے ظاہری رنج و غم اور باطنی پریشانیوں کا اظہار تیرے حضور کرتا ہوں۔'' لفظ بجرہ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اہل عرب بولتے ہیں: اَفْضَيْتَ اِلَيْهِ بِعُجَرِیْ وَبُجَرِیْ ۔ ''میں نے اس کو اپنے ہر عیب پر باخبر کر دیا اور ہر راز اس کو دے دیا۔'' (جس طرح جسم کے ساتھ لگی رسولی بھی ظاہر اور نمایاں ہوئے بغیر نہیں رہتی)۔

ابو العباس نے کہا: پشت میں رگوں کا گچھا بن جائے یا گوشت کی گرہ پڑ جائے یا سدے ابھر آئیں تو انہیں عجر کہتے ہیں اور اگر وہی پیٹ میں ہوں تو انہیں بجر کہتے ہیں۔

ابو عبید نے کہا: پٹھوں اور رگوں کا وہ مجموعہ جو ابھر کر جسم کے کسی حصہ میں نمایاں ہو جائے اسے انعجر کہتے ہیں اور لفظ البجر بھی اسی معنی میں مستعمل ہے مگر یہ لفظ پیٹ کے بارے میں خاص ہے۔

اس کا واحد بجرۃ ہے اسی سے بڑی توند اور پیٹ والے شخص کو رجل ابجر کہا جاتا ہے۔ تیسری عورت کے تبصرے کے الفاظ (زَوْجِیْ الْعَشَنَّقُ) کا معنی ہے ''میرا خاوند بے تکا لمبا ہے۔'' اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ احمق اور بے وقوف ہے، اس میں خیر والی کوئی بات نہیں۔ اگر اس کا گلہ کروں اور اپنے کرب اور دکھڑے کسی کو بیان کروں تو طلاق دے ڈالے گا اور اگر خاموش رہوں تو ادھر لٹکتی رہوں یعنی نہ نکاح کے مزے اٹھاؤں گی نہ بالکل محروم رہوں گی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہے نہ میں بیوہ ہوں، نہ میں شادی شدہ ہوں، اس کے الفاظ ''اگر میں خاموش رہوں تو لٹکتی رہوں۔'' یعنی بے کیف زندگی گزاروں جس میں کوئی چاشنی اور گرما گرمی نہیں کا یہی مطلب ہے۔ قرآن مجید

میں ہے:﴿فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ......''اسے لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو۔'' (سورہ نساء:۱۲۹)

چوتھی کے الفاظ ''میرا خاوند تھامہ علاقے کی رات کی طرح ہے جو نہ سرد ہوتی ہے نہ گرم۔'' لفظ (القُرّ) کا معنی ٹھنڈ ہے۔ ان الفاظ سے عورت کا مطلب خاوند کے عمدہ اخلاق اور شائستہ طبیعت کا بیان ہے یعنی وہ انتہائی باغ و بہار مزاج کا نفیس طبع آدمی ہے، وہ معتدل المزاج، شاداب طبیعت اور ٹھہراؤ والی دلکش اور پر فریب شخصیت کا حامل شخص ہے۔ نہ زیادہ گرم نہ بہت خنک کے الفاظ سے یہی کچھ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان دونوں چیزوں کی ایک حد سے زیادتی تکلیف کا باعث ہوتی ہے اور اس کی قربت میں نہ کسی چیز کا ڈر ہے اور نہ رنج (وَلَا مَخَافَةَ) کا مطلب ہے مجھے اس سے مار پیٹ کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ عمدہ اخلاق کا ایک متین شخص ہے۔ (ولا سامة) کا مطلب ہے کہ وہ میری صحبت، قربت اور ہم نشینی سے ملول نہیں ہوتا، مجھے ٹوٹ کر چاہتا اور محبتوں کے پھول نچھاور کرتا ہے، اکتاہٹ نام کی کوئی چیز اس کی طبیعت میں نہیں۔ پانچویں کے الفاظ (زوجی ان دخل فهد) ''میرا خاوند گھر میں آتا ہے تو چیتا ہے۔'' کا مطلب آتے ہی سو جاتا ہے، گھر گرہستی اور امور خانہ کی کوئی فکر نہیں۔ گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہے اسے لا کر دینا ہے، کوئی چیز ٹوٹی ہے مرمت طلب ہے اس کی بلا سے، اسے تو سونے سے فرصت نہیں۔ چیتا کہنے سے یہی مراد ہے کیونکہ چیتا سونے میں بہت مشہور ہے۔ بعض نے کہا: ان الفاظ سے اس کا مطلب خاوند کی مدح وتوصیف بیان کرنا ہے کہ وہ سخی، جود وعطا والا اور عمدہ اخلاق کا حامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں لے دے نہیں کرتا، بات بات پر الجھتا نہیں، کسی کو نہیں ستاتا، سندر اور سوبھر طبیعت کا مالک ہے کمینہ اور ذلیل نہیں۔ باوقار اور دبنگ ہے۔

فائدہ: (بعض نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہ آتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑتا ہے اور جماع کرنے لگتا ہے، نہ محبت کے دو بول، نہ حال نہ احوال، نہ کلمہ نہ کلام، نہ بوس وکنار، نہ مقدمات وشروعات کچھ بھی نہیں، یعنی چیتے کی طرح مجھ پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ (ع،س)

(اِنْ خَرَجَ اَسِدَ) ''باہر نکلتا ہے تو شیر ہے۔'' یعنی جب اس کا دشمن سے پالا پڑتا ہے تو کوئی اس کے مقابل ٹکنے کی تاب نہیں رکھتا، بڑے بڑے نامی گرامی بہادروں اور سورماؤں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں، میدان وغا میں اس کی مثال شیر ببر کی سی ہے کہ جس کے سامنے آنے کی کوئی بھی درندہ ہمت نہیں کرتا یعنی شجاع اور بہادر ہے۔

(وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ) ''جو مال واسباب گھر چھوڑ جاتا ہے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کرتا۔'' یعنی سخی، غنی اور دل کا کھلا ہے، اشیائے خورد ونوش کے بارے کمینگی پر مبنی پوچھ گچھ نہیں کرتا۔

چھٹی کے الفاظ (زَوْجِي اِنْ اَكَلَ فَهِدَ) ''میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے۔'' کا مطلب ہے بسیار خور اور پیٹو ہے اور جو کچھ ملتا ہے اسے کھا لیتا ہے، کوئی چیز چھوڑتا ہی نہیں۔ جب لوگ بکھر جائیں اور منتشر ہو جائیں تو اس کیفیت کو لف اور لفیف کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا﴾ ......

''ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے۔'' (سورہ اسراء:۱۰۴)

یعنی ہر قبیلے اور خاندان سے تمہیں اکٹھا کر لیں گے۔ (وَاِنْ شَرِبَ اِشْتَفَّ) یعنی جب پیتا ہے تو آخری قطرہ تک پی جاتا ہے، ایک بوند بھی باقی نہیں چھوڑتا۔'' یہ لفظ ''الشَّفَافَة'' سے ماخوذ ہے، شراب پینے کے بعد برتن میں جو تلچھٹ بچ رہتی ہے اسے الشَّفَافَة کہتے ہیں۔ جب کوئی تلچھٹ بھی پی لے تو کہا جاتا ہے: اِشْتَفَّها سب کچھ پی گیا۔

(وَاِنِ اضْطَجَعَ اِلْتَفَّ) ''جب سوتا ہے تو کپڑا لپیٹ کر ایک گوشے میں ہو کر پڑا رہتا ہے۔'' اور میرے ساتھ نہیں سوتا کہ میری خواہش نفس کی تکمیل کرے۔

(وَلَا يُوْلِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ) ''وہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ بھی نہیں ڈالتا کہ کبھی میرا دکھ درد اور رنج وغم کچھ تو معلوم کرے۔'' مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ شب باشی نہیں کرتا کہ اسے معلوم ہو کہ دوریوں کے لمحات میرے لیے کتنے جانکاہ، صبر آزما، بھیانک اور پہاڑ ہیں، اس کی عدم موجودگی میرے لیے کتنی کربناک، المناک اور تڑپا دینے والی ہے اور یہ کہ میرے دل میں اس کے لیے محبتوں اور الفتوں کے کتنے سمندر اور چاہتوں کے کتنے دریا موجزن ہیں۔

ابوعبید رحمہ اللہ نے کہا: میرے خیال میں ان الفاظ سے عورت کا مقصود اپنے خاوند کی مدح وستائش بیان کرنا ہے کہ وہ نہایت باوقار شخصیت کا مالک ہے۔ وہ اس طرح کہ شاید عورت کے جسم میں کوئی عیب یا بیماری ہے جس سے وہ پریشان رہتی ہے اور اس کا شوہر محض اس کی دلداری اور اطمینان نفس نیز عزت نفس کو مجروح نہ کرنے کی خاطر اس کے کپڑے میں ہاتھ نہیں ڈالتا کہ وہ کہیں شرمندہ نہ ہو جائے اور اس طرح وہ اپنی خواہشات کی قربانی دے رہا ہے اور رشتہ الفت کی تکمیل کر رہا ہے، لیکن القتنبی نے اس معنی ومفہوم کا انکار کیا ہے اور اعتراض وارد کیا ہے کہ یہ الفاظ عورت کی طرف سے توصیف وثنا پر کیسے محمول کیے جاسکتے ہیں جبکہ اس کے تبصرے کے ابتدائی الفاظ تو خاوند کی مذمت اور برائی پر مبنی ہیں؟ باقی علماء نے بھی امام القتنبی کی رائے کو ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ عورت شکوہ کناں ہے کہ اس کا شوہر اس کو وقت نہیں دیتا۔ گھر آتا ہے تو گھر کے ایک کونے میں چادر اوڑھے سویا رہتا ہے، مجھ سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، جس طرح خاوند اپنی بیویوں سے گپ شپ کرتے، باہمی دلچسپی کے امور میں باتیں کرتے، چھیڑتے اور عورت کے جسم کو ٹٹولتے، بوس وکنار کرتے اور مباشرت ومجامعت سے شادکام کرتے ہیں۔ اس کی طبیعت میں ایسی کوئی بات نہیں، ابث سے مراد دل کی بپتا، اندرونی غم واندوہ اور قلق واضطراب ہے (یعنی وہ کام کا آدمی نہیں، اپنی بیوی کی خبر تک نہی لیتا)

امام ابوبکر انباری نے کہا: ابوعبید کے بیان کردہ مدحیہ معنی کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ عورتوں نے اس بات پر عہد و پیمان باندھا تھا کہ وہ اپنے شوہروں کی کوئی بات چھپائیں گی نہیں خواہ اچھی ہو خواہ بری تو کسی کے خاوند میں بعض اچھے اوصاف بھی تو ہو سکتے ہیں کیا ضروری ہے کہ ایک شخص میں سب برے اوصاف ہی ہوں اور کوئی عمدہ خصلت اور بہترین وصف نہ پایا جائے، اس لیے اگر ایک عورت نے ایک دو نقائص کے ہمراہ اپنے خاوند کا ایک آدھ اچھا وصف

بھی بیان کر دیا ہے تو اس میں انکار والی بات کونسی ہے؟ امام احمد بن عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان الفاظ سے عورت کا مقصود یہ ہے کہ وہ میری ضروریات، مطالبات اور معاملات سے غفلت نہیں برتتا۔

ساتویں عورت کے الفاظ (زَوْجِی عَیَایَاء) کا مطلب ہے وہ نامرد اور عورت کے ساتھ جماع کرنے کی قوت سے محروم ہے اور لفظ (الغَیَایَاء) "غین کے ساتھ۔" اس کے متعلق ابو عبید نے کہا یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔ (الطَّبَاقَاء) سے مراد ایسا شخص ہے جو امور و معاملات کی انجام دہی سے عاجز ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد احمق، بے وقوف، امور حیات سے عاجز اور سرگرداں قسم کا شخص ہے۔

(شَجَّكِ اَوْ فَلَّكِ) ''سر پھوڑ ڈالے گا یا کوئی چوٹ لگائے گا۔'' خاص طور پر سر پر لگنے والی چوٹ کو الشجّ کہتے ہیں۔ باقی سارے جسم کے حصے پر لگنے والی چوٹ کو الفلّ کہتے ہیں، جس میں ہر قسم کی توڑ پھوڑ شامل ہے۔ عورت کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند غصے کا بہت تیز ہے، اتنا گرم مزاج، اکھڑ اور تند طبیعت کا مالک ہے کہ چراغ پا ہونے پر ہاتھ پاؤں توڑے گا یا سر پھوڑ دے گا یعنی بہت ہتھ چھڈ واقع ہوا ہے یا دونوں ہی کام جمع کر دے گا، اس سے کم پر اس کا غصہ فرو ہی نہیں ہوتا۔ بعض نے (فَلَّكِ) کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ تجھ سے اتنا لڑائی جھگڑا اور طعن تشنیع کرے گا کہ تجھے لاجواب کر دے گا اور تیرے پاس خاموشی کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو گا۔ یا دونوں کو جمع کرے گا کا مطلب ہے کہ مارے گا بھی اور جھگڑے گا بھی۔

آٹھویں عورت کے الفاظ (زَوْجِی الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ، وَالرِّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ) ''میرا شوہر چھونے میں خرگوش کی طرح نرم اور سونگھنے میں زعفران جیسا خوشبودار ہے۔'' کا مطلب ہے کہ میرا خاوند شگفتہ مزاج، نرم اور ملائم طبیعت والا ہے، ذرنب ایک قسم کی خوشبو ہے (ایک خوشبودار درخت کا چھلکا ہے جو زعفران کی طرح خوشبودار اور رنگ دار ہوتا ہے اس کا ترجمہ زعفران با محاورہ کر دیا گیا ہے۔ (ع،س)

عورت نے اپنے شوہر کے مزاج میں پائی جانے والی سہولت اور ملائمت کو خرگوش کے چھونے سے تشبیہ دی ہے اور خوشبو سے مراد اس کی جسمانی عمدگی، پاکیزگی، صفائی اور ستھرائی ہے، وہ میلا چیکٹ اور آلودہ نہیں رہتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تبصرے سے اس کی مراد یہ ہو کہ وہ لوگوں میں قابل تعریف اور مدح و ستائش کا حامل شخص ہے، وہ اچھی شہرت اور نیک نامی رکھتا ہے، جسے دیکھو اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ وہ بے داغ کردار والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند ظاہری اور باطنی ہر دو اعتبار سے بلند مرتبہ اور عمدہ اخلاق والا ہے۔''

نویں عورت کے الفاظ (زَوْجِی رَفِيْعُ الْعِمَادِ) ''میرے شوہر کا گھر بلند ستونوں پر مبنی ہے۔'' کا مطلب ہے وہ اپنی قوم میں صاحب رائے اور مقام و شرف والا ہے، لوگ اس کے پاس مشورہ لینے اور فیصلے کروانے آتے ہیں، وہ اعلیٰ نسب اور رفیع المرتبت شخص ہے، اہل عرب کسی کی خاندانی وجاہت اور شرف کو بیان کریں تو ''بلند گھر'' کی اصطلاح سے

تعبیر کرتے ہیں۔

(طَـوِيْلُ النِّجَادِ) ''لمبے پر تلے والا ہے۔'' تلوار کے خول کو نجاد کہتے ہیں۔ان الفاظ سے عورت کا مقصود یہ ہے کہ میرا خاوند بلند قامت اور قد آور شخص ہے تبھی تو وہ لمبی تلوار اپنے پاس رکھتا ہے جس پر لمبا کور چڑھتا ہے۔

(عَـظِيْـمُ الـرَّمَـادِ) ''زیادہ راکھ والا ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ وہ مہمان نواز اور سخی ہے۔اس کے پاس ہر وقت لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے جس سے اس کا باورچی خانہ گرم رہتا ہے اس میں کھانا پکنے کی بنا پر مسلسل آگ جلتی رہتی ہے جس سے راکھ کے ڈھیر جمع رہتے ہیں۔یعنی راکھ کی کثرت سے اس کی غریب پروری اور مہمان نوازی کی صفت کی طرف اشارہ ہے۔(قَـرِيْـبُ الْبَيْـتِ مِنَ النَّادِ) ''قومی مجلس اور پنچائت گھر کے نزدیک ہی اس کا گھر ہے۔'' لفظ الـنَّادِيْ اور النَّدِيّ سے مراد مجلس ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ ......''اور شاندار مجلس والا ہے۔'' (سورۂ مریم:۷۳) نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَتَـأْتُـوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾.....''اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائیوں کا کام کرتے ہو؟'' (سورۂ عنکبوت:۲۹)

صلاح ومشورہ اور اصلاح احوال کے لیے جو مجلس اور تقریب منعقد ہو اسے الندوۃ کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ وہ سردار، صاحب عقل وشعور اور دانشور شخص ہے۔اس کے گھر ہی میں پنچائت لگتی ہے اسے کہیں نہیں جانا پڑتا، لوگ اس کے پاس اپنے معاملات نبٹانے کے لیے آتے ہیں، اس سے صلاح مشورہ کرتے اور اس کی رائے پر عمل کرتے ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کشادہ، کھلی اور بلند جگہ میں فروکش ہوتا ہے تاکہ غریبوں اور مسافروں کو اس کی آمد کی خبر ہو جائے اور وہ اس کے پاس کھچے چلے آئیں۔

دسویں عورت کے الفاظ (لَهُ إِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ ، قَلِيْلَاتُ الْمَسَارِحِ) ''اس کے گھر میں بہت سارے اونٹ بندھے رہتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کیلئے کم جاتے ہیں۔'' سَـــرَحْـــتُ کا باب لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿حِيْنَ تُـرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرِحُوْنَ﴾ ......''جب شام کو چرا کر لاؤ تب بھی اور جب صبح چرانے لے جاؤ تب بھی۔'' (سورۂ نحل:۶) سے مراد اس کا مقصود یہ ہے کہ ضیافت میں اس کے ہاں اونٹ بہت ذبح ہوتے ہیں، اس لیے وہ ہر وقت گھر کے صحن میں ذبح کے لیے موجود اور حاضر باش رہتے ہیں، جنگل میں کم چرنے جاتے ہیں۔ذبح کے لیے بھی اور مہمانوں کی دودھ سے تواضع کے لیے بھی وہ گھر میں رہتے ہیں، ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس کے اونٹ بیٹھے ہوں تو بہت لگتے ہیں جب کھڑے ہوں تو کم لگتے ہیں اس لیے کہ بیٹھے بیٹھے کئی اونٹ مہمانوں کی آمد پر نحر کر دیئے جاتے ہیں اس لیے بیٹھنے والے اونٹ زیادہ ہیں اور کھڑے ہونے والے قلیل ہیں، مطلب یہی ہے کہ وہ مہمان نواز شخص ہے۔(إِذَا سَـمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ ، أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ) ''جب وہ گھنٹیوں کی آواز سنتے ہیں تو انہیں اپنے ذبح ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔'' مزھر گھنٹی اور باجے کو

کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ گھنٹیوں اور باجوں کی آواز سنتے ہیں تو انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی نیا قافلہ آیا ہے (اہل عرب میں ضیافت اور قافلوں کی آمد پر راگ کا معمول تھا، گھنٹیاں تو جانوروں کے گلے میں ہوتی ہی تھیں اس سبب سے باجے اور گھنٹیوں کی آواز سن کے) اونٹوں کو اپنے ذبح ہونے کا یقین ہو جاتا تھا کہ ہماری شامت آئی کہ آئی۔

گیارھویں عورت کے الفاظ (اَنَـاسَ مِنْ حُلِيّ اُذُنَـيَّ) ''اس نے زیور سے میرے دونوں کان بوجھل کر دیے۔'' کا مطلب ہے کہ مجھے اس نے سونے سے لاد دیا ہے۔ اتنا زیور پہنایا ہے کہ بالیاں اور جھمکے پہننے کی وجہ سے میرے کان جھولنے لگے ہیں۔ لفظ ''الـنـوس'' کا معنی حرکت کرنا ہے۔ جو چیز بھی اوپر نیچے جھولے اس کو ناس ینوس نوسا ونوسانًا کے الفاظ اور باب سے بیان کیا جاتا ہے۔

(وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ) ''اس نے میرے بازو چربی سے بھر دیے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ اس کے حسن سلوک سے میں بہت خوش اور مطمئن زندگی گزار رہی ہوں مجھے کوئی ٹینشن نہیں اس لیے میری صحت بہت عمدہ ہے اور میں بے فکری کی وجہ سے موٹی اور فربہ ہو گئی ہوں۔ ان الفاظ سے فقط بازؤں کا موٹا ہونا مراد نہیں بلکہ سارے جسم کا گداز ہونا مراد ہے۔

عورت کے الفاظ (بَجَّحَنِيْ) کا مطلب ہے اس نے مجھے فرحت وسرور میں رکھا ہے۔

ابن انباری نے کہا: ان الفاظ کا مطلب ہے کہ اس نے مجھے عزت وعظمت سے نوازا ہے حتی کہ میں اپنے آپ کو معزز اور صاحب فضیلت سمجھنے لگی ہوں۔ یہ الفاظ بھی مروی ہیں: (بَجَّحَنِيْ فَبَجَحْتُ) یعنی اس نے مجھے خوش رکھا اور میں خوش وخرم ہوں۔

(وَجَدَنِيْ فِيْ اَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشَقّ) یہ لفظ زبر کے ساتھ بشق پڑھنا بھی بیان کیا جاتا ہے لیکن ابوعبید نے کہا کہ یہ لفظ زیر کے ساتھ پڑھا جائے۔ زبر کے ساتھ پڑھنے سے اس کا معنی آنکھ کا گڑھا ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شق مشقت کے معنی میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ ...... ''جہاں تم بغیر مشقت اٹھائے پہنچ ہی نہیں سکتے۔'' (سورۂ نحل: ۷)

اور جو علماء اس لفظ کو زبر کے ساتھ (الشَـــق) پڑھنے کے قائل ہیں وہ اس سے پہاڑ کی کھوہ مراد لیتے ہیں یعنی اس نے مجھے پہاڑوں کی غاروں میں رہائش پذیر غریب اور مفلس خاندان سے بیاہا جن کی جمع پونجی سوائے چند بکریوں کے اور کچھ نہیں اور مجھے ایسے گھر لے گیا جہاں ہر طرف مال واسباب کی ریل پیل ہے، کہیں گھوڑے بندھے ہیں اور کہیں اونٹ بیٹھے ہیں، الصہیل گھوڑے کے ھنھنانے کی آواز کو کہتے ہیں اور اطیط اونٹ کے بلبلانے کی آواز کو کہتے ہیں۔

دائس سے مراد خرمن اور کھلیان ہے جہاں غلہ اکٹھا کر کے گاہا جاتا ہے۔ اس کے لیے داس یدوس اور درس یدرس کے ابواب استعمال ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس نے غریب اور محتاج والدین کے ہاں پایا اور مجھے کھیتوں اور کھلیانوں کا

مالک بنا دیا، مجھ کو باعزت اور مالدار کر دیا، ابوعیسیٰ رحمہ اللہ نے کہا: الدائس سے مراد گیہوں کا کھلیان ہے اور المنقی سے مراد آٹا چھاننے والی چھلنی ہے۔ محدثین اس لفظ کو نون کو نون کے نیچے زیر کے ساتھ (منق) پڑھتے ہیں، ابوعبید نے کہا: میں اس تلفظ سے واقف نہیں ہو سکتا یہ لفظ المنقی، نون کے اوپر زبر کے ساتھ ہو یعنی غلے کو صاف کرنا اور اسے پسوائی کیلئے تیار کرنا۔ اسماعیل بن ابی اویس اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ لفظ المنیق، نون کے نیچے زیر کے ساتھ مال مویشی کی آواز کو کہتے ہیں۔ مراد اس لفظ سے اس کے ہاں مال مویشیوں کی کثرت کو بیان کرنا ہے۔

(اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ) ''میں بات کہوں تو برا نہیں مانتا۔'' یعنی میری کوئی فرمائش رد نہیں کرتا مجھے برا بھلا نہیں کہتا، مجھے جھڑکتا اور ڈانٹتا نہیں اس لیے کہ اس کے دل میں میرا ایک مقام ہے یا مجھے (قَبَّحَكَ اللّٰهُ) ''اللہ تیرا برا کرے کے الفاظ سے مخاطب نہیں کرتا۔ کسی کو ان الفاظ کے ساتھ بددعا دینے کو اہل عرب قبحت فلان کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(وَارْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ) ''میں سوتی ہوں تو صبح تک پڑی سوتی رہتی ہوں۔'' یعنی اپنی مرضی سے خوب نیند پوری کر کے اٹھتی ہوں، کوئی کام مجھے نہیں کرنا پڑتا۔ دن کے آغاز کی نیند کو الصبحه (صاد کے اوپر زبر یا ضمہ) کہتے ہیں۔

(وَاَشْرَبُ فَاَتَقَنَّحُ) ابن سکیت نے کہا: ان الفاظ کا مطلب ہے میں پیتی ہوں تو اپنی مرضی سے برتن کو منہ سے ہٹاتی ہوں، کوئی مجھے روکنے اور ٹوکنے والا نہیں، نہ ہی گھر میں مشروبات کی قلت ہے۔ ابوزید نے کہا: التَّقَنُّح کا معنی ہے کہ کوئی شخص خوب سیر ہو کر کسی چیز کو نوش کرے۔ جب کسی شخص کو سیرابی کے بعد مزید کچھ پینے کے لیے زور دیا جائے تو اس کیفیت کو (قَنَحْتُ مِنَ الشَّرَابِ اَقْنَحُ قَنْحًا) کے الفاظ وتراکیب سے بیان کیا جاتا ہے۔ لفظ التقمح (میم کے ساتھ) کا معنی ہے: آپ سیراب ہو کر کسی مشروب کو پئیں تا آنکہ اپنا منہ برتن سے الگ کر لیں۔ سیراب شدہ اونٹ کو بعیر قامح اور ابل قماح کہا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ﴾.... اور وہ سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' (سورۂ یٰس: ۱۸)

یعنی سر اٹھائے اور نظریں جھکائے چل رہے ہوں گے۔

(عُكُوْمُهَا رَدَاح) ''اس کا توشہ خانہ (سٹور) مال سے بھرا رہتا ہے۔'' العکوم سے مراد الماریاں، بورے اور گٹھڑیاں ہیں جن میں کپڑے اور دیگر اشیائے ضرورت باندھ کر رکھی جاتی ہیں۔ رداح کا معنی ہے وہ کشادہ، بھاری اور ثقیل ہیں کیونکہ گھریلو مال اسباب، پہناوں اور برتنوں وغیرہ سے بھرے رہتے ہیں (وَبَيْتُهَا فُسَاح) ''اس کا گھر کشادہ ہے۔'' اہل عرب کھلے صحن والے فراخ گھر کو بیت فسیح اور بیت مناح کہتے ہیں۔

(مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ) ''اس کی خواب گاہ جیسے تلوار کا میان ہو۔'' اس سے مراد اس کے بدن کا دبلا پتلا اور چھریرا ہونا ہے، مشطب کھجور کی ڈالی اور شاخ کو کہتے ہیں یعنی کھجور کا وہ ڈنٹھل جس سے باریک باریک چھڑیاں الگ کر کے چٹائی بنائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خفیف الجسم باریک کمر، نازک اور سریع الحرکت ہے۔

ابن اعرابی نے کہا: تلوار کے میان کے ساتھ تشبیہ دینے سے اس کی مراد سونتی ہوئی تلوار سے ہے، یعنی وہ تلوار ہی کی طرح چھریرا ہے۔

(ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ) ''اسے بکری کے بچے کی دستی کا گوشت سیر کر دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ کم خوراک اور قَلِیلُ الطَّعَام ہے، الجفرۃ سے مراد بکری کا وہ بچہ ہے جس کو چار ماہ کی عمر میں اپنی ماں سے الگ کر دیا جائے اور ریوڑ سے اٹھا لیا جائے۔ مذکر کو الجفر کہتے ہیں۔

ابوزرعہ کی بیٹی کے بارے میں عورت کے الفاظ (مِلْءُ کِسَائِهَا) ''وہ اپنے لباس کو بھرنے والی ہے۔'' کا مطلب ہے کہ وہ موٹی تازی ہے یعنی اس کے سرین اور ران پر گوشت ہیں، لباس پہنے ہوئے جچتی ہے۔

(وَغَیْظُ جَارَتِهَا) ''وہ اپنی سوکن کے لیے جلانے کا باعث ہے۔'' یعنی وہ اس قدر خوبصورت، اور صاحب حسن وجمال اور مجموعہ کمالات ہے کہ سوکن اس کی شخصیت پر رشک کرتی ہے۔

(وَلَا تَبُثُّ حَدِیْثَنَا)'' وہ ہماری گفتگو پھیلاتی نہیں۔'' یعنی گھر کے راز کو فاش نہیں کرتی، اس کو چغلی اور لگائی بجھائی کی عادت نہیں۔ یہ (لَا تَنُثُّ) بھی مروی ہے ''نون کے ساتھ۔'' معنی دونوں الفاظ کا ایک ہی ہے۔

(لَا تَنْقُثُ مِیْرَتُنَا) ''ہمارا کھانا نہیں چراتی۔'' الْمِیْرَة سے مراد وہ سودا سلف اور اشیائے خوردنی وغیرہ ہیں جو دیہات کے لوگ شہروں سے خرید کر لے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری نوکرانی امانت دار ہے اسے اشیاء چرانے کی کمینی عادت نہیں۔

(وَلَا تَمْلَأُ بَیْتَنَا تَعْشِیْشًا) ''وہ ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے نہیں بھرتی۔'' اس عبارت کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خائن اور چورنی نہیں کہ جگہ جگہ اشیائے خوردنی کو چھپائے جس طرح پرندہ آشیانہ بناتے وقت تنکے جابجا بکھیر دیتا ہے، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ پورے گھر کو جھاڑ پونچھ کر رکھتی ہے ہر چیز گھر میں قرینے اور سلیقے سے رکھتی ہے، پورا گھر تہذیب وشائستگی، نظم وضبط اور سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہے، جس طرح پرندوں کا گھونسلہ خس وخاشاک سے تعمیر شدہ ہوتا ہے مگر نفاست اور خوبصورتی رعنائی اور زیبائی کا مرقع ہوتا ہے۔

یہ لفظ (تَغْشِیْشًا) ''غین کے ساتھ۔'' بھی مروی ہے۔ اس صورت میں یہ مادہ الغش باب تفعیل کا مصدر ہوگا اور معنی ہوگا یہ دھوکہ، فراڈ اور خیانت بددیانتی نہیں کرتی۔

ابن شکیت نے کہا: لفظ اَلتَّغْشِیْش کے معنی چغلخوری کے ہیں، یعنی وہ لوگوں کی باتیں ہمیں اور ہماری باتیں لوگوں کو نہیں بتاتی، ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی بات ادھر نہیں کرتی۔ رازداں اور سمجھدار ہے۔

(وَالْاَوْطَابُ تَمْخُضُ) ''لوگ مکھن نکالنے کے لیے دودھ بلو رہے تھے۔'' دودھ رکھنے کے بڑے برتنوں کو (ڈرم اور مشکیزہ وغیرہ) کو اوطاب کہتے ہیں جس کا واحد وطب ہے۔

(یَلْعَبَانِ تَحْتَ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ) ''دو بچے اس کی کمر کے نیچے دو اناروں سے کھیلتے تھے۔'' بعض نے کہا اناروں سے مراد اس کے پستان ہیں جو انار کی طرح ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ابھری ہوئی، موٹی چھاتیوں والی تھی۔ ابوعبید نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ اس عورت کے سرین گداز اور کمر پتلی تھی، جب چت لیٹتی تو کمر اور زمین کے درمیان خلا رہ جاتا، اس کے بچے اس خلا سے ادھر ادھر انار پھینک کر کھیل رہے تھے، یعنی وہ عورت خوبصورت جسم کی مالک تھی۔

(رَكِبَ شَرِيًّا) ''عمدہ گھوڑے پر سواری کرنے والا۔'' ایسا گھوڑا جو چلتے ہوئے اٹھکیلیاں اور کلیل کرے، ناز ونخرے سے چلے، جس طرح عموماً عمدہ نسل کے صحت مند اور طاقتور گھوڑے کرتے ہیں، منہ زور اور بگٹٹ بھاگنے والے۔

ابوعبید نے کہا: حددرجہ سبک رفتار اور آندھی کی طرح تیز بھاگنے والا گھوڑا، جب کوئی شخص بہت زیادہ غضبناک ہو جائے تو کہا جاتا ہے (شَرِيَ الرَّجُلُ فِيْ غَضَبِهٖ)

ابن السکیت نے کہا: اس کا معنی ہے عمدہ اور فائق تر گھوڑا۔ سُرَاةُ الْمَال (سین کے ساتھ) اور شُرَاةُ الْمَال (شین کے ساتھ) کا معنی ہوتا ہے، عمدہ اور بہترین مال۔

(خَطِّيَا) ''خطی نیزہ چلانے والا۔'' ایسا نیزہ چلانے والا جسے خطی کہا جاتا ہے، یہ بہت عمدہ اور لمبے نیزے ہوتے تھے جنہیں بحرین کی طرف کے ایک شہر (الخط) سے درآمد کیا جاتا تھا، خط شہر میں بننے کی وجہ سے انہیں خطی کہا جانے لگا۔ دراصل اس قسم کے نیزے ہند میں بنتے تھے یہاں سے بذریعہ سمندر خط شہر میں لائے جاتے پھر وہاں سے عرب کے مختلف شہروں میں ان کی ترسیل ہوتی۔ علاقہ عمان اور بحرین کی کچھ بستیوں کو خط کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہاں سمندر کا کنارہ اتنا سیدھا اور مستقیم ہے کہ ایک خط اور لائن کی سی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب ہندوستان سے نیزوں سے بھرے ہوئے جہاز ان بستیوں میں لائے جاتے تو جہاز خالی ہو جاتے اور سارے نیزے یہاں بک جاتے۔

(نعما ثريا) ''بہت زیادہ نعمتیں نچھاور کیں۔'' یعنی اس نے مجھ پر نعمتوں کا مینہ برسا دیا۔ جب کسی شخص کے پاس مال واسباب کی کثرت ہو، جانور اور مویشی وافر ہوں تو کہا جاتا ہے (اثرى بنو فلان)۔

نبی اکرم ﷺ نے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: (كُنْتُ لَكِ كَأَبِيْ زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ) ''میں تیرے لیے یوں ہوں جیسے ابوزرعہ، ام زرعہ کے لیے تھا۔'' یعنی محبت والفت اور اخلاق کریمانہ میں نہ کہ طلاق دینے اور جدا کرنے میں۔

(۲۳۴۲)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَاجِبُ بْنُ أَحْمَدَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنِ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

(۲۳۴۲) حسن صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٤٦٨٢، والترمذي: ١١٦٢.

((إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُم لِنِسَائِكُمْ۔))

فرمایا: ''بلاشبہ ایمان کے لحاظ سے مکمل ترین لوگ وہ ہیں جن کا اخلاق اچھا ہے اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔''

(52)......بَابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ
عورتوں کو مار پیٹ کرنے کی ممانعت

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنی بیوی کو یوں نہ مار پیٹ جس طرح تو اپنی کنیز کو مارتا ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ۱٤۲)

(۲۳٤۳)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ صَاعِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانِ بْنِ مِهْرَانَ الْمُقْرِءُ النَّيْسَابُورِيُّ، بِهَا، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ بِلَالٍ الْبَزَّارُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الرَّبِيعِ الْمَكِّيُّ، سَنَةَ تِسْعٍ وَخَمْسِينَ وَمِائَتَيْنِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ، قَالَ: وَعَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فِي النِّسَاءِ، فَقَالَ: ((يَضْرِبُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْعَبْدِ، ثُمَّ يُعَانِقُهَا آخِرَ النَّهَارِ۔))

سیدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو عورتوں کے متعلق وعظ فرمایا اور کہا: ''تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے پھر وہ رات کے وقت کس منہ سے اس کے ساتھ بغلگیر ہوگا۔''

(۲۳٤٤)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ......

أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَمْعَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَخْطُبُ وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا، انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي أَهْلِهِ مِثْلُ أَبِي

سیدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا آپ نے اپنے ایک خطبہ میں سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس شخص کا بھی جس نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس اونٹنی کو مارنے کے لیے ایک بد بخت شخص اٹھا،

(۲۳٤۳) أخرجه البخاری: ٥۲۰٤، ومسلم: ۲۸٥٥ .

(۲۳٤٤) أخرجه البخاری: ۳۳۷۷، ٤۹٤۲، ومسلم: ۲۸٥٥ .

زَمْعَةَ)) وَذَكَرَ النِّسَاءَ، فَقَالَ: ((يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ، فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ، فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ)) ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ، فَقَالَ: ((لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ؟))

جو اپنی قوم میں ابو زمعہ کی طرح غالب اور طاقت ور تھا۔ آپ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کا بھی ذکر فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارتا ہے حالانکہ اسی دن کے اختتام پر وہ اس سے ہم بستری کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں ہوا خارج ہونے پر ہنسنے سے منع فرمایا اور کہا: ''ایک کام جو تم میں ہر شخص کرتا ہے اسی پر تم دوسروں پر کس طرح ہنستے ہو۔''

(53)......بَابُ هِجْرَانِ الْمَرْأَةِ وَضَرْبِهَا عِنْدَ النُّشُوْزِ

عورت سے بستر الگ کر لینا اور بدد ماغی پر اسے مارنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾.... ''اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو۔'' (سورہ نسآء:۳۴)

﴿نُشُوْزَهُنَّ﴾ نافرمانی کرنا اور خاوندوں کی اطاعت سے جسے اللہ کریم نے واجب قرار دیا ہے اس سے سرتابی کرنا، ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ النشوز سے مراد زوجین میں سے ہر ایک کا ایک دوسرے کو ناپسند کرنا ہے۔ جب کوئی عورت اپنے خاوند کو دل سے نہ چاہتی ہو تو کہا جاتا ہے: نشزت المراۃ تنشز ایسی عورت کو ناشز (بغیر ھاکے) کہا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ آیت کریمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوا کہ عورت سے ایسا اختلاف روا اور جائز ہے جس پر اسے سرزنش کی جاسکتی ہے، ڈانٹا جاسکتا ہے، اور اسے پوچھ گچھ کی جاسکتی ہے۔ خاوند اگر محسوس کرے کہ اس کی بیوی قول وفعل میں تجاوز کی عادی ہو رہی ہے تو اسے زبانی نصیحت کرے، سمجھائے اور وعظ وتلقین سے کام لے، پھر اگر اس کی طرف سے بددماغی اور بے پروائی کا مظاہرہ ہو تو اس سے بولنا چالنا موقوف کر دے، بستر الگ کر دے پھر بھی اس کی طبیعت اور مزاج میں فرق نہ پڑے اور وہ دو بدو جواب دینے لگے تو اسے (معمولی) جسمانی سزا دے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾...... ''طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔'' (سورہ نساء:۱۲۸)

شح کا معنی مفاد اور فائدہ جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع سے کام لیتا ہے، عورت چاہتی ہے کہ میں اپنے خاوند کی محبت کا مرکز بنوں، اس کے دل میں میرا خاص مقام ومرتبہ ہو، اس کی چاہتوں کا محور میری ذات

ہی ہو جبکہ یہی مطالبہ خاوند عورت سے رکھتا ہے، خواہ خود خاوند دوسری بیوی کو زیادہ چاہتا ہو مگر اس سے اس کا مطالبہ ہے کہ وہ مجھے کامل توجہ دے۔ یہ باب نصر، ینصر اور ضرب، یضرب دونوں طرح آتا ہے یعنی شَحَّ، یَشُحُّ اور یَشِحُّ۔

(۲۳۴۵)۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ......

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّهُ قَالَ: آلَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ، فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ، ثُمَّ نَزَلَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! آلَيْتَ شَهْرًا؟ قَالَ: ((الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ۔))

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک الگ رہنے کی قسم کھائی اور آپ کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چوبارے میں انتیس دن ٹھہرے رہے پھر آپ اتر آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔''

شرح (آلی) کا معنی آپ نے قسم کھائی۔

(انفَكَّتْ رِجْلُهُ) کا معنی ہے آپ کا پاؤں مبارک ٹوٹ گیا (دراصل ٹوٹا نہیں صرف موچ آئی تھی)

(المشربة) سے مراد بالاخانہ اور چوبارہ ہے

(۲۳۴۶)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسَمَ أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَى أَزْوَاجِهِ شَهْرًا قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ أَعُدُّهُنَّ، دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: بَدَأَ بِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّكَ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا

امام زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ آنے کی قسم کھائی، امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: مجھے عروہ نے بیان کیا اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

(۲۳۴۵) أخرجه البخاري: ۳۷۸، ۶۸۹، ۷۳۲، ۱۱۱۴، ۱۹۱۱، ۶۶۸۴ .

(۲۳۴۶) أخرجه مسلم: ۱۰۸۳ .

تَـدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا ، وَإِنَّكَ دَخَلْتَ مِنْ تِسْعٍ وَعِشْـرِيـنَ أَعُـدُّهُنَّ؟ فَقَالَ: ((إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ۔))

کرتی ہیں جب انتیس دن گزر گئے اور میں ایک ایک دن گن رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے بیان کیا کہ آپ نے ملاقات کا آغاز مجھ سے کیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہ آئیں گے اور آپ انتیس دن بعد تشریف لے آئے ہیں۔ میں دنوں کو شمار کر رہی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔''

شرح (الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ) ''مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔'' جب کسی شخص نے قسم ایک ماہ کی کھائی ہو، اور اتفاق سے وہ مہینہ انتیس دنوں کا ہو تو وہ قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور تیس کا بھی، شریعت نے انتیس دن کو پورا مہینہ قرار دیا ہے، اگر کسی شخص نے بایں الفاظ نذر مانی ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے فلاں ماہ کے روزے رکھوں گا اور جس مہینے کو نامزد کر کے اس نے روزے رکھنے شروع کیے وہ انتیس کا ہو تو اسے مزید ایک روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر اس نے مہینہ متعین کیے بغیر ایک ماہ کے الفاظ سے نذر مانی ہے تو اسے پورے مہینے یعنی تیس دنوں کے روزے رکھنے ہوں گے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جو عورت بے پروائی اور بد دماغی کا مظاہرہ کرنے لگے تو شوہر اسے سمجھائے۔ اگر باز نہ آئے تو اس سے بستر الگ کر لے اور گھر سے باہر ناراض ہو کر نہ جائے۔ اگر وہ اپنے رویے پر برقرار رہے اور اس کی ڈھٹائی میں ذرہ بھر فرق نہ آئے تو اسے معمولی جسمانی سزا دے اور چہرے پر مارنے سے گریز کرے۔

(٢٣٤٧)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ......

عَـنْ إِيَـاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ ، قَالَ: قَـالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللّٰهِ)) فَأَتَاهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ،

سیدنا ایاس بن عبداللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو مت مارا کرو۔'' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے

(٢٣٤٧) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢١٤٦ ، وابن ماجه: ١٩٨٥ .

فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ذَئِرَ النَّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ، فَأَذِنَ فِي ضَرْبِهِنَّ، فَأَطَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ، كُلُّهُنَّ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَقَدْ أَطَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ سَبْعُونَ امْرَأَةً، كُلُّهُنَّ يَشْتَكِينَ أَزْوَاجَهُنَّ، وَلَا تَجِدُونَ أُولَئِكَ خِيَارَكُمْ۔))

اور کہا: عورتیں اپنے خاوندوں کے سر چڑھنے لگی ہیں، پس آپ ﷺ ان کو مارنے کی رخصت دے دیں۔ تب رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے پاس عورتیں بہت زیادہ آنے لگیں جو اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس ستر عورتیں آئی ہیں جو اپنے شوہروں کی شکایت کرتی ہیں، تم ایسے لوگوں میں کوئی خیر نہیں پاؤ گے۔''

شرح (ذَئِرَ النِّسَاءُ) ''عورتیں سر چڑھنے اور بد دماغی کرنے لگی ہیں۔'' (اِمْرَأَةٌ ذَئِرٌ) اس عورت کو کہا جاتا ہے جو منہ پھٹ، تیز اور تیکھے مزاج کی حامل ہو، الذائر کا معنی ہے کسی سے سخت نفرت کرنے والا شخص۔ امام اصمعی رحمہ اللہ نے کہا: عورت کے لیے بھی فاعل کا وزن مستعمل ہے مثلاً (اِمْرَأَةٌ ذَائِرَةٌ) کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الذائر کا معنی ہے فریق مخالف پر سخت برہم ہونے والا اور خوب غیظ وغضب جھاڑنے والا شخص، نیز ہر وقت لڑائی اور دنگہ وفساد کے لیے کمر بستہ رہنے والا شخص۔

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عورتیں اگر حقوق نکاح کی ادائیگی میں سستی اور غفلت کا مظاہرہ کریں تو انہیں مارنا جائز ہے، پھر رہا یہ مسئلہ کہ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کے درمیان تطبیق کیسے پیدا کی جائے (کیونکہ گزشتہ حدیث مبارکہ میں پہلے نہ مارنے کا حکم پھر مارنے کا اور آخر میں پھر مار کٹائی کرنے والوں کو اچھا قرار نہیں دیا گیا) تو ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف سے خواتین کو مارنے کی ممانعت آیت کے نزول سے پہلے ہو پھر جب عورتیں سر چڑھنے اور منہ آنے لگی ہوں تو آپ نے انہیں زدوکوب کی رخصت عنایت فرمادی اور قرآن مجید کی آیت ﴿فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحًا﴾ بھی اسی حکم نبوی کی موافقت میں نازل ہوئی، پھر جب مردوں نے مار کٹائی میں مبالغہ شروع کر دیا تو انہیں دربار نبوی سے آگاہ کیا گیا کہ اگرچہ عورتوں کی جانب سے بدخلقی، تمرد، سرکشی اور بدتمیزی کے مظاہرے پر انہیں مارنا جائز ہے مگر نہ مارنا افضل اور امور عزیمت میں سے ہے، ان کی نالائقی پر صبر وحوصلہ کا ہی مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ گھر کا ماحول مکدر نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔

اگر نشوز، اعراض، بے رخی اور بد دماغی کا مظاہرہ خاوند کی طرف سے ہو تو اس کے معاملے کا بغور جائزہ لیا جائے اگر تو خاوند عورت کے کسی شرعی حق کی ادائیگی میں تغافل کر رہا ہے تو شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس حق کی ادائیگی کو یقینی بنائے، اس کے اوپر پوری طرح معاشرتی دباؤ ڈالا جائے۔ دوسرا پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے کسی شرعی حق کو روکے ہوئے تو نہیں حتی کہ اس کے ساتھ میل جول، گپ شپ اور شب باشی سے کنی کتراتا ہے، اپنا بستر الگ کیے ہوئے

ہے یا اسے طلاق دے دینے کا ارادہ رکھتا ہے (اگر تو یہ بلا وجہ ہے تو اسے سمجھایا جائے اور اگر کوئی معقول وجہ ہو) تو پھر اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو وہ کر رہا ہے وہ اس کے لیے مباح اور جائز ہے (ایسی صورت میں عورت کو سمجھایا جائے) کہ وہ نرمی اختیار کرے، اپنے حقوق کے حصول میں چشم پوشی کا مظاہرہ کرے، اپنی باری کسی دوسری بیوی کو ہبہ کردے یا دست بردار ہو جائے اور نان ونفقہ میں بھی کم مقدار پر راضی ہو جائے تاکہ میاں بیوی کے مابین موافقت اور قربت پیدا ہو سکے اور گھر کے سوگوار اور تناؤ والے ماحول میں خوشگواری کا جانفزا اور عطر بیز جھونکا داخل ہو سکے۔ عورت کا یہ اقدام قابل ستائش ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا﴾ ''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پروائی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کرلیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔'' (سورہ نساء:۱۲۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس سے مراد وہ بیوی ہے جس کو خاوند ناپسند کرے، کسی وجہ سے اس سے اعراض کرے، اس سے زیادہ پیار و محبت کا مظاہرہ نہ کرے اور اسے طلاق دے کر کسی اور سے شادی کا عزم و ارادہ رکھتا ہو تو عورت (اپنا کچھ حق چھوڑ کر مصالحت کرتے ہوئے) کہے: مجھے اپنے نکاح میں رکھو اور طلاق نہ دو، کسی اور سے شادی کرتے ہو تو کرلو، آپ کو میری طرف سے بخوشی اجازت ہے۔ میں نان ونفقہ اور باری کے معاملے میں بھی زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اسی کیفیت کا بیان ہے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ''دونوں آپس میں جو صلح کرلیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں، صلح بہت بہتر چیز ہے۔'' (سورہ نساء:۱۲۸) صلح بہر حال بہتر ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۰۶)

ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئیں تو انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی۔ (حسن صحیح، ابوداود: ۲۱۳۵، ترمذی: ۳۰۴۰)

(54)......بَابُ الشِّقَاقِ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ

میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کو کیسے حل کیا جائے......؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ''اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔'' (سورہ نساء:۳۵)

اَلشِّقَاق سے مراد عداوت اور دشمنی، ان بن اور ناراضی ہے کیونکہ لڑائی جھگڑے میں ہر کوئی ایک کنارے پر کھڑا ہوتا ہے، اپنے موقف پر ڈٹا ہوتا ہو۔ اور کنارے کو عربی زبان میں (شق) کہتے ہیں۔ اسی سے اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ﴾ ''بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (سورہ ص:۲)

(٢٣٤٨)۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِیُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِیُّ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَنا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِیُّ، أَنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِیُّ، أَنا الثَّقَفِیُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ......

عَنْ عُبَيْدَةَ، أَنَّـهُ قَالَ فِی هَذِهِ الآيَةِ: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ [النِّسَاء: ٣٥] قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَامْرَاةٌ إِلَى عَلِیٍّ وَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَأَمَرَهُمْ عَلِیٌّ فَبَعَثُوا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا، ثُمَّ قَالَ لِلْحَكَمَيْنِ: اَتَدْرِيَان مَا عَلَيْكُمَا؟ عَلَيْكُمَا وَانْ رَاَيْتُمَا اَنْ تُفَرِّقَا قَالَ: قَالَتْ الْمَرْاَةُ: رَضِيتُ بِكِتَابِ اللّٰهِ بِمَا عَلَیَّ فِيهِ وَلِی، وَقَالَ رَجُلٌ: اَمَّا الْفُرْقَةُ فَلا، فَقَالَ عَلِیٌّ: كَذَبْتَ وَاللّٰهِ حَتَّى تُقِرَّ بِمِثْلِ الَّذِی اَقَرَّتْ بِهِ.

جناب عبیدہ نے اس آیت کریمہ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ''اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔'' (سورہ نساء: ۳۵) کے متعلق بیان کیا کہ ایک مرد اور ایک عورت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کا ایک گروہ تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم فرمایا تو مرد کے طرف داروں نے اپنی طرف سے ایک منصف پیش کیا' اسی طرح عورت کے طرف داروں نے بھی ایک منصف پیش کیا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دونوں منصفوں سے کہا: تم جانتے ہو تمہاری کیا ذمہ داری ہے؟ تمہارے اوپر یہ لازم ہے اگر تم ان کے اکٹھا رہنے میں بہتری خیال کرو تو انہیں اکٹھا رہنے دو اور اگر ان کی جدائی میں خیر سمجھو تو انہیں جدا کر دو۔ راوی نے کہا: عورت نے کہا کہ اللہ کی کتاب میں میرے بارے میں جو حکم ہے میں اس پر راضی ہوں، اور مرد نے کہا: رہی جدائی تو وہ نہیں ہوگی۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو تمہیں انہی الفاظ میں اقرار کرنا ہوگا جن الفاظ میں عورت نے اقرار کیا ہے۔

شرح الفئام کا معنی ہے لوگوں کے گروہ کے گروہ۔

(٢٣٤٨) صحيح ...... أخرجه الامام الشافعی فی المسند: ١٢٥٧، والبيهقی: ٧/ ٣٠٥.

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب میاں بیوی کے درمیان اختلافات کی خلیج حائل ہو جائے اور صورتحال مشتبہ ہو جائے، پتہ نہ چل سکے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ مرد نہ عفوودرگزر سے کام لے اور نہ جدائی ہی پر رضا مند ہو، اسی طرح عورت بھی حقوق کی بجا آوری پر تیار نہ ہو اور نہ اپنا فدیہ ہی (حق مہر چھوڑنے پر) ادا کرنے پر راضی ہو اور ان کا معاملہ ایسی نازک صورت اختیار کر لے جواز راہ شریعت قولاً اور فعلاً جائز نہیں تو امام وقت خاوند کی برادری میں سے ایک منصف اور صاحب رائے شخص کو اس کی طرف بھیجے گا۔ اسی طرح عورت کے خاندان اور قریبیوں میں سے ایک شخص کو اس کی طرف ارسال کرے گا۔ وہ دونوں شخص آزاد اور عادل ہوں۔ دونوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کے دل کی بات کو معلوم کریں۔ ان کی صورتحال کا باریک بینی سے جائزہ لیں کہ آیا ان دونوں کی رغبت اس رشتہ کو برقرار رکھنے کی ہے یا توڑ ڈالنے کی، پھر دونوں سرپنچ مل بیٹھیں اور اپنی معلومات، مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں ان کی خیر خواہی اور بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے جس نتیجے تک پہنچے ہوں اس کو نافذ کر دیں۔

یہاں ایک بحث جنم لیتی ہے کہ کیا زوجین کی رضا مندی کے بغیر منصفوں کو ان کے درمیان صلح کا ٹاسک دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں صحیح ترین بات یہ ہے کہ زوجین کی رضا ورغبت کے بغیر ان کو یہ مہم نہیں سونپی جاسکتی اور یہ کہ شوہر کے منصف کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو طلاق دے ڈالے، اسی طرح بیوی کا منصف اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اس کی اجازت اور مشورے کے بغیر خلع کا مطالبہ کر دے، اہل رائے کا یہی قول ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ ذرا نظر وبصر کے سامنے لائیں۔ جب اس شخص نے کہا: رہی جدائی (طلاق) تو وہ نہیں ہوگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جھوٹ کہتا ہے تمہیں انہی الفاظ میں اقرار کرنا ہوگا جس طرح عورت نے اقرار کیا ہے۔ ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ منصف کا حکم اس کے اقرار اور رضا مند ہونے پر موقوف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی مرضی کے بغیر منصفوں کو مقرر کرنا جائز ہے اور خاوند کے منصف کو بغیر اس کی مرضی معلوم کیے اس کی طرف سے طلاق دے ڈالنے کا اور عورت کے منصف کو بغیر اس کی ہاں کے خلع کا مطالبہ کرنے کا پورا اختیار ہے، جب وہ دونوں اپنی سمجھ بوجھ اور عقل وبصیرت سے اسی رائے پر پہنچیں جس طرح ایک حاکم دو افراد پر اپنا حکم جاری کر دیتا ہے۔ اگرچہ اس کا فیصلہ ان کی چاہت اور مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(55) ...... بَابُ مَنْ سَأَلَهُ أَبُوهُ تَطْلِيقَ امْرَأَتِهِ

جس شخص سے اس کا والد بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کر دے تو؟

(٢٣٤٩)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ،

(٢٣٤٩) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٥١٣٨، والترمذي: ١١٨٩، وابن ماجه: ٢٠٨٨.

أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِی ذِئْبٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ...... عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ كُنْتُ أُحِبُّهَا، وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا، فَأَمَرَنِي بِطَلَاقِهَا، فَأَبَيْتُ، فَذَكَرَ ذَلِكَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا عَبْدَ اللّٰهِ طَلِّقْهَا۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میرے نکاح میں ایک عورت تھی، مجھے وہ پسند تھی، لیکن ابا جان اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ والد صاحب نے مجھے اس کو طلاق دے ڈالنے کا حکم صادر کر دیا۔ میں نے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''اے عبداللہ! اسے طلاق دے دے۔''

فائدہ: والدین اگر اپنے بیٹے کو ناجائز طور پر یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ان کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے بہت بہتر ہو گا کہ ادب واحترام سے انہیں اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور اگر کوئی معقول وجہ ہو تو والدین کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھا جائے کیونکہ والد بلا وجہ بیٹے کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بیوی کو طلاق دے دے۔ بہر حال نہ ہر والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسی بصیرت رکھتا ہے نہ ہر فرزند سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسی اطاعت اور آداب فرزندگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ (ع،س)

(23)...... کِتَابُ الطَّلَاقِ
طلاق کے احکام و مسائل

(1)...... بَابُ الْخَلْعِ
خلع کے احکام و مسائل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾..... ''اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے اس میں دونوں پر گناہ نہیں۔'' (سورہ بقرہ: ۲۲۹)

امام طاؤس رحمہ اللہ نے کہا: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق و فرائض جو حسن عشرت اور عمدہ صحبت کے حوالے سے دونوں پر عائد ہوتے ہیں ان کو پورا نہ کر سکیں گے۔

(۲۳۵۰)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا أَزْهَرُ بْنُ جَمِيلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ، وَلَا دِينٍ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟)) قَالَتْ: نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ، وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً۔))

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ثابت بن قیس کی عادات اور اس کے دیندار ہونے پر مجھے کچھ اعتراض نہیں البتہ میں اسلام میں کفر (یعنی خلاف اسلام امور یا خاوند کی ناشکری) کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا: ''تو (حق مہر میں دیا گیا) اس کا باغ واپس کر دے گی؟'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

(۲۳۵۰) أخرجه البخاري: ۵۲۷۳.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم باغ واپس لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔''

شرح عمرہ (بنت عبدالرحمان) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں کہ حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی تو ثابت نے اس کو مارا اور اس کا کچھ توڑ بھی دیا۔ تب وہ فجر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور شوہر کی شکایت کی، پس نبی اکرم ﷺ نے ثابت کو بلایا اور فرمایا: ''اس سے کچھ مال لے لو اور اس کو علیحدہ کردو۔'' انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ صحیح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' انہوں نے کہا: میں نے اس کو مہر میں دو باغ دیے ہیں اور وہ اسی کے قبضے میں ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ دونوں لے لو اور اسے علیحدہ کردو۔'' چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ (صحیح، ابوداود: ۲۲۲۸، نسائی: ۳۴۹۷)

اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب شوہر بیوی کو ادب سکھانے اور ادائے حقوق کے لیے مارے اور وہ خلع کا مطالبہ کردے: تو اس کا مطالبہ جائز ہے۔ اگر خاوند بلاوجہ مار پیٹ اور لڑائی جھگڑا کرکے عورت کو خلع پر مجبور کردے حتی کہ وہ خلع کا مطالبہ کردے تو ایسی صورت میں خلع صحیح نہیں ہوگا اور اس سے جدائی واقع نہیں ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ خاوند کہے، میں تجھے ایک ہزار کے عوض طلاق دیتا ہوں اور اسے یہ بات قبول کرنے پر مجبور کردے۔ اگر اسے مال دینے پر مجبور کردے اور شوہر کہے، میں نے تجھے طلاق دی (مطلق لفظ بول دے اور بائنہ وغیرہ کی وضاحت نہ کرے) تو ایسی صورت میں رجعی طلاق ہی واقع ہوگی اور مال دینا عورت پر واجب نہیں، مرد نے عورت کو بالکل نہ مارا ہو بلکہ حق تلفی کے ذریعے سے تنگ کرکے خلع لینے پر مجبور کردیا ہو۔ خاوند کا یہ طرز عمل حرام ہے لیکن خلع نافذ ہوگا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ﴾ ...... ''اور ان کو نہ روکو تاکہ تم بعض وہ لے جاؤ جو تم نے ان کو دیا۔'' (سورہ نساء: ۱۹)

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک خاوند کے عقد میں بیوی ہو جو اسے پسند نہ ہو اور وہ اس سے چھٹکارا چاہتا ہو تو اسے خوب تنگ کرے، شدید جھگڑا کرے تاکہ وہ مجبور ہو کر حق مہر یا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہوا ز خود واپس کرے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے (اسلام نے اس حرکت کو ظلم قرار دیا ہے)

العضل کا معنی تنگ کرنا اور حقوق کی ادائیگی کو روک لینا ہے۔ خلع بلا کراہت مباح اور جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عورت مرد کے ساتھ رہنے کو پسند نہ کرے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے سرتابی کرے، اس کی صحبت اور معاشرت سے تنگ دل ہو اور گھٹن محسوس کرے تو ایسی صورت میں اس کیلئے خلع کا مطالبہ کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی خاتون بلاوجہ بغیر کسی شرعی عذر کے خلع کا مطالبہ کردے تو جائز تو ہے مگر یہ حرکت ناپسندیدہ اور قابل صد نفرین ہے کیونکہ اس میں تعلقات کا بگاڑ اور تعلق داری کی موت ہے۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو عورت بھی بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرتی ہے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ۲۲۲۶، ترمذی: ۱۱۸۷، ابن ماجہ: ۲۰۵۵)

جناب محارب بن دثار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے طلاق سے بڑھ کر ناپسندیدہ کسی چیز کو حلال نہیں فرمایا۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۱۷۷)

جناب محارب بن دثار سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ کام طلاق ہے۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۱۷۸، ابن ماجہ: ۲۰۱۸)

حدیث مبارکہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ خاوند کے لیے جائز ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی بیوی کو دیا وہ سب کچھ لے کر عورت کو خلع دے دے۔ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ خلع کم یا زیادہ مال سے جائز ہے جس مقدار پر بھی زوجین راضی ہو جائیں، اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس مقدار سے تجاوز کرنا جائز نہیں جو خاوند نے اسے دی ہے۔

جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: خاوند کے لیے یہ روا (جائز) نہیں کہ جو کچھ اس نے بیوی کو دیا تھا سب وصول کر لے بلکہ کچھ نہ کچھ ضرور اس کے پاس رہنے دے۔

حدیث مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ خلع حالت حیض اور حالت طہر (جس میں میاں بیوی آپس میں مل چکے ہوں) دونوں میں جائز ہے بدعت نہیں ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی عورت کو خلع دینے کا کہا تو یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ حائضہ تو نہیں یا اس نے طہر میں اس سے ہم بستری تو نہیں کی (حالانکہ ان دونوں حالتوں میں طلاق حرام ہے) اگر ان دونوں حالتوں میں خلع جائز نہ ہوتا تو آپ ضرور تفصیل طلب فرماتے اور حقیقت حال سے واقف ہوتے۔ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر خاوند بیوی کو طلاق مال کے عوض (مال لے کر) دے اور وہ قبول کر لے تو یہ طلاق بائنہ ہوگی۔

اہل علم کا اس بابت اختلاف ہے کہ کیا خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے اور اس سے طلاق کی تعداد میں کمی واقع نہیں ہوگی۔ یہ قول سیدنا ابن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔ جناب عکرمہ اور طاؤس اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے، امام احمد، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾...... ''یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں، پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' (سورہ بقرہ:۲۲۹) اس کے بعد خلع کا ذکر ہے (فدیہ دے کر خلع لینے کا) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ﴾ ...... ''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں

قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے۔'' (سورۂ بقرہ:۲۲۹)

اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر فرمایا: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ ...... ''پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے (اور ہم بستری نہ کرے)۔'' (سورۂ بقرہ:۲۳۰)

اور اگر خلع طلاق ہوتا تو وہ طلاق جس کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے صرف اسی صورت میں حلال ہو سکتی ہے جبکہ وہ کسی اور سے شادی کر لے، چوتھی طلاق ہو جائے گی (سو معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے)۔

اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ خلع طلاق بائن ہے، اس سے طلاق کی تعداد میں کمی آ جائے گی۔ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اسی بات کے قائل ہیں۔ جناب حسن بصری، نخعی، عطاء، سعید بن مسیّب، شریح، شعبی، مجاہد، مکحول، زہری یہی موقف رکھتے ہیں۔ امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اور اصح قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں۔ مدخولہ مختلعہ (ایسی عورت جو رخصتی کے بعد خلع کا مطالبہ کرے) کی عدت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ کرام، تابعین عظام اور جمہور فقہائے کرام کا موقف ہے کہ ایسی عورت کی عدت اور مطلقہ کی عدت ایک جیسی ہے یعنی تین حیض۔

بعض اہل علم صحابہ کرام اور دیگر علماء کا موقف ہے کہ خلع یافتہ عورت کی عدت ایک حیض ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خاوند سے خلع لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔ (صحیح، ابوداود: ۲۲۲۹، ترمذی: ۱۱۸۵)

جناب اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی شخص یہ موقف رکھتا ہے (ایک حیض عدت والا) تو یہ قوی مذہب ہے۔

اس بارے میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ کیا خلع والی عورت کو طلاق لاحق ہوتی ہے جبکہ وہ خلع کی عدت گزار رہی ہو یا نہیں؟ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ خلع والی عورت کو طلاق لاحق نہیں ہوتی سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: مختلعہ کو اس کی عدت میں طلاق نہیں پڑتی کیونکہ خاوند ایسی عورت کو طلاق دے رہا ہے جو اس کے قبضہ میں نہیں (یعنی جب وہ بذریعہ خلع اس سے اجنبی ہو گئی تو اس کو طلاق لاحق نہیں ہو گی) امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، ایک قوم کا خیال ہے کہ صریح اور واضح الفاظ میں دی گئی (کنایتاً نہیں) طلاق لاحق ہوتی ہے۔ یہ اہل رائے کا موقف ہے۔ انہوں نے کہا: اگر کوئی شخص (انت بائن) ''تو مجھ سے جدا ہے۔'' کے الفاظ بولے اور ان الفاظ سے اس کی نیت طلاق کی ہو یا مال کے عوض طلاق دے یا مبہم سا پیغام بھیج دے مثلاً کہے: میری ہر بیوی کو طلاق تو ایسی صورتوں میں طلاق نہیں پڑے گی اور رجعی طلاق کی عدت میں طلاق ہر حال میں واقع ہو جائے گی۔ اس بات پر سب فقہاء متفق ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنی بیوی سے کہا: جب رمضان المبارک آئے تو تجھے تین

طلاقیں اورابھی اس کے اور رمضان المبارک کے درمیان چھ ماہ کی مدت ہو، اب اسے اپنے اس طرز عمل پر شرمندگی لاحق ہوئی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسا کرے کہ ایک طلاق دے ڈالے، رمضان المبارک گزرنے سے پہلے اس کی عدت ختم ہو جائے گی پھر جب رمضان گزر جائے تو اگر عورت چاہے تو اس سے دوبارہ شادی کر لے۔

(2)......بَابُ الطَّلَاقِ قَبْلَ النِّكَاحِ

نکاح سے پہلے طلاق دینا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ﴾ ''اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو۔''

(سورۂ احزاب:۴۹)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد ذکر کیا ہے، پھر انہوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔

(۲۳۵۱)۔أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، حَدَّثَنَا أَبُو الطَّيِّبِ سَهْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُوَيْدٍ، حَدَّثَنِي سُفْيَانُ وَهُوَ الثَّوْرِيُّ، عَنْ جُوَيْبِرٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ......

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((لا طَلاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ، وَلا عِتَاقَ إِلا بَعْدَ مِلْكٍ، وَلا وِصَالَ فِي صِيَامٍ، وَلا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلامٍ، وَلا رَضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ، وَلا صَمْتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ۔))

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح سے پہلے طلاق نہیں، ملکیت میں آنے سے پہلے آزاد کرنا نہیں، روزوں میں وصال نہیں، بلوغت کے بعد یتیمی نہیں، دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت (ثابت) نہیں ہوتی اور تمام دن رات تک خاموش رہنا جائز نہیں۔''

شرح جناب عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم کا بیٹا اس چیز کی نذر نہ مانے جو اس کی ملکیت میں نہیں، اور جس چیز کی ملکیت نہیں اس کو آزاد نہ کرے اور جس پر اس کا حق نہیں اس کو طلاق نہ دے۔''

(حسن، ابوداود: ۲۱۹۰، ترمذی: ۱۱۸۱، ابن ماجہ: ۲۰۴۷)

(۲۳۵۱) ضعيف جدا ...... وأخرجه ابوداود: ۲۸۷۳، لكنه مختصر بلفظ: "لايتم بعد احتلام، ولا صمات يوم الى الليل۔" ورواية ابى داود صحيحة.

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ہونے والی بیگم کو نکاح سے قبل طلاق دے ڈالے یا ملکیت میں آنے سے پہلے کسی غلام کو آزاد کر دے تو اس کا یہ عمل لغو تصور کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص معلق طلاق دے یا ملکیت میں آنے سے پہلے آزادی کو کسی صفت سے خاص کر دے اور اس صفت اور حالت کی نسبت ملکیت کی طرف نہ کرے تو ایسی بات کو لغو سمجھا جائے گا، حتیٰ کہ ملکیت میں آنے کے بعد بھی وہ صفت اور حالت پائی جائے تو بھی طلاق اور آزادی واقع نہ ہوگی۔ اہل علم کا اس بارے میں خاص اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کر کے دے تو کیا وہ واقع ہو جائے گی یا نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق یا کسی غلام سے کہے: جب میں تیرا مالک بنوں تو تو آزاد ہے، اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ اس قسم کی بات از قبیل لغو ہے یعنی یہ بات صحیح نہیں اور ملکیت حاصل ہونے کے بعد غلام کو آزادی نہیں ملے گی۔ ایسا موقف سیدنا علی، ابن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، نیز یہی قول جناب سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، قاسم، طاؤس، حسن، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، شعبی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ یاد رہے! امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا عمر، سیدنا ابن مسعود اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم اس بات کے قائل ہیں کہ (نکاح سے معلق) طلاق نکاح کرنے کے بعد واقع ہو جائے گی (یا جس شرط سے بھی معلق ہے اس کے پائے جانے کے بعد وہ طلاق واقع ہو جائے گی) جناب ابراہیم نخعی، زہری اور اہل رائے اس کے قائل ہیں، ایسا موقف جناب سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار سے بھی مروی ہے، جناب ربیعہ، امام مالک، اوزاعی، ثوری اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ اگر قائل نے کسی خاص عورت کا نام لے کر اپنے عزم کا اظہار کیا ہو یا وقت کی تحدید کی ہو یا اس نے یوں کہا ہو کہ اگر میں نے فلاں شہر کی باسی خاتون سے شادی کی یا فلاں قبیلہ کی عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے تو ایسی عورت میں نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے عزم و ارادہ کا اظہار عمومی انداز میں کیا، مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی، سے بھی ایسا ہی موقف مروی ہے۔

امام احمد اور ابو عبید رحمہما اللہ نے کہا: اگر ایسی بات کرنے والے نے نکاح کر لیا تو اسے عورت کو جدا کرنے اور طلاق دے ڈالنے کو نہیں کہا جائے گا اور اگر اس نے ابھی نکاح نہیں کیا تو نکاح نہ کرے، جناب ابن مبارک اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی کی مانند مروی ہے۔ مذکور ہے کہ جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کی بابت دریافت کیا گیا جس نے طلاق کی قسم کھا رکھی ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گا، پھر اس کا ارادہ شادی کرنے کا بن گیا، تو کیا اس کے لیے کوئی گنجائش ہے کہ وہ رخصت کے قائلین فقہاء کے قول پر عمل درآمد کر لے؟ تو انہوں نے کہا: اگر تو ایسا شخص اس مصیبت میں

گرفتار اور اس مخمصے میں مبتلا ہونے سے پہلے ان حضرات کے موقف کی حقانیت کا قائل تھا تو بخوشی اس پر عمل کرے وگرنہ میں سمجھتا ہوں اسے ان کے قول پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو کسی حالت اور صفت کے ساتھ معلق اور مشروط کر دیتا ہے پھر وہ اس صورتحال کے پائے جانے سے قبل اسے طلاق رجعی کے ساتھ اپنے سے جدا کر دیتا ہے، بعدازاں نکاح کر لیتا ہے، دوبارہ نکاح کر چکنے کے بعد وہ صفت اور شرط اس میں پائی جاتا ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی کیفیت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام مزنی (امام شافعی کے شاگرد) نے اسی قول کو پسند کیا ہے، اور اگر وہ شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر اپنے سے جدا کر ڈالے، پھر وہ عورت کسی اور شوہر سے شادی کرے، وہاں سے طلاق ہونے کے بعد سابقہ شوہر پھر اس سے شادی کر لے اور اب اس میں وہی شرط پائی جائے جس کے ساتھ طلاق معلق تھی تو اب اسے طلاق نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اپنے غلام کی آزادی کو کسی صفت سے معلق کر دے پھر شرط پائے جانے سے قبل وہ غلام اس کی ملکیت سے نکل جائے، بعدازاں وہی شخص اس کا دوبارہ مالک بن جائے اور مذکورہ شرط غلام میں پائی جائے تو کیا وہ آزاد ہو جائے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں بھی دو قول ہیں۔

(لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ) ''احتلام آنے کے بعد یتیمی نہیں۔'' یتیم اس نابالغ بچے اور بچی کو کہتے ہیں جس کا باپ دنیا میں موجود نہ ہو، یتیموں کو مال غنیمت کے خمس (پانچویں حصے) سے حصہ ملتا ہے، پھر جب یہی بچہ یا بچی حد بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ یتیمی کے زمرے سے نکل جاتے ہیں اور وہ ان رعایتوں کے مستحق نہیں رہتے جن کے وہ حقدار یتیم ہوتے ہوئے تھے، یاد رہے! بالغ ہو جانے سے مراد ان کا احتلام کی عمر کو پہنچ جانا ہے۔

(وَلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ) ''دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت (ثابت) نہیں ہوتی۔'' اس سے مراد دو سال کی مدت ہے کیونکہ بالعموم اسی مدت کے اندر اندر بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔

(لَا صُمْتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ) ''اور تمام دن رات تک چپ رہنا جائز نہیں۔'' اس جملے سے جاہلیت کی ایک عادت کا رد کرنا مقصود ہے، اہل جاہلیت کی عبادات میں سے ایک عبادت خاموش رہنا تھا، ان میں سے کوئی شخص ایک رات اور دن خاموش رہنے کی منت مان لیتا اور پھر مکمل دن ایک لفظ بھی منہ سے ادا نہ کرتا، انہیں اس طرز عمل سے روک دیا گیا اور اس کے بدلے ذکر الٰہی کرتے رہنے اور امر بالمعروف اور دیگر امور خیر میں گفتگو کرتے رہنے کی تلقین کی گئی۔ جناب طاؤس نے کہا: جو شخص گفتگو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس شخص سے کہیں بہتر ہے جو خاموش رہتے ہوئے اللہ سے ڈرتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت، پھر وہ اس سے نکاح کر لے تو وہ ان الفاظ کے ادا کرنے سے ظہار کرنے والا نہیں بنے گا (کیونکہ یہ الفاظ عورت کے نکاح میں آنے سے قبل بولے گئے ہیں جو کہ لغو اور بے معنیٰ ہیں) اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اگر وہ اس خاتون

سے نکاح کرلے گا تو مظاہر (ظہار کرنے والا) ٹھہرے گا۔ اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس روکے رکھے جب تک کہ ظہار کا کفارہ نہ ادا کردے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یونہی مروی ہے۔ جناب قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار رحمہما اللہ سے بھی ایک روایت میں اس کی مانند مروی ہے۔

(3)......بَابُ تَحْرِيمِ الطَّلَاقِ فِي الْحَيْضِ

حالت حیض میں طلاق دینے کی حرمت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ ......"جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں انہیں طلاق دو۔" (سورہ طلاق:۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان الفاظ کو یوں پڑھا (فَطَلِّقُوْهُنَّ لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ) "انہیں عدت کے آغاز میں طلاق دو۔" (لِعِدَّتِهِنَّ) میں لام توقیت کے لیے ہے یعنی عدت کے آغاز میں طلاق دو (یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو، حالت طہر اس کی عدت کا آغاز ہے) یہ جملہ یوں ہے جیسے آپ کہیں كُتِبَ لِعَشْرٍ مِنَ الشَّهْرِ معنی ہوگا یہ تحریر مہینے کے دس دن گزر جانے کے بعد معرض تحریر میں آئی۔ اسی طرح حیض کے گزر جانے کے بعد حالت طہر میں ہم بستری کیے بغیر طلاق دی جائے۔

(٢٣٥٢)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عہد رسالت میں اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دے دی، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسے کہو وہ اس سے رجوع کرے اور اس کو اپنے ہاں روکے رکھے، پھر جب وہ حیض سے پاک ہو جائے، اس کے بعد پھر اسے حیض آئے اور وہ حیض سے فارغ ہو جائے، پھر اگر وہ چاہے تو اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اگر چاہے تو بلا مجامعت اس کو طلاق دے دے کیونکہ یہی وہ عدت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔"

(٢٣٥٢) أخرجه البخاري: ٤٩٠٨، ٥٢٥١، ومسلم: ١٤٧١.

شرح: جناب سالم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے ڈالی۔ ان کے والد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کا تذکرہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے کہو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اس کو اس کے پاک ہونے کی حالت یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔'' جناب یونس بن جبیر اور انس بن سیرین نے جو روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اس میں (ثم تحیض ، ثم تطهر) ''پھر اسے حیض آئے اور وہ حیض سے فارغ ہو جائے۔'' کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔

(٢٣٥٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ ، وَسَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ ، ......

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَيْمَنٍ مَوْلَى عَزَّةَ يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ، وأَبُو الزُّبَيْرِ يَسْمَعُ ، فَقَالَ: كَيفَ تَرَى فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: طَلَّقَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ: ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، فَإِذَا طَهُرَتْ ، فَلْيُطَلِّقْ أَوْ لِيُمْسِكْ)) قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ ، أو لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾ الشافعيُّ شَكَّ۔

ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے ابو الزبیر نے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن ایمن جو کہ عزہ کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھ رہے تھے جبکہ ابو الزبیر سن رہے تھے، انہوں نے دریافت کیا: آپ کیا کہتے ہیں اس شخص کے متعلق جو حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر جب وہ پاک ہو جائے تو اگر چاہے تو طلاق دے یا اسے روک لے۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ عزوجل کے فرمان کا یہی مطلب ہے ﴿يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ يا لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾...... ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت کے دنوں کے آغاز

(٢٣٥٣) أخرجه مسلم: ١٤٧١ .

میں انہیں طلاق دو۔'' (یہ الفاظ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی قراء ت ہیں) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں شک کا شکار ہیں۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کو یوں پڑھا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِىٓ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ﴾

شرح: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا بدعت ہے ایسی طلاق کو، طلاق بدعی کہتے ہیں، اسی طرح ایسے طہر میں دی گئی طلاق بھی طلاق بدعت ہے جس میں شوہر نے عورت سے مباشرت کی ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (وان شاء طلق قبل ان یمس) ......''یا چاہے تو طلاق دے دے (مگر) مباشرت سے پہلے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جو رجوع کرنے کا حکم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ایام حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی خواہ وہ بدعی ہی کیوں نہ ہو۔اگر یہ طلاق وقوع پذیر نہ ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہما سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مراجعت کا حکم نہ صادر فرماتے اور رجوع کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

جناب یونس بن جبیر راوی حدیث نے اس حدیث کی بابت بیان کیا کہ میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کیا اس طلاق کو شمار کیا گیا؟ تو انہوں نے کہا: اور کیا؟ بھلا اگر وہ عاجز رہے (کہ صحیح حکم نہ معلوم کر سکے) یا احمق پن کا اظہار کرے (غلط طریقے سے طلاق دے دے؟ تو کیا اس کی یہ طلاق لغو ہو جائے گی)۔(صحیح مسلم: ١٤٧١)

مطلب یہی ہے کہ اگر طلاق بدعی یعنی حالت حیض میں طلاق دینے والا صحیح حکم معلوم کرنے سے عاجز اور نابلد رہے یا بیوقوف بنا رہے، تو طلاق تو ہو جائے گی۔ اس کے عجز اور پاگل پن سے نفس طلاق میں کوئی فرق نہیں پڑتا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب دینے کا یہ انداز مختصر نوعیت کا ہے۔سوال کا جواب ان کے جملوں کے اندر ہی پوشیدہ اور محذوف ہے جو ان کی مراد پر دلالت کناں ہے۔مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ کہتے: اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ عورت تجھ پر حرام ہوگئی ہے جب تک کہ وہ تیرے سوا کسی اور شوہر سے نکاح نہ کر لے اور اگر تو نے اپنی عورت کو ایک دو طلاق دی ہیں (تو رجوع ہو سکتا ہے) اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔(صحیح مسلم: ١٤٧١)

حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مدخول بہا (ایسی عورت جس سے مباشرت ہو چکی ہو) کو اگر حالت حیض میں یا اس طہر میں جس میں اس سے مباشرت نہ کی گئی ہو طلاق دی جائے اور اس کی عدت کے کچھ ایام باقی ہوں تو ایسے شخص کو رجوع کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ پھر اگر وہ چاہے تو اس طہر میں طلاق دے دے جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو، یہ رجوع استحباب پر مبنی ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ایسے شخص پر رجوع کرنا واجب ہے۔ جب کوئی شخص ایام حیض

میں طلاق دے ڈالے اور رجوع کر لے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے متصل طہر میں طلاق دے لیکن اس میں مباشرت نہ کی گئی ہو جیسا کہ جناب یونس بن جبیر اور انس بن سیرین وغیرہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

باقی رہے وہ الفاظ جو امام نافع نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں (ثم لیمسکھا حتی تطھر ، ثم تحیض ثم تطھر) ''پھر چاہیے کہ وہ اسے روک لے حتی کہ وہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے، پھر پاک ہو۔'' یہ الفاظ کہ جن میں ہے کہ طلاق سے متصل طہر کے بعد والے طہر میں طلاق دے، استحباب پر مبنی ہیں۔ اپنے دوسرے طہر تک طلاق کو مؤخر کر دینے کو اس لیے اچھا سمجھا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ رجوع محض دوسری طلاق کی خاطر نہ تھا جس طرح اگر کوئی شخص محض طلاق دینے کے لیے نکاح کرے تو یہ ناپسندیدہ ہے، اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ حیض سے متصل طہر میں اسے طلاق نہ دے بلکہ اپنے پاس روکے رکھے بلکہ اس میں عورت سے مباشرت کرے تا کہ رجوع عملی طور پر ثابت ہو جائے، پھر چونکہ اب اس طہر میں طلاق نہیں دی جا سکتی کیونکہ عورت سے مباشرت ہو چکی ہے تو لامحالہ اب طلاق دوسرے طہر تک مؤخر ہو گئی ہے۔

فائدہ: اس تطویل میں کئی حکمتیں ہیں (۱) معلوم ہو جائے کہ یہ رجوع محض دوسری طلاق کی خاطر نہ تھا۔ (۲) عورت کے لیے واضح ہو جائے کہ اس کو کس کیفیت میں طلاق ہوئی ہے، طہر میں یا حمل میں۔ (۳) اگر حمل نمایاں ہو جائے تو شاید شوہر طلاق دینے میں متأمل رہے۔ (۴) اور اس تاخیر سے یہ بھی ممکن ہے کہ ذہنوں میں پیدا ہونے والی ناہمواری، ہم آہنگی اور بعد، قربت میں بدل جائے اور شوہر اسے باقاعدہ بیوی بنا لے۔ (ع،س)

جناب سالم کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: (ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا) ''پھر اسے طلاق دے جب وہ پاک ہو یا جب وہ حمل سے ہو۔'' ان الفاظ سے پتہ چلا کہ حمل کے ایام میں طلاق دینا بدعت نہیں۔

اگر کوئی شخص حیض شروع ہوتے ہی جماع کے بعد طلاق دے تو جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ایسی عورت کو حالت حیض میں طلاق دے جس سے مباشرت نہیں ہوئی یا ایسی عورت کو طلاق دے جس کو بڑی عمر کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو خواہ اس کو مجامعت کے بعد طلاق دے یا چھوٹی عمر والی کو طلاق دے جس کو ابھی حیض آنا ہی شروع نہیں ہوا تو ان تمام صورتوں میں دی گئی طلاق بدعی طلاق نہ ہو گی، بدعی طلاق اس عورت کو دی گئی طلاق ہے جس کی عدت کا شمار بذریعہ حیض ہوتا ہے، ایسی عورت کو حالت حیض یا حالت نفاس یا ایسے طہر میں جس میں مباشرت ہو چکی ہو میں طلاق دی جائے تو وہ طلاق بدعی ہو گی۔ اگر کوئی شخص بیوی کو حالت طہر میں قبل از جماع طلاق دے تو وہ طلاق سنی ہو گی۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تجھے سنی طلاق ہو، پھر اگر وہ ایسے طہر میں ہو جس میں خاوند نے اس سے جماع نہ کیا ہو تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی اور اگر وہ حالت حیض یا حالت نفاس میں ہو تو پاک ہونے تک طلاق واقع نہیں ہو گی، پھر جب عورت پاک ہو جائے تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی، اس نے غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر عورت اس طہر

میں ہو جس میں اس سے مباشرت ہو چکی ہو تو حیض آنے کے بعد پاک ہونے تک طلاق واقع نہیں ہو گی۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تجھے بدعی طلاق ہو اور اس کی عورت حیض یا نفاس کی تکلیف میں مبتلا ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں اس سے مجامعت ہو چکی ہو تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر ایسے طہر میں ہو جس میں میاں بیوی کا ملاپ نہ ہوا ہو تو طلاق نہ پڑے گی تا آنکہ اس سے اس کا شوہر جماع کرے یا اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔

اور اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ تجھے سنی اور بدعی طلاق ہو یا کہے کہ نہ تجھے سنی طلاق ہو نہ بدعی تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی خوہ وہ کسی حالت میں بھی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسی عورت کو طلاق دے جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو یا کم سن کو یا نا امیدی کی عمر کو پہنچی ہوئی عورت (جس کو حیض آنا بند ہو چکا ہو) کو یا حاملہ کو بایں الفاظ طلاق دے کہ تجھے سنی طلاق ہو۔ یا کہے: تجھے بدعی طلاق ہو، یا کہے: تجھے نہ سنی اور نہ بدعی طلاق ہو، یا کہے: تجھے سنی اور بدعی دونوں قسم کی طلاقیں نہ ہوں تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی اس لیے کہ مندرجہ صدر قسم کی خواتین میں سنی اور بدعی طلاقوں کا کوئی تعلق نہیں اس لیے ان الفاظ کا ذکر محض لغو اور فضول ہے۔

اور کسی عوض اور معاوضے کے بدلے دی ہوئی طلاق بدعی طلاق نہیں وہ جس حالت میں بھی دی جائے۔ نبی ﷺ کے فرمان (فَتِـلْكَ الْـعِدَّةُ الَّتِیْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ یُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ) ......''اور یہی وہ عدت ہے جس کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ اقراء سے مراد طہر ہے نہ کہ حیض جس سے عورتوں کو اپنی عدت کے آغاز کرنے اور شمار کرنے کا حکم ہے کیونکہ نبی ﷺ نے واضح فرمایا کہ طلاق دینے کا وقت طہر کی حالت ہے، پھر مزید فرمایا: اور یہی وہ عدت ہے جس کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے، اور آپ ﷺ کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ ''تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں انہیں طلاق دو۔'' یعنی ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو۔

یہی قول سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم جانتے ہو کہ اَقْـرَاء سے کیا مراد ہے؟ اَقْـرَاء سے مراد طہر ہے (عورت کی پاکی کے دن) یہی قول کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا ہے جناب سالم بن عبداللہ، زہری، امام مالک اسی کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ الاقراء سے مراد حیض ہے۔ یہ موقف سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود، اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جناب حسن بصری، امام اوزاعی، ثوری اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں۔ اس اختلاف کی اصل بنیاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ......''طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۲۸)

لفظ قُرُوْء کا واحد قُرْء ہے اور اس کی جمع اقراء آتی ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی اس کے معنی طہر یا حیض

دونوں کے ہیں۔ ویسے لفظ قرء کے لغوی معنی ''وقت۔'' کے ہیں جیسا کہ شاعر کا شعر ہے:

كَمَا هَبَّتْ لِقَارِئِهَا الرِّيَاحُ

جیسا کہ عین موقع پر آندھیاں اور طوفان اٹھ کھڑے ہوں گے یعنی عین وقت پر تیز ہوائیں چل پڑیں۔ جب عورت ایام حیض کے قریب ہو یا ایام طہر کے تو اقرأت المرأة کہا جاتا ہے یعنی یہ لفظ دونوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور جو حضرات لفظ قرء سے مراد حیض لیتے ہیں ان کی دلیل نبی ﷺ سے مروی روایت ہے۔ آپ نے ایک خاتون سے فرمایا: (دَعِيْ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِكَ) ''تو اپنے حیض کے ایام میں نماز چھوڑ دینا۔'' (صحیح، ابوداود: ۲۹۷، ترمذی: ۱۲۶، ابن ماجه: ۶۲۵) اور جو حضرات لفظ قرء سے مراد طہر لیتے ہیں، ان کی دلیل لغت عربی ہے۔ مثلاً ایک شاعر کا شعر ہے:

لِمَا ضَاعَ فِيهَا مِنْ قُرُوءِ نِسَائِكَا

اس میں تیری عورتوں کے طہر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس شعر میں لفظ قُرُوء سے مراد طہر ہے۔

اس اختلاف کی حقیقت اس وقت سامنے آتی ہے کہ جب ایک عدت گزارنے والی عورت تیسرے حیض کا خون دیکھتی ہے تو جو حضرات قروء سے مراد طہر لیتے ہیں ان کے نزدیک وہ عدت سے نکل جاتی ہے۔ اس صورت میں جس طہر میں طلاق واقع ہوئی ہے اس کے باقی ماندہ دنوں کو قرء سمجھا جائے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب مطلقہ عورت تیسرے حیض کا خون دیکھے تو وہ اپنے خاوند سے آزاد ہو جاتی ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ تیسرے حیض میں داخل ہو جائے تو وہ اپنے خاوند سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس کا خاوند اس سے آزاد ہو جاتا ہے نہ وہ اس کی وارث بنے گی اور نہ یہ اس کا وارث بنے گا۔ اور جو حضرات قروء سے مراد حیض لیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جس طہر میں طلاق ہوتی ہے اس کے بقیہ دنوں کو قرء نہیں شمار کیا جائے گا اور نہ مطلقہ عورت کی عدت اس وقت تک ختم ہوگی جب تک کہ تیسرے حیض کا خون آنا بند نہ ہو جائے، بعض حضرات کا کہنا ہے حتی کہ عورت غسل کر لے، اگر اس کا حیض اکثر مدت سے پہلے ختم ہو گیا۔ یہ اہل رائے کا موقف ہے (اہل رائے کے نزدیک حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی غسل کی شرط منقول ہے، اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر طلاق حالت حیض میں دی گئی ہو تو حیض کے بقیہ ایام کو قرء شمار نہیں کیا جائے گا۔

(4)......بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ وَطَلَاقِ الْبَتَّةِ

تین طلاقیں ایک ساتھ دے دینا اور طلاق بتہ کا بیان

(۲۳۵۴)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلالُ،

أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ السَّائِبِ......

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْمُزَنِيَّةَ الْبَتَّةَ، ثُمَّ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، وَوَاللَّهِ! مَا أَرَدْتُ إِلا وَاحِدَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((وَاللَّهِ! مَا أَرَدْتَ إِلا وَاحِدَةً؟)) فَقَالَ رُكَانَةُ: وَاللَّهِ! مَا أَرَدْتُ إِلا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَنِ عُمَرَ، وَالثَّالِثَةُ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

نافع بن عجیر بن عبداللہ بن یزید سے مروی ہے کہ سیدنا رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ مزنیہ کو بتہ طلاق دے دی، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو بتہ طلاق دے دی ہے اور اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''قسم سے! تو نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟'' رکانہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی بیوی کو اس پر لوٹا دیا۔ چنانچہ اس نے اس کو دوسری طلاق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور تیسری سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دی۔

شرح: عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دے دی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے کہا: ایک کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم (سے کہتے ہو)۔'' میں نے کہا: اللہ کی قسم (سے کہتا ہوں)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہی ہے جو تم نے ارادہ کیا۔''

(ضعیف، ابوداود: ۲۲۰۸، ترمذی: ۱۱۷۷، ابن ماجہ: ۲۰۵۱)

(بَتَّة) کا معنی ہے کاٹ دینے والی۔ یہ لفظ لغت میں بمعنی قطع (کاٹنا) استعمال ہوتا ہے۔ جس صدقے کو دینے والا اپنی ساری جائداد سے الگ اور نمایاں کر دے اور اس کی پوری طرح حد بندی کر دے، کوئی ابہام نہ چھوڑے تو کہا جاتا ہے: ''صَدَقَةٌ بَتَّةٌ بَتْلَةٌ۔''

فائدہ: یہاں مراد یہ ہے کہ طلاق دینے والا کہے کہ میں تجھے بتہ طلاق دیتا ہوں یعنی ایسی طلاق جس میں رجوع نہیں اور اپنا تعلق پوری طرح کاٹتا ہوں، اور اس کی مراد تین طلاقیں ہوں۔ (ع س)

(۲۳۵٤) ضعیف ...... أخرجه ابوداود: ۲۲۰٦.

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں بہت سارے فوائد ومسائل ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ تو وہ ہے جس کا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا مباح اور جائز ہے، بدعت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ اور آپ نے انہیں ایک سے زائد کا ارادہ کرنے سے نہیں روکا۔ یہ قول امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے جبکہ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی لفظ یا جملے میں دو یا تین طلاقوں کو جمع کر دے تو اس کا یہ انداز بدعی ہوگا۔ امام مالک، اسحاق اور اہل رائے اس کے قائل ہیں۔ پھر ان علماء نے حاملہ عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ایسی طلاق طلاق بدعی نہیں ہوگی لیکن اس مسئلہ میں اہل رائے (احناف) نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا: حاملہ عورت کو ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں بدعی ہوں گی الا یہ کہ وہ ان کو مختلف مہینوں میں دے اور ہر طلاق کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ رکھے۔ محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کہا: جب عورت حاملہ ہو تو وہ اس پر ایک سے زائد طلاق واقع نہیں کرے گا۔ وہ اس کو چھوڑ دے حتی کہ وضع حمل ہو، پھر دیگر طلاقیں واقع کرے گا۔ اس حدیث میں اس مسئلہ کی دلیل بھی ہے کہ طلاق بتہ ایک ہی ہوگی جب اس سے زیادہ طلاقوں کی نیت نہ ہو اور وہ طلاق رجعی ہوگی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی موقف کے قائل ہیں۔ جناب عطاء اور سعید بن جبیر بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں نیز انہوں نے کہا: اگر بتہ طلاق دینے سے شوہر کی مراد دو یا تین طلاقیں ہوں تو معاملہ اس کی نیت اور مراد کے مطابق ہوگا۔

جناب شریح نے کہا: طلاق دینا تو سنت ہے (یعنی سنت سے ثابت ہے) اسے جاری کر دو اور اسے بتہ قرار دینا بدعت ہے لہٰذا اسے رہنے دو۔ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اگر اس نے طلاق دیتے وقت کوئی نیت نہیں کی تو اس کی دی ہوئی ایک طلاق بائنہ ہوگی اور اگر اس نے تینوں کی نیت کی ہے تو وہ تین ہوں گی اور اگر اس نے دو طلاقوں کی نیت کی ہے تو دو نہیں بلکہ ایک ہی واقع ہوگی۔ یہ قول جناب ثوری اور اہل رائے کا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایک بتہ طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس کے قائل ہیں، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یونہی مروی ہے۔ جناب سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، زہری، امام مالک، ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی رحمہم اللہ یہی موقف رکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: مجھے لگتا ہے وہ تین ہی ہوں گی لیکن میں اس بات کا فتویٰ دینے کی جرأت اور ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔

مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عورت کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کرنے کو تین طلاقیں ہی شمار کرتے تھے، مثلاً خاوند کہے: تو فارغ ہے، تو مجھ سے بری ہے، تجھے بائنہ طلاق ہو، تجھے بتہ طلاق ہو یا تو مجھ پر حرام ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ

نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور طلاق کے کسی عدد کی نیت کرلے تو اس کی نیت کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی (یعنی اگر اس نے دو کی نیت کی تو دو اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی) خواہ اس نے طلاق واضح اور صریح لفظوں سے دی ہو یا اشارے کنائے سے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے (وَاِنَّمَا لِامْرِیءٍ مَا نَوٰی)...... ''بلاشبہ ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔'' یہ موقف عروہ بن زبیر، امام مالک، شافعی، اسحاق اور ابوعبید رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جب کوئی شخص واضح اور صریح لفظوں کے ساتھ طلاق دے اور اس کی نیت ایک سے زائد طلاق کی ہو تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ یہ قول امام ثوری، اوزاعی، احمد اور اہل رائے کا ہے، جناب ثوری اور اہل رائے نے کہا: اشارے کنایے سے دی گئی طلاق میں اگر تین طلاقوں کا ارادہ ہو تو یہ جائز ہے اور اگر دو طلاقوں کا ارادہ ہو تو ایک بائنہ طلاق ہی واقع ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق کے صریح الفاظ تین ہیں، طلاق، فراق اور سراح، ان لفظوں کو اگر کوئی شخص زبان سے ادا کردے خواہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہ ہو تو بھی طلاق پڑ جائے گی۔

کنایہ سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس کے اندر فرقت اور جدائی کا معنی پایا جائے مثلاً خاوند کہے: تو فارغ ہے، تو بری ہے، یا بتہ اور بتلہ بمعنی قَطَعَ (کاٹنا) کا لفظ استعمال کرے یا کہے تو مجھ پر حرام ہے یا تو آزاد ہے یا کہے: تیری رسی تیرے کندھوں پر ہے یا کہے: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔ یا کہے: جا تو عدت گزار، یا کہے: اپنا استبرائے رحم (رحم خالی کرلے) کرلے۔ یا کہے: مجھے تیرے اوپر کوئی ملکیت حاصل نہیں، یا کہے: اٹھ جا، یا کہے: نکل جا، یا کہے: چلی جا۔ یا کہے: پردہ کرلے، یا کہے: ستر کو لازم پکڑ یا اسی مفہوم کا کوئی اور لفظ بول دے تو اگر ارادہ اور نیت ہو تو ایسے الفاظ کے ساتھ طلاق ہو جائے گی اور اگر نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی بلکہ یہ الفاظ لغو شمار ہوں گے۔ جناب ابراہیم نے کہا: جب خاوند کہے: مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں تو اس کی نیت کو دیکھا جائے گا، اور ہر قوم کی طلاق ان کی زبان میں واقع ہو جائے گی۔

جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شوہر کہے: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا تو معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: جب شوہر اپنی بیوی سے کہے: تو میری بیوی نہیں ہے تو اس کی نیت کو معلوم کیا جائے گا۔ اگر ان الفاظ سے اس کی نیت طلاق کی ہو تو طلاق ہو جائے گی۔ دخول کرنے کے بعد عملی رجوع ہو جانے کی صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق کے صریح الفاظ پر قیاس کرتے ہوئے مندرجہ صدر اشارے اور کنائے پر مبنی الفاظ بول دینے سے حق رجوع برقرار رہے گا ختم نہیں ہوگا۔ حق رجوع اس وقت ختم ہوگا جب معاوضے کا ذکر آجائے یا تین (طلاقوں) کا عدد پورا ہو جائے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لفظ (الخلیۃ) تو مجھ سے فارغ ہے۔'' اور لفظ (البریۃ) تیرا میرا کوئی تعلق نہیں۔'' کو تین طلاقوں کے قائم مقام قرار دیا ہے، مدخول بہا (جس سے تخلیہ اور مباشرت ہو چکی ہو) کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، نیز انہوں نے کہا کہ غیر مدخول بہا (جس سے خلوت صحیحہ کا موقع نہیں آیا) کے معاملے کو مؤخر کر دیا جائے (تا آنکہ صریح الفاظ سامنے آ جائیں) اسی طرح کی بات امام مالک نے لفظ بائنہ کہنے کے بارے میں کہی ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: میں تجھ سے بری ہوں اور تو مجھ سے بری ہے تو یہ الفاظ تین طلاقوں کے قائم مقام ہیں اور بمنزلہ بتہ طلاق کے ہیں۔

اکثر اہل علم کے نزدیک جب کسی شخص کے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دینے کا خیال پیدا ہو اور کسی قسم کے الفاظ منہ سے نہ نکالے تو محض خیال اور وسوسہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے وسوسے (پر گرفت و مؤاخذہ) سے درگزر فرما دیا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کوئی عمل نہ کرے یا زبان سے نہ کہے۔'' (صحیح بخاری: ٦٦٦٤، صحیح مسلم: ١٢٧)

یہی موقف جناب عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ رحمہم اللہ کا ہے اور اسی کے قائل امام شافعی، ثوری، اہل رائے، امام احمد، اسحاق رحمہم اللہ ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنے دل میں آمدہ خیال کو عزم و ارادہ کا درجہ دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ زبان سے الفاظ نہ بھی نکالے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

اس بات پر تمام علمائے کرام متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کا عزم و ارادہ کر لے تو اس سے ظہار کا حکم لازم نہیں آئے گا (جب تک وہ اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کرے) اسی طرح اگر کسی شخص کے دل میں نماز پڑھتے ہوئے وساوس آ جائیں تو اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگر حدیث نفس اور دل میں خیالات کے ہجوم کا آ جانا بمنزلہ کلام ہوتا تو اس سے نماز کو باطل ہو جانا چاہیے تھا (مگر ایسا نہیں اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے)۔

اگر کوئی شخص اپنی بیگم سے کہے: تجھے اس طرح طلاق ہو اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کر دے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر وہ دو انگلیوں سے اشارہ کر دے تو دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ اس کے قائل امام شعبی، قتادہ اور بعض دیگر علماء ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے: تجھے دس طلاقیں ہوں یا کہے: تجھے سو طلاقیں ہوں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ایک شخص نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دے ڈالی ہیں (اب میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواباً پوچھا، تو تجھے اس کے بارے میں کیا کہا گیا: اس نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ تجھ سے جدا ہو گی ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: درست ہے، جس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دی تو اللہ کریم نے اس کے معاملے کو واضح فرما دیا اور جس شخص نے اپنے اوپر معاملے کو الجھا دیا تو ہم اسے ہی اپنی الجھن

کا ذمہ دار قرار دیں گے، اپنے اوپر معاملے کو خلط ملط نہ کیا کرو کیا۔ تمہاری بیوقوفیوں کا بوجھ ہم اٹھائیں؟ وہ ویسے ہی ہے جیسے تم نے کہا۔ ایک شخص نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو بار طلاق دی ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا، تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقیں اللہ کی آیات (احکامات) کے ساتھ مذاق ہے۔

اگر کوئی شخص لکھ کر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اگر تحریر کنندہ گونگا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر وہ نطق وبیان کی صلاحیت سے بہرہ مند ہے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر طلاق دینے والا شخص دور پردیس میں ہے تو تحریری طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس کی نیت نہ ہی ہو۔ یہ اہل رائے کا قول ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام مالک اور اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی شخص لکھ کر طلاق اپنی بیوی کی جانب ارسال کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، ایسا شخص طلاق بھیجنے سے قبل رجوع کر سکتا ہے (یعنی لکھی ہوئی طلاق بمنزلہ ارادہ کے ہے، ارسال کر دینا بمنزل عمل کے ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ جب کوئی شخص تحریر کے ساتھ نیت بھی شامل کر لے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر طلاق دینے کی نیت نہ کرے محض تحریر کر دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا موقف ہے کہ اشارے کنایے سے دی گئی طلاق اگر اس کے ساتھ نیت اور ارادہ بھی شامل ہو تو موجود اور حاضر بیوی کو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی جیسے عدم موجود اور غائب کو طلاق ہو جاتی ہے، بعض اہل علم نے ورق پر لکھے ہوئے یا زمین پر لکھے ہونے کا فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر تو طلاق کسی ایسی چیز پر تحریر شدہ ہو جس پر عموماً تحریریں لکھی جاتی ہیں مثلاً چمڑا اور ورق وغیرہ تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر وہ زمین پر لکھی ہے تو انہوں نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مقدمے میں مطلوب قسم وہی معتبر ہوگی جو حاکم یا قاضی (جج) کے رو برو اٹھائی جائے، اس کی قسم اٹھوانے سے پہلے کھائی ہوئی قسم کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے جب کہا: (والله ما اردت الا واحدة) ''اللہ کی قسم! میرا ارادہ ایک طلاق کا تھا۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا: قسم ہے! تو نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ دیکھیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے دوبارہ قسم لی حالانکہ وہ اس سے قبل قسم کھا چکے تھے، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مجرد لفظ جلالہ (اللہ) کی قسم کھانا بھی جائز ہے، لفظ جلالہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کسی اور صفت کی طرف مضاف نہ بھی کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ طلاق کو بعض شرائط سے مشروط کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح آزادی کو بھی مشروط کر دینا درست اور جائز ہے۔

امام نافع رحمہ اللہ نے دریافت کیا: ایک شخص نے بایں الفاظ اپنی بیوی کو طلاق دی کہ اگر وہ گھر سے نکلی تو اسے بتہ

طلاق، تو کیا اسے طلاق ہو گی؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ نکلی تو خاوند سے جدا ہو جائے گی اور اگر نہ نکلی تو نہیں ہو گی۔ جناب قتادہ نے کہا: جب کوئی شخص یہ کہے کہ جب تو حاملہ ہوگئی تو تجھے تین طلاقیں، وہ ہر طہر میں بیوی سے ایک مرتبہ ملاپ کرتا رہے، پھر جب اس کا حمل واضح ہو جائے تو وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔

ایک بصیرت افروز نوٹ: قارئین کرام! آپ نے موجودہ باب میں تین طلاقوں کے بارے میں اقوال کا ایک جنگل ملاحظہ کیا اس میں کس بات کو پلے باندھا جائے؟ اور کونسا موقف حق وصواب پر مبنی ہے؟ اس کے لیے سنن نسائی حدیث نمبر ۳۴۳۰، مطبوعہ دارالسلام کے تحت میرے استاذ گرامی، حضرت العلام، شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ، آف اوڈانوالہ فیصل آباد کا نوٹ جامع، مانع اور معلومات افزاء ہے، اسے ضرور ملاحظہ کیجیے لیکن پہلے حدیث کی قراءت کر لیں جس کے ذیل میں وہ نوٹ مرقوم ہے۔

سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”کیا میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جاتا ہے؟ حتیٰ کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ (اسنادہ صحیح، نسائی: ۳۴۰۱)

حضرت شیخ اس حدیث مبارکہ کے تحت فوائد ومسائل تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شریعت نے انسانوں کی کمزوری اور جلد بازی کو مدنظر رکھتے ہوئے طلاق کے تین مواقع رکھے ہیں اور پہلی دو طلاقوں کے بعد رجوع کی رعایت بھی رکھی ہے تاکہ یہ انتہائی مضبوط تعلق کسی انسان کی جلد بازی کا شکار نہ ہو جائے بلکہ پہلی دو طلاقوں کے بعد وہ اچھی طرح سوچ سمجھ لے اور جذبات سے الگ ہو کر فیصلہ کرے، جس شخص نے تینوں طلاقیں اکٹھی دے دیں اس نے یہ تمام مواقع گنوا دیے اور اس اہم تعلق کو اشتعال اور جلد بازی کی نذر کر دیا حتی کہ اس عورت سے نئے نکاح کا امکان بھی نہ رہا، نیز اس نے اس صریح قرآنی ہدایت کی نافرمانی کی ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾...... ”طلاق دو بار ہے۔“ (سورۂ بقرہ: ۲۲۹)

فائدہ: یعنی طلاق الگ الگ ہونی چاہیے، لہٰذا یہ شخص سخت سزا کا مستوجب ہے، تبھی تو دوسرے آدمی نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ کتاب اللہ کو مذاق بنانا، نیز علانیہ مخالفت کرنا ناقابل برداشت ہے، تبھی آپ سخت ناراض ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا خلاف شرع اور بدعت ہے، امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں مگر امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ اسے حرام نہیں سمجھتے کہ تین طلاقیں مرد کا حق تھا اس نے جیسے چاہا استعمال کر لیا۔ اگر مواقع ضائع کیے ہیں تو اس نے اپنے کیے ہیں۔ البتہ وہ اسے خلاف اولیٰ سمجھتے ہیں لیکن ان کا مسلک اس حدیث کے خلاف ہے، اگر حیض کی طلاق کو حرام اور بدعت کہا جا سکتا ہے تو اس کو کیوں نہیں؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقامات پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے، اگر کوئی شخص اس حرام کا ارتکاب کرے تو جمہور اہل علم کے

نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی، اس کے برعکس دوسرا موقف یہ ہے کہ یہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بطور سزا تین ہی کی تنفیذ فرمادی اس لیے بعض اہل علم ایسی صورت میں تین کے بجائے ایک کے وقوع کے قائل ہیں کیونکہ اس نے طلاق کا ایک موقع استعمال کیا ہے، باقی رہا تین کا لفظ تو وہ خلاف شرع ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو تین قرار دینا صرف تعزیر اور سزا تھی، سیاسی وانتظامی مسئلہ تھا شرعی حکم اپنی جگہ برقرار ہے، یہ بات عقلاً اور نقلاً زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، علاوہ ازیں یہ مسلک (ایک واقع ہونا) عوام الناس کے لے مفید ہے، خصوصاً جبکہ ایک صحیح حدیث بھی اس مسلک کی تائید کرتی ہے، ورنہ لوگ حلالہ جیسے ذلیل اور غیرت کش فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو شرعا اور اخلاقا بہت بڑا جرم ہے۔ سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما جیسے فقہاء صحابہ سے بھی یہ مسلک منقول ہے۔ (ع،س)

(5)......بَابُ الْخِيَارِ

بیوی کو اختیار دینا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔'' (سورۂ احزاب:۲۸)

(۲۳۵۵)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّد بْن إِسْمَاعِيل، أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ هَا حِينَ أَمَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُخَيِّرَ أَزْوَاجَهُ، قَالَتْ: فَبَدَأَ بِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ((إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا، فَلا عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ)) وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو (اپنے ساتھ رہنے یا علیحدگی کا) اختیار دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی تشریف لے گئے اور آغاز انہی سے کیا اور فرمایا: ''میں تم سے ایک معاملے کے متعلق کہنے آیا ہوں، ضروری نہیں کہ تم اس میں جلد بازی سے کام لو، اپنے والدین سے

(۲۳۵۵) أخرجه البخاري: ٤٧٨٥، ومسلم: ١٤٧٥.

يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ ، قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى قَالَ: ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ﴾......... إِلَى تَمَامِ الآيَتَيْنِ ، فَقُلْتُ لَهُ: فَفِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ، وَالدَّارَ الآخِرَةَ۔

بھی مشورہ کرسکتی ہو۔'' آپ ﷺ تو جانتے ہی تھے کہ میرے والدین کبھی آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ﴾۔ (سورۂ احزاب:۲۸)

میں نے عرض کیا: لیکن کس چیز کے لیے مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے دوٹوک بات ہے کہ میں اللہ، اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں۔

شرح ابوالزبیر عن جابر کی سند سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں آپ سے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ میرے جواب سے اپنی کسی بیوی کو آگاہ نہ فرمایے، آپ ﷺ نے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا اور نہ بہ تکلف کسی کو مشکل میں ڈالنے والا بنایا ہے بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھانے والا اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' (صحيح مسلم: ١٤٧٨)

(٢٣٥٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ ، حَدَّثَنَا أَبِي ، حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ ، حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ ، عَنْ مَسْرُوقٍ......

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: خَيَّرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ ، وَرَسُولَهُ ، فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اختیار دیا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا، چنانچہ اس کو کچھ بھی شمار نہ کیا گیا۔

شرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ اپنے آپ کو اختیار کرلے (اور نیت طلاق کی ہو) اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ اگر بیوی نے اپنے آپ کو اختیار کرلیا تو ایک رجعی طلاق ہو جائے گی۔ ایسا موقف سیدنا عمر، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، نیز جناب عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی لیلیٰ، سفیان، شافعی، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی موقف ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسے دیے گئے اختیار سے بائنہ طلاق ہو جائے گی۔ سیدنا علی، سیدنا عمر، سیدنا ابن مسعود (ایک روایت کے لحاظ سے) رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے، اہل رائے بھی اسی کے قائل ہیں، بعض

(٢٣٥٦) أخرجه البخاري: ٥٢٦٢ ، ومسلم: ١٤٧٧ .

اہل علم کا کہنا ہے اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یونہی مروی ہے، جناب حسن بصری اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ اسی کے قائلین میں سے ہیں، البتہ اگر عورت شوہر کو اختیار کر لے تو اکثر اہل علم کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی، جناب مسروق نے کہا: مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میں نے اپنی بیگم کو ایک مرتبہ، سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ اختیار دیا ہے جبکہ وہ مجھے اختیار کر لے، کیونکہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا تو ہم نے آپ ہی کو اختیار دیا، تو کیا یہ طلاق ہوگئی؟ (صحیح بخاری: ۵۲۶۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۷) جناب حسن بصری رحمہ اللہ علیہ سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: اس قسم کے اختیار سے رجعی طلاق ہو جائے گی، امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے سیدنا علی اور سیدنا زید بن ثابت رحمہ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فائدہ: اگر شوہر بیوی سے کہے: مجھے اختیار کر لو یا اپنے آپ کو، یا کہے: تمہیں اختیار ہے، وغیرہ، اور نیت طلاق کی ہو...... پھر اگر بیوی نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر شوہر کو اختیار کر لے تو نہیں ہوگی، نہ ایک، نہ دو، نہ تین، نہ رجعی، نہ بائنہ، واللہ اعلم۔ (ع،س)

اور جب کوئی شخص طلاق کا معاملہ اپنی بیوی کے سپرد کرتے ہوئے یوں کہہ دے: اپنے آپ کو طلاق دے دے، یا کہے: اپنے آپ کو اختیار کر لے، یا کہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور ان جملوں سے مراد طلاق ہو یعنی طلاق کا معاملہ اس کے سپرد کرنا ہو اور وہ اس مجلس میں اپنے لیے طلاق کو پسند کر لے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو طلاق دینے سے قبل مجلس بدل لی تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مجلس بدلنے سے معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا جیسے اگر وہ اس اختیار کو رد کر دے اور قبول نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح مجلس بدلنے سے بھی اختیار ختم ہو جاتا ہے اور بعد ازاں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی نظیر تجارت کے سلسلہ میں خیار مجلس والا مسئلہ ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک مجلس میں اگر سودا طے نہ ہو اور مجلس برخاست ہو جائے تو خریدار کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے اور بیع فسخ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مندرجہ بالا مسئلہ بھی ہے، یہ قول جناب شریح، مسروق، عطاء، مجاہد، شعبی، نخعی کا ہے امام مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی رحمہم اللہ علیہم اور اہل رائے بھی اسی کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ مجلس بدلنے سے اس خاتون کا اختیار باطل نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کے بعد بھی اپنے آپ کو طلاق دے ڈالنے کی مجاز ہوگی۔ یہ قول جناب قتادہ، حسن بصری اور زہری رحمہم اللہ علیہم کا ہے۔

مروی ہے کہ جناب محمد بن عتیق نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا اختیار دیا۔ چنانچہ وہ مجھے چھوڑ گئی (اب میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تو چاہے تو اس سے رجوع کر لے، یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے اور تو اس کے رجوع کا زیادہ حقدار ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب شوہر اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دے اور وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے اور خاوند اس بات کا انکار کرے اور کہے: میں نے اس

کوصرف ایک ہی طلاق دینے کا اختیار دیا تھا، توقسم کے ساتھ شوہر کی بات کو ہی تسلیم کیا جائے گا۔

امام شافعی اور اسحاق رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: فیصلہ تو وہ ہے جو وہ کر چکی ہے، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ یہی موقف رکھتے ہیں، مروی ہے کہ جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے (اَمْـرُكِ بِيَـدِكِ) ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔'' کے بارے میں کہا کہ یہ تین طلاقیں ہوتی ہیں۔

مروی ہے کہ قبیلہ بنوثقیف کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس کے معاملے کا اختیار دیا تو اس نے خاوند سے کہا: تجھے طلاق ہو۔ اس نے یہ جملہ تین بار کہا: پھر وہ اپنا جھگڑا خلیفہ مروان کے پاس لائے تو انہوں نے شوہر سے قسم لی کہ اس نے اسے صرف ایک طلاق کا ہی اختیار دیا تھا تو خلیفہ نے اس خاتون کو واپس کر دیا۔ جناب قاسم بن محمد رحمہ اللہ اس فیصلے کو سراہا کرتے تھے۔

(6)......بَابُ الطَّلَاقِ عَلَى الْهَزْلِ

ہنسی مزاح میں طلاق دینا

(٢٣٥٧)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أن عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ الْجَوْهَرِيَّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ حَبِيبِ بْنِ أَرْدَكَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنِ ابْنِ مَاهِكَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ، الطَّلَاقُ، وَالنِّكَاحُ، والرَّجْعَةُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین باتیں ایسی ہیں اگر کوئی ان کو حقیقت اور سنجیدگی میں کہے، تو حقیقت ہیں اور ہنسی مزاح میں کہے، تو بھی حقیقت ہیں، نکاح، طلاق اور رجوع۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہنسی مزاح کرنے والے کی طلاق واقع ہوگی اور اگر کوئی عاقل بالغ اور صاحب شعور شخص اپنی زبان سے بصراحت طلاق کے الفاظ بول دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اب اس کا یہ کہنا کہ میں تو ہنسی مزاح کر رہا تھا یا میں نے تو از راہ شغل اور خوش طبعی یہ الفاظ کہے ہیں، کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس قسم کے عذر ہائے لنگ قبول کیے جائیں تو شریعت کے احکام معطل ہو کے رہ جائیں گے، تو اس طرح تو ہر طلاق دینے والا، نکاح کرنے والا اور آزاد کرنے والا شخص یہ کہہ کر آزادی اور چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کہ میں نے تو یہ بات مذاقاً کہی تھی۔ اس طرح احکام الٰہی باطل کالعدم اور غیر مؤثر ہو کر رہ

(٢٣٥٧) حسن ...... أخرجه ابوداود: ٢١٩٤، والترمذي: ١١٨٤، وابن ماجه: ٢٠٣٩.

جائیں گے اب ان امور میں سے جن کا ذکر حدیث مبارکہ میں آیا ہے (یعنی نکاح، طلاق اور رجوع) میں سے کوئی بات منہ سے نکالتا ہے خواہ استہزاء اور مذاق کے طور سے ہی تو واقعتاً ان کا انعقاد ہو جائے گا۔ یاد رہے! تین احکام، نکاح، طلاق اور رجوع کو اس طرح خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصمتوں کے معاملات پختہ اور مؤکد ہو جائیں اور ان کو پامال کرنے کی کسی کو جسارت نہ ہو۔ واللہ اعلم!

تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ بچے اور مجنون شخص کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ جانتے نہیں کہ تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، دیوانے سے حتی کہ اس کی عقل واپس آ جائے، بچے سے حتی کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے سے حتی کہ وہ جاگ پڑے۔

(صحیح، ابوداود: ۴۳۹۹، ترمذی: ۱۴۲۳، ابن ماجہ: ۲۰۴۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ۴۴۰۱، ترمذی: ۱۴۲۳، ابن ماجہ: ۲۰۴۲،)

اہل علم کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط سے مشروط کر دیا ہو یا اپنے غلام کی آزادی کو اپنے کسی فعل کے ساتھ معلق ٹھہرا دیا ہو، پھر اس سے وہ کام بھول چوک کر صادر ہو گیا ہو یا اس نے کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہو اور پھر بھول کر اسے کر گزرا ہو۔ اس مسئلہ کے متعلق اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ یہ قول جناب عطاء، عمرو بن دینار، شعبی اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، جناب شعبی رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید کیلئے یہ آیت کریمہ تلاوت کی ﴿لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ ...... ''اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۶)

اہل علم کے ایک گروہ کا یہ موقف بھی ہے کہ ایسا شخص گناہ گار ہے، یہ قول مکحول، قتادہ، زہری، اوزاعی، مالک، ابن ابی لیلیٰ، اہل رائے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایسے شخص کو طلاق کے مسئلہ میں تو گناہ گار قرار دیتے لیکن دوسرے تمام ایمانیات اور عقیدے کے مسائل میں توقف اور خاموشی اختیار کرتے تھے۔

جناب شعبہ نے کہا: میں نے جناب حکم اور حماد رحمہ اللہ سے ایسے شخص کی بابت دریافت کیا جس کا گزر بھتہ خور اور جگا ٹیکس وصول کرنے والے کے پاس سے اپنے غلاموں کے ہمراہ ہو (جو غلاموں کے مالکان سے زبردستی رقم وصول کرتا ہو) وہ اس سے کہہ دے: یہ تو سب آزاد لوگ ہیں، جناب حکم نے کہا: اس پر کچھ عائد نہیں ہوتا اور جناب حماد نے کہا: مجھے لگتا ہے اس طرح کہنے سے وہ سب آزاد ہو جائیں گے۔ امام رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کی یہ بات قیاس پر مبنی ہے۔

زبردستی کی طلاق یعنی مجبور کئے گئے شخص کی طلاق کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ اہل علم کے ایک گروہ کا ایسی طلاق کے متعلق موقف ہے کہ وہ واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایسے شخص کی دی ہوئی آزادی بھی واقع نہیں ہوگی بلکہ مجبور

کر کے، ڈرا دھمکا کے یعنی گن پوائنٹ پر اس سے کرایا ہوا کوئی کام بھی واقع نہ ہوگا، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے: ''اغلاق میں طلاق نہیں اور نہ غلام کو آزاد کرنا ہے۔'' (حسن، ابوداود: ۲۱۹۳، ابن ماجہ: ۲۰٤٦)

لفظ اغلاق کے معنی جبر واکراہ کے آئے ہیں، گویا اسے اندر بند کر کے زدوکوب کیا گیا اور اسے پابند سلاسل رکھ کر اور پابجولاں کر کے لفظ طلاق کہلوایا گیا۔ سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں، جناب شریح، عطاء، طاؤس، جابر بن زید، حسن، شعبی، عمر بن عبدالعزیز، قاسم اور سالم یہی رائے رکھتے ہیں، امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق اسی طرف گئے ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ مجبور کیے گئے شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے قائل جناب نخعی، قتادہ اور زہری رحمہ اللہ ہیں، اہل رائے بھی یہی موقف رکھتے ہیں، جناب شریح نے کہا: قید وبند میں رکھنا مجبور کرنا ہے، ڈرانا، دھمکانا بھی زبردستی کے زمرے میں آتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: قتل کرنا یا شدید مار پیٹ جبر واکراہ ہے۔ رہا والدین، بھائیوں یا بیٹوں کو قتل کرنے کی دھمکی دینا تو یہ جبر واکراہ کے ذیل میں نہیں آتا، بعض اہل علم کا کہنا: مندرجہ بالا تمام امور ہی زبردستی، دھونس اور جبر واکراہ میں شامل ہیں۔

تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص کو ارتداد پر مجبور کر دیا جائے اور وہ اپنی زبان سے کلمہ کفر کہہ دے تو وہ اس وجہ سے کافر نہ کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ ...... ''مگر جو شخص مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔'' (سورۂ نحل: ۱۰٦)

اہل علم نے نشے میں مدہوش ہو کر طلاق دے ڈالنے والے شخص کی طلاق کے بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض اہل علم کا موقف ہے کہ نشے میں دھت شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ وہ بے عقل ہے اور اس کا معاملہ مجنون اور دیوانے شخص کی طرح ہے، اس کے قائل سیدنا عثمان اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، جناب قاسم بن محمد، طاؤس، عمر بن عبدالعزیز، یحییٰ بن سعید اور لیث بن سعد رحمہ اللہ یہی موقف رکھتے ہیں، جناب ربیعہ، ابو یوسف، اسحاق، ابوثور اور مزنی رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

کچھ دوسرے اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ نشئی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ گناہ گار اور باغی ہے (اور اس نے اپنی مرضی سے اپنی عقل کو بگاڑا ہے) اور وہ احکام شریعت کا مخاطب ہے، نشہ میں ہونے کی بنا پر اسے احکام الٰہی اور گناہ سے مبرا قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس بات کی دلیل ہے کہ نشئی کو بوجہ نشہ چھوٹی نمازوں کی قضا اور ادائیگی کا حکم دیا جائے گا نیز نمازوں کو بے وقت پڑھنے کی بنا پر وہ گناہ گار اور عاصی ہوگا، اس موقف کے قائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں، جناب سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، عطاء، حسن، شعبی، نخعی، ابن سیرین، مجاہد اسی کے قائل ہیں، نیز امام مالک، ثوری،

اوزاعی، امام شافعی کا ظاہر قول اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہی رائے رکھتے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر وہ عالم مدہوشی میں کسی کو قتل کر دیتا ہے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس متفقہ فیصلے سے بھی دلیل پکڑی ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نشے والے کو حد قذف لگانے کا فیصلہ کیا ہے اس لیے کہ جب کوئی شخص نشے میں عقل وشعور کھو بیٹھتا ہے تو تہمت لگاتا اور الزام تراشی کرتا ہے۔ اگر ایسا شخص نشے کی حالت میں تہمت لگانے سے قابل گرفت اور مستوجب سزا نہ ٹھہرتا تو اسے حد قذف کیونکر لگتی۔ اس لیے اس موقف کے حاملین کا کہنا ہے کہ اس کے بیانات اور اقوال اسے بھرنے پڑیں گے اور ان کا لازمی نتیجہ اسے بھگتنا ہوگا البتہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں کلمہ ارتداد بول دے تو اس کے قتل میں توقف اختیار کیا جائے گا۔ اس امید پر کہ عالم مدہوشی سے نکلنے کے بعد ہوسکتا ہے وہ توبہ کر لے، بہر حال اسے توبہ کیلئے کہا جائے گا اور فوراً قتل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص سکر و مستی میں کوئی عمل ارتداد کر گزرتا ہے تو عقل وشعور کے پلٹ آنے کے بعد اس سے توبہ کروائی جائے گی۔

(7)......بَابُ لَفْظِ التَّحْرِيْمِ

بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (سورۂ تحریم:1)

(٢٣٥٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، نَا مُعَاذُ بْنُ فُضَالَةَ ، نَا هِشَامٌ ، عَنْ يَحْيَى ، عَنِ ابْنِ حَكِيمٍ......

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ ، قَالَ فِي الْحَرَامِ: يُكَفِّرُ ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ٢١]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شوہر کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں فرمایا: وہ (قسم کا) کفارہ دے گا اور مزید فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''تمہارے لیے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔'' (سورۂ احزاب:21)

شرح: جناب یحییٰ بن کثیر نے بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں کہا: یہ قسم ہے، ایسا کہنے والا شخص اس کا کفارہ دے گا۔ راوی حدیث ابن حکیم سے مراد یعلی بن حکیم ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر حرام ہے یا کہے: میں نے تجھے اپنے اوپر حرام

(٢٣٥٨) أخرجه البخاري: ٤٩١١ ، ٥٢٦٦ ، ومسلم: ١٤٧٣ .

قرار دیا اوران الفاظ سے اس کی نیت طلاق کی ہوتو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر ان الفاظ سے اس کی مراد ظہار ہوتو ظہار ہو جائے گا اور اگر کچھ بھی مراد نہ ہوتو نہ طلاق ہو گی اور نہ ظہار بلکہ ایسے شخص پر اس قسم کے الفاظ بولنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ دینا واجب ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر لفظ تحریم سے اس کی مراد بعینہ تحریم ہو یعنی اپنے بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا تو ان الفاظ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کے اوپر قسم کا کفارہ دینا واجب ہوگا (یعنی وہ قسم شمار ہوگی)۔

جب کوئی شخص اپنی کنیز کو حرام کہہ دے پھر اگر تو اس کی مراد ان الفاظ سے اس کو آزاد کردینے کی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی وگرنہ اس کے ذمے قسم کے کفارے کی ادائیگی لازم آئے گی اور یہ الفاظ قسم کیلئے مستعمل نہیں ہیں۔ اور اگر کسی نے ماکولات میں سے کسی چیز کو اپنے حرام قرار دے دیا ہے تو وہ چیز اس کے اوپر حرام نہیں ہو جائے گی (کیونکہ وہ اصلاً حلال اور طیب ہے) اور اس چیز کے کھا لینے پر اس کے اوپر کوئی کفارہ نہیں۔

اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہہ دے کہ ہر وہ چیز جس کا میں مالک ہوں وہ مجھ پر حرام ہے اور اس کے نکاح میں بیوی اور ملکیت میں لونڈی نہ ہوتو اس پر کچھ بھی عائد نہیں ہوتا اور اگر اس کے حبالہ عقد میں بیوی اور ملکیت میں کنیز ہوتو اس پر قسم کا کفارہ دینا واجب ہوگا اور اگر اس نے ان الفاظ کا کئی بار اعادہ کیا ہے تو بھی صحیح ترین قول کے مطابق ایک ہی قسم کا کفارہ واجب ہوگا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ بیوی اور لونڈی کے بارے میں لفظ تحریم کہنے سے قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ الفاظ قسم کے الفاظ نہیں ہیں اور یہ کہ کسی کھانے کی چیز کو حرام قرار دے ڈالنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا یہ قول سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت میں اسی طرح مروی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا مسلک ہے کہ لفظ تحریم، بمنزلہ قسم ہے۔ جب کوئی شوہر اپنی عورت کو اور آقا اپنی کنیز کو حرام کہہ دے تو اس کو قسم شمار کیا جائے گا گویا اس شخص نے ان کے ساتھ ہم بستر نہ ہونے کی قسم کھائی ہے، تو ایسے شخص پر قسم کے کفارے کی ادائیگی واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے اوپر کوئی کھانے کی چیز حرام قرار دے کر پھر اسے نوش کر لیتا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا، ایسا موقف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت میں یونہی مروی ہے، مروی ہے کہ جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: حرام قرار دینا قسم شمار ہوگا، جناب اوزاعی اور اہل رائے کا بھی یہی موقف ہے کہ اسے قسم تصور کیا جائے گا۔ مروی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: لفظ تحریم کہہ دینے سے ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی، امام زہری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حرام قرار دینا ظہار ہے، امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، مروی ہے کہ سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے کہا: لفظ تحریم کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو پسند کیا ہے۔

(٢٣٥٩)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّبَّاحِ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: زَعَمَ عَطَاءٌ......

أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنِ عُمَيْرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، فَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلْتَقُلْ: إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ: ((لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ، وَلَنْ أَعُودَ لَهُ)) فَنَزَلَتْ: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ.......... إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ﴾ لِعَائِشَةَ، وَحَفْصَةَ ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ لِقَوْلِهِ: ((بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا۔))

جناب عبید بن عمیر کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ بیان کرتی تھیں کہ نبی ﷺ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں رکتے اور وہاں شہد نوش فرماتے، چنانچہ میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم میں سے جس کے ہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں وہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر (گوند) کی بو آرہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کا استعمال کیا ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ ان میں سے ایک کے ہاں تشریف لے گئے، اس نے آپ سے یہی جملہ کہا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں، میں نے تو بس زینب کے ہاں شہد نوش کیا تھا۔'' اب میں قسم کھاتا ہوں کہ دوبارہ اس کے ہاں شہد نوش نہیں کروں گا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾...... ''اے پیغمبر ﷺ! آپ ایسی چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضامندی تلاش کرنے میں۔'' (سورۂ تحریم:۱) فرمان خداوندی ﴿.... اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ ......'' (اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو بہتر ہے)۔'' سے مراد ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ

(٢٣٥٩) أخرجه البخاري: ٥٢٦٧، ومسلم: ١٤٧٤.

حَدِيثًا﴾ ......''اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی۔'' (سورۂ تحریم:۳) وہ پوشیدہ بات آپ ﷺ کا ارشاد (بل شربت عسلا) تھی (یعنی شہد کو حرام کرنے والی بات تھی)۔

شرح: اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ حرام کرنے والی بات شہد کے حوالہ سے تھی نہ کہ آپ کی ام ولد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے تھی۔

لفظ (المغافیر) کا واحد مغفور ہے یہ ایک بوٹی ہے جو گوندنما ہوتی ہے جس کا رس شہد کی مکھی چوس لیتی ہے عموماً صحرا میں پائی جاتی ہے، میٹھی ہوتی ہے لیکن اس کی بو انتہائی ناگوار ہوتی ہے۔ امام کسائی رحمہ اللہ نے کہا: جب کچھ افراد مغافیر چننے کے لیے جائیں تو کہا جاتا ہے: خَرَجَ الْقَوْمُ يَتَمَغْفَرُوْنَ۔

امام فراء رحمہ اللہ نے کہا: اس لفظ کو ایک اور طرح بھی پڑھا جاتا ہے: اَلْـمَغَاثِيْر (ثاء کے ساتھ) جیسے تھوم کیلئے ثوم اورفوم نیز قبر کیلئے جدث اور جدف دونوں الفاظ بولے جاتے ہیں۔

(8)......بَابُ فِيمَنْ طَلَّقَ الْبِكْرَ ثَلَاثاً

کنواری عورت کو تین طلاقیں دینا

(۲۳۶۰)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ، وَعَبْدُ الْمَجِيدِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ......

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّمَا كَانَتِ الثَّلاثُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُجْعَلُ وَاحِدَةً وَأَبِي بَكْرٍ وَثَلاثٍ مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَعَمْ۔

جناب ابو الصہباء رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، عہد ابی اکبر اور خلافت عمر رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی ہوا کرتی تھیں، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ اس معاملہ

(۲۳۶۰) أخرجه مسلم: ۱۴۷۲ .

(طلاق) میں جس میں انہیں مہلت حاصل تھی، جلدی کرنے لگے ہیں، اگر ہم (ان کی طلاقوں کو، تین طلاقیں ہی) ان پر نافذ کردیں (تو بہتر رہے) چنانچہ انہوں نے اس کو نافذ کردیا۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کے معنی کے بارے میں اہل علم میں خاصا اختلاف ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی وفات اور سلسلہ وحی کے انقطاع کے بعد احکام شریعت کا نسخ ممکن نہیں (تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟) اس بات کو حل کرتے ہوئے ابو العباس ابن سریج نے کہا: ممکن ہے اس سے تین طلاقیں دینے کا ایک خاص انداز اور ڈھنگ مراد ہو مثلاً ایک شوہر اپنی بیوی سے کہے: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، (تین بار) اگر تو ہر لفظ سے اس کی مراد الگ الگ طلاق ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر تین مرتبہ لفظ دہرانے سے اس کا ارادہ محض تاکید، تکرار اور اپنی بات کی پختگی کا ہو تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی رسول اکرم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک لوگوں میں خیر وخوبی موجود تھی، ان کی فطرت اور سرشت میں سچائی اور صدق وصفا کا عنصر غالب تھا، ان میں دھوکے بازی اور فراڈ نے راہ نہیں پایا تھا، جو کچھ ان کے نہاں خانہ دل میں ہوتا وہی ان کی نوک زبان پر ہوتا۔ اس لیے وہ یہ کہنے میں سچے ہوتے کہ ہم نے تین بار طلاق کا لفظ محض تاکیداً بولا ہے، پھر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حالات بدل گئے، لوگوں کے اخلاق وکردار نے کروٹ لی، اس میں گراوٹ آئی، قول وقراز میں عمدگی نہ رہی (اس لیے لوگ احکام شریعت سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے جھوٹ بولنے لگے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو، تین طلاقیں ہی نافذ کردیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یہ مطلب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے مترشح ہوتا ہے: لوگ اس معاملہ (طلاق) میں جس میں انہیں مہلت حاصل تھی، جلدی کرنے لگے ہیں۔ (صحیح مسلم: ١٤٧٢)

بعض علماء نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ اور حکم کو غیر مدخول بہا (جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو) کے ساتھ خاص جانا ہے کیونکہ مروی ہے جناب ابو الصہباء نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تھا تو ایسی طلاق کو رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اوائل دور عمر رضی اللہ عنہ میں ایک ہی شمار کرتے تھے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا اقرار کیا۔ (ضعیف، ابوداود: ٢١٩٩)

اس موقف کے قائل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں کا ایک گروہ ہے مثلاً سعید بن جبیر، طاؤس، ابو الشعثاء اور عمرو بن دینار۔ ان حضرات کا کہنا ہے جس شخص نے کنواری کو اکٹھی تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی شمار ہوگی۔ مگر جمہور اہل علم کا قول ان کے برعکس ہے۔

دراصل ان کا اختلاف غیر مدخول بہا (جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو) کے بارے میں ہے۔ جب اس سے تین بار کہا جائے: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تو اس کیفیت کے بارے میں اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے ایک طلاق ہی واقع ہوگی کیونکہ پہلی بار لفظ طلاق منہ سے نکالتے ہی عورت جدا ہوگئی اور اب وہ اپنے شوہر کی بیوی نہ رہی باقی دونوں مرتبہ لفظ طلاق منہ سے نکالنا عبث، فضول اور لغو ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں، اس موقف کے قائل جناب سفیان ثوری، شافعی، اہل رائے، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ ہیں۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے غیر مدخول بہا کو بھی تین طلاقیں پڑ جائیں گی جیسا کہ مدخول بہا (جس سے مباشرت ہو چکی ہو) کو پڑ جاتی ہیں یہ قول جناب ربیعہ، مالک، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور لیث بن سعد کا ہے۔ بعض اہل علم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد بتہ طلاق ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے ایک طلاق ہی سمجھتے تھے۔ جب لوگوں نے اس مسئلہ میں عجلت اور غفلت سے کام لینا شروع کر دیا تو انہوں نے اس کو تین ہی نافذ کر دیا۔

فائدہ: طلاق بتہ: یعنی جس سے رجوع کا حق کٹ جائے۔ بت، یبت بتا یعنی کاٹ دینا، ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، عہد رسالت میں طلاق بتہ کا لفظ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے بیک وقت تین طلاقیں یا طلاق بتہ، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (طلاق بتہ) کو ایک بنا دیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بتہ کو ایک بنایا ہے۔ (ع،س)

(۲۳۶۱)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ......

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ بُكَيْرٍ، أَنَّهُ قَالَ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَنْكِحَهَا، فَجَاءَ يَسْتَفْتِي، فَذَهَبْتُ مَعَهُ أَسْأَلُ لَهُ، فَسَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَا: لَا نَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا حَتَّى تَتَزَوَّجَ زَوْجًا غَيْرَكَ۔

محمد بن ایاس بن بکیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قبل از مباشرت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں پھر اس کا ارادہ اس سے نکاح کرنے کا بن گیا تو وہ فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا، میں اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ اسے مسئلہ پوچھ دوں چنانچہ اس نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بابت دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ہمارے خیال کے مطابق تو اس سے نکاح نہیں کر سکتا حتی کہ تیرے علاوہ کسی اور شوہر سے شادی کرے۔

(۲۳۶۱) صحیح ...... أخرجه ابو داود: ۲۱۹۸.

شرح: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے قبل از مباشرت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، انہوں نے کہا: ایک طلاق اسے جدا کر دینے والی ہے اور تین طلاقیں اسے حرام قرار دیتی ہیں تا آنکہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ (مؤطا امام مالك: ١٢٠٥)

فائدہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین طلاق کے مسئلے میں دو قول وارد ہیں ایک یہ کہ تین طلاق کے لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے (یعنی تین) اور اکثر روایات اسی طرح ہیں اور دوسرا یہ کہ واقع نہیں ہوتی (بلکہ ایک ہوتی ہے) جیسے کہ عکرمہ نے ان سے روایت کیا ہے، اور یہی صحیح ہے، باوجودیکہ اس کے برعکس کی اسانید زیادہ ہیں۔ طاؤس کی ان سے مرفوع روایت اسی کی مؤید ہے اور اسی کو اختیار کرنا ہمارے نزدیک واجب ہے کیونکہ یہ صحیح حدیث کئی ایک اسانید سے ان سے ثابت ہے۔ (ع،س)

(9)......بَابُ الْمُطَلَّقَةِ لَا تَحِلُّ إِلَّا بَعْدَ إِصَابَةِ زَوْجٍ غَيْرِهِ

تین طلاقوں کے بعد بیوی اس وقت تک پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں جب تک کسی اور خاوند سے مجامعت نہ کر لے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ ......"پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے۔" (سورۂ بقرہ: ٢٣٠)

(٢٣٦٢)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهُ سَمِعَهَا تَقُولُ: جَائَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي، فَبَتَّ طَلاقِي، فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ بَاطَا، وَإِنَّ مَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ:

جناب عروہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں اور انہوں نے سیدہ کو بیان کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہی تھیں کہ رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بتایا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، اس نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر بن باطا کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس کا آلہ تناسل چادر کے

(٢٣٦٢) أخرجه البخاري: ٢٦٣٩، ٥٢٦٠، ومسلم: ١٤٣٣.

((أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ، وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ.)) وَأَبُو بَكْرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَنَادَى: يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَسْمَعُ مَا تَجْهَرُ بِهِ هَذِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

پھندے (یا پلو) جیسا ہے (یعنی وہ نامرد ہے) رسول اللہ ﷺ مسکرادیے اور آپ نے کہا: کیا تو رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہے؟ ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک تم اپنے موجودہ شوہر کا مزانہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس تھے اور سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے اجازت کا انتظار کررہے تھے، وہ چلائے: اے ابوبکر! کیا آپ سن رہے ہیں جو باتیں یہ خاتون رسول اکرم ﷺ سے بے دریغ اور بے باکانہ انداز میں کیے جارہی ہے؟

شرح (العُسَيْلة) تصغیر کا صیغہ ہے لفظ العَسَل سے جس کا معنی شہد ہے۔ جماع کی لذت اور سرور کو شہد سے تشبیہ دی گئی ہے، تصغیر کا وزن تو فعیل بغیر ھاء کے ہوتا ہے، اس میں لفظ ھاء کا اضافہ کیف وسرور اور لذت کے اظہار کیلئے ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ عُسَيْلہ کا معنی نطفہ ہے، ایک قول کے مطابق لفظ عُسَیلہ کے معنی قطعہ اور ٹکڑے کے ہیں یعنی شہد کا کچھ نہ کچھ حصہ، جیسے اہل عرب کہتے ہیں: ذو الثـــدية یعنی پستان کا کچھ حصہ۔ ایک قول کے مطابق لفظ العسیلہ کے معنی ایک دفعہ کی جفتی کے ہیں جو پہلے شوہر کے پاس واپس جانے کا جواز فراہم کرتی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ العسل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ جب یہ بطور مؤنث استعمال ہو تو اس کی تصغیر میں ھا آجاتی ہے جیسے عسیـــلة۔ جمہور اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء کا عمل اسی حدیث مبارکہ پر ہی ہے۔ ان کا فتویٰ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک کہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے اور دوسرا خاوند اس سے جماع نہ کرلے۔ اگر دوسرا خاوند قبل از مباشرت اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس سے بوجہ شبہ یا بوجہ زنا یا بطور لونڈی مجامعت کرتا ہے تو بھی وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جو کہ کسی کی کنیز اور لونڈی ہے تین طلاقیں دے ڈالے پھر اسے خرید لے تو وہ اس کیلئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ کوئی دوسرا خاوند اس سے جماع نہ کرلے (اور اپنی مرضی سے طلاق دے یا نباہ نہ ہو) ایسا موقف سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن منذر نے کہا: حدیث ہذا سے پتہ چلا کہ اگر دوسرا خاوند کسی عورت سے سوتے ہوئے یا حالت بے ہوشی میں مقاربت کرے جس سے اس کو جماع کی

لذت وسرور کا پتہ ہی نہ چلے تو ایسی مباشرت سے وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی کیونکہ لفظ ذواق کا لغوی تقاضا ہے کہ اسے لذت جماع محسوس ہو۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ایسی صورت میں اکثر اہل علم پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جانے کے قائل ہیں۔ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں اس نے کسی اور خاوند سے شادی کی، جماع کے بعد اس نے بھی طلاق دے دی اور عورت کے پہلے خاوند سے نکاح کرلیا، اکثر علماء کے نزدیک اب اس کے خاوند کے پاس صرف باقی طلاقوں کا ہی حق ہوگا (جو پہلی تین طلاقوں سے باقی رہ گئی تھیں) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو دو یا تین طلاقیں دے دے اور وہ عدت گزارنے کے بعد کسی اور خاوند سے شادی کرلے، وہ خاوند فوت ہو جائے یا طلاق دے دے اور عورت پہلے خاوند سے نکاح کرلے تو اس کے پاس پہلی طلاق سے بھی باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، امام شافعی اور محمد بن حسن بھی اسی کے قائل ہیں البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دوسری شادی کرنے سے پہلی طلاق کی باقی ماندہ طلاقیں ختم ہو جائیں گی اور نئے سرے سے تین طلاقوں کا حق خاوند کو مل جائے گا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

(10)......بَابُ الْاِیْلَاءِ

ایلاء کے احکام ومسائل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾...... ''جولوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) قسمیں کھائیں، ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۲۶)

اِیْلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ یہ لفظ الیة (یاء کی تشدید کے ساتھ) سے مشتق ہے آلیٰ فُلَانٌ مِنَ امْرَاَتِه کے معنی ہوں گے: فلاں نے اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھا رکھی ہے، یہ لفظ تین ابواب سے مستعمل ہے، آلی، (افعال)، تالّی (تفعل) اور ابتلی (افتعال) اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾...... ''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں قسم نہیں کھا لینی چاہیے۔'' (سورۂ نور: ۲۲) اور اس آیت کریمہ کو ''و لا یتألّ'' بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲۳۶۳)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، نَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: أَيُّمَا رَجُلٍ آلَى مِنَ امْرَأَتِهِ، فَإِنَّهُ إِذَا مَضَتِ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے تو جب چارہ ماہ گزر جائیں تو ایلاء

(۲۳۶۳) أخرجه البيهقي: ۷/ ۳۷۷.

الأَرْبَـعَةُ الأَشْهُـرِ، وُقِفَ حتَّـى يُـطَلِّقَ أَوْ يَـفِـيءَ، وَلا يَـقَـعُ عَـلَيْهَا طَلاقٌ إِذَا مَضَتِ الأَرْبَعَةُ الأَشْهُرِ حَتَّى يُوقَفَ۔

کرنے والے کو (حاکم وقت کے پاس لا کھڑا کیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے) جب تک کہ وہ طلاق دے دے یا اپنے قول سے رجوع کر لے اور چارہ ماہ گزرنے کے بعد اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک اسے حاکم وقت (قاضی وغیرہ) کے روبرو پیش نہ کر دیا جائے۔

شرح امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے کہا: ایسا موقف سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا ابو درداء، سیدہ عائشہ اور نبی مزید بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ہے۔

(۲۳۶٤)۔ أَخْبَـرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ......

عَـنْ سُـلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَـرَ مِـنْ أَصْـحَـابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كُلُّهُمْ يَقُولُ: يُوْقَفُ الْمُؤْلِي۔

جناب سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سے زائد صحابہ کرام کو پایا وہ سب کے سب اس موقف کے قائل تھے کہ ایلاء کرنے والے کو (حاکم کے سامنے پیش کر کے) کھڑا کیا جائے گا (اور پوچھا جائے گا کہ وہ رجوع کرے گا یا طلاق دے گا)۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ایلاء (قسم کھانا) اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ اہلیہ کے پاس چار ماہ سے زیادہ مدت تک نہیں جائے گا ایسی قسم اٹھانے والے شخص کو چار ماہ تک تو کچھ نہیں کہا جائے گا، چار ماہ گزر جانے کے بعد والے معاملے میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اکثر اہل علم صحابہ کا موقف ہے کہ محض چار ماہ گزر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ اسے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر یا تو قسم ختم کرے گا (اور بیوی کو بسائے گا) اور اپنی قسم کا کفارہ دے گا یا طلاق دے گا۔ یہ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اگر وہ خود بخود طلاق دے دے تو ٹھیک ہے وگرنہ حاکم وقت ایک طلاق جاری کر دے گا۔

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ چار ماہ گذر جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: چار ماہ کا گزر جانا طلاق کے پختہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد پھر ایک بحث ہے بعض اہل علم چار ماہ گزرنے

(۲۳۶٤) أخرجه الامام الشافعي في المسند: ۱۲۱۲، والبيهقي: ۱۵۲۰۷.

کے بعد ایک رجعی طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں، جیسے جناب سعید بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمان وغیرہ، مروان بن حکم نے بھی اسی کے مطابق فیصلہ کیا تھا، امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

جبکہ بعض اہل علم اس موقف کے قائل ہیں کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو گی۔ جناب ثوری اور اہل رائے اس کے قائل ہیں، جناب اسود بن یزید نے کہا: چار ماہ گزرنے کے بعد اگر عورت بچہ جنم دے دے اور خاوند آ جائے تو وہ اس کی بیوی ہی رہے گی، اسی طرح ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ وہ عذر کی وجہ سے چار ماہ تک نہ آسکا، بعد میں آ گیا تو بھی وہ اس کی بیوی ہی رہے گی اور جو حضرات مدت ایلاء گزرنے کے بعد ازخود طلاق واقع ہو جانے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص چار ماہ بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھالے تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی اور جو حضرات چار ماہ گزرنے کے بعد ایسے شخص کو حاکم کے روبرو پیش کرنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں اس لیے کہ حاکم کے حضور اس کی پیشگی قسم کے دوران ہونی چاہیے تھی جبکہ چار ماہ گزرنے کے بعد قسم پوری ہو چکی ہے۔ اگر کوئی شخص چار ماہ سے کم مدت کیلئے بیوی سے دور رہنے کی قسم کھالے تو اس کے لیے ایلاء ثابت نہیں ہوگا بلکہ وہ قسم اٹھانے والا ہوگا اور اگر وہ مدت ایلاء کے دوران بیوی سے ہم بستر ہو جائے تو اس کے ذمے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ بیوی سے جماع نہیں کرے گا حتی کہ وہ اپنے بچے کا دودھ چھڑا دے، اگر دودھ چھڑانے سے اس کی مراد دو سال کا عرصہ ہے اور ابھی بچے کی مدت رضاعت پوری ہونے میں چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ پڑا ہے تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر چار ماہ سے کم مدت ہو تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر لفظ فطام بولنے سے اس کی مراد مدت رضاعت نہیں بلکہ دودھ چھڑانا مراد ہو اور بچہ عمر کے اس حصے میں ہو کہ چار ماہ کے اندر اندر ماں کا دودھ چھوڑنے کا متحمل نہ ہو تو ان الفاظ کو ادا کرنے والا شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر بچہ دودھ چھوڑنے کی پوزیشن میں ہو تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے اسے ایلاء قرار نہیں دیا۔ امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔

(11)......بَابُ الظِّهَارِ
ظہار کے مسائل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۔ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِىْ وَلَدْنَهُمْ ۔ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۔﴾ ...... ''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے، یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔'' (سورۂ مجادلہ: ۲)

لفظ زور سے مراد جھوٹ ہے، اس کو زور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات حق وصواب سے بہت ہٹی ہوئی ہے اور زور کے لغوی معنی یہی ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿تَـزٰوَرُ عَـنۡ كَهۡـفِهِـمۡ﴾ ...... ''آفتاب ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے۔'' (سورۂ کہف: ۱۷) یعنی دوسری جانب مائل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيۡنَ يُظٰهِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآ سَّا﴾ ...... ''جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔'' (سورۂ مجادلہ: ۲)

(٢٣٦٥)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْن عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ......

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ ثَعْلَبَةَ كَانَتْ تَحْتَ أَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ، فَتَظَاهَرَ مِنْهَا، وَكَانَ بِهِ لَمَمٌ، فَجَائَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أَوْسًا تَظَاهَرَ مِنِّي، وَذَكَرَتْ أَنَّ بِهِ لَمَمًا، وَقَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا جِئْتُكَ إِلا رَحْمَةً لَهُ، إِنَّ لَهُ فِيَّ مَنَافِعَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْقُرْآنُ فِيهِمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مُرِيهِ فَلْيَعْتِقْ رَقَبَةً)) قَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدَهُ رَقَبَةٌ، وَلا يَمْلِكُهَا، قَالَ: ((مُرِيهِ فَلْيَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ)) قَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَوْ كَلَّفْتُهُ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ مَا اسْتَطَاعَ، قَالَ: ((مُرِيهِ فَلْيُطْعِمْ سِتِّينَ مُسْكِينًا)) قَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ قَالَ: ((مُرِيهِ فَلْيَذْهَبْ إِلَى فُلان بْنِ فُلان، فَقَدْ أَخْبَرَنِي

جناب عطاء بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، انہوں نے اس سے ظہار کرلیا، اب انہیں اپنی بیوی کی شدید خواہش ہوئی۔ چنانچہ ان کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض گزار ہوئی: اوس نے مجھ سے ظہار کرلیا ہے نیز اس نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اب اسے میری شدید طلب ہے اور اس نے یہ بھی کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں آپ کی خدمت میں اس پر ترس کھاتے ہوئے حاضر ہوئی ہوں، بلاشبہ میرے ساتھ اس کے بہت سارے فوائد وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں قرآن نازل فرمادیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ایک گردن آزاد کرنے کا حکم دے۔'' اس نے کہا: جس ذات نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی قسم! اس کے پاس گردن نہیں ہے، نہ وہ کسی غلام کا مالک ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

(٢٣٦٥) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢٢١٤ .

أَنَّ عِـنْـدَهُ شَطْرَ تَمْرٍ صَدَقَةً ، فَلْيَأْخُذْهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ ، ثُمَّ لِيَتَصَدَّقْ بِهِ عَلَى سِتِّينَ مِسْكِينًا۔))

''اسے کہہ، وہ دو مہینے متواتر روزے رکھے۔'' اس نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! اگر آپ اسے تین روزے رکھنے کیلئے کہیں تو وہ نہیں رکھ سکے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کہہ، وہ فلاں بن فلاں کے پاس جائے، اس نے مجھے کہہ رکھا ہے کہ اس کے پاس صدقے کی کھجوروں کا ایک ٹوکرا ہے، یہ جا کے ان کھجوروں کو حاصل کرلے، وہ اس کے اوپر صدقہ ہیں پھر یہ انہیں ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کردے۔''

شرح امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث میں وارد لفظ (اَلـلَّـمَـم) کے معنی دیوانگی اور پاگل پن کے نہیں ہیں۔ اگر یہ معنی مراد لیے جائیں اور پھر وہ اسی حالت جنون میں اپنی بیوی سے ظہار کرلے تو وہ تو احکام شریعت کا مکلّف ہی نہیں ٹھہرتا لہٰذا یہ معنی ہرگز نہیں بلکہ حدیث میں آمدہ لفظ (اَلـلَّـمَـم) کے معنی عورتوں کی شدید خواہش، حد سے بڑھی ہوئی طلب، ان سے صبر اور ضبط نہ کرسکنے کے ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔ سیدنا سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا جو عورتوں کو اس قدر آتا تھا کہ کوئی اور کیا آتا ہوگا (بڑی جنسی قوت والا تھا) جب رمضان کا مہینہ آیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ بیوی کے ساتھ کچھ کر نہ بیٹھوں کہ صبح تک الگ ہی نہ ہوسکوں لہٰذا میں نے اس سے ظہار کرلیا حتی کہ رمضان گزر جائے۔ اتفاق سے ایک رات وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ میرے سامنے ظاہر ہوا تو میں ضبط نہ کرسکا اور اس کے اوپر چڑھ گیا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی ...... انہوں نے مکمل تفصیل بیان کی ...... اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ایک وسق (ساٹھ صاع) کھجور ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کردو۔'' (حسن، ابوداود: ۲۲۱۳، ترمذی: ۳۲۹۹، ابن ماجہ: ۲۰۶۲)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ''ظہار'' سے مراد ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت (مقصود عورت کو حرام کرنا ہوتا ہے) پھر جب وہ اپنی بات میں لوٹے (اور ان الفاظ کی رعایت نہ رکھ سکے) تو اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے اور کفارے کی ادائیگی تک بیوی کے پاس جانا اور جماع کرنا جائز نہیں، حرام ہے، اس کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ لوٹنے کی تفسیر کے متعلق اہل علم کے درمیان میں اختلاف ہے (اس سے مراد قرآن مجید کے الفاظ ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ ''پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں۔'' یعنی بیوی سے ہم بستری کرنا

چاہیے)۔ایک جماعت کا خیال ہے کہ لفظ ظہار منہ سے نکالتے ہی کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور یہاں لوٹنے سے مراد وہی الفاظ کہنا ہے جو لوگ دور جاہلیت میں اپنی زبانوں سے ظہار کرتے ہوئے ادا کیا کرتے تھے، مراد ظہار کرنا ہی ہے۔

فائدہ: (جاہلیت میں اس قسم کے کہے الفاظ کا کوئی حل نہیں تھا اور بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرتی تھی، ازدواجی زندگی ختم ہو جاتی، بچے الگ ذلیل ہوتے، اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے صرف کفارہ لاگو فرمایا، بیوی کو حرام نہیں کیا، والحمد للہ علیٰ ذلک۔ (ع،س))

یہ قول جناب مجاہد اور ثوری کا ہے۔ ایک قوم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد لفظ ظہار کا تکرار، اعادہ اور بار بار کہنا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد بیوی سے جماع کرنا ہے۔ اس کے قائل حسن بصری، طاؤس اور زہری ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد اپنے اوپر عورت کے ساتھ جماع کرنے کو حرام ٹھہرانا ہے، امام مالک، احمد اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لوٹنے اور رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ ظہار کرنے کے بعد ایک عرصہ تک عورت کو اپنے پاس رکھنا اور اسے جانے نہ دینا، اتنا عرصہ جس میں اس کا جانا ممکن تھا تو کفارہ ہے البتہ اگر خاوند نے ظہار کرنے کے معاً بعد عورت کو طلاق دے ڈالی یا میاں بیوی میں سے کسی ایک کی ظہار کے فوراً بعد موت واقع ہو گئی تو کفارے کی ادائیگی لازم نہیں، بات میں لوٹنے اور رجوع کرنے سے مراد کہی بات کی مخالفت کرنا اور اسے نبھا نہ سکنا ہے اور اب وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا چاہتا ہے حالانکہ ظہار کرنے سے اس کا مقصود اس کے جسم کو اپنے اوپر حرام قرار دینا ہے، اب اگر وہ اسے اپنے نکاح میں برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اس نے اپنی پہلی بات کو جھٹلا دیا ہے اور اس کی تغلیط کر دی ہے لہٰذا اسے کفارے کی ادائیگی لازم آئے گی، اور عربی زبان میں (لما قالوا) کے معنی (فیما قالوا) کے ہیں، دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں، یعنی عربی زبان میں لام، فی کے معنوں میں آتا ہے تو (یعودون لما قالوا) کا یہ معنی ہوگا کہ پھر اس عورت کو رکھنا چاہیں۔

اگر کسی نے اپنی بیگم کو پشت کے علاوہ ماں کے کسی اور عضو سے تشبیہ دے دی مثلاً یوں کہہ دیا: تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں کا ہاتھ، یا جیسے میری ماں کا بطن، یا کہے: تیرا ہاتھ اور تیرا پیٹ میرے اوپر ایسے جیسے میری ماں کی پشت یا جیسے میری ماں کا بطن تو ایسے الفاظ منہ سے نکالنا امام شافعی رحمہ اللہ کے صحیح ترین قول کے مطابق ظہار ہی شمار ہوں گے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کے بطن، شرمگاہ یا رانوں سے تشبیہ دے تو یہ ظہار ہوگا جیسے پشت کے الفاظ بولنے سے ظہار واقع ہو جاتا ہے اور اگر مذکورہ اعضاء کے علاوہ کسی اور عضو سے مشابہت دے تو ظہار نہیں ہو گا۔ اگر خاوند کہے: تو میرے لیے ایسے ہے جیسے عین میری ماں ہے، تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں کی روح ہے تو ان الفاظ کی ادائیگی سے ظہار واقع ہو جائے گا الا یہ کہ ان الفاظ سے اس کی مراد اور مقصود محض عزت وکرامت ہو تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا اور اگر کوئی کہنے والا (كَأُمِّي) ''میری ماں کی مانند ہے۔'' یا (مثل امی) ''میری ماں کی طرح

ہے۔'' کے الفاظ کہے تو ان الفاظ کے ادا کرنے سے ظہار نہیں ہوگا الا یہ کہ اس کی نیت ظہار کرنے کی ہو۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے: تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری دادی کی پشت یا میری بیٹی یا میری بہن یا میری پھوپھی یا میری خالہ کی پشت، تو ان الفاظ سے ظہار ہو جائے گا۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنی بیوی کو رضاعت کے لحاظ سے حرام رشتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دے تو دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق وہ اس پر حرام ہو جائے گی اور یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت سے تشبیہ دے دی جو بوجہ سسرالی رشتے کے حرام ہے، تو اس سے ظہار واقع نہیں ہوگا اصح قول یہی ہے۔

فائدہ: حروف پرستی سے ہٹ کر اگر شرعی احکام کی علتوں اور حکمتوں کو مدنظر رکھا جائے تو ماں کے سوا بہن، بیٹی یا کسی اور محرم عورت سے تشبیہ دینے کا بھی یہی حکم ہے۔ (ع،س)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ کے الفاظ (ظَاهَرْتُ مِنْهَا حَتّٰى يَنْسَلِخَ شَهْرُ رَمَضَانَ) ''سو میں نے اس سے ظہار کرلیا حتی کہ رمضان گزر جائے۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ مقررہ وقت کا ظہار بھی ظہار ہی ہوتا ہے، یہ اہل رائے کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اصح قول بھی یہی ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ محدود مدت کے لیے ظہار کرنے والے پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ امام لیث، مالک اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی موقف ہے، مقررہ وقت کے ظہار کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو ایک دن یا ایک مہینہ تک کے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' تو کیا یہ محدود ظہار محدود ہی رہے گا یا غیر محدود ہو جائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ محدود ظہار کچھ نہیں بلکہ ظہار ہمیشہ کے لیے ہوگا (اور کفارہ دینا ہوگا خواہ اس مدت میں قریب نہ گیا ہو) جیسے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محدود مدت کے لیے طلاق دے تو طلاق ہمیشہ کے لیے پڑ جاتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مقررہ وقت کا ظہار، محدود ہی ہوتا ہے اور ہمیشہ کیلئے نہیں پڑتا (اس پر کفارہ نہیں کیونکہ وہ ظہار نہیں، اگر وہ اس کے قریب نہ گیا ہو) جیسے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محدود مدت کے لیے طلاق دے پھر مقررہ مدت گزرنے کے بعد وہ رجوع کرلے، اپنے پاس رکھے اور جماع کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔

فائدہ: بیوی کے لیے ظہار کا لفظ بولنا شرعی احکام سے کھیلنا ہے، لہٰذا ایسے غافل اور غیر محتاط شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیے اس لیے ظہار کی مدت مقرر ہو یا نہ ہو ہر صورت میں کفارہ واجب ہے کیونکہ قرآن وسنت میں مطلقاً کفارے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی کوئی تقسیم کہیں موجود گی نہیں۔ (ع،س)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتہ چلا کہ ظہار کرنے والا شخص اگر کفارہ دینے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اس پر ایک کفارہ ہی واجب ہوگا۔ اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ جناب سفیان، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، بعض حضرات نے اس پر دگنا کفارہ لازم کیا ہے،

جناب عبدالرحمٰن بن مہدی بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

فائدہ: ایک کفارے والی بات صحیح ہے کیونکہ ظہار تو ایک ہی دفعہ کیا گیا ہے، جہاں تک ہو سکے جاہل عوام پر آسانی کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے سختی کرنے والا نہیں۔ جناب صلت بن دینار کہتے ہیں میں نے دس فقہاء سے اس ظہار کے متعلق پوچھا جو کفارہ دینے سے پہلے رجوع کر لے، انہوں نے کہا: اس پر ایک ہی کفارہ ہے (فقہ السنہ از سید سابق) لہٰذا دگنے کفارے والی بات درست نہیں۔ (ع،س)

اس کی تائید ابن ماجہ کی ایک صحیح حدیث کے الفاظ (كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ)''وہ ایک ہی کفارہ ادا کرے گا۔'' سے بھی ہوتی ہے۔ (۲۰۶۴)

اگر کوئی شخص اپنی چار بیگمات سے ایک ہی مرتبہ، ایک ہی لفظ سے ظہار کر لے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال میں سے اظہر قول کے مطابق چار کفارے دینا لازم آئے گا۔ جیسے اگر کوئی شخص ایک ہی بار اپنی چار بیویوں کو طلاق دے ڈالے تو چاروں کو طلاق پڑ جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کو ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ جناب ربیعہ اور مالک کا بھی یہی قول ہے، جناب عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی ایک بیوی سے کئی بار ظہار کر لے تو اس کے معاملے کا بغور جائزہ لیا جائے گا۔ اگر تو اس نے مختلف مواقع پر ظہار کے الفاظ کہے ہوں اور ہر ایک سے اس کی مراد الگ الگ ظہار ہو تو اس پر کئی کفارے دینا لازم آئے گا اور اگر اس نے پے در پے ایک ہی سانس میں کئی بار لفظ ظہار بولا ہو اور کہے کہ میری مراد ایک ہی ظہار تھا تو اسے ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب تک پہلے کفارے کی ادائیگی نہ ہو جائے تب تک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا خواہ لفظ ظہار کا بار بار اعادہ ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ البتہ کفارہ ادا کرنے کے بعد اگر کسی نے پھر لفظ ظہار بول دیا تو دوسرا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

جس شخص نے اپنی لونڈی سے ظہار کیا اس پر کوئی کفارہ نہیں جس طرح اگر کوئی اپنی لونڈی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا شخص اگر اپنی کنیز کو چھونا چاہے گا تو اس پر کفارے کی ادائیگی لازم آئے گی۔

فائدہ: لونڈی اور کنیز سے استمتاع کیا جاتا ہے اسے ماں کہہ دینا انتہائی فضول حرکت ہے بلکہ حد درجہ لاابالی پن ہے، ایسے شخص کو اپنے کہے کی سزا بھگتنی چاہیے تاکہ شرعی احکام کے بارے میں معاشرے میں سنجیدگی آئے پھر ان مسائل میں غلام اور آزاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ شریعت نے ان میں کوئی فرق نہیں کیا۔ (ع،س)

(12)......بَابُ مَايُجْزِىءُ مِنَ الرِّقَابِ فِي الْكَفَّارَةِ

کفارے میں کس طرح کا غلام یا لونڈی آزاد کرنا کفایت کرتا ہے......؟

(٢٣٦٦)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ......

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي، فَجِئْتُهَا، فَفَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ، فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا، فَقَالَتْ: أَكَلَهَا الذِّئْبُ، فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا، وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ، فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا، وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ أَفَأَعْتِقُهَا، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَيْنَ اللّٰهُ؟))فَقَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: ((مَنْ أَنَا)) قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ: ((أَعْتِقْهَا۔))

سیدنا عمر بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی میری بکریاں چرا رہی تھی، میں اس کے پاس گیا تو میں نے ریوڑ سے ایک بکری کو گم پایا، میں نے اس بکری کے متعلق اس سے پوچھا، اس نے بتایا: اسے بھیڑیا کھا گیا ہے چنانچہ مجھے اس پر غصہ آیا کیونکہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ میں نے اس کے چہرے پر طمانچہ مارا، اور(ہاں!) میرے ذمے ایک گردن (آزا دکرنا) ہے کیا میں اس کو آزاد کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے دریافت کیا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے بتایا: اللہ آسمان میں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، (یہ جواب سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس کو آزاد کردے۔''

شرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کچھ امور ایسے تھے جن کو ہم دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے مثلاً ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم کاہنوں کے پاس مت جاؤ۔'' انہوں نے کہا: ہم (پرندوں وغیرہ سے) بدشگونی لیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''یہ ایسی بات ہے جو تم میں سے کوئی شخص اپنے دل میں ٹھان لیتا ہے، یہ چیز تمہیں معاملات کو سرانجام دینے سے ہرگز نہ روکے۔''

نوٹ:......حدیث ہذا کے راوی شرح السنہ میں عمر بن حکم مذکور ہیں جبکہ باقی سب روایات میں معاویہ بن حکم نام آتا ہے معاویہ بن حکم ہی درست ہے، راوی حدیث ابومیمونہ کا نام اسامہ ہے۔

(٢٣٦٦) أخرجه مسلم: ٥٣٧ .

(أَسِفْتُ عَلَيْهَا) کا معنی ہے مجھے اس پر غصہ آیا، عربی زبان میں اسف کے معنی غیض وغضب کے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ ...... ''جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا۔'' (سورۂ زخرف:۵۵)

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ ...... ''موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک ہوکر رنج کے ساتھ واپس لوٹے۔'' (سورہ طہٰ:۸۶)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: مندرجہ صدر حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام کفارات میں آزاد کی جانے والی گردن (غلام یا لونڈی) مومن ہونی چاہیے، دیکھیے! جب سوال کنندہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: (عَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا) ''میرے ذمے ایک گردن آزاد کرنا ہے کیا میں اسے آزاد کردوں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فوراً آزاد کر دینے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کنیز کو بلا کر اس کے ایمان اور عقیدہ کا امتحان لیا اور پھر اسے آزاد کر دینے کا حکم صادر فرمایا، نیز آپ نے سائل سے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کو کس سلسلہ میں گردن کو آزاد کرنا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام کفارات کا معاملہ ایک جیسا ہے (اور آزاد ہونے والی گردن صاحب ایمان ہونی چاہیے)۔

بعض حضرات قتل کے کفارے کے علاوہ باقی تمام کفارہ جات میں کافر غلام یا لونڈی کو آزاد کر دینا جائز سمجھتے ہیں، ایسا موقف جناب عطاء سے بیان کیا گیا ہے، ثوری اور اہل رائے بھی اسی کے قائل ہیں، اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ مرتد گردن کو آزاد کرنا جائز نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے کفارہ میں آزاد کیے جانے والے غلام یا لونڈی کیلئے صاحب ایمان ہونے کی شرط لگائی ہے، باقی کفارات میں اگرچہ اس شرط کا ذکر نہیں اور گردن آزاد کرنے کا مطلق بیان ہے مگر یہ ضروری ہے کہ مطلق اور عموم لیے ہوئے مقام کو مقید مقام پر محمول کیا جائے جس طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر گواہوں کے صاحب عدالت اور نیکی وتقویٰ سے متصف ہونے کا ذکر ہے، مثلاً اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ...... ''دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو۔'' (سورۂ طلاق:۲) اور باقی مقامات پر اس شرط کا تذکرہ نہیں، پھر علماء کے نزدیک یہی بات مقرر اور طے شدہ ہے کہ ہر جگہ گواہ عادل اور صاحب تقویٰ وطہارت ہونے چاہئیں، اگر کوئی شخص مطلق طور پر نیکی کی غرض سے (بغیر کسی کفارہ کے) گردن آزاد کرنے کی نذر مان لے تو کیا کافر غلام یا لونڈی کو آزاد کر دینے سے اس کی نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: وہ قول جو قرین احتیاط، سنت مطہرہ کے زیادہ قریب اور الفاظ حدیث کے نزدیک تر ہے وہ یہ ہے کہ کافر گردن کو آزاد کرنا جائز نہیں البتہ ایسے کم سن کافر غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا جائز ہے جس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو یا کسی مسلمان نے اسے قیدی بنا لیا ہو، ایسی صورت میں والدین یا قید کرنے والے شخص کے بالتبع اس غلام یا لونڈی پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ آزاد ہونے والی گردن (غلام یا کنیز) کے لیے شرط یہ ہے کہ اس

کی آزادی کا معاملہ واضح، غیر مبہم اور دوٹوک ہو، نیز وہ صحت منداور تندرست وتوانا ہو، اس کے جسم میں کوئی ایسی معذوری نہ ہوجس سے کام کاج اور محنت ومشقت کے امور میں واضح خلل واقع ہوتا ہواس لیے کسی کفارہ میں مکاتب یا ام ولد وغیرہ کوآزاد کرنا جائز نہ ہوگا، وہ غلام بھی کفایت نہیں کرے گا جس کو کفارہ واجب ہونے سے قبل آزاد کرنے کی نیت سے خریدا گیا ہو۔ اسی طرح وہ غلام جس کو خریدا تو آزادی کی نیت سے گیا لیکن وہ خریدار کا نسبی رشتہ دار نکل آیا (جس کی آزادی اس کے ذمے شرعاً واجب ہے) تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا لیکن بطور کفارہ اس کی آزادی جائز نہیں۔ اہل رائے اس مکاتب غلام کو کفاروں میں آزاد کرنے کے قائل ہیں جس نے اپنی آزادی کی ایک قسط کی بھی ادائیگی نہ کی ہو محض معاملہ طے کیا ہو۔

تمام اہل علم مدبر غلام کو آزاد کردینے کے قائل ہیں۔ جناب طاؤس نے ام ولد کو بطور کفارہ آزاد کرنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اکثر اہل علم اس کے جواز کے قائل نہیں۔ کانا، لنگڑا، برص والا، مرض جذام میں مبتلا، بہرہ، کان کٹا، ناک کٹا، خصی، جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور ایسا گونگا غلام جو اشارے سمجھتا ہو کو بطور کفارہ آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ مندرجہ بالا عیوب محنت مزدوری اور کام کاج میں واضح طور پر رکاوٹ نہیں بنتے۔ البتہ نابینا، مجنون، ایسا مریض جس کی صحت یابی کی بظاہر کوئی امید نہ ہو، ایک ہاتھ یا ٹانگ کٹا ہوا غلام، دونوں ہاتھوں میں سے کسی ہاتھ کا انگوٹھا، انگشت شہادت یا درمیانی انگلی کٹی ہو تو ایسا غلام کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں۔

جس غلام کی چھنگلی انگلی یا چھنگلی کے ساتھ والی انگلی کٹی ہو، اس کو آزاد کرنا درست ہے البتہ جس غلام کی مذکورہ دونوں انگلیاں نہ ہوں اس کو بطور کفارہ آزاد کرنا جائز نہیں۔ اہل رائے نے ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ کٹے ہوئے غلام کو آزاد کردینا جائز قرار دیا ہے البتہ جس غلام کے دونوں کان کٹے ہوئے ہوں یا جو غلام بہرہ یا گونگا ہو اس کو آزاد کرنا جائز قرار نہیں دیا، اس لیے کہ ان کے اندر کامل منفعت کا فقدان ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک زنا زادے غلام کو بطور کفارہ آزاد کرنا جائز ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بات کا سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کو آزاد کرنا کافی ہو جائے گا۔ امام زہری اور اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ زنا زادے کو آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَلَدُ الزِّنَا شَرُّ الثَّلَاثَةِ۔)) ......''زنا زادہ تینوں میں سے سب سے برا ہے۔''

(صحیح، ابوداود: ٣٩٦٣)

اس حدیث مبارکہ کی تشریح وتوضیح کے متعلق خاصا اختلاف ہے۔

ایک قول کے مطابق یہ تبصرہ آپ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس کے بارے میں آپ کو بتایا گیا کہ وہ زنا زادہ ہے اور خود اپنے ماں باپ کی مانند بدکاری جیسے قبیح اعمال میں ملوث ہے مروی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کہا جاتا کہ زنا زادہ تینوں میں سے سب سے بڑا ہے تو وہ کہتے: بلکہ وہ تینوں میں سے بہتر ہے۔

ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے الفاظ (شَـرُّ الثَّلَاثَةِ) ''تینوں میں سے برا ہے۔'' کا مطلب ہے کہ وہ کوئی اچھا نسلی اور خاندانی پس منظر نہیں رکھتا کیونکہ اس کی تخلیق ایک قطرہ گناہ سے ہوئی ہے اور بہت ممکن ہے یہ چیز اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر جائے اور اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اسے فسق وفجور اور بے حیائی پر دلیر کردے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب ہے کہ اس کے ماں باپ کے کردہ گناہ میں اس کا کوئی جرم نہیں، وہ تو معلوم ہے اور وہ اس تکون کا بہترین فرد ہے کیونکہ اس کا اپنے بدکار ماں باپ کے گناہ میں کوئی حصہ نہیں۔

فائدہ:...... عام شرعی قاعدہ ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ ...... ''کوئی جان کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' (سورۂ انعام:۱۵)۔(ع،س)

(13)......بَابُ اللِّعَانِ

لعان کے احکام ومسائل

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَo وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَo وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَo وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَo﴾ ...... ''جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ سوائے خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، اور عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے، اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو۔'' (سورۂ نور:٦ تا٩)

(٢٣٦٧)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ، فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ سَلْ لِي عَنْ ذَلِكَ يَا عَاصِمُ!

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سیدنا عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اسے کہنے لگے: اے عاصم! بتاؤ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو دیکھ لے تو کیا وہ اسے قتل کردے؟ کہ پھر تم اسے قتل کردو گے۔ آخر وہ کیا کرے؟

(٢٣٦٧) أخرجه البخاري: ٤٢٣، ٤٧٤٥، ٥٢٥٩، ومسلم: ١٤٩٢.

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عَاصِمٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ، جَائَهُ عُوَيْمِرٌ، فَقَالَ: يَا عَاصِمُ! مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ عَاصِمٌ لِعُوَيْمِرٍ: لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ، قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا، فَقَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللّٰهِ! لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَجَاءَ عُوَيْمِرٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَطَ النَّاسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((قَدْ أُنْزِلَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا)) فَقَالَ سَهْلٌ: فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَالِكٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

اے عاصم! آپ یہ مسئلہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں، چنانچہ سیدنا عاصم نے اس بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا، رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوالات پوچھنے کو پسند نہ فرمایا بلکہ مذمت کی۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سیدنا عاصم کے لیے سخت ندامت کا باعث بنیں پھر جب عاصم اپنے گھر لوٹ گئے تو عویمر رضی اللہ عنہ دوبارہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے، عاصم! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا جواب دیا ہے؟ عاصم رضی اللہ عنہ نے عویمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم میرے پاس کوئی اچھا سوال نہیں لائے، رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوالات سے جیسا کہ میں نے آپ سے پوچھا ہے کو ناپسند فرمایا ہے، عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک باز نہیں آؤں گا جب تک کہ میں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں۔ چنانچہ عویمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! بتایئے اگر ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو ملوث پائے، تو کیا وہ اسے قتل کر دے؟ کہ پھر آپ اسے قتل کر دیں گے، آخر وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیرے بارے اور تیری بیوی کے بارے میں وحی نازل ہو چکی ہے جا اسے لے آ۔'' حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دونوں میاں بیوی نے لعان کیا، جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر اب بھی میں نے اسے اپنے نکاح میں رکھا تو پھر تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے، چنانچہ

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے قبل ہی اسے تین طلاقیں دے دیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن شہاب زہری نے کہا پھر یہ لعان کرنے والوں کے لیے شرعی طریقہ بن گیا (کہ ان کے درمیان حتمی جدائی ہو جائے گی)۔

(٢٣٦٨)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، أَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، أَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ......

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، مِثْلَ مَعْنَاهُ، وَزَادَ: ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((انْظُرُوهَا فَإِنْ جَائَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَدْعَجَ عَظِيمَ الأَلْيَتَيْنِ، فَلا أُرَاهُ إِلا قَدْ صَدَقَ، وَإِنْ جَائَتْ بِهِ أَحْمَرَ كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ، فَلا أُرَاهُ إِلا كَاذِبًا۔)) فَجَائَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الْمَكْرُوهِ۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے گزشتہ حدیث مبارکہ کی مثل بیان کیا اور اس میں اتنا مزید مذکور ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس عورت کے معاملے پر نظر رکھو، اگر اس نے سیاہ رنگ کا، بڑی بڑی آنکھوں والا اور بھاری سرینوں والا بچہ جنا تو میرا خیال ہے کہ اس (عویمر) نے سچ ہی کہا ہے اور اگر اس نے ایسا بچہ جنا جو سرخ (گورا) ہو جیسے کہ وحرہ ہو (چھپکلی کی طرح کا ایک زہریلا کیڑا، جس کے دائیں بائیں پہلو پر سرخ دھاریاں ہوتی ہیں) تو میرا خیال ہے کہ اس نے جھوٹ کہا ہے۔ پس اس خاتون نے مکروہ صفات کے مطابق بچہ جنم دیا۔

شرح: (الاَسْحَم) ”سخت سیاہ رنگ والا۔“ کہا جاتا ہے (غُرَابٌ اَسْحَمُ) یعنی سخت اور گہری سیاہ رنگ والا کوا۔ (الوحرة) چھپکلی کی طرح کا ایک کیڑہ جو زمین پر چمٹ کر چلتا ہے اس کی جمع وَحَر آتی ہے اسی سے عربی زبان میں وَحَرُ الصَّدْر کی اصطلاح رائج ہے جس سے مراد دل کا کینہ اور غیض وغضب ہوتا ہے اس لیے کہ کینہ بھی دل کے اندر آہستہ آہستہ سلگتا رہتا ہے اور دھیمے دھیمے اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں (فُلَانٌ وَحِرَ الصَّدْرُ) فلاں شخص سخت کینہ پرور ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص کے دل میں کسی کی دشمنی بری طرح سرایت کر

(٢٣٦٨) أخرجه البخاري: ٥٣٠٩.

جائے اور کسی بھی وقت اس کا خیال دل سے گم نہ ہو گویا بانی کپڑے کی طرح دل میں دشمنی کا سفر جاری رہتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ ان کا سوال کسی دوسرے شخص کے لیے تھا، اور خود انہیں اس کی ضرورت نہ تھی، اور اس لیے بھی کہ اس میں دوسرے شخص کی حرمت اور عزت پامال ہونے کا اندیشہ تھا، لہٰذا راز داری کے نکتہ نظر اور پردہ پوشی کی غرض سے نبی اکرم ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس مسئلہ کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ جب ایک شخص دوسرے پر زنا کا اتہام لگائے اور متہم شخص محصن (پاکباز) ہو تو الزام دہندہ اگر آزاد ہو تو اسے (80) اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ غلام ہو تو (40) چالیس کوڑے لگائے جائیں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ ......"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ۔" (سورۂ نور:۴)

اگر مقذوف شخص (جس پر زنا کا الزام ہے) محصن نہ ہو تو بہتان تراش کو حد نہیں تعزیر لگائی جائے گی۔

احصان کی پانچ شرائط ہیں: (۱) اسلام (۲) عقل مندی (۳) بلوغت (۴) آزادی (۵) پاکدامنی۔

اگر کسی شخص نے بلوغت کے معاً بعد ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا ہو اور پھر توبہ کر لی ہو، اور اس کی زندگی کے شب وروز تقویٰ وطہارت اور عفت و پاکدامنی کے آئینہ دار ہوں اور اب ایسا شخص اپنی حیات مستعار کے آخری دور میں ہو اور کوئی شخص اس پر بہتان باندھ دے تو بھی الزام تراش یعنی قاذف کو حد نہیں لگے گی، اسی طرح زنا کے علاوہ دیگر فواحش مثلاً بوس و کنار وغیرہ کا الزام لگانے پر بھی حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ ان امور میں تعزیر ہی لگے گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شخص دوسرے کو فاجر، خبیث یا فاسق کہہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: یہ الفاظ فواحش کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کے کہنے پر تعزیر ہے، حد نہیں ہے، امام شعبی اس شخص کے بارے میں کہتے تھے جو عورت کے پاس جائے اور کہے: میں نے اسے کنوارا نہیں پایا، کہ اسے حد لگے گی، جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ایسے شخص کو حد لگائے جانے کے قائل نہیں تھے اور کہتے تھے کہ عورت کی بکارت اچھلنے کودنے اور ایک عرصہ تک بلا شادی رہنے سے زائل ہو سکتی ہے۔

قذف (بہتان تراشی) کی سزا واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں خواہ کوئی شخص اپنی بیوی پر الزام لگائے یا کسی دوسری خاتون پر البتہ دونوں صورتوں کے شرعی احکام جدا جدا ہیں، کسی اجنبی خاتون پر اتہام کی صورت میں الزام لگانے والے سے سزا (حد قذف) دو صورتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے ٹلے گی۔ (۱) متہم شخص اپنے گناہ کا خود اقرار کر لے۔ (۲) بطور ثبوت چار گواہ پیش کر دیے جائیں، اور بیوی پر بہتان بازی کی صورت میں مذکورہ دو باتوں کے علاوہ لعان کرنے کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی۔ اہل رائے کے نزدیک اپنی بیگم پر بہتان لگانے والے پر کوئی حد نہیں۔

اس صورت میں اس پر لعان ہی واجب ہوگا اور شریعت مطہرہ نے لعان کو شوہر کے حق میں شہادت اور گواہی کے قائم مقام ٹھہرایا ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ سوائے ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔'' (سورۂ نور:٦)

آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ لعان کرنا بہتان لگانے والے کے سچا ہونے کی دلیل ہے جس طرح گواہوں کا پیش کر دینا اس کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر ایک خاوند تین گواہوں سے مل کر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو بعض اہل علم کے نزدیک شوہر کی گواہی قابل رد ہوگی اور وہ قاذف (بہتان تراش) سمجھا جائے گا الا یہ کہ وہ اپنی بیوی سے لعان کرے، جناب نخعی اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ شوہر کی گواہی کو قبول کیا جائے گا (اور چار گواہوں کا مجموعہ پورا ہونے کی بنا پر) عورت کو حد لگے گی۔ یہ موقف امام شعبی اور اہل رائے کا ہے اور جو حضرات ایسی صورتحال میں خاوند کو قاذف سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ باقی ماندہ تین گواہ اگر شوہر کے علاوہ کوئی چوتھا گواہ پیش کر دیں تو ان کی جان بخشی ہو جائے گی وگرنہ انہیں حد قذف لگائی جائے گی۔ اسے تین گواہوں کے بارے میں اہل علم کے مابین خاصا اختلاف اور بحث وتمحیص ہے۔ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ وہ قاذف ہیں، انہیں حد قذف (بہتان تراشی کی سزا) لگے گی، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس تین آدمیوں نے ایک شخص کے بارے میں زنا کی گواہی دی اور چوتھا گواہ پیش نہ کر سکے تو انہوں نے تینوں کو حد قذف لگائی۔ اہل رائے اور امام شعبی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے اظہر قول یہی ہے۔

بعض حضرات کا موقف ہے کہ خاوند کے ساتھ مل کر گواہی دینے والے تین گواہوں کو حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ انہوں نے شریعت کے اصول یعنی چار گواہوں کے ثبوت کو پورا کیا ہے۔ اگر چار اشخاص کسی خاتون کے متعلق بدکار اور زانیہ ہونے کی گواہی دیں اور آگے سے وہ عورت اپنی براءت میں چار خواتین پیش کر دے اور وہ سب کی سب گواہی دیں کہ خاتون کنواری ہے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس کے متعلق کنوارے ہونے کی گواہی اس سے زنا کی نفی کرتی ہے اور ایسے قضیے میں بہتان لگانے والوں کو بھی کچھ نہیں کہا جائے گا کیونکہ انہوں نے ثبوت زنا کیلئے شرعی تقاضے کو پورا کیا ہے، ہوسکتا ہے بکارت کسی طرح عود آئی ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں ایسی عورت پر حد قائم نہیں کرتا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کنوارے پن کی مہر ہو اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایسی عورت پر حد قائم کی جائے گی۔

اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ لعان جس طرح دو آزاد اور مسلمان میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اسی طرح ذمی اور غلام زوجین کے درمیان بھی واقع ہوتا ہے۔ جناب سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، حسن بصری، ربیعہ، مالک، لیث، ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں اور اس بحث کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ جس کی قسم لینا جائز ہے اس کا لعان بھی درست ہے، بعض حضرات کا موقف ہے کہ لعان صرف انہیں لوگوں کا درست ہے جو شہادت اور گواہی کے اھل ہیں۔ اس کے قائل حماد، زہری، اوزاعی اور اہل رائے ہیں حتی کہ ان کا قول ہے کہ اگر زوجین میں سے ایک ذمی، غلام یا حد قذف میں سزا یافتہ ہے تو ان کے مابین لعان جاری نہیں ہوگا۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ فاسق اور نابینا شخص کا لعان درست اور جائز ہے۔

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کے الفاظ (فَتَلَاعَنَا وَاَنَا مَعَ النَّاسِ) ''میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دونوں میاں بیوی نے لعان کیا۔'' سے پتہ چلتا ہے کہ لعان اہل ایمان کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہونا چاہیے اور لعان کا معاملہ ان امور سے نہیں جسے لوگوں سے چھپایا جائے اور صیغہ راز میں رکھا جائے جس طرح حد کو لوگوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں لگانے کا حکم ہے تاکہ لوگوں کے لیے حد درجہ ڈراوے کا باعث ہو اور سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہو سکے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ...... ''ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔'' (سورۂ نور:۲)

اسی طرح لعان مسجد میں کروایا جاسکتا ہے کیونکہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے کہ (فَتَلَاعَنَا فِيْ الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ) ''ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں موقع پر موجود تھا۔'' حدیث میں مذکور الفاظ (فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا) ''انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔'' اس بات کی دلیل ہیں کہ تین طلاقیں ایک بار دینا بدعت نہیں، اگر یہ عمل بدعت ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس پر انکار فرماتے اگرچہ اس جگہ اس شخص کا تین طلاقیں دینا بے سود تھا کیونکہ ان کے درمیان جدائی بوجہ لعان واقع ہو چکی تھی لیکن وہ شخص شرعی احکام سے نابلد تھا، اگر تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے تعلیم فرماتے تاکہ ایسا شخص کسی ایسے موقع پر تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی جسارت نہ کرلے جہاں واقع ہو جاتی ہوں۔

نـــوٹ: ...... ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں یا تین تفصیل اس کے محل میں ملاحظہ کی جائے، تاہم مختصراً اتنا عرض ہے کہ حدیث کے الفاظ ''تین طلاقیں دے دیں۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ ظاہراً اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ لعان سے تو نکاح خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے، طلاق کی ضرورت باقی نہیں، باقی رہا مسئلہ کہ عویمر نے تین طلاقیں دیں، تو ان کا یہ فعل ناواقفیت کی

بنا پڑتا، لعان کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس لیے اس واقع سے بہ یک وقت تین طلاقیں دینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ (ع،س)

اہل علم کے مابین اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ لعان کرنے والے زوجین کے درمیان جدائی کب ہوگی؟ ایک قوم کا موقف ہے کہ جب شوہر لعان سے فارغ ہو جائے تو اسی وقت دونوں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فرقت ہو جائے گی، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ جب دونوں لعان سے فارغ ہوں گے تو ان کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائے گی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یونہی مروی ہے، امام مالک، اوزاعی اور احمد رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں، اہل رائے کا موقف ہے کہ اس وقت تک جدائی نہیں ہوگی جب تک کہ حاکم انہیں جدا نہ کر دے حتی کہ لعان کر چکنے کے بعد قاضی کے حکم تفریق سے پہلے اگر لعان کرنے والا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ عثمان البتّی کا موقف ہے کہ لعان کرنے سے جدائی واقع نہیں ہوگی حضرت عجلانی کی بیوی بھی ان سے بذریعہ طلاق جدا ہوئی تھی۔

فائدہ: عثمان البتّی کا موقف حد درجہ بودا اور کمزور ہے، امت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں میاں بیوی کا رشتہ سکون، محبت اور اعتماد کا رشتہ ہے جب بوجہ لعان یہ سب کچھ ختم ہو گیا بلکہ لعان کر کے اسے سرعام ذلیل کر دیا گیا اور یہ بنیاد نہ رہی تو ان دونوں کی سزا ہمیشہ کی علیحدگی ہے، لہٰذا اگر وہ اکٹھے رہنا بھی چاہیں تو نہیں رہ سکتے ان شاء اللہ یہی بات راجح ہے۔ (ع،س)

لعان کے ذریعے سے ہونے والی علیحدگی اکثر اہل علم کے نزدیک فسخ ہے اس لیے ایسی عورت کو خاوند کی طرف نفقہ (خرچ) اور سکنیٰ (رہائش) نہیں ملے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ دونوں چیزیں دی جائیں گی۔ اور جو حضرات لعان کو علیحدگی کا سبب نہیں جانتے وہ اس بات سے دلیل پکڑتے ہیں کہ سیدنا عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد طلاق دی تھی اور جدائی طلاق سے واقع ہوئی تھی۔ اگر لعان سے زوجین کے مابین فرقت اور جدائی واقع ہو جاتی تو پھر طلاق دینے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

اور جو حضرات لعان سے جدائی ہو جانے کے قائل ہیں وہ سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو ان کی ناواقفیت اور شرعی احکام سے بے خبری پر محمول کرتے ہیں یا ان الفاظ کا یہ محمل متعین کرتے ہیں کہ جب ان سے بعداز لعان کہا گیا کہ (لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا) "تجھے اس پر کوئی اختیار نہیں۔" تو عویمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو بہت محسوس کیا اور کہا (كَذَبْتُ عَلَيْهَا اِنْ اَمْسَكْتُهَا هِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا) "اگر اب بھی میں اسے اپنے نکاح میں رکھوں تب تو گویا میں نے اس پر جھوٹ باندھا ہے، اسے تین طلاقیں ہیں۔" اس سے ان کا مقصود جدائی کو مؤکد کرنا تھا کہ ایسی عورت کو میں ہرگز منہ نہ لگاؤں گا اس لیے انہوں نے جھٹ سے تین طلاقیں دے دیں۔ اگر لعان سے جدائی نہ ہوتی تو پھر عورت مطلقہ ثلاث کے

حکم میں ہوتی اور اہل علم کا اجماع ہے کہ لعان والی عورت طلاق ثلاثہ کے زمرے میں نہیں آتی کہ کسی اور شوہر سے شادی کرنے کے بعد کسی وجہ سے جدائی ہو جانے کی صورت میں وہ پہلے (لعان کرنے والے) خاوند کے لیے حلال ہو جائے، اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں۔

جناب ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول (فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنَ) ''کہ پھر یہ لعان کرنے والوں کے لیے شرعی طریقہ بن گیا۔'' کا مطلب ہے کہ اب وہ ایک دوسرے کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیں گے اور لعان کے بعد وہ کسی صورت اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (ان جاء ت به اسحم ادعج لا اراه الا قد صدق) ''اگر اس نے سیاہ رنگ کا، بڑی بڑی آنکھوں والا بچہ جنا تو میرا خیال ہے کہ اس نے (عویمر) سچ ہی کہا، اس بات کی دلیل ہیں کہ ناگزیر شرعی ضرورت کی بنا پر کسی کے مذموم اوصاف کا ذکر کرنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا کہ جس سے قائل گناہ گار ہوتا ہو۔

حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ قیافہ شناسی اور شکل وشباہت کی مشابہت سے استدلال پکڑنا جائز ہے لیکن واضح رہے کہ یہ چیز وہاں معتبر ہو گی جہاں اس کے معارض کوئی اس سے قوی دلیل نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مشابہت کا اعتبار نہیں کیا، اس بنا پر اسے حد نہیں لگائی حالانکہ خاتون نے حرامی بچہ جنا تھا اور نین نقشہ کی مشابہت نے ہر چیز کھول کے رکھ دی تھی کیونکہ یہاں اس کے معارض اس سے قوی دلائل موجود ہیں یعنی یہ شرعی اصول ہے کہ بچہ بستر والے کی طرف منسوب ہو گا اور لعان کی مشروطیت، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمعہ کی لونڈی کے بارے میں قیافہ شناسی کا اعتبار نہیں کیا کہ وہاں بھی قوی دلیل موجود تھی اور وہ ہے شرعی اصول کہ بچہ بستر والے کی طرف منسوب ہو گا۔

فائدہ: جبکہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ والے واقعے میں اس کا اعتبار کیا گیا ہے اور مدلجی کی وضاحت سے آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہاں اس کے معارض کوئی اس سے قوی دلیل موجود نہیں تھی۔ واللہ اعلم (ع،س)

حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ بوقت لعان عورت حاملہ تھی اور یہ کہ لعان سے حمل کی نفی ہو جاتی ہے، اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے۔ امام مالک، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اسی موقف کے قائل ہیں کہ لعان سے حمل کی نفی ہو جائے گی۔ اہل رائے کا موقف ہے کہ لعان سے حمل کی نفی جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص حالت حمل میں لعان کرتا ہے تو اس کا لعان درست ہو گا اور لعان کے احکام اس پر لاگو ہوں گے لیکن بچہ اسی کا ہو گا (کیونکہ اسی کے بستر پر ہے) اس کی نفی لعان والے کیلئے ممکن نہیں۔

فائدہ: مگر احناف کا یہ موقف صحیح نہیں، اور صحیح احادیث کے معارض ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے (بَابُ اللِّعَانِ بِالْحَبلِ) ''عورت کو ناجائز حمل ہونے کی صورت میں بھی لعان ہو سکتا ہے۔'' اس کے تحت حدیث لائے ہیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عویمر) عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان

کروایا جب کہ وہ حاملہ تھی۔ (حدیث نمبر:3497)اس کے تحت فوائد ومسائل کے عنوان سے ہمارے شیخ محترم حافظ محمد امین حفظہ اللہ ارقام کرتے ہیں کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے مگر خاوند کو یقین ہو کہ یہ حمل زنا سے ہے، میرا نہیں تو وہ عدالت میں جا کر دعویٰ کرسکتا ہے، عدالت عورت کو بھی بلائے گی اور ان کے درمیان لعان کروائے گی۔ گویا آنکھ سے کسی مرد کے ساتھ دیکھنا ضروری نہیں، زنا کا یقین ضروری ہے۔پھر امام صاحب نے (حدیث نمبر:3507) پر عنوان قائم کیا ہے (بَـابُ نَفْيِ الْوَلَدِ بِاللِّعَانِ وَإِلْحَاقِهِ بِأُمِّهِ) ''لعان کے ساتھ متنازعہ بچے کی نفی ہو جائے گی اور وہ ماں کو مل جائے گا۔'' اس کے تحت آنے والی حدیث مبارکہ کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خاوند بیوی میں لعان کروایا، پھر انہیں جدا کر دیا اور بچہ ماں کو دے دیا۔اس کے تحت ہمارے شیخ لکھتے ہیں، کیونکہ بچے ہی کا تو جھگڑا تھا، خاوند نفی کرتا تھا کہ میرا نہیں، ماں تو نفی کر ہی نہیں سکتی، لہٰذا اس کو دیں گے اور وہ ماں کی طرف ہی منسوب ہوگا کیونکہ خاوند تو نفی کر رہا ہے اور زانی سے نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔انتہی

باقی رہا ''بچہ بستر والے کے لیے ہے۔'' تو یہاں بستر نہ رہا کیونکہ خاوند نے اس کی نفی کردی ہے۔(ع،س)

(٢٣٦٩)۔أَخْبَرَنَـا عَبْـدُ الْـوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الْمَخْلَدِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ السَّرَّاجُ ، أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ نَافِعٍ ......

عَـنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: لَاعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ ، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ، وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالأُمِّ۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خاوند بیوی میں لعان کروایا، پھر انہیں جدا کر دیا اور بچہ ماں کو دے دیا۔

شرح: اس حدیث مبارکہ سے وہ حضرات استدلال پکڑتے ہیں جو اس موقف کے قائل ہیں کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی حاکم کرائے گا اس کے بغیر جدائی نہیں ہوگی، اور جو حضرات لعان ہو چکنے کے بعد از خود جدائی ہو جانے کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جدائی کی نسبت احتراماً آپ ﷺ کی طرف کردی گئی کیونکہ یہ لعان آپ ﷺ کی موجودگی میں ہوا تھا۔ یہ معاملہ اسی طرح ہے جیسے ایک شخص قاضی کے روبرو، دوسرے شخص پر کسی چیز کا دعویٰ کر دے اور مدعیٰ علیہ اس کے دعوے کو تسلیم کرلے اور قاضی اس کے مطابق فیصلہ صادر کردے تو فیصلے کو قاضی ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا حالانکہ مدعیٰ علیہ نے خود اقرار کیا ہے، یا ان الفاظ کو اس طرح سمجھا جائے کہ آپ ﷺ نے جدائی ہو جانے کے معاملے کی وضاحت فرمائی اور بچہ ماں کو دے کر اس پر مہر تصدیق ثبت فرمائی جبکہ تفریق آپ کے فیصلے سے قبل وقوع پذیر ہو چکی تھی، پھر اس کی اضافت اور نسبت آپ کی طرف کردی گئی۔

(٢٣٦٩) أخرجه البخاري: ٥٣١٥ ، ومسلم: ١٤٩٤ .

فائدہ: احناف کا موقف ہے کہ لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی، قاضی تفریق کرے تب جدائی ہوگی، پھر اس جدائی میں بھی ان کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بائنہ ہوگی اور اگر خاوند بعد ازاں اپنے آپ کو جھٹلا دے، یعنی الزام واپس لے لے تو دونوں میں دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس تفریق سے وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے۔ صحیح موقف جمہور (مالک، شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ) کا ہے کہ محض لعان ہی سے جدائی واقع ہو جائے گی، قاضی کی تفریق کی ضرورت ہے نہ طلاق ہی کی، اس کے بعد دونوں ایک دوسرے پر ابدی طور پر حرام ہیں، آپس میں ان کا نکاح نہیں ہوسکتا، چاہے خاوند اپنے موقف سے پھر بھی جائے کیونکہ قسم جب واقع ہو جائے اور اس کے نتیجے میں احکام لاگو ہو جائیں اور فیصلہ ہو جائے تو وہ قسم واپس نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح لعان بھی ختم نہیں ہوگا لیکن اس صورت میں خاوند پر حد قذف ضرور لگے گی کیونکہ اس نے صرف تہمت ہی نہیں لگائی بلکہ لعان کر کے اسے سرعام ذلیل بھی کیا ہے، لہٰذا اور کچھ نہیں تو حد قذف ضرور لگے گی۔ واللہ اعلم۔ (ع،س)

(افادہ از شیخ وامام حافظ محمد امین یعقوب آف اوڈانوالہ، مترجم سنن نسائی، طبع دارالسلام)

(۲۳۷۰)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، قَالَتْ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: أنا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلاعِنَيْنِ: ((حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَالِي؟ قَالَ: ((لا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا، فَهُوَ مَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا، فَذَلِكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا أَوْ مِنْهُ۔))

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لعان کرنے والوں سے کہا: ''تمہارا حساب تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، تم میں سے ایک جھوٹا ہے، اب تمہیں تمہاری بیوی پر کوئی اختیار نہیں۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا مال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے کوئی مال نہیں ملے گا، اگر تو سچا ہے تو تیرا وہ مال اس کے بدلے میں ختم ہو چکا کہ تم نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا تھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو تجھے مال مل ہی نہیں سکتا۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا) ''اب تمہیں تمہاری بیوی پر کوئی اختیار نہیں۔'' اس بات پر دلیل ہیں کہ لعان سے جدائی اور تفریق واقع ہو جاتی ہے نیز اس کے بعد وہ عورت اس

(۲۳۷۰) أخرجه البخاري: ۵۳۱۲، ومسلم: ۱۴۹۳.

کے لیے ابدی طور پر حرام ہو جائے گی خواہ بعدازاں خاوند اپنے آپ کو جھٹلا دے (یعنی الزام واپس لے لے) اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے۔

سیدنا عمر، سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ امام زہری، مالک، اوزاعی، ثوری، شافعی، احمد، اسحاق اور ابو یوسف رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیز بیوی سے لعان کرلے پھر اسے خرید لے تو اس کے لیے اس سے جماع کرنا حلال نہیں ہوگا جس طرح اگر کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید لے تو اس سے مباشرت جائز نہیں ہوگی کیونکہ رضاعت کی حرمت ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہے (اسی طرح لعان کی حرمت بھی ابدی ہے) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اگر لعان کرنے والا شخص اپنے آپ کو جھٹلا دے، یعنی الزام واپس لے لے تو دونوں میں دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور نکاح کی حرمت ختم ہو جائے گی جس طرح نسب کا انکار کرنے کے بعد اقرار کر لینے سے وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسا موقف جناب سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جناب سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کی منکوحہ لوٹ آئے گی جب وہ اپنے آپ کو جھٹلا دے۔ اس میں دلیل ہے کہ لعان والی عورت کا خاوند اس سے مہر واپس نہیں لے سکتا اگر وہ اس سے خلوت کر چکا ہے، خواہ عورت زنا کا اقرار ہی کیوں نہ کرلے۔ اگر زوجین کے درمیان لعان دخول اور مباشرت سے قبل ہو تو اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ ایسی عورت کو آدھا حق مہر ملے گا۔ جناب قتادہ، شعبی، حسن، سعید بن جبیر، امام مالک، اوزاعی اور امام شافعی رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں۔ امام حکم اور حماد رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ایسی عورت کو پورا حق مہر ملے گا۔ امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: ایسی عورت کو حق مہر نہیں ملے گا۔

(۲۳۷۱)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ......

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْبَيِّنَةُ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ)) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ؟ فَجَعَلَ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے شریک بن سحماء (نامی مرد) کے ساتھ متہم کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گواہ (پیش کر) یا تیری پشت پر کوڑے لگیں گے؟'' اس نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی پر کسی مرد کو پائے تو کیا وہ گواہ

(۲۳۷۱) أخرجه البخاري: ۲٦۷۱، ٤۷٤۷.

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((الْبَيِّنَةُ وَإِلا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ)) فقَالَ هِلالٌ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! إِنِّي لَصَادِقٌ، فَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ مَا يُبَرِّءُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَجَاءَ هِلالٌ، فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ؟)) ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ، فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ، وَقَّفُوهَا، وَقَالُوا: إِنَّهَا مُوجِبَةٌ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَتَلَكَّأَتْ، وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ، ثُمَّ قَالَتْ: لا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ، فَمَضَتْ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الأَلْيَتَيْنِ، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ)) فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَوْلا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ۔))

تلاش کرنا شروع کردے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گواہ (پیش کر) یا تیری کمر پر کوڑے لگیں گے، اس پر ہلال نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق وصداقت کے ساتھ بھیجا ہے، بلاشبہ میں سچا ہوں اور یقیناً اللہ اب (واضح) حکم اتارے گا جو میری کمر کو کوڑوں سے بچا دے گا، اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ، وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ، وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ، وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ......''جولوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ سوائے ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہوں، اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے، اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو۔'' (سورۂ نور:٦ تا٩) نبی ﷺ نے چہرۂ انور پھیرا اور عورت کو بلا بھیجا، اس کے بعد ہلال آیا، اس نے اپنی صداقت کی گواہی دی، جبکہ نبی ﷺ فرما رہے تھے، بلاشبہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک تو جھوٹا ہے، تو

کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے کے لیے تیار ہے؟ پھر (اسکی) بیوی کھڑی ہوئی اور اس نے اپنی صداقت پر گواہی دی۔ جب وہ پانچویں بار گواہی دینے لگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے روکا اور کہا: یہ (عذاب کو) واجب کردے گی، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عورت جھجکی اور پیچھے ہٹ گئی، ہم نے محسوس کیا کہ وہ (اپنے قول سے) پھر جائے گی لیکن اس نے کہا: میں اپنی قوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسوا نہیں کرسکتی، چنانچہ اس نے (پانچویں گواہی کو) مکمل کردیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس عورت کا دھیان رکھنا اگر اس نے بچہ سرمیلی آنکھوں والا، بھاری بھرکم سرینوں والا، موٹی پنڈلیوں والا جنا تو بچہ شریک بن سحماء کا ہے۔'' چنانچہ ان اوصاف کا بچہ پیدا ہوا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کتاب اللہ کا حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا تو اس سے نپٹتا۔''

شرح (خَدَلَّجُ السَّاقَيْنِ) کا معنی ہے موٹی پنڈلیوں والا، اور خدل الساقین کے الفاظ بھی مروی ہیں یعنی پر گوشت پنڈلیوں والا جن پر وافر اور بے تحاشا گوشت ہو۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کرسکے، لعان بھی نہ کرے تو اسے حد قذف (بہتان تراشی کی حد) لگائی جائے گی جس طرح کسی اجنبی پر تہمت لگانے سے حد لگتی ہے۔

فائدہ: امام صاحب کا اشارہ حدیث مبارکہ کے ابتدائی الفاظ کی جانب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اَلْبَيِّنَةُ اَوْحَدٌّ فِیْ ظَهْرِكَ) ''گواہ پیش کر یا تیری پشت پر کوڑے لگیں گے۔'' لیکن اب اسے لعان ہی کرنا پڑے گا کیونکہ اس وقت تک خاوندوں کا خصوصی حکم ابھی نہیں اترا تھا اور عمومی حکم یہی تھا کہ کسی پر تہمت لگانے کی سزا حد قذف ہے، خاوند اپنی بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھے لیکن اس کے علاوہ موقع کا کوئی گواہ موجود نہ ہو تو شریعت نے خاوند کے لیے رعایت رکھی ہے، ورنہ عام آدمی ایسی حالت میں یہ بات افشا نہیں کرسکتا، اسے خاموش رہنا پڑے گا لیکن خاوند کو اجازت ہے کہ وہ عدالت میں پیش ہو، عدالت عورت کو طلب کرے گی اور دونوں سے قسمیں لے گی۔ اگر ان میں سے کوئی قسمیں کھانے سے انکار کردے تو اسے سزا دی جائے گی۔ مرد کو تہمت کی اور عورت کو زنا کی، اگر دونوں قسمیں کھائیں تو عدالت ان کا

نکاح ختم کر دے گی اور کسی کو کچھ نہیں کہے گی۔ افادہ از شیخ حافظ محمد امین۔ (ع،س)

حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی پر معین شخص کا نام لے کر الزام لگائے اور پھر لعان کرے تو اس سے معین شخص کو متہم کرنے کی حد ساقط ہو جائے گی جس طرح اسے اپنی بیوی پر الزام لگانے کی حد نہیں لگے گی، کیونکہ متہم اور ملوث شخص کا نام لینا اس کی مجبوری ہے، جس طرح اپنی بیوی کو موردطعن ٹھہرانا اس کی مجبوری ہے تا کہ اس خباثت اور بے غیرتی سے نجات پا سکے، پھر لعان کرنا جس طرح اس کی بیوی کے حق میں اس کے سچے ہونے کی دلیل ہے اسی طرح متہم شخص کے بارے میں بھی یہ اس کی سچائی کی دلیل ہے (اسے حد قذف نہیں لگے گی) یہ بات اس صورت میں ہے جب وہ اپنی بیوی پر الزام لگاتے ہوئے کسی شخص کا نام لے اور اگر کسی شخص کا نام لیے بغیر وہ الزام لگائے تو اس سے حد قذف ساقط ہونے کے حوالے سے امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں، اگر ہم کہیں کہ اس سے حد ساقط نہ ہوگی تو اسے دوبارہ لعان کے عمل سے گزرنا ہوگا تا کہ اس سے حد ساقط ہو جائے اور ایک قوم کا موقف ہے کہ لعان کرنے سے معین شخص پر الزام تراشی کی حد اس سے ساقط نہ ہوگی۔ امام مالک اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں۔

فائدہ: سیدنا عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر الزام لگاتے ہوئے سیدنا شریک بن سحماء رضی اللہ عنہ کا نام لیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حد قذف نہیں لگائی، اور چار گواہ (اور اقرار) نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بھی کچھ نہیں کہا، ان شاء اللہ یہی بات درست اور اقرب الی الحدیث ہے۔ (ع،س)

پانچویں قسم کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ) ''یہ (عذاب) کو واجب کر دے گی۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ لعان کا حکم پانچ قسمیں کھانے کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ یہی موقف رکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ جب اکثر قسمیں کھائی جائیں تو لعان ہو جائے گا کیونکہ (لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ) ''اکثریت پر کل کا حکم لاگو ہوتا ہے۔''

لعان کے حوالے سے سنت طریقہ یہ ہے کہ لعان کنندہ کو پانچویں قسم اٹھانے کے وقت روکا جائے اور اسے اللہ کا خوف اور عذاب یاد دلایا جائے، انہیں آخرت کے عذاب سے خبردار کیا جائے اور اسے کہا جائے، دیکھو! پانچویں قسم کے بعد رجوع ممکن نہیں۔ اگر آپ جھوٹے ہیں تو یہ کلمہ آپ پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت واجب کر دے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ پانچویں قسم سے پہلے رجوع کا امکان ہے، پانچویں کے بعد ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اس لیے اسے روکا جائے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جائے، عورت کے منہ پر عورت ہاتھ رکھے گی۔ (ع،س)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب پانچویں قسم کی باری آئی تو اسے کہا گیا: اے ہلال! اللہ سے ڈر، بلاشبہ دنیا کی سزا آخرت کے مقابلے میں بہت ہلکی ہے اور یہ (پانچویں) قسم تجھ پر اللہ کے عذاب کو واجب کر دینے والی ہے،

اور عورت سے بھی پانچویں قسم اٹھاتے وقت یونہی کہا گیا۔ (ضعیف، ابوداود: ۲۲۵۶)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب لعان کرنے والوں سے قسمیں کھانے کو کہا تو پانچویں قسم کے وقت آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''اس مرد کے منہ پر ہاتھ رکھو، اسے کہو یہ واجب کرنے والی ہے (اللہ کے غضب، لعنت اور عذاب کو)۔ (صحیح، ابوداود: ۲۲۵۵، نسائی: ۳٤۷۲)

لعان کا آغاز مرد سے کیا جائے، حاکم وقت اسے اپنے سامنے کھڑا کرے اور اس سے ایک ایک کلمہ کہلوائے، پھر عورت کو اپنے سامنے کھڑا کرے اور اس سے ایک ایک حرف کہلوائے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مرد کو وعظ ونصیحت فرمائی اور اسے خبردار کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت کم ہے، اس نے کہا: نہیں! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنایا ہے، میں نے اس پر (ذرہ بھر) جھوٹ نہیں بولا، پھر آپ نے عورت کو بلایا، اسے بھی وعظ ونصیحت فرمائی اور اسے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے، وہ کہنے لگی: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا! یقیناً وہ جھوٹا ہے آپ نے پہلے آدمی سے قسمیں لیں، اس نے قسمیں اٹھائیں۔ (صحیح مسلم: ۱٤۹۳)

نبی ﷺ کے الفاظ (لَوْلَا مَا مَضٰی مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ ، لَكَانَ لِیْ وَلَهَا شَأْنٌ) ''اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حکم لکھا نہ جا چکا ہوتا تو دنیا دیکھتی میں اس سے کیا سلوک کرتا۔'' ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ جج ظاہری دلائل اور شہادتوں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اصل حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔ دیکھئے! یہاں شبہات موجود ہیں اور ایسے قرائن اور دلائل بھی پائے جاتے ہیں جو اس خاتون کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہیں مگر آپ ﷺ نے لعان کا حکم جاری فرمایا اور حد نہیں لگائی حالانکہ زنا کے شبہات قوی تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لعان کے تذکرے کے بعد سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمادیا کہ بچہ باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگا، نہ اس عورت کو تہمت لگائی اور نہ اس کے بچے کو کوئی طعنہ دیا جائے، جس کسی نے اس عورت کو تہمت لگائی یا بچے کو طعنہ دیا تو اس پر حد ہے، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس عورت کے لیے خاوند پر سکنیٰ (رہائش) لازم ہے نہ نفقہ (خرچہ) کیونکہ یہ دونوں طلاق کے بغیر علیحدہ ہو رہے تھے اور نہ خاوند فوت ہوا تھا۔ (ضعیف، ابوداود: ۲۲۵۶)

اس حدیث مبارکہ سے یہ فقہی فائدہ حاصل ہوا کہ جب خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگائے اور اس سے لعان کرلے، نیز بچے کی بھی نفی کردے اس کے بعد اگر کوئی شخص متعلقہ خاتون پر بہتان تراشی کرے اور زنا کا الزام لگائے تو اسے حد لگائی جائے گی خواہ اس نے شوہر کے لعان کرنے کے بعد لعان کیا ہو یا بالکل نہ کیا ہو .... اور اگر خاوند نے بعد از لعان اسے پھر مورد طعن ٹھہرایا ہو تو اسے تعزیر لگے گی، بخلاف اس زنا کے جو گواہوں یا عورت کے اقرار سے ثابت ہوا

ہو، ایسی صورت میں کسی کو بھی حد نہیں لگے گی خواہ قاذف (بہتان تراش) خاوند ہو یا کوئی اور شخص، اس لیے کہ گواہی کی موجودگی اور مجرم کا اقبال جرم کر لینا عمومی دلائل میں سے ہیں اور لعان خاص حجت اور دلیل ہے جو صرف اور صرف شوہر کے لیے شریعت نے روا رکھی ہے باقیوں کے لیے نہیں (چار گواہ نہ ہونے کی صورت میں باقی لوگ خاموشی اختیار کریں گے مگر خاوند کو حکم ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور لعان کرے) یہ اکثر اہل علم کا موقف ہے، اہل رائے کا موقف ہے کہ اگر وہ بچہ زندہ ہے جس کی لعان کر کے نفی کی گئی ہے تو بہتان تراش کو حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر وہ بچہ زندہ نہیں جس کی بذریعہ لعان نفی کی گئی ہے یا میاں بیوی کے مابین لعان تو ہوا مگر بچے کی نفی کے ذکر کے بغیر ہوا تو قاذف (بہتان تراش) پر حد لگائی جائے گی۔ مگر اہل رائے کی یہ تفصیل اور فرق عقلاً درست ہے نہ نقلاً۔

حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ بذریعہ لعان ہونے والی تفریق فسخ ہے طلاق نہیں ہے اس لیے ایسی عورت کو نہ رہائش ملے گی اور نہ خرچہ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خاوند کے لعان کرنے کے ساتھ پانچ احکام مرتب ہو جاتے ہیں:

(۱) شوہر سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔

(۲) اور عورت پر زنا کی حد واجب ہو جاتی ہے جس طرح گواہوں کی وجہ سے اس پر حد زنا واجب ہوتی ہے۔

(۳) فراش یعنی بچے کی اس سے نفی ہو جائے گی۔

(۴) لعان کے بعد وہ عورت شوہر کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

(۵) بچے کا نسب والد سے نہیں چلے گا۔

گواہوں کے ذریعے سے ثابت ہونے والے زنا کے بعد خاوند سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت پر حد زنا واجب ہو جاتی ہے اور کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔ شوہر کے لعان کے بعد اگر عورت اپنے سے بدکاری کی حد کو ساقط کرنا چاہتی ہے تو اس کا ایک ہی حل ہے کہ وہ بھی لعان کرے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔'' (سورۂ نور: ۸) اور عذاب سے مراد حد ہے اور عورت کے لعان کے ساتھ صرف اور صرف یہی اکیلا حکم ہی لاگو ہوتا ہے اور اگر خاوند بیوی کا بدکار ہونا بذریعہ گواہ ثابت کرے تو اس صورت میں عورت لعان کر کے اپنے اوپر سے حد ساقط نہیں کر سکتی۔

اہل رائے کا موقف ہے کہ اگر شوہر لعان کرنے سے رک جائے تو اسے قید کیا جائے، تا آنکہ وہ لعان کرے، پھر اگر وہ لعان کر لے تو عورت پر کوئی حد نہیں بلکہ اس پر لعان کرنا ہی ہوگا، اگر خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگائے، پھر لعان کرنے سے قبل عورت کا معاملہ کھل جائے تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ بچے کے نسب کی نفی کے لیے اس سے لعان

کرے اگر بچہ موجود ہو اور اگر بچہ نہ ہو تو حد یا تعزیر کے اسقاط کے لیے لعان کرے بشرطیکہ عورت اس چیز کا مطالبہ کرے، یہ قول حسن، شعبی، قاسم بن محمد، مالک، شافعی اور احمد رحمہ اللہ کا ہے، ایک قوم کا موقف ہے کہ اس پر نہ حد ہے نہ لعان ہے۔ اس کے قائل حماد بن ابی سلیمان نخعی، ثوری اور اہل رائے ہیں۔ اگر عورت شوہر کے لعان کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو خاوند کو حد لگائی جائے گی اور لعان نہیں کروایا جائے گا الا یہ کہ اس خاتون سے بچہ ہو اور خاوند کو اس کی نفی مطلوب ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اس سے لعان کروایا جائے گا اور امام حماد نے کہا: اسے حد لگائی جائے گی۔

اگر قذف اور تہمت کا معاملہ میاں بیوی کے درمیان جدائی کے بعد پیش آیا ہو تو اس پر لعان نہیں ہوگا بلکہ اس میں شوہر کو حد لگائی جائے گی، الا یہ کہ اس خاتون سے اس کا بچہ ہو جو والد کے پاس ہو اور اسے اس کی نفی مطلوب ہو تو اس صورت میں وہ لعان کرے گا، اسی طرح وہ لعان کرے گا جب اسے فاسد نکاح یا کسی شبہ کی بنا پر ہو جانے والی وطی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کی نفی مقصود ہو، پھر جب وہ لعان کرلے تو اس سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔ اہل رائے کا موقف ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جانے کے بعد یا نکاح فاسد میں حد قذف لعان کرنے سے ساقط نہیں ہوگی۔

گونگے شخص کا اشارے سے تہمت لگانا قذف ہی شمار ہوگا اسی طرح اس کا بذریعہ اشارات لعان بھی لعان ہی کا حکم رکھتا ہے، اہل رائے کا موقف ہے کہ گونگے شخص کا اشاروں کے ساتھ تہمت لگانا اور لعان کرنا صحیح نہیں اس پر کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔ البتہ تمام علماء گونگے شخص کے اشارے کے ساتھ دی ہوئی طلاق، آزادی اور تجارت کے جائز ہونے پہ متفق ہیں، نیز اس کی تحریر کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

(14)......بَابُ الرَّجُلِ يَجِدُ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا

ایک شخص دوسرے آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ لے تو کیا کرے......؟

(٢٣٧٢)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ لَوْ وَجَدْتُ مَعَ امْرَأَتِي رَجُلًا أُمْهِلُهُ حَتَّى آتِيَ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتلایئے اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو اسے چھوڑ دوں (اور قتل نہ کروں) بلکہ چار گواہ تلاش کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''

(٢٣٧٢) أخرجه مسلم: ١٤٩٨ .

شرح سلیمان بن بلال عن سہیل کی سند سے یہ الفاظ مزید مذکور ہیں، ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں تو اس سے پہلے (کہ گواہ تلاش کروں) تلوار کے ساتھ اس کے اوپر پل پڑوں گا (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنو! تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟ بلاشبہ یہ شخص بہت غیرت مند ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے (بھی) زیادہ غیرت والا ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱٤۹۸)

امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے کہا: بہت ممکن ہے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ سے تکرار اس امید پر ہو کہ شاید ایسی حالت میں گواہ نہ ڈھونڈنے کی رخصت مل جائے اور مقصود آپ کی بات کا رد نہ ہو، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ خاموش ہو گئے اور سر تسلیم خم کر دیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث ہذا میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ حالت گناہ میں پایا ہے تو فقط اس دعویٰ کی بنا پر اس سے قصاص ساقط نہیں ہوگا جب تک کہ عین موقع کے چار گواہ مہیا نہ کر دے (تب اس کی جان بخشی ہوگی) اور اگر گناہ میں ملوث شخص شادی شدہ ہوا تو وہ رجم کیے جانے کا مستحق قرار پائے گا۔ اسی طرح جب ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کر دے اور پھر اس بات کا دعویٰ کر دے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے تو قتل کرنے والے کے ذمے گواہوں کا پیش کرنا لازمی ہے، اسی طرح جب ایک شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر اس کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دے کہ اس نے میری چوری کی ہے اس کا یہ دعویٰ اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ یہ ثابت نہ کر دے کہ اس نے چوری کے نصاب کے برابر مال کسی محفوظ مقام سے چرایا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ بھی نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''إِنْ لَمْ يَأْتِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَلْيُعْطِ بِرُمَّتِهِ، أَي يسلم إِلَى أَوْلِيَاء الْقَتِيل ليقتلوه۔'' ...... اگر ایسا شخص چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کی رسی مقتول کے ورثاء کو تھما دی جائے۔ یعنی ایسے شخص کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اسے قتل کر دیں۔

(الرُّمَّة) اس رسی کو کہتے ہیں جس سے قیدی کو باندھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے قاتل کی رسی جو عدالت نے اس کی گردن میں ڈال رکھی ہے مقتول کے ورثاء کو پکڑا دی ہے اور اس کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دیت کے مکمل اونٹ مع نکیل مقتول کے ورثاء کو دیئے جائیں اور اس معنی کے لحاظ سے (الرمة) سے مراد اونٹ کے گلے میں پڑی رسی ہوگی۔ مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے قاتل کے خون کو رائیگاں قرار دیا ہے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے زنا ثابت ہو جانے اور زانی کے شادی شدہ ہونے کی صورت میں قاتل اور اس کے پروردگار کے مابین معاملے کو رائیگاں قرار دیا ہو، رہا قاضی کا فیصلہ تو اس میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر قاتل اس بات پر گواہ پیش کر دے کہ اس نے مقتول کو اپنی بیگم کے ساتھ ناگفتہ بہ حالت میں دیکھا ہے اور اپنے گھر میں

دیکھا ہے تو اسے خون معاف ہے، یہی قول امام اسحاق رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

(15)......بَابُ الْغَيْرَةِ

غیرت کا بیان

(٢٣٧٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبُ الْمُغِيرَةِ......

عَنِ الْمُغِيرَةِ، قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: لَوْ رَأَيْتُ رَجُلا مَعَ امْرَأَتِي، لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ((تَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللّٰهِ لأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي، وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِينَ، وَالْمُبَشِّرِينَ، وَلا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔))

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو اسے سیدھی تلوار سے فوراً قتل کر ڈالوں اور چوڑی طرف سے نہ ماروں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم سعد کی غیرت پر حیرت کا اظہار کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں اس سے بڑھ کر غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عذر اور معذرت کو پسند کرنے والا نہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور خوشخبری دینے والوں کو مبعوث فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں جسے اپنی مدح پسند ہو اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے مدح خوانوں کے لیے) جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔''

شرح صحیح مسلم میں یہی حدیث کامل جحدری، ابوعوانہ سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں، کوئی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر معذرت کو پسند کرتا ہو، اور کوئی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنی مدح وتوصیف کو پسند کرتا ہو۔''

(٢٣٧٣) أخرجه البخاري: ٧٤١٦، ومسلم: ١٤٩٩ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: عبیداللہ عمرو نے عبدالملک سے (لَا شَخْصَ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ) کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محرمات اور معاصی کے ارتکاب سے ڈانٹتے اور منع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ غیور ہیں کا مطلب ہے کہ گناہوں سے بہت روکنے والے اور باز رہنے کی حد درجہ تلقین کرنے والے ہیں۔

حدیث کے الفاظ (لَا أَحَدٌ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ) ''اللہ کریم سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی معاصی اور فواحش سے مجتنب رہنے کی تلقین کرنے والا نہیں۔ (غَيْرَ مُصْفِحٍ) ''تلوار کی الٹی طرف سے نہیں ماروں گا۔'' یعنی میں تلوار کی دھار کے ساتھ قتل کر دوں گا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا، تلوار چوڑائی کے بل نہیں ماروں گا جو عموماً ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ماری جاتی ہے، اہل عرب کے جملے (وَجْهُ هٰذَا السَّيْفِ مُصْفِحٌ) کا معنی ہے کہ یہ تلوار چوڑی ہے اور تلوار کے دونوں کناروں کو ''صَفْحَا السَّيْفِ'' کہا جاتا ہے اور ''غِرَارَة'' سے مراد تلوار کی تیز دھار ہے۔ جب تلوار کو عرض کے بل مارا جائے تو کہا جاتا ہے: اصفحنه السيف۔

(٢٣٧٤)۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ......

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ، وَمَا أَحَدٌ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الفَوَاحِشَ۔))

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو تعریف سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اللہ کریم سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے۔''

شرح ایک حدیث مبارکہ میں مذکور ہے ''بلاشبہ غیرت ایمان سے ہے۔'' مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: (اے لوگو!) مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہاری عورتیں بازاروں میں رش اور بھیڑ کرتی ہیں، کیا تمہیں غیرت نہیں آتی، خبردار! اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو غیرت مند نہیں۔

(16)......بَابُ إِثْمِ مَنْ جَحَدَ وَلَدَهُ أَوْ ادَّعَى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ

اپنے بچے کے انکار کر دینے یا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونے کا گناہ

(٢٣٧٥)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخَلَّالُ،

(٢٣٧٤) أخرجه البخاري: ٤٦٣٤، ٥٢٢٠، ٧٤٠٣، ومسلم: ٢٧٦٠.

(٢٣٧٥) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٢٢٦٣، والنسائي: ١٤٨١، وابن ماجه: ٢٧٤٣.

حَـدَّثَـنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّـافِعِـيُّ، أَخْبَـرَنَـا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُونُسَ، أَنَّهُ سَمِعَ الْمَقْبُرِيَّ، قَالَ:......

حدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الْمُلاعَنَةِ، قَـالَ الـنَّبِـيُّ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَـلَـتْ عَـلَـى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ، فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَـنَّتَـهُ، وَأَيُّـمَا رَجُلٌ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْـهِ، احْتَـجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُءُوسِ الْخَلائِقِ فِي الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب لعان کے متعلق آیت اتری تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو عورت کسی قوم میں کسی غیر کو داخل کر دے جو ان میں سے نہ ہو تو وہ اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں رکھتی، اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی حیثیت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا، اور جس شخص نے اپنے بچے کا انکار کیا جبکہ بچہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس سے حجاب فرمالے گا اور اولین وآخرین کے روبرو اسے رسوا کرے گا۔“

(٢٣٧٦)۔حَـدَّثَـنَا السَّيِّدُ أَبُو الْقَاسِمِ عَلِيُّ بْنُ مُوسَى الْمُوسَوِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَامِرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ تَوْبَةَ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو مُحَمَّدُ بْنُ عِـصَـامٍ، حَـدَّثَـنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَكِيمٍ هُوَ الْفِرْيَانَانِيُّ، حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَمِّهِ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ......

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْـرَةَ، قَـالَ: لَمَّـا نَـزَلَـتْ آيَةُ الْـمُـلاعَنَةِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَلْحَقَتْ بِقَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِـنْهُـمْ، فَـلَيْسَـتْ مِـنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُـدْخِـلَهَـا اللّٰهُ الْجَنَّةَ، وَأَيُّمَا عَبْدٍ أَنْكَرَ وَلَدَهُ وَهُـوَ يَعْرِفُهُ، احْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُءُوسِ الأَشْهَادِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لعان کی آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو عورت کسی قوم میں ایسے بچے کو داخل کر دے جو ان میں سے نہیں تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں، اور اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔ اور جو آدمی اپنے بچے کا (ضد سے یا شک وشبہ سے) انکار کر دے حالانکہ وہ اسے پہچانتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے منہ موڑے گا اور قیامت کے دن اسے لوگوں کی موجودگی میں رسوا کرے گا۔“

(٢٣٧٦) ضعيف ...... انظر الحديث السابق.

(٢٣٧٧)ـأَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، قَالَ:......

سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدًا وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَأَبَا بَكْرَةَ، وَكَانَ قَدْ تَسَوَّرَ حِصَارَ الطَّائِفِ فِي أُنَاسٍ، فَجَاءَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَا: سَمِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ((مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔))

جناب ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا اور یہ وہ اولین شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا اور سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ طائف شہر کی دیوار پناہ کو پھلانگا تھا، یہ دونوں بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بیان کیا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوگیا، اس پر جنت حرام ہے۔''

شرح: کوئی عورت کہیں بدکاری کرے اور حاملہ ہوجائے اور پھر بچے کو شوہر اور اس کی قوم سے ملادے یا کوئی باپ بلاوجہ بچے سے انکار کردے تو یہ انتہائی مکروہ اور کمینہ کام ہے اور یہ دونوں عمل کبائر میں سے ہیں۔ (ع،س)

(17)......بَابُ الشَّكِ فِي الْوَلَدِ

باپ جب بچے کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کرے تو......؟

(٢٣٧٨)ـأَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟)) قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ((مَا أَلْوَانُهَا؟)) قَالَ: حُمْرٌ قَالَ: ((فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟)) قَالَ:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میری بیوی نے سیاہ بچہ جنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے رنگ کیسے ہیں؟'' اس نے کہا: سرخ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟''

(٢٣٧٧) أخرجه البخاري: ٤٣٢٦، ٦٧٦٦، ومسلم: ٦٣.

(٢٣٧٨) أخرجه البخاري: ٥٣٠٥، ٦٨٤٧، ٧٣١٤، ومسلم: ١٥٠٠.

نَـعَـمْ ، قَـالَ: ((أَنَّـى تَرَى ذَلِكَ؟)) قَالَ: أُرَاهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ ، قَالَ: ((فَلَعَلَّ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ۔))

اس نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا خیال ہے وہ کدھر سے آ گئے؟'' وہ کہنے لگا، ہوسکتا کسی جدی رنگ کا اثر ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہوسکتا ہے اس بچے میں بھی کسی جدی رگ کا اثر ہو۔''

شرح: (الأَوْرَقَ) یعنی گندم گوں (سانولا رنگ) اس سے راکھ کو عربی زبان میں اورق کہا جاتا ہے، کبوتری کو ورقاء کہتے ہیں، اونٹوں اور کبوتروں میں ان کو اورق کہتے ہیں جن کا رنگ راکھ جیسا یعنی خاکستری ہو۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا بچہ جن دے جو ظاہر رنگ روپ کے لحاظ سے خاوند کا نہ لگتا ہو تو محض اس بنا پر بچے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، نہ عورت پر قذف اور بہتان ہی لگانا چاہیے، شک وشبہ کی بنا پر ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر کوئی واضح دلیل اور یقینی بنیاد ہو مثلاً شوہر کے غائب رہنے کی صورت میں حمل یا ولادت ہو یا بعد از نکاح چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو یا چار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جائے تو نفی کی جاسکتی ہے اس لیے کہ جس طرح بغیر کسی معقول اور شرعی وجہ کے بچے سے انکار کرنا ممنوع اور حرام ہے اسی طرح یقین اور واضح دلیل ہونے کی صورت میں اس کے نسب کو ملانا بھی حرام اور ممنوع ہے۔

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حالت گناہ میں دیکھے یا ایسے افراد سے سنے کہ جن کے سچے ہونے کا اسے یقین ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے یا لعان کرے لیکن پردہ پوشی اولیٰ ہے، جب اس سے کوئی ایسا نسب متعلق نہ کیا جا رہا ہو جسے وہ جانتا ہو کہ وہ بچہ اس کا نہیں ہے۔

وضاحت: ......اس عبارت میں پردہ پوشی سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہ خاموش ہو جائے اور چپ سادھ لے، ایسا کرنا تو دیوثیت اور بے غیرتی ہے بلکہ خاموشی اور پردہ پوشی سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے اپنے سے جدا کر دے، طلاق دے کر فارغ کر دے اور لعان تک معاملہ نہ لے جائے یا اسے سمجھائے بجھائے یا اس کے والد اور خاندان کے بااثر افراد کو بتلائے تاکہ وہ اسے وعظ و تلقین کریں اور اسے سیدھی راہ پر لے آئیں۔ (ع،س)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ جب کوئی شخص کسی پر اشارتاً زنا کا الزام لگائے اور صراحتاً کچھ نہ کہے تو وہ اس سے قاذف قرار نہیں پائے گا، اور صراحت سے مراد یہ ہے کہ وہ واشگاف الفاظ سے صاف صاف کسی کو زانی کہے یا انداز تو کنایہ والا ہو مثلاً کسی کو اے فاسق! یا اے فاجر! جیسے الفاظ سے مخاطب کرے اور پھر اس بات کا اقرار کرے کہ اس کی مراد ان الفاظ سے اسے زانی اور بدکار کہنا ہی ہے، باقی رہا کنایتاً کسی کو بدکار باور کرنا مثلاً کسی کو کہنا او حلال زادے یا یوں کہے کہ میں نے تو کبھی زنا نہیں کیا یا کہے میری ماں تو بدکار نہیں تو اکثر اہل علم کے نزدیک ان سے حد قذف واجب نہ ہوگی خواہ اس کی مراد دوسرے شخص کو زانی باور کرانا ہی کیوں نہ ہو، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: تعریض اور اشارہ کنایہ کے الفاظ

بولنے سے بھی حد لگائی جائے گی کیونکہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو آدمیوں میں باہم گالم گلوچ ہوئی تو ایک نے دوسرے شخص سے کہا: اللہ کی قسم! میرا والد زانی نہیں ہے نہ میری ماں ہی بدکار ہے، اس مسئلہ کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ طلب کیا تو ایک شخص نے رائے دی کہ ان الفاظ میں اس نے اپنے والدین کی تعریف وتوصیف ہی تو کی ہے جبکہ باقی سب حاضرین نے کہا: وہ اپنے والدین کی مدح وثنا دیگر الفاظ سے بھی تو کر سکتا تھا، ہمارا خیال ہے کہ اسے حد لگائی جائے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے۔

حدیث ہذا سے قیاس کرنا ثابت ہوتا ہے دیکھیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد اور بچے کی رنگت میں پائے جانے والے فرق کو واقعاتی مثال سے حل فرمایا، اس واضح قیاسی مثال سے اس کا اشکال دور ہو گیا کہ جس طرح اونٹوں کے رنگ مختلف ہو سکتے ہیں باوجود یہ کہ ان کی نسل اور دودھ ایک ہے اسی طرح کسی دور والے باپ، یعنی دادے وغیرہ سے بھی مشابہت ہو جاتی ہے ممکن ہے تیرا کوئی باپ دادا سیاہ رنگ کا ہو۔

(18)......بَابُ الْوَلَدِ لِلْفِرَاشِ

بچہ اسی کا ہے جس کی بیوی یا لونڈی نے جنم دیا

(۲۳۷۹)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ......

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي، فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ، قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَقَالَ: إِنَّ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ، فَقَالَ لَهُ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ، فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ،

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ میرا ہے، اسے اپنے قبضہ میں لے لینا۔ سیدہ بیان کرتی ہیں چنانچہ فتح مکہ کے سال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اعلان کیا کہ میرے بھائی نے مجھے اس کے بارے میں وصیت کی تھی عبد بن زمعہ اس کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا: یہ (بچہ) میرا بھائی ہے اور میرے والد کی لونڈی کا بیٹا ہے، اس کے بستر پر پیدا ہوا چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے بھائی نے

(۲۳۷۹) أخرجه البخاري: ۲۰۵۳، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ومسلم: ۱۴۵۷.

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ)) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ)) وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: ((احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللّٰهَ.))

اس بچے کے بارے میں مجھے وصیت کی تھی اور عبد بن زمعہ نے عرض کیا، یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے، اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! بچہ تجھے ملے گا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بچہ گھر والے کا ہوتا ہے اور زانی کو تو پتھر پڑتے ہیں۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اس سے پردہ کیا کر۔'' کیونکہ بچے میں آپ کو عتبہ سے مشابہت نظر آئی چنانچہ اس نے تا زندگی سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا۔

شرح: ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد یہ تیرا بھائی ہے۔'' امام رحمہ اللہ نے کہا: اہل جاہلیت کے ہاں مناکحت اور مرد وعورت کے اختلاط کی کئی صورتیں تھیں اسی طرح لونڈیوں کے حوالے سے بھی ان کے کئی (غیر اخلاقی وشرعی) سلسلے تھے جنہیں شریعت اسلامیہ نے باطل کر دیا، نکاح کے حوالے سے ان کی عادات ورسومات کا ایک نقشہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھینچا ہے، ان سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں چار قسم کے نکاح رائج تھے، ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیتا پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا، دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے زنا کرایا تھا اس سے حمل ٹھہر گیا ہے، جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا، ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو، اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا۔

نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی، سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے، جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی (اور سب کو آنا پڑتا، مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے) حتی کہ سب جمع ہو جاتے اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا، دوسرا کوئی بھی انکار کی جرأت نہ پاتا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔ وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے

انکار نہ کرتی، یہ رنڈیاں (جسم فروش عورتیں) ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے، قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا۔ پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا۔ وہ اس سے انکار نہ کرسکتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیے، صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۲۷)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: لونڈیوں کے بارے میں ان کی عادات میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ کنیزیں رکھتے اور ان پر ٹیکس لگاتے وہ اس کو ادا کرنے کے لیے بدکاری کرتیں، (یعنی یہ ان کا ذریعہ آمدنی تھا) یہی وہ رنڈیاں ہیں جن کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنے فرمان میں کیا ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ ...... ''تمہاری جو لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو۔'' (سورۂ نور: ۳۳) اور ان کے آقا اور مالک بھی ان سے جنسی میل ملاپ رکھتے اور اجتناب نہ کرتے، اور جاہلی معاشرے کی بات یہ بھی تھی کہ وہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کا بھی نسب تسلیم کر لیتے تھے، جب اس قسم کی جسم فروش لونڈی بچہ جنتی جس سے اس کا مالک بھی جماع کرتا اور دوسرے اشخاص بھی منہ کالا کرتے اور بسا اوقات یوں ہوتا کہ پیدا ہونے والے بچے کا دعویدار آقا بھی ہوتا اور دوسرا کوئی شخص بھی ہوتا تو اس صورتحال کو نپٹانے کے لیے وہ کسی قیافہ شناس کو بلاتے (اور وہ جو فیصلہ کرتا اسے تسلیم کرلیا جاتا) تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے مستقل فیصلہ فرمادیا کہ بچہ اسی کا ہے جس کی لونڈی جنے اور جس کے گھر پیدا ہو کیونکہ وہ جماع کرنے کا اقرار کر رہا ہے انکار نہیں کر رہا لہٰذا وہ لونڈی جماع کے اقرار کی بنا پر اس کا فراش قرار پائے گی، اور نبی ﷺ نے اس معاملے کو باطل قرار دے دیا جس کو اہل جاہلیت روا رکھے ہوئے تھے یعنی بذریعہ زنا نسب کا ثبوت۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں زنا کاری کا کوئی تصور اور مقام نہیں، جس کسی نے ایام جاہلیت میں یہ عمل بد کیا تو بچہ اس کے عصبہ ہی سے ملحق ہوگا اور جو کوئی نکاح صحیح کے بغیر کسی بچے کا دعویٰ کرے (زنا کی وجہ سے) تو وہ باپ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ وہ بیٹا اس باپ کا۔'' (ضعیف، ابوداود: ۲۲۶۴)

حدیث مبارکہ میں وارد لفظ ''الـمُسَـاعَاة'' سے مراد زنا ہے، امام اصمعی رحمہ اللہ مساعاۃ کو لونڈیوں کے ساتھ خاص جانتے تھے اور آزاد عورتوں کا اس سے کچھ تعلق نہیں سمجھتے تھے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں کنیزیں اپنے مالکوں کے لگائے ہوئے ٹیکس اور بھتے کو پورا کرنے کیلئے بدکاری کی راہ اختیار کرتیں اور دھندہ کرتیں۔ نبی ﷺ نے اسلام کے اندر زنا کاری کو حرام قرار دے کر ختم کر دیا اور اس کے ذریعے سے نسب کو تسلیم نہیں کیا اور جاہلیت میں جو ہو چکا اس سے چشم

پوشی فرمائی اور اس طرح جو نسب تسلیم کیے گئے تھے انہیں برقرار رکھا۔

فائدہ: چونکہ جاہلیت کے کاموں پر سزا نہیں دی جا سکتی تھی اس لیے اس دور کے تصرفات کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا کہ جو ہوا سو ہوا آئندہ کے لیے منع ہے۔ (ع،س)

اسی قسم کا ایک جھگڑا یہ تھا جو عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مابین وقوع پذیر ہوا، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ دور جاہلیت میں زمعہ کی ایک لونڈی تھی جس کے ساتھ اس کے جنسی تعلقات بھی رہتے اور اس پر ٹیکس بھی لگایا ہوا تھا کہ وہ بدکاری کے عمل سے مال بھی کمائے، عتبہ بن ابی وقاص بھی اس سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا جس کے نتیجے میں حمل ظاہر ہو گیا، اسی اثنا میں عتبہ بحالت کفر ہلاک ہو گیا تو اس نے اپنے بھائی سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی سے ہونے والے بچے کا نسب اپنے ساتھ ملا لے، ادھر عبد بن زمعہ نے دعویٰ کر دیا کہ یہ بچہ میرا بھائی ہے اس لیے کہ میرے والد کے بستر (گھر اور لونڈی) پر پیدا ہوا ہے، تو اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ عبد بن زمعہ کو اس کا دعویٰ دے دیا اور دور جاہلیت کے دعویٰ کو باطل قرار دے دیا، (یعنی زانی کی ملکیت کا دعویٰ قبول نہیں کیا)۔

حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح مالوں میں دعویٰ تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح نسب وغیرہ میں بھی دعویٰ کو تسلیم کیا گیا ہے، نیز یہ بھی پتہ چلا کہ لونڈی بھی جماع کے بعد بستر ہوتی ہے (جس طرح آزاد عورت ہوتی ہے) جب کسی لونڈی کا مالک اس سے جماع کا اقرار کرے اور پھر اس لونڈی کے ہاں اتنی مدت میں بچہ پیدا ہو کہ اسے جائز حمل مانا جا سکتا ہو تو اس بچے کا نسب مالک سے ملایا جائے گا اور بذریعہ لعان اس کی نفی ممکن نہیں الا یہ کہ مالک یہ دعویٰ کرے کہ میری وطی کے بعد اس کا رحم صاف ہو گیا تھا اور اس نے چھ ماہ بعد بچہ جن دیا ہے تو ایسی صورت میں بچے کی اس سے نفی کر دی جائے گی۔

(٢٣٨٠)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ......

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَطَئُونَ وَلائِدَهُمْ، ثُمَّ يَدَعُونَهُنَّ يَخْرُجْنَ، لا تَأْتِينِي وَلِيدَةٌ يَعْتَرِفُ سَيِّدُهَا أَنْ قَدْ أَلَمَّ بِهَا، إِلا أَلْحَقْتُ بِهِ وَلَدَهَا، فَأَرْسِلُوهُنَّ بَعْدُ، أَوْ أَمْسِكُوهُنَّ۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ان لوگوں کو کیا ہے جو اپنی لونڈی سے مجامعت کرنے کے بعد باہر جانے کی اجازت دیے رکھتے ہیں جس لونڈی کا مالک اس کے ساتھ جماع کا اقرار کرے گا تو اس لونڈی کے بچے کو میں اس مالک کے ساتھ ہی ملاؤں گا۔ اب کے بعد یا تو ان کو کھلا چھوڑ دو یا ان کو روک لو۔

(٢٣٨٠) صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ١٤٥٥ .

شرح اہل رائے کا موقف ہے کہ لونڈی جماع کے باوجود فراش نہیں، اس لیے ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر لونڈی بچہ جن دے تو وہ اسے مالک کا نہیں سمجھتے خواہ لونڈی مالک کے جماع کا اقرار کرے جب تک کہ مالک بچے کے اقرار کا دعویٰ نہ کرے۔

اگر مالک جماع کا اقرار کرے اور پھر استبرائے رحم (رحم صاف ہو جانے اور حیض آجانے) کا دعویٰ کرے اور لونڈی مصر ہو کہ اس کے جماع کے بعد میرا استبرائے رحم نہیں ہوا تو ایسی صورت میں آقا کی بات مانی جائے گی۔ اگر آقا یہ کہے کہ میں تو اس کے ساتھ عزل کرتا رہا ہوں تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا اور بچے کے نسب کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ عزل کے باوجود حمل کا ٹھہر جانا ممکن ہے۔

فائدہ: ممکن ہے وہ کسی وقت عزل نہ کر سکا ہو یا معمولی قطرہ رحم میں چلا گیا ہو جس سے حمل ٹھہر گیا۔ (ع، س)

(٢٣٨١)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ......

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَطَئُونَ وَلائِدَهُمْ، ثُمَّ يَعْزِلُونَهُنَّ، لا تَأْتِينِي وَلِيدَةٌ يَعْتَرِفُ سَيِّدُهَا أَنْ قَدْ أَلَمَّ بِهَا إِلا أَلْحَقْتُ بِهِ وَلَدَهَا، فَاعْزِلُوا بَعْدُ، أَوِ اتْرُكُوا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی لونڈیوں سے جماع کرتے ہیں پھر ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس لونڈی کا مالک اس کے ساتھ جماع کا اقرار کرے گا تو اس لونڈی کے بچے کو میں اس مالک کے ساتھ ہی ملاؤں گا اب کے بعد یا انہیں منع کر دو یا چھوڑ دو۔

شرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ جو مالک مر گیا ہو اور اس کا وارث اس کے بچے کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ یہ مرنے والے کا ہے تو اس کا نسب تسلیم کیا جائے گا لیکن یہ اس صورت میں ہے جب مرنے والے کا ایک ہی وارث ہو اور وہی تنہا ساری جائداد کو سمیٹنے والا ہو اور اگر مرنے والے کے کئی وارث ہوں اور ان میں سے بعض ورثاء تو نسب کو تسلیم کریں اور بعض دوسرے انکار کریں تو اس طرح نہ نسب ثابت ہوگا نہ وراثت، اگر اس ضابطے پر یہ اعتراض کیا جائے کہ زمعہ کی لونڈی کے معاملے میں تو تمام ورثاء کی طرف سے اقرار منقول نہیں، اکیلے عبد بن زمعہ کا ہی اقرار موجود ہے حالانکہ اس کی بہن سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں (زندہ اور موجود ہیں) مگر ان کی طرف سے اقرار اور دعویٰ کچھ بھی مذکور نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمعہ جب فوت ہوا تو اس کا صرف ایک ہی وارث تھا اور وہ تھا اس کا بیٹا عبد بن زمعہ، اس لیے کہ زمعہ کی وفات حالت کفر میں ہوئی اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اس کی زندگی میں

(٢٣٨١) صحیح ...... أخرجه مالك فی "المؤطا": ١٤٥٤ .

مسلمان ہو چکی تھیں جبکہ عبد بن زمعہ بعد میں مسلمان ہوئے، اس لیے زمعہ کے مرنے کے بعد اس کا یہی بیٹا اس کا وارث تھا جو کہ اس مسئلہ میں دعویدار ہے بالفرض اگر ہم سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو وارث مان لیں تو بھی اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اپنا دعویٰ اپنے بھائی کے سپرد کر دیا ہو یا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا اقرار کیا ہو گو واقعہ میں اس بات کا مذکور نہیں بہر حال ایسے مسئلے میں دعویٰ اس شخص کا مسموع ہو گا جو مرنے والے کے ترکہ کا وارث ہو خواہ وہ استحقاق بذریعہ نسب ہو یا بذریعہ نکاح ہو یا بذریعہ ولاء ہو۔

اگر کوئی آدمی بیٹا چھوڑ کر مر جائے اور وہ بیٹا اقرار کرے کہ اس کا کوئی اور بھائی بھی ہے تو وہ دونوں وراثت میں شریک ہوں گے اور اگر وہ بیوی بھی چھوڑ گیا اور اس نے انکار کر دیا تو نسب ثابت نہیں ہو گا، اگر کوئی آدمی بیٹی چھوڑ کر مر گیا جس نے اپنے بھائی کا اقرار کر لیا تو نسب ثابت نہیں ہو گا، کیونکہ وہ کل مال کی وارث نہیں ہوتی، اگر اس بیٹی نے اپنے باپ کو آزاد کیا تھا تو پھر اس کے اقرار سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اگر کوئی آدمی بیٹا چھوڑ کر مرا اور بیٹے نے اقرار کیا کہ مرنے والے کا بھائی بھی ہے تو اس کا نسب دادے سے ملایا جائے گا۔ اگر دادے کے ترکے کا وارث بنا ہے تا کہ اس کی بات سے نسب ثابت ہو جائے، اگر وہ ایسے وارث کی وفات اس کے باپ کے بعد ہوئی ہے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ اگر وہ ان ورثاء میں شامل ہے جو دادے کے کل ترکے کے وارث بنتے ہیں اور اگر دادا باپ سے پہلے فوت ہو گیا ہے تو شرط یہ ہے کہ اقرار کرنے والا اسی شخص کے کل ترکے کا وارث ہو جو دادا کی موجودگی کا اقرار کرتا ہے جو اقرار کرنے والے کیلئے حاجب ہے تو اس کے اقرار سے نسب ثابت ہو گا وراثت ثابت نہ ہوگی مثلاً کوئی آدمی بھائی چھوڑ کر مر گیا، اس بھائی نے اقرار کر لیا کہ میت کا بیٹا بھی ہے تو اس سے بیٹے کا نسب تو ثابت ہو جائے گا لیکن وراثت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ اگر بیٹے کو وارث بنایا جائے تو وہ بھائی کے لیے حاجب ہو گا اور محجوب کے اقرار سے نسب ثابت نہیں ہوتا تو اس طرح بیٹے کو وراثت دینے سے اس کے نسب کی نفی ہو جائے گی سو ہم نے نسب ثابت کر دیا اور وراثت نہ دی۔ یہ تفصیل امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

اہل رائے کا مذہب یہ ہے کہ فرد واحد کی بات سے نسب ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی اس میں یہ شرط ہے کہ ایسا آدمی اقرار کرے جو کل مال کا وارث بن رہا ہے بلکہ ان کے ہاں گواہوں کی تعداد شرط ہے۔ اگر کوئی شخص چند بیٹے اور بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا جن میں سے دو بیٹوں یا ایک بیٹے اور دو بیٹیوں نے اقرار کر لیا تو نسب اور میراث دونوں ثابت ہو جائیں گے خواہ باقی بیٹے انکار ہی کر دیں مگر یہ حدیث پہلے قول کی دلیل ہے۔ اگر کوئی آدمی چند بیٹے چھوڑ کر مر گیا جن میں سے بعض نے ایک اور بھائی کا اقرار کیا اور بعض نے انکار کیا تو اس بھائی کے لیے نہ نسب ثابت ہو گا نہ وراثت۔

امام شافعی رحمہ اللہ سمیت بعض علماء کا یہی موقف ہے جبکہ کچھ لوگوں کا مذہب ہے کہ اسے وراثت میں شامل کیا جائے گا جیسے دو بھائیوں میں سے ایک تیسرے بھائی کا اقرار کرتا ہے جبکہ دوسرا انکار کرتا ہے تو بالاتفاق نسب ثابت نہیں

ہوگا۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اقرار کرنے والے بھائی کے حصے میں سے آدھا حصہ مقربہ کو دے دیا جائے گا اور ابن ابی لیلیٰ اور ابویوسف کے نزدیک تیسرا حصہ دیا جائے گا۔ اگر کوئی آدمی دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا، ایک نے میت کے ذمے قرض کا اقرار کیا جبکہ دوسرے نے انکار کردیا تو اقرار کنندہ کے ذمے قرض کی آدھی رقم دینا واجب ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ اس کے ذمے سارا قرض واجب ہوگا الا یہ کہ ترکے میں اس کا حصہ ہی قرض کی نسبت کم ہوتو اس صورت میں اس کے حصے سے زائد ادائیگی اس پر لازم نہیں ہوگی۔ اگر وارثوں میں سے دو آدمی میت کے ذمہ کسی کے قرض کی گواہی دے دیں تو پہلے قول کے مطابق ان کی بات قبول کی جائے گی اور جمیع ترکہ سے اس کی ادائیگی ہوگی۔ امام حسن، حاکم اور مالک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی بلکہ یہ اقرار ہوگا جس کی ادائیگی ان کے حصے میں سے کی جائے گی۔ ابراہیم نخعی اور اصحاب رائے کا یہی قول ہے۔

رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار دینے کے بعد انہیں اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو آپ کا یہ حکم استحباب اور تنزیہ پر مبنی تھا اس لیے کہ حقیقتاً وہ ان کا بھائی نہیں تھا کیونکہ اس کی عتبہ سے واضح مشابہت موجود تھی۔ اور شبہ کے مقامات پر پرہیز کرنا، دین وتقویٰ کا تقاضا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ) "بچہ گھر والے کا ہے۔" یعنی جس کے بستر پر بچے کی ولادت ہوئی اس سے مراد خاوند یا لونڈی کا مالک ہے کیونکہ ازروئے شرع وہی صاحب فراش ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ) میں عاھر سے مراد زانی اور بدکار شخص ہے۔ جب کوئی شخص بدکاری اور زناکاری کا مرتکب ہوتو اس کو (عَهَرَ اِلَيْهَا يَعْهَرُ) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اَلْعَهْر سے مراد زنا ہے، کہا گیا ہے الحَجَر سے مراد یہ ہے کہ زانی کو پتھر لگیں گے یعنی حد لگے گی۔ بعض حضرات نے کہا: یہ مطلب نہیں کیونکہ ہر زانی کو پتھر نہیں لگتے بلکہ صرف شادی شدہ زانیوں کو ہی رجم کیا جاتا ہے بلکہ یہاں یہ لفظ محاورۃً مستعمل ہے۔ اس کے معنی ناکامی اور محرومی کے ہیں یعنی زانی کیلئے ناکافی ہے، زنا سے نسب ثابت نہیں ہوسکتا (کیونکہ نسب تو پاکیزہ چیز ہے) یہ اسی طرح کا محاورہ ہے جیسے کوئی کہے: لَيْسَ لَكَ غَيْرُ التُّرَابِ۔ "تیرے لیے سوائے مٹی کے اور کچھ نہیں۔" اور اس کا مقصود اس سے اگلے شخص کو کسی چیز سے محروم اور ناکام کرنا ہو یا کوئی کہے (وَمَا فِيْ يَدِكَ اِلَّا الْحَجَر) "تیرے ہاتھ میں ماسوائے پتھر کے اور کچھ نہیں۔" تو اس محاورہ میں لفظ پتھر ناکامی کے لیے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص کتے کی قیمت کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے تو اس کے منہ کو مٹی سے بھر دو۔" (صحیح الاسناد، ابوداود: ۳۴۸۲)

اور مٹی ڈالنے سے آپ کا مقصود اسے محروم اور خاب وخاسر لوٹانا ہے۔ ویسے بعض سلف کا موقف ہے کہ الفاظ حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے واقعتاً اس کے منہ میں مٹی ڈالی جائے۔

(19)...... بَابُ الْقَائِفِ

قیافہ شناس کا بیان

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قیافہ شناس یعنی کھوجی کو عربی زبان میں القائف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آثار اور نشانات قدم وغیرہ کی پیروی کرتا اور ٹوہ لگاتا ہے اور اس لفظ کے لغوی معنی یہی ہیں۔ دیکھیے یہ لفظ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان میں مذکور ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ ......''جس بات کی تجھے خبر نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ۔'' (سورہ الاسراء:۳۶) یعنی پیچھے مت پڑو۔ قفوته، اقفوه، وقفته، اقوفه اور قفيته ان تمام الفاظ کے معنی ہیں پیچھے لگنا، کسی کی ٹوہ لگانا اور نشانات قدم کی پیروی کرنا۔

(۲۳۸۲)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُورٌ، فَقَالَ: ((أَيْ عَائِشَةُ! أَلَمْ تَرَىْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ، فَرَأَى أُسَامَةَ، وَزَيْدًا، وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُءُوسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔))

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش خوش میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے، عائشہ! کیا کچھ معلوم ہوا کہ مجز زمدلجی میرے پاس آیا اور اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا جبکہ وہ دونوں ایک چادر سے اپنے سر ڈھانپے ہوئے تھے اور ان کے پاؤں ننگے تھے تو مجز ز نے کہا: بلاشبہ یہ قدم ایک دوسرے سے ہیں، (باپ بیٹے کے ہیں)۔

شرح: ابن جریج کے امام زہری سے بیان کردہ الفاظ یہ ہیں ...... کہ آپ کے چہرے کے خطوط چمک رہے تھے، اس سے مراد وہ دھاریاں اور لائنیں ہیں جو پیشانی پر ہوتی ہیں۔ ایک دھاری کو سرر اور سر کہتے ہیں، زیادہ دھاریوں کو: اسرار اور اَسِرَّۃ کہتے ہیں اور حدیث میں آنے والا لفظ الاسارير یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب دو یا دو سے زیادہ اشخاص ایک مجہول النسب بچے کے بارے میں دعویٰ کر دیں یا دو افراد کسی خاتون کے ساتھ جنسی طور پر ملوث رہے ہوں، پھر اس عورت کے ہاں بچے کی ولادت ایسی مدت میں ہوئی ہو کہ اسے دونوں کا کہا جا سکتا ہو اور وہ دونوں اس کے دعویدار بھی ہوں بلکہ باہم دیگر جھگڑ رہے ہوں تو اس معاملے کو ماہر قیافہ

(۲۳۸۲) أخرجه البخاري: ٦٧٧٠، ومسلم: ١٤٥٩.

شناس کے سپرد کیا جائے گا۔ وہ جس کے متعلق اپنی رائے دے دے بچہ اسی کو دے دیا جائے گا۔ البتہ اگر دوسرا شخص کوئی گواہ پیش کر دے تو فیصلہ گواہی کے مطابق ہو گا۔

فائدہ: کیونکہ قیافہ شناسی اسی وقت تک معتبر ہے جب اس کے مقابلے میں اقویٰ دلیل نہ ہو اور اب بصورت گواہی قوی دلیل آ گئی، اس لیے فیصلہ گواہی پر ہو گا۔ (ع،س)

سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا ابن عباس اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے قیافہ شناسی سے فیصلے کیے ہیں۔

جناب حمید نے کہا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک بیٹے کے بارے میں شک تھا تو انہوں نے اس کے لیے قیافہ شناس کو بلا بھیجا تھا۔ جناب عطاء، امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد اور جمہور محدثین قیافہ شناسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

اہل رائے (احناف) کا موقف ہے کہ قیافہ شناس کی رائے اور فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اگر کہیں کسی بچے کے بارے میں کئی لوگ مدعی ہوں تو اس بچے کا نسب ان سب سے ملایا جائے گا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا: دو یا تین آدمیوں سے تو ملایا جائے گا لیکن اس سے زیادہ افراد کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، اسی طرح دو عورتوں سے نہیں ملایا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: دو عورتوں سے ملایا جائے گا۔

حدیث ہذا ان حضرات کی دلیل ہے جو کسی مشکل مسئلہ میں قیافہ شناس کی رائے سے فیصلہ کرنے کے قائل ہیں۔

حدیث میں مذکور واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ بعض لوگ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے نسب میں شک کرتے تھے اس لیے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا اور ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا (شاید والدہ کا اثر تھا کیونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماں ام ایمن تھیں جو حبشن تھیں) امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے کہا: میں نے احمد بن صالح کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ شدید سیاہ تھا، تارکول کی طرح اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا رنگ بہت زیادہ سفید تھا، روٹی کی طرح اور منافقین ایسی الٹی سیدھی باتیں کرتے تھے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت کبیدہ خاطر ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے تکلیف ہوتی تھی تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مشہور قیافہ شناس مجزز مدلجی کے تبصرے کو سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ سے غم واندوہ کی کیفیت چھٹ گئی اگر قیافہ شناسی درست اور صحیح نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز خوشی نہ ہوتی بلکہ آپ اس کا رد فرماتے اور اسے روک دیتے اور کہتے: ایسی بات نہ کرو، ہو سکتا ہے کسی ایک معاملے میں آپ کا قیافہ درست ہو اور کسی دوسرے معاملے میں غلط ہو اور اس طرح آپ کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگانے والے بن جائیں اور کسی نسب کی نفی کرنے والے ہوں۔

جب ایک بچے کی بابت دو شخص دعویٰ کر دیں اور قیافہ شناس بچے کو دونوں کے ساتھ ملحق قرار دے دے یا وہاں سرے سے قیافہ شناس میسر ہی نہ ہو تو دیکھا جائے گا۔ اگر تو بچہ بڑا ہے تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے

جس کے ساتھ چاہے اپنے آپ کو منسوب کر لے اور اگر وہ چھوٹا ہے تو اس کے معاملے میں توقف کیا جائے گا تا آنکہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے پھر وہ جس سے چاہے اپنے آپ کو منسوب کر لے۔

مروی ہے کہ دو افراد نے ایک بچے کے بارے میں باپ ہونے کا دعویٰ کر دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کے حل کے لیے قیافہ شناسوں کو بلایا تو سب نے کہا: اس کے باپ ہونے میں دونوں مشترک ہیں اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے لڑکے! دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے اپنا تعلق قائم کر لے، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اگر بچہ دونوں میں سے کسی ایک کی جانب اپنے آپ کو منسوب کر لے پھر قیافہ شناس بھی دستیاب ہو جائے اور وہ اسے اپنے علم کی بنا پر دوسرے سے ملحق قرار دے تو قیافہ شناس کی رائے کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا، جناب ابوثور نے کہا: اگر قیافہ شناس کہہ دے کہ یہ دونوں کا بیٹا ہے تو ایسے بچے کا نسب دونوں سے ملایا جائے گا اور وہ دونوں کا وارث بنے گا اور وہ دونوں اس کے وارث قرار پائیں گے۔

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ یمن کا ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ تین یمنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان کا ایک بچے کے بارے میں تنازع تھا، وہ تینوں کسی عورت پر ایک ہی طہر میں واقع ہوئے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہارے درمیان قرعہ ڈالوں گا۔ جس کے نام کا قرعہ نکل آیا، بچہ اس کو مل جائے گا اور بچہ اسی کا ہوگا اور اس پر واجب ہوگا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو دیت کا تیسرا تیسرا حصہ ادا کر دے۔ چنانچہ انہوں نے ان میں قرعہ ڈالا اور بچہ اس کو دے دیا جس کے نام کا قرعہ نکلا، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بہت) ہنسے۔ (صحیح، ابوداود: ۲۲۶۹، نسائی: ۳۴۸۸، ابن ماجہ: ۲۳۴۸)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مؤقف حدیث مبارکہ کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے اور وہ ایسے مواقع میں قرعہ ڈالنے کے قائل ہیں، انہوں نے کہا: جب ایک بچے کے کئی لوگ مدعی ہوں تو ان کے معاملے کو حل کرنے کے لیے قرعہ ڈالنا سنت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اپنے قدیم قول میں اس کے قائل نظر آتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث (قرعہ والی) کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے قیافہ شناسی والی حدیث زیادہ پسند ہے کیونکہ بعض محدثین نے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی سند کے بارے میں کلام کیا ہے۔

(20)......بَابُ نِكَاحِ الزَّانِيَةِ

بدکار عورت سے نکاح

(۲۳۸۳)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ،

(۲۳۸۳) صحیح ...... أخرجه الشافعی فی المسند: ۳۷.

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ هَارُونَ بْنِ رِئَابٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: ((إِنَّ لِي امْرَأَةً لا تَرُدُّ يَدَ لامِسٍ)) فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((طَلِّقْهَا)) قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا ، قَالَ: ((فَأَمْسِكْهَا إِذًا۔))

جناب عبداللہ بن عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ! میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ رد نہیں کرتی، آپ ﷺ نے فرمایا:''اسے طلاق دے دو۔'' اس نے کہا: مجھے اس سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:''پھر اسے روک لو (یعنی اپنے نکاح میں رکھو)۔''

(۲۳۸۴)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَرَجِ الْمُظَفَّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّمِيمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ حَمْزَةُ بْنُ يُوسُفَ السَّهْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ بْنُ عَدِيٍّ الْحَافِظُ ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْفَرَجِ ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ ، حَدَّثَنَا عَبَيْدُ اللّٰهِ ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ هُوَ الْجَزَرِيُّ ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ ، أَنَّ رَجُلا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ امْرَأَتِي لا تَدْفَعُ يَدَ لامِسٍ ، قَالَ: ((طَلِّقْهَا)) قَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا وَهِيَ جَمِيلَةٌ ، قَالَ: ((اسْتَمْتِعْ بِهَا۔))

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ نہیں لوٹاتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اسے طلاق دے دو۔'' اس نے کہا: مجھے اس سے شدید محبت ہے اور وہ حسین وجمیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:''اس سے فائدہ اٹھاؤ۔''

شرح: یہی حدیث عمارہ بن ابی حفصہ، عکرمہ سے اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں اور وہ اسی کی مانند ہے۔ حدیث کے الفاظ (لَاتَرُدُّ یَدَ لَامِسٍ) کا مفہوم ہے کہ اگر کوئی اسے چھیڑنا چاہے تو یہ اسے روک نہیں سکے گی اور اس کا ہاتھ جھٹک نہ سکے گی۔

فائدہ: ان الفاظ کے صحیح مفہوم کے سمجھنے کے لیے استاد گرامی، علامہ حافظ محمد امین شیخ الحدیث دار العلوم تقویۃ الایمان، اوڈانوالہ کا نوٹ جو انہوں نے سنن نسائی حدیث نمبر ۳۲۳۱ طبع دار السلام پر دیا ہے از حد بصیرت افروز ہے چنانچہ شیخ رقم طراز ہیں، اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ عورت چھیڑ چھاڑ کو برا محسوس نہیں کرتی تھی

(۲۳۸۴) صحیح ...... أخرجه البيهقي: ۷/ ۱۵۵ .

اور چھیڑ چھاڑ کرنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ بعض نے اس سے مراد مالی سخاوت لی ہے، یعنی وہ عورت بہت زیادہ صدقہ و خیرات کرتی تھی، یہ بات تو پکی ہے وہ عورت فاحشہ نہ تھی ورنہ رسول اللہ ﷺ اسے اپنے پاس ٹھہرائے رکھنے کا اختیار کبھی نہ دیتے، کیونکہ دینی مسائل میں آپ وحی کے بغیر نہیں بولتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾...... (سورۂ نجم: ۳) اور وحی میں فحاشی کی ممانعت ہے اجازت نہیں۔ ﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ ...... (سورۂ اعراف: ۲۸) نیز ایسی بیوی کو اگر خاوند برداشت کرے تو وہ دیوث کہلاتا ہے اور دیوث کے بارے میں وعید ہے، سخاوت والا مفہوم بھی معتبر نہیں، اس لیے کہ سخاوت مندوب ومطلوب چیز ہے، ایسی خاتون کو تنبیہ کی جاسکتی ہے، خاوند اس پر پابندی عائد کرسکتا ہے اور اس کا خرچ تو کم کرسکتا ہے، لیکن اس وجہ سے طلاق کسی صورت بھی جائز نہیں، نہ نبی ﷺ اس کا حکم ہی دے سکتے ہیں، نیز اگر یہ معنی ہوتے تو (يَدَ لَا مِسٍ) کی بجائے (يَدُ مُلْتَمِسٌ) ہونا چاہیے تھا کیونکہ سائل کو مُلْتَمِس کہتے ہیں، لَا مِس نہیں۔ بہرحال اس کا راجح مفہوم یہ ہے کہ خاوند کو اپنی بیوی کی طبیعت اور مزاج کا علم تھا، اس نے قرائن کی رو سے یہ اندازہ لگایا کہ اگر کوئی اسے چھیڑنا چاہے تو یہ اسے روک نہیں سکے گی۔ فی الواقع ایسا ہوا نہیں تھا، اس خدشے کا اظہار انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے کیا تو اس خدشے سے بچنے کے لیے آپ نے اسے الگ کر دینے کا مشورہ دیا، پھر جب اس نے اس سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا تو آپ نے اسے عقد میں رکھنے کا مشورہ دیا کیونکہ محض وہم اور اندیشے کی بنا پر اسے الگ کر دینا درست نہ تھا۔ واللہ اعلم (ع،س)

حدیث مبارکہ کے الفاظ (فَأَمْسِكْهَا) سے معلوم ہوا کہ فاجرہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔

فائدہ:...... یہاں فاجرہ سے مراد بدکار اور زانیہ ہرگز نہیں اس کی تفصیل گزشتہ سطور میں گزر گئی ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان، باوقار اور باغیرت خاتون ہونے کے ناتے اس کے اندر غیروں اور اجنبیوں سے کوئی نفرت و وحشت نہیں مگر فعلاً وہ بدکار نہیں، کیونکہ ہماری شریعت غیرت مندوں کی شریعت ہے، آپ ﷺ فاحشہ کو نکاح میں رکھنے کا کبھی مشورہ نہیں دے سکتے۔ فافہم (ع،س)

اگرچہ پسندیدہ اور محمود و مستحسن یہی ہے کہ اس قسم کی متساہل عورت سے بھی نکاح نہ کیا جائے، اہل علم کا یہی قول ہے، باقی رہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾...... ''زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت بھی سوائے زانی یا مشرک مرد کے اور نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔'' (سورۂ نور: ۲)

اس کا نزول کفار کی ایک فاحشہ اور بدکار عورت کے بارے میں ہوا جس کا نام عناق تھا، جیسا کہ جناب عمرو بن شعیب کے پردادا (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مرثد بن ابی مرثد غنوی تھا، وہ مکہ مکرمہ سے مسلمان قیدی اٹھا کر مدینہ لے آتا تھا، مکہ میں ایک بدکار عورت رہتی تھی جس کا نام عناق تھا۔ وہ (دور جاہلیت میں) ان کی داشتہ

رہ چکی تھی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں عناق سے نکاح کرلوں؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا پھر یہ آیت اتری ﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ﴾ ''زانی عورت سے زانی مرد یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ آیت میرے سامنے تلاوت فرمائی اور فرمایا: ''تو اس سے نکاح مت کر۔'' (حسن صحیح، ابوداود: ۲۰۵۱، نسائی: ۳۲۲۸، ترمذی: ۳۱۷۷)

جناب یحییٰ بن سعید نے جناب سعید بن مسیّب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً﴾ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیت ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ہے، پس وہ (زانیہ) ایامی المسلمین یعنی بے نکاح مسلمان افراد سے ہے۔

مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرد اور عورت کو بسلسلہ زنا حد لگائی اور پھر ان کا نکاح کردینا چاہا لیکن لڑکے نے اس سے نکاح کرنے سے انکار کردیا۔

مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں کہا: جو کسی عورت سے زنا کرتا رہتا ہے اور پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے کہ ایسا جوڑا جب تک اکٹھا رہتا ہے، زنا ہی کرتا رہتا ہے، مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ دونوں بدکار ہیں۔ جب ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے تو مزنیہ پر کوئی عدت نہیں اس لیے کہ عدت تو آدمی کے نطفہ کو محفوظ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور زانی کے نطفہ کی کوئی حرمت اور تقدیس نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا (کیونکہ نسب ایک پاکیزہ چیز ہے) ایسی عورت بغیر عدت گزارے فوراً نکاح کرسکتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی عورت کے لیے عدت گزار کر نکاح کرنا جائز ہے۔

جب کوئی عورت زنا سے حاملہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنے کے جواز کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے، بعض حضرات جواز کے قائل ہیں مثلاً، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور محمد بن حسن رحمہم اللہ وغیرہ مگر ان کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل جماع کرنا حرام ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ ایسی خاتون سے وضع حمل سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں۔ امام سفیان ثوری، ابو یوسف، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرے جبکہ وہ عورت زانیہ نہ ہو مثلاً سوئی ہوئی ہو، بیہوش ہو یا زبردستی اس کی عصمت لوٹی گئی ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں، نہ ہی اس طرح پیدا ہونے والے بچے کا نسب ہی ثابت ہوگا البتہ ایسی عورت کو مہر ملے گا اور اگر عورت تو بدکار اور زانیہ ہو جبکہ مرد جاہل اور ناواقف ہو (مثلاً دیوانہ ہو یا اسے نشہ دے دیا گیا ہو یا جنسی تحریک کا ٹیکہ لگا دیا گیا ہو وغیرہ) تو عورت عدت گزارے گی، اس طرح نسب بھی ثابت ہوگا البتہ ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ کیونکہ عدت اور نسب کا دارو مدار نطفے کی حرمت پر ہے (اور یہاں وہ موجود ہے کیونکہ مرد زانی نہیں بلکہ غافل ہے) امام ابراہیم نخعی نے ولدالزنا کی بابت کہا: کہ ایسی کنیز کو خدمت کی غرض سے تو خرید لیا جائے البتہ اولاد کے حصول کے لیے نہ خریدا جائے۔

(24)...... كِتَابُ الْعِدَّةِ
عدت کے احکام ومسائل

(1)......بَابُ مَقَامِ الْمُطَلَّقَةِ فِي الْبَيْتِ حَتَّى تَنْقَضِي عِدَّتُهَا
مطلقہ عورت عدت ختم ہونے تک (خاوند کے) گھر میں قیام کرے گی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ ''نہ تم انہیں ان کے گھر سے نکالو اور نہ وہ (خود) نکلیں ہاں یہ بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔'' (سورۂ طلاق:۱)

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ ...... ''تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔'' (سورۂ طلاق:۶)

لفظ الـوُجْد اور الـجدة جب مال کے لیے بولے جائیں تو ان کے معنی فراخی والا ہونا، صاحب حیثیت ہونا اور مال ودولت والا ہونا ہوتے ہیں۔ مالدار اور تونگر شخص کو رجل واجد کہتے ہیں۔ یہ لفظ الوجد اور الجدة سے ماخوذ ہے۔ وَجَـدَ الـضَّالَّةَ وِجْدَانًا کا معنی ہے اسے گم شدہ چیز مل گئی۔ جب حاکم وقت کسی کی محبت میں سرشار ہو تو کہا جاتا ہے: وَجَـدَ السُّـلْطَانُ عَلَيْهِ وَجْدًا وَمُوْجَدَةً۔ اور اگر کوئی شخص کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہو تو اہل عرب کہتے ہیں: فُلَانٌ يَجِدُ بِفُلَانَةٍ وَجْدًا۔

(۲۳۸۵)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ......

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّـهُ سَمِعَهُمَا يَذْكُرَانِ: أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْـعَـاصِ طَلَّقَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَكَمِ الْبَتَّةَ، فَـانْتَـقَـلَهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْحَكَمِ، فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ

جناب قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید بن العاص نے عبدالرحمان بن حکم کی صاحبزادی (عمرہ) کو بتہ طلاق دے دی تھی اور عبدالرحمان بن حکم نے اپنی بیٹی کو ان کے (شوہر کے) گھر سے اپنے گھر منتقل کرلیا (عدت کے ایام گزرنے سے پہلے) جب اس

(۲۳۸۵) أخرجه البخاري: ۵۳۲۱، ومسلم: ۱۴۸۱.

أَمِيرُ الْمَدِينَةِ، فَقَالَتْ: اتَّقِ اللّٰهَ يَا مَرْوَانُ، وَارْدُدِ الْمَرْأَةَ إِلَى بَيْتِهَا. فَقَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ غَلَبَنِي. وَقَالَ فِي حَدِيثِ الْقَاسِمِ: أَمَا بَلَغَكِ شَأْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ. فَقَالَ مَرْوَانُ: إِنْ كَانَ بِكِ شَرٌّ فَحَسْبُكِ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ.

واقعہ کی خبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے مروان بن حکم کو پیغام بھیجا جوان دنوں مدینہ کے امیر تھے، انہوں نے کہا: اے مروان! اللہ سے ڈرو، اورلڑکی کو اس کے گھر پہنچا دو۔ مروان نے کہا: جیسا کہ سلیمان بن یسار کی حدیث میں ہے کہ (لڑکی کے والد) عبدالرحمان بن حکم نے میری بات نہیں مانی۔ اور قاسم بن محمد سے مروی روایت میں ہے (کہ مروان نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ) کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے معاملے کا علم نہیں؟ (کہ انہوں نے بھی اپنے شوہر کے گھر عدت نہیں گزاری تھی) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم فاطمہ کے واقعے کا حوالہ نہ دیتے تب بھی تمہارا کچھ نہ بگڑتا (کیونکہ وہ تمہارے لیے دلیل نہیں بن سکتا) مروان بن حکم نے کہا: اگر آپ کے نزدیک (فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان کے شوہر کے گھر سے منتقل کرنا) ان کے اوران کے شوہر کے اہل خانہ کے درمیان کشیدگی کی وجہ سے تھا تو یہاں بھی یہی وجہ کافی ہے کہ دونوں کے درمیان کشیدگی تھی۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: مطلقہ رجعیہ کے متعلق اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اسے نفقہ (خرچہ) اور سکنی (رہائش) دونوں چیزیں ملیں گی البتہ طلاق بائنہ والی کے متعلق اختلاف ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اسے نہ نفقہ ملے گا اور نہ سکنی الا یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ ایسا موقف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جناب حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، شعبی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ مطلقہ بائنہ (تیسری طلاق والی) کو خرچہ اور رہائش دونوں چیزیں دی جائیں گی وہ حاملہ ہو خواہ غیر حاملہ۔ ایسا موقف سیدنا عمر بن خطاب، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نیز ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں۔

ایک جماعت کا موقف ہے کہ مطلقہ بائنہ کو رہائش تو ہر حال میں دی جائے گی لیکن خرچہ صرف حاملہ ہونے کی صورت میں ہی ملے گا، ایسا موقف جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔ امام زہری، مالک، لیث بن سعد،

اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ اور شافعی رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے ایسی عورت کے بارے میں دریافت کیا گیا جسے اس کا خاوند طلاق دے دے اور وہ کرائے کے گھر میں رہائش پذیر ہو تو کرایے کی ادائیگی کس پر ہے؟ انہوں نے کہا: خاوند پر اگر خاوند تہی دست ہو تو عورت خود کرایہ ادا کرے اور اگر اس کے پاس بھی مال نہ ہو تو شہر کا حاکم کرایہ ادا کرے۔ جو حضرات مطلقہ ثلاثہ کے لیے رہائش کے قائل نہیں ان کی دلیل امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی روایت ہے جو وہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے خاوند نے انہیں تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے رہائش اور خرچہ دونوں مقرر نہیں فرمائے اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنی عدت سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر گزارے جو کہ نابینا شخص تھے، چنانچہ انہوں نے عدت ان کے ہاں گزاری۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰)

وہ حضرات جو مطلقہ بائنہ کو رہائش فراہم کرنے کے قائل ہیں اور یہ قول اکثر علماء کا ہے۔ انہوں نے سیدہ فاطمہ کی نقل مکانی کے سبب کی بابت اختلاف کیا ہے کہ ان کا گھر سے نکلنا عذر کی وجہ سے تھا، جناب عروہ سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر بہت سخت انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ فاطمہ بنت قیس ایک خالی اور خوفناک مکان میں رہائش پذیر تھی اور اس طرف سے کوئی خطرہ سا بھی تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (گھر تبدیل کرنے کی) رخصت عنایت فرمائی تھی۔ (حسن، ابوداود: ۲۲۹۲، نسائی: ۳۵۴۹)

جناب قاسم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: فاطمہ بنت قیس کو کیا ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟ ان کا اشارہ ان کے اس قول کی طرف تھا (کہ مطلقہ بائنہ کو) نفقہ و سکنیٰ دینا ضروری نہیں۔

(صحیح بخاری: ۵۳۲۳، صحیح مسلم: ۱۴۸۱)

جناب سعید بن مسیّب نے کہا: فاطمہ کو اس کے شوہر کے گھر سے اس لیے منتقل کیا گیا تھا کہ وہ اپنے دیوروں کے ساتھ زبان درازی کرتی تھی، جناب میمون بن مہران، سعید بن مسیّب سے بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے لوگوں کو فتنے میں ڈالا ہوا تھا، اس کی زبان میں تیزی تھی وہ اپنے دیوروں کے ساتھ بدزبانی کرتی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ابن مکتوم کے ہاں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ (صحیح، ابوداود: ۲۲۹۶)

یہی بات سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان کی تفسیر میں: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ ...... "تم انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ (خود) نکلیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔" (سورۂ طلاق: ۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا "اَلْفَاحِشَةُ الْمُبَيِّنَةُ۔" سے مراد خاوند کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا ہے، اگر کوئی عورت اس قسم کا طرز

عمل اختیار کیا جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو تو اس کا اخراج جائز ہے۔

الْفَاحِشَہ کی تفسیر میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ زنا اور بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے حد لگانے کی غرض سے نکالا جائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے جو سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا پر انکار کیا ہے ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ فاطمہ نے وہ اصلی وجہ چھپائی ہے جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر عدت گزارنے کا حکم دیا ہے، اور اس نے اصلی سبب کو مخفی رکھتے ہوئے بس اتنا ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نفقہ اور سکنیٰ نہیں دیا جس سے سننے والا الجھن (کنفیوژن) کا شکار ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ بتہ (تیسری طلاق) طلاق والی عورت جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

عدت گزارنے والی عورت بغرض ضرورت مقام عدت سے آگے پیچھے ہو سکتی ہے مثلاً گھر کے ڈھے جانے کا اندیشہ ہو، ڈوب جانے یا آگ لگنے کا خطرہ ہو اور اگر کوئی خاص ضرورت مقتضی نہ ہو بلکہ یونہی عورت کام کاج کی غرض سے باہر نکلنے کا ارادہ رکھتی ہو تو رجعی طلاق یافتہ ہونے کی صورت میں اس کے لیے نکلنا جائز نہیں البتہ اگر طلاق بائنہ والی ہے تو دن کے وقت نکلنا جائز ہے بوقت شب نہیں کیونکہ مروی ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دے دی گئیں تو وہ اپنی کھجوریں کاٹنے کے لیے نکل گئیں تو اسے ایک آدمی ملا جس نے اس کو منع کیا، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ کو یہ بات بتلائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چلی جایا کرو اور اپنی کھجوریں کاٹا کرو، تم اس سے صدقہ یا کوئی خیر کا کام ہی کرو گی۔'' (صحیح مسلم: ۱٤۸۳)

اس حدیث سے محل استشہاد یہ ہے کہ کھجوریں عموماً دن ہی کے وقت کاٹی جاتی ہیں بلکہ رات کے وقت کاٹنے سے منع کیا گیا ہے یہ قول سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شوہر کی وفات کی عدت اور طلاق بائنہ کی عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر سے باہر رات نہ گزارے، امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ طلاق بائنہ والی عورت دوران عدت میں نہ دن کو باہر نکلے نہ رات کو جس طرح رجعی طلاق یافتہ عورت کا معاملہ ہے اور وہ عورت جو شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہے وہ اگر چاہے تو بوقت دن باہر آ جا سکتی ہے، جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر خانہ بدوش عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ اس کی عدت گزار رہی ہو تو وہ اہل خانہ کے ساتھ نقل مکانی کر سکتی ہے جہاں وہ جائیں گے وہاں وہ بھی جائے گی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یہی قول اہل علم کا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اس لیے کہ خانہ بدوش قبائل کا پڑاؤ بھی مرضی کا ہوتا ہے اور کوچ بھی مرضی کا ہوتا ہے۔

(2)......بَابُ الْمَبْتُوتَةِ لَا نَفَقَةَ لَهَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا

طلاق بائنہ والی عورت کے لیے خرچہ نہیں الا یہ کہ وہ حاملہ ہو

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ ...... ''اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہولے انہیں خرچ دیتے رہا کرو۔'' (سورۂ طلاق:٦)

(٢٣٨٦)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ......

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنِ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ بِالشَّامِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ فَسَخِطَتْهُ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ! مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهَا: ((لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ)) وَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ، ثُمَّ قَالَ: ((تِلْكَ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي، فَاعْتَدِّي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكِ عِنْدَهُ، فَإِذَا حَلَلْتِ، فَآذِنِينِي)) قَالَتْ: فَلَمَّا حَلَلْتُ، ذَكَرْتُ لَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ، فَصُعْلُوكٌ لا مَالَ لَهُ، انْكِحِي أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ)) قَالَتْ: فَكَرِهْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: ((انْكِحِي أُسَامَةَ)) فَنَكَحْتُهُ، فَجَعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا، وَاغْتَبَطْتُ بِهِ۔

جناب ابوسلمہ بن عبدالرحمان، فاطمہ بنت قیس سے بیان کرتے ہیں کہ ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے اس کو بتہ (یعنی آخری) طلاق دی جبکہ وہ شام میں تھا تو ابوعمرو کے وکیل نے فاطمہ بن قیس کی جانب ''جو'' بھیجے (اس نے انہیں معمولی سمجھا) اور ناراض ہوگئی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! تیرا ہم پر کچھ حق نہیں ہے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے آپ ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا خرچ اس کے ذمہ نہیں ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت بسر کرے، لیکن آپ ﷺ نے واضح کیا کہ وہ ایسی خاتون ہے جس کے پاس میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آنا جانا ہے، تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گزار، وہ نابینا شخص ہے۔ تو وہاں کپڑے (دوپٹہ وغیرہ) بھی اتار سکتی ہے۔ جب تیری عدت ختم ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ اس نے بیان کیا، جب میں حلال ہوگئی تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ نے میری جانب منگنی کا پیغام بھجوایا ہے

(٢٣٨٦) أخرجه مسلم: ١٤٨٠ .

آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ ابوجہم تو لاٹھی اپنے کندھے سے نیچے نہیں رکھتا (عورتوں کو مارتا ہے یا ہمیشہ سفر پر رہتا ہے) اور معاویہ مفلس ہے اس کے پاس مال نہیں (البتہ) تجھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لینا چاہیے لیکن میں نے اس کو ناپسند جانا، آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر۔'' چنانچہ میں نے اس سے نکاح کیا۔ اللہ نے اس میں بہت خیر و برکت عطا کی اور اس کی وجہ سے مجھ پر رشک کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوجہم عورتوں کو بہت مارتا ہے۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں بہت سے فقہی فوائد ہیں، ایک تو یہ کہ مطلقہ ثلاثہ (تیسری طلاق والی) اور خاوند سے بذریعہ خلع الگ ہونے والی عورت دوران عدت خرچے کی حقدار نہیں الا کہ عورت حاملہ ہو البتہ انہیں رہائش ملے گی، اس کی دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ ...... ''تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو۔'' (سورۂ طلاق: ۶)

رہی یہ بات کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو تیسری طلاق کے باوجود رہائش فراہم نہیں کی گئی تو اس کی وجہ ان کی زبان کی تیزی تھی اور حدیث مبارکہ میں مذکور لفظ (اَلْبَتَّة) سے مراد تیسری طلاق ہے۔ بعض روایات میں مروی بھی ہے کہ فاطمہ کو دو طلاقیں اس سے قبل ہو چکی تھیں اور یہ آخری اور تیسری طلاق تھی۔

حدیث ہذا سے اس بات کا جواز بھی معلوم ہوا کہ کوئی دوسرا شخص عدت کے دوران عورت کو اشارے کنایے سے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ کا اس خاتون سے یہ کہنا (فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي) ''جب تو عدت پوری کر لے تو مجھے ضرور اطلاع کرنا۔'' نکاح کے لیے تعریض و کنایہ ہے

تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی عدت جس میں عورت خاوند کے پاس واپس جا سکتی ہے (مثلاً خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں) اس میں کسی دوسرے شخص کے لیے نکاح کا واضح پیغام دینا جائز نہیں۔ (کیونکہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی اس پر خاوند کا ہی حق ہے، ممکن ہے خاوند رجوع کر لے)

خاوند کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کو اشارے کنایے سے نکاح کا پیغام دینا جائز ہے کیونکہ اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ ...... ''تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارہ کنایہ میں ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۵)

جو عورت ایسی عدت گزار رہی ہے جس میں وہ زندگی بھر پہلے خاوند کے پاس واپس نہیں جاسکتی تو اس کے معاملے کو نظر غائر سے دیکھا جائے گا۔ اگر تو وہ ایسی پوزیشن میں ہے کہ دوبارہ پہلے خاوند کے پاس قطعاً نہیں آسکتی مثلاً مطلقہ ثلاثہ ہے یا بذریعہ لعان الگ ہونے والی ہے یا رضاع (دودھ کے رشتے) کی بنا پر الگ ہونے والی ہے تو ایسی عورت کا نکاح کا پیغام اشارے کنایے سے دیا جا سکتا ہے جس طرح خاوند کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کا معاملہ ہے اور اگر وہ ایسی کیفیت میں ہے کہ پہلے خاوند کے لیے دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہو مثلاً خلع والی عورت یا اپنے نکاح کو بذریعہ فسخ ختم کرنے والی عورت تو ایسی عورت کو دوران عدت پہلا خاوند اشارے کنایے سے یا واضح انداز سے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے، رہی یہ بات کہ کیا کوئی دوسرا شخص تعریض وکنایہ کے ساتھ پیغام نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ جائز ہے جس طرح تیسری طلاق والی عورت کو دیا جا سکتا ہے، دوسرا یہ کہ جائز نہیں ہے کیونکہ پہلا خاوند رجوع کا حق رکھتا ہے، ممکن ہے خاوند رجوع کرلے۔ جس طرح رجعی طلاق والی عورت کا معاملہ ہے کہ کسی شخص کے لیے اشارے کنائے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں۔

اور تعریض سے مراد یہ ہے کہ وضاحت اور صراحت کے بغیر اشارے کنائے سے اپنے نکاح کے ارادے کا اظہار کیا جائے اور اس طرح مبہم اور غیر واضح انداز میں خاتون جواب دے دے مثلاً آدمی کہے: عدت ختم ہونے پر مجھے اطلاع ضرور کرنا یا بہت سارے لوگ تجھ میں دلچسپی رکھتے ہیں یا کئی لوگ ہوں گے جو آپ کی تمنا دل میں لیے بیٹھے ہیں یا میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے یا آپ جیسا رشتہ کہاں ملتا ہے وغیرہ، جناب قاسم نے کہا: اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام یہ ہے مثلاً کہے: میرے دل میں تیری بہت قدر ومنزلت ہے یا مجھے تیرے معاملے میں بے حد رغبت ہے یا کہے: اللہ آپ کے معاملے میں خیر وبرکت فرمائے گا یا اسی قبیل کے اور الفاظ کہے۔

جناب عطاء نے کہا: پیغام نکاح اشارے کنایے سے ہی دے اور واضح اور دوٹوک انداز میں نہ دے، مثلاً کہے: میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں، یا کہے خوش ہو جا تو تو الحمدللہ فراخ دل اور سخی عورت ہے اور وہ جواباً کہے: میں نے آپ کی بات سن لی، اور مزید کوئی جواب نہ دے، اور ایسی عورت کے ولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے علم میں لائے بغیر کسی آدمی سے اس کا نکاح کردے اور اگر کوئی شخص دوران عدت پختہ وعدہ لے لے اور پھر نکاح عدت ختم ہونے پہ ہی کرے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان ﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ﴾ ...... ''تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۵) کے متعلق کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کہے: میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے،

مجھے بھی ایک نیک عورت کی تلاش ہے۔

جناب حسن نے کہا: ﴿لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا﴾ ...... ''لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۵) سے مراد زنا کرنا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کے نزدیک تعریض وکنایہ کے ساتھ پیغام دینا جائز ہے خواہ تنہائی میں ہو یا لوگوں کے سامنے۔ رہا وہ پوشیدہ وعدہ جس سے آیت کریمہ میں روکا گیا ہے اس سے مراد جماع کرنا ہے، جناب ابوعبید نے کہا: السر سے مراد نکاح کا واضح طور پر پیغام دینا ہے، مجامعت اور مباشرت کو بھی ''سر'' کہا جاتا ہے، زنا اور بدکاری کو بھی ''سر'' کہا جاتا ہے، مرد اور عورت کی شرمگاہوں کو بھی ''سر'' کہا جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مال کفو ہونے میں معتبر ہے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ معاویہ کے پاس تو کوئی مال نہیں نیز پتہ چلا کہ عورت اگر راضی ہو تو بغیر کفائت کے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے دیکھیے! فاطمہ ایک قریشی خاتون ہیں جبکہ اسامہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی شادی کرادی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کے گھر والوں کا جھکاؤ اور رجحان کسی ایک رشتے کی طرف نہ ہو یا انہیں ابھی مزید رشتے مطلوب ہوں تو کسی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے البتہ جب اہل خانہ یا عورت کسی ایک کو ہاں کردیں یا واضح رجحان کردیں تو اس صورت میں کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے منگنی کے پیغام پر پیغام بھیجے اور منع کا تعلق بھی ایسے ہی موقع ومحل کے ساتھ ہے۔

حدیث ہذا سے پتہ چلا کہ مشورہ طلب کرنے کی صورت میں متعلقہ شخص کے اچھے اور برے اوصاف بیان کیے جاسکتے ہیں، یہ چغلی یا غیبت کے ذیل میں نہیں آتے جو کہ موجب گناہ ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، نیز نکاح چونکہ ایک اہم مسئلہ ہے جس پر باقی زندگی کا مدار ہے، لہٰذا خیرخواہی کے جذبے سے صحیح مشورہ دینا اور صحیح معلومات سے آگاہ کرنا فرض ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (لَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ) ''ابوجہم تو ہر وقت کندھے پر لاٹھی اٹھائے رکھتا ہے، کبھی نہیں اتارتا۔'' کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں ایک تو یہ کہ وہ بیویوں کو مارتا پیٹتا بہت ہے، سخت مزاج ہے اور دوسرا یہ کہ وہ سفر بہت کرتا ہے اور ہر وقت حالت سفر میں رہتا ہے، اہل عرب (رَفَعَ الرَّجُلُ عَصَاهُ) ''آدمی نے اپنا عصا اٹھالیا۔'' کا جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی سفر کا آغاز کرلے اور (وَضَعَ عَصَاهُ) ''اس نے اپنا سوٹا رکھ دیا ہے۔'' کا جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے وطن آجائے، پڑاؤ کرلے اور اقامت گزین ہوجائے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: پہلا معنی مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ بعض روایات میں مروی ہے: (اَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ فَرُجُلٌ ضَرْبٌ النِّسَاءِ) ''ابوجہم عورتوں کی بہت زیادہ پٹائی کرنے والا ہے۔''

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عورتوں کو ادب سکھانے کے لیے مارا پیٹا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ ابوجہم کا تذکرہ کرنے کے بعد ضرور رد فرماتے اور اس طرز عمل سے لوگوں کو منع فرماتے۔ آپ ﷺ کے الفاظ (وَاَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ) ''اور رہا معاویہ! تو وہ فقیر ہے۔'' اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس بیوی کو دینے کے لیے خرچہ نہ رہے اور وہ قلاش ہو جائے اور اس کی بیوی جدائی کا مطالبہ کر دے تو حاکم وقت یا قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اثنائے گفتگو میں مجاز اور استعارات کا استعمال جائز ہے جہاں اس چیز کی گنجائش ہو۔ آپ ﷺ کے الفاظ: ابوجہم تو ہر وقت کندھے پر لاٹھی اٹھائے رکھتا ہے، کبھی نہیں اتارتا اور یہ کہ معاویہ فقیر ہے اس کے پاس مال نہیں از قبیل مجاز ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کبھی تو لاٹھی کندھے سے نیچے رکھتا ہی ہوگا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ضرور ہوگا خواہ تھوڑا ہی ہو۔

(3)......بَابُ سُكْنَى الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی رہائش کا مسئلہ

(٢٣٨٧)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ، أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَائَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ، فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ، فَقَتَلُوهُ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ، وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ))

سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ اپنی پھوپھی زینب بنت کعب سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سفیان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور یہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ آپ سے اجازت لے کر اپنے خاندان بنی خدرہ میں چلی جاؤں کیونکہ میرا شوہر اپنے ان غلاموں کی تلاش میں گیا تھا جو بھاگ گئے تھے، وہ مقام قدوم کے اطراف میں تھے کہ میرے شوہر نے ان کو جا لیا مگر انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا، چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لینے کے لیے آئی تھی کہ مجھے اپنے اہل میں لوٹ جانے کی اجازت دیں، کیونکہ اس نے مجھے

(٢٣٨٧) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢٣٠٠، والترمذي: ١٢٠٤، والنسائي: ٣٥٢٩، وابن ماجه: ٢٠٣١.

فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ، أَوْ فِي الْمَسْجِدِ، دَعَانِي، أَوْ أَمَرَ بِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدُعِيتُ لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كَيْفَ قُلْتِ؟)) قَالَتْ: فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي، فَقَالَ: ((امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ)) قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ، أَرْسَلَ إِلَيَّ، فَسَأَلَنِي عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَاتَّبَعَهُ، وَقَضَى بِهِ۔

اپنے مملوکہ مکان میں نہیں چھوڑا تھا اور نہ کوئی خرچ ہی بچا گیا تھا، بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سن کر (پہلے تو) اجازت دے دی، پس میں آپ کے پاس سے نکلی حتی کہ جب میں حجرے یا مسجد نبوی میں تھی، آپ ﷺ نے مجھے بلایا یا بلوایا اور فرمایا: ''تو نے کیسے کہا ہے؟'' تو میں نے اپنا قصہ یعنی شوہر کا واقعہ دوبارہ دوہرایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے (شوہر کے) مکان میں اقامت رکھ، حتی کہ کتاب اللہ کی (بیان کی ہوئی) مدت پوری ہو جائے۔'' کہتی ہیں، پھر میں نے اسی مکان میں اپنی عدت پوری کی، یعنی چار ماہ دس دن، بیان کرتی ہیں کہ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے میری طرف پیغام بھیجا اور مجھ سے اس مسئلے کی تفصیل دریافت کی اور میں نے انہیں (تفصیل سے) خبر دی۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر عمل کیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اہل علم کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ رجعی طلاق یافتہ کے لیے خاوند کے ذمے نان ونفقہ بھی ہے اور رہائش بھی، خاوند آزاد ہو خواہ غلام۔ اسی طرح عورت آزاد ہو خواہ کنیز، رہا مطلقہ بائنہ کا معاملہ تو اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ اسے رہائش فراہم کی جائے گی البتہ اس کے نان ونفقہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات شوہر پر خرچہ لازم قرار دیتے ہیں جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مطلقہ بائنہ کے لیے خرچہ لازم نہیں الا یہ کہ عورت حاملہ ہو۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ لعان یافتہ عورت کا معاملہ رہائش اور نان ونفقہ کے سلسلے میں مطلقہ ثلاثہ کی طرح ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو اور خاوند نے اس کے حمل کی نفی نہ کی ہو۔ رہی وہ عورت جو شک کی بنا پر ہو جانے والے جماع کی عدت گزار رہی ہو یا جس کا نکاح کسی عیب کی بنا پر فسخ ہوا ور وہ اس کی عدت میں ہو یا لونڈی کو آزاد ہو جانے کے بعد سابقہ خاوند کے پاس جانے یا نہ جانے کا اختیار حاصل ہونے کے بعد وہ اس کی عدت گزار رہی ہو تو ایسی عورت کو نہ خرچہ ملے گا نہ رہائش خواہ وہ حاملہ ہی کیوں نہ ہو۔

وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ اس کی عدت گزار رہی ہو حاملہ ہو خواہ غیر حاملہ ہو اس کے لیے نان ونفقہ نہیں ہے۔ اس بارے میں اہل علم کے مابین کسی میں بھی اختلاف نہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آیت کریمہ

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ ...... ''اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو (انہیں چاہیے کہ) اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں خرچ دینا ہے اور گھر سے نہیں نکالنا۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۴۰) کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہے اور انہیں چوتھا یا آٹھواں حصہ ملے گا اور ایک سال کی مدت بھی منسوخ ہے اور اب اس کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ (صحیح بخاری: ٤٥٣١)

اہل علم کے درمیان شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کو رہائش فراہم کرنے کی بابت اختلاف ہے، اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں:

ایک قول تو یہ ہے کہ شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کے لیے (مرد پر) رہائش کا بندوبست کرنا لازم نہیں بلکہ وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے، اس موقف کے قائل سیدنا علی، سیدنا ابن عباس اور سیدہ امی عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں، نیز جناب عطاء، جابر بن زید اور حسن بصری یہی رائے رکھتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ امام شافعی کے شاگرد امام مزنی کا بھی پسندیدہ مسلک یہی ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فریعہ (بنت مالک بن سنان) رضی اللہ عنہا کو اپنے خاندان بنی خدرہ چلے جانے کی اجازت دے دی تھی، باقی رہا آپ کا دوبارہ یہ فرمان کہ اپنے (شوہر کے) مکان میں اقامت رکھ، حتی کہ کتاب اللہ کی مدت پوری ہو جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی عورت کو رہائش فراہم کرنا (مرد پر) لازم ہے اور یہی قول صحیح ہے اور اسی کے قائل سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ امام مالک، سفیان ثوری، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے پہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فریعہ کو جو اجازت دی تھی وہ آپ کے دوسرے حکم: اپنے (شوہر کے) گھر میں اقامت رکھ، حتی کہ کتاب اللہ کی مدت پوری ہو جائے، سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ کوئی حکم عمل میں آنے سے پہلے بھی منسوخ قرار پا سکتا ہے۔

(4)...... بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا

حاملہ عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو جائے

(٢٣٨٨)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّ سُبَيْعَةَ نُفِسَتْ

سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ کا

(٢٣٨٨) أخرجه البخاري: ٥٣٢٠.

بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ ، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فاستأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ ، فَأَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ۔

اس کے خاوند کی وفات سے چند راتیں بعد بچہ پیدا ہو گیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور نکاح کی اجازت طلب کی، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔

(٢٣٨٩)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عَبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ......

عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ ، فَمَرَّ بِهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ ، فَقَالَ: قَدْ تَصَنَّعْتِ لِلأَزْوَاجِ إِنَّهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ سُبَيْعَةُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقال: ((كَذَبَ أَبُو السَّنَابِلِ أَوْ لَيْسَ كَمَا قَالَ أَبُو السَّنَابِلِ ، قَدْ حَلَلْتِ ، فَتَزَوَّجِي۔))

جناب عبیداللہ بن عبداللہ اپنے والد گرامی (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ سیدہ سبیعہ بنت حارث نے اپنے خاوند کی وفات کے چند راتوں بعد بچہ جن دیا۔ اس کے پاس سے سیدنا ابو سنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انہوں نے کہا: تو شادی کے لیے بنی سنوری بیٹھی ہے تیری عدت تو چار ماہ دس دن ہے، سبیعہ نے اس بات کا تذکرہ اللہ کے رسول ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''ابو سنابل غلط کہتا ہے۔'' یا آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح ابو سنابل کہتا ہے معاملہ ویسا نہیں۔ تیری عدت پوری ہو چکی ہے تو شادی کر سکتی ہے۔''

شرح نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر اہل علم نیز بعد کے ادوار میں بھی اہل علم وفضل کی ایک کثیر تعداد اسی موقف کی قائل ہے کہ ایسی حاملہ کی عدت جس کا خاوند فوت ہو جائے وضع حمل سے ختم ہو جاتی ہے، سیدنا عمر، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر کسی عورت کے خاوند کی لاش چارپائی پر پڑی ہو، اسے ابھی دفن بھی نہ کیا گیا ہو اور وہ بچہ جن دے تو وہ حلال ہو گئی (اب وہ نیا نکاح کر سکتی ہے) امام مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی رحمہ اللہ اور اہل رائے یہی موقف رکھتے ہیں۔

(٢٣٨٩) أخرجه البخاري: ٥٣١٨ ، ٤٩٠٩ ، ومسلم: ١٤٨٤ .

سیدنا علی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے) وہ عدت کی مدتوں میں جو مدت لمبی ہو اس کی رعایت کرے، وہ وضع حمل ہو یا چار ماہ دس دن ہو۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اس پر (جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ حاملہ ہو، عدت کی مدت کو طوالت دے کر) سختی کرنا چاہتے ہو اور رخصت وسہولت دینے کے لیے تیار نہیں، بات یہ ہے کہ چھوٹی سورۂ نساء (یعنی سورۂ الطلاق) بڑی سورۂ نساء (سورہ بقرہ) کے بعد نازل ہوئی۔

حضرت کے الفاظ (اَتَجْعَلُوْنَ عَلَیْهَا التَّغْلِیْظَ) ''کیا تم اس پر سختی کرتے ہو۔'' کا مطلب ہے کہ حاملہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اس کی عدت وضع حمل بسا اوقات نو ماہ سے چار سال تک طوالت اختیار کر جاتی ہے (جس کو پنجابی میں پت لگ جانا کہتے ہیں کہ بچے کی ولادت نو ماہ سے زیادہ مدت میں ہو) تو ایسی صورت میں بچہ جننے سے قبل اس کی عدت ختم نہیں ہوتی، جب تم اس صورت میں عورت پر سختی اور تنگی ڈالتے ہو تو چار ماہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو جانے کی صورت میں اسے آسانی اور سہولت کا حقدار بھی تو قرار دو نیز حضرت کے الفاظ ''کہ چھوٹی سورۃ نساء، بڑی سورۃ نساء کے بعد نازل ہوئی'' سے مقصود یہ ہے کہ سورۃ الطلاق یعنی چھوٹی سورۃ نساء، بڑی سورۃ نساء یعنی بقرہ کے بعد نازل ہوئی اور اس سے وضاحت یہ کرنا مقصود ہے کہ سورۃ الطلاق میں ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ...... ''اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں۔'' (سورۂ طلاق:۴) یہ حکم ربانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم ﴿یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ ...... ''جو مرد تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے نفسوں کے ساتھ چار ماہ دس دن انتظار کریں۔'' (سورۂ بقرہ:۲۳۴) سورۂ بقرہ کا حکم (چار ماہ دس دن والا) منسوخ ہے اور عام فقہائے کرام آیت کریمہ کو سیدہ سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔

فائدہ: عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کی عدت چار ماہ دس دن کے بجائے وضع حمل ہے جب بچہ پیدا ہو جائے تو وہ آزاد ہے اب اس پر سوگ بھی نہیں رہا لیکن نفاس ختم ہونے تک خاوند اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ (ع،س)

(5)......بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا وَالْاِحْدَاد

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت اور سوگ

(۲۳۹۰)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّیرَزِیُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِیُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِی بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ نَافِعٍ......

(۲۳۹۰) أخرجه البخاری: ٥٣٣٤، ومسلم: ١٤٨٦.

عَـنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الأَحَـادِيـثَ الثَّـلاثَةَ ، قَـالَـتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَـلَـى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ الـنَّبِـيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ حِيـنَ تُـوُفِّـيَ أَبُـوهَـا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَـرْبٍ ، فَـدَعَـتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَـلُـوقٌ أَوْ غَيْـرُهُ ، فَـدَهَـنَتْ بِهِ جَارِيَةً ، ثُمَّ مَسَّـتْ بِـهِ بَـطْـنَهَـا ، ثُمَّ قالتْ: وَاللّٰهِ! مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ يقُولُ عَلَى الْـمِنْبَرِ: ((لا يَحِلُّ لامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِـرِ أَنْ تُـحِـدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاثِ لَيَالٍ إِلا عَـلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔)) قَالَتْ زَيْـنَـبُ: وَسَـمِـعْـتُ أُمِّـي أُمَّ سَلَمَةَ ، تَقُولُ: جَـائَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ ، فَـقَـالَـتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ ابْنَتِي تُـوُفِّـيَ عَـنْهَا زَوْجُهَا ، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا ، أَفَنُكَحِّلُهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّـمَ: لا ، ثُـمَّ قَـالَ: إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْـرٌ ، وَقَـدْ كَـانَـتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَـرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ قَالَ حُمَيْدٌ: فَـقُلْتُ لِزَيْنَبَ: وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْـحَـوْلِ ، فَـقَـالَـتْ زَيْنَبُ: كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُـوُفِّـيَ عَـنْهَـا زَوْجُـهَـا ، دَخَلَتْ حِفْشًـا ، وَلَبِسَـتْ شَـرَّ ثِيَـابِهَا ، وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا ، وَلا شَيْـئًـا حَتَّـى تَـمُـرَّ بِهَـا سَنَةٌ ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ

جناب حمید بن نافع بیان کرتے ہیں کہ زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ تین احادیث بیان کیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت گئی جب ان کے والد ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی جس میں خلوق خوشبو کی زردی یا کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی، اور انہوں نے یہ لونڈی کو لگائی، پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ پر مل لیا اور کہا: قسم اللہ کی! مجھے خوشبو کی کوئی طلب اور ضرورت نہیں ہے مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ منبر پر فرماتے تھے: ''کسی خاتون کے لیے حلال نہیں، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کا اظہار کرے (اور زیب وزینت چھوڑ دے) سوائے شوہر کے، (کہ اس کے لیے) چار مہینے اور دس دن ہیں۔ (دوسری حدیث) زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اب اس کی آنکھ خراب ہے، کیا ہم اس کو سرمہ لگا دیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں جب کہ جاہلیت میں عورت ایک سال گزرنے کے بعد مینگنی پھینکا کرتی تھی۔'' حمید نے کہا: میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا! مینگنی پھینکنے سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تھا تو وہ ایک چھوٹے سے گھروندے میں رہتی، بدترین کپڑے پہنتی اور خوشبو تو کیا

حِمَارٍ ، أَوْ شَاةٍ ، أَوْ طَيْرٍ ، فَتَفْتَضُّ بِهِ ، فَقَلَّمَا تَـفْتَضُّ بِشَىْءٍ إِلا مَاتَ ، ثُمَّ تَخْرُجُ ، فَتُعْطَى بَعْرَةً، فَتَـرْمِـى بِهَا ، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدَ ذَلِكَ مَا شَاءَ تْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ۔

کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگاتی تھی (طہارت کے لیے) حتی کہ اس کیفیت میں سال گزر جاتا، پھر کوئی جانور لایا جاتا گدھا، بکری یا کوئی اور پرندہ تو وہ اسے اپنی شرمگاہ کے ساتھ مس کرتی اور پھر اکثر ایسے ہوتا کہ وہ جس چیز کو بھی شرمگاہ کے ساتھ مس کرتی تو وہ مرجاتی، پھر وہ باہر نکلتی اور اسے مینگنی دی جاتی تو وہ اسے پھینکتی تھی، اس کے بعد جو وہ چاہتی، خوشبو وغیرہ استعمال کرتی۔

شرح ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں پھر انہوں نے خوشبو اپنے رخساروں پر لگائی، کے الفاظ منقول ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: (اِحْـدَاد) کے لغوی معنی ہیں: زیب وزینت چھوڑ دینا، اسی کو سوگ منانا کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: اَحَـدَّتِ الْـمَـرْأَةُ عَلٰى زَوْجِهَا۔ ''عورت نے اپنے شوہر کی وفات پر غم کیا۔'' سوگ کرنے والی عورت کو مُـحِـدٌّ کہتے ہیں اور اس کیفیت کو حدت کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حدود اللہ کہا جاتا ہے یعنی جن سے رک جانا واجب ہے، دربان کو عربی میں حداد کہتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو اندر جانے سے منع کرتا ہے۔

(فَتَـفْتَضُّ بِـهِ) امام قتبی نے اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ لفظ اہل عرب کے محاورہ: فَـضَـضْتُ الشَّـىْءَ میں نے فلاں چیز کو توڑ دیا۔'' سے ماخوذ ہے یا اس لفظ کا معنی ہے: میں نے فلاں چیز کو بکھیر دیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ...... ''تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔'' (سورۂ عمران: ۱۵۶) یعنی بکھر جاتے اور دور بھاگ جاتے، اس لفظ کے بولنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی عدت کو گدھے یا پرندے کو اپنی شرمگاہ کے ساتھ مل کر ختم کرتی تھی اور پھر اسے اپنے سے دور پھینک دیتی۔ اس دوران میں وہ اس قدر بدبودار اور زہریلی بن جاتی کہ اگر کوئی جانور اس کے جسم کو چھوتا تو وہ بھی مرجاتا اور کم ہی زندہ بچتا۔

امام اخفش نے کہا: لفظ تَـفْتَـضُّ ، فِضَّـه (چاندی) سے ماخوذ ہے، یعنی اس جانور اور پرندے کے ساتھ صفائی حاصل کرتی، اس عمل کو فضہ یعنی چاندی سے تشبیہ دی گئی ہے صفائی، چمک اور نظافت کے لحاظ سے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے یہاں لفظ فَتَـقْبِصُ قاف، با اور صاد (غیر منقوط) کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس لفظ کا معنی ہے کہ کسی چیز کو انگلیوں کے کناروں سے پکڑنا، اور لفظ القَبْض (ضاد منقوط کے ساتھ) کا معنی ہے کسی چیز کو پورے ہاتھ کے ساتھ پکڑنا الـحِفْش کا معنی گھروندا ہے (چھپر سا)، مینگنی پھینکنے کے تذکرے سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مقصود یہ تھا کہ ایک عورت کا ایام جاہلیت میں خاوند کی وفات کے بعد گھر سے چپک جانا اور سال بھر اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا یہ عمل اس

کیلئے آسان تھا، بہ نسبت اس مدت کے اختتام پر مینگنی پھینکنے سے یا ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ سب پابندیاں ہلکی اور آسان ہیں اس حق کی نسبت سے جو ایک عورت پر خاوند کی وفات کے بعد عائد ہوتا ہے وہ بہت عظیم ہے۔

فـائـدہ: لیکن اسلام نے ان پابندیوں میں مزید نرمی کر دی ہے اب عورت نہا سکتی ہے البتہ اسے زیب وزینت ترک کرنا ہے، نئے یا شوخ کپڑوں، زیورات، میک اپ اور دوسری آرائش وزیبائش کی اشیاء سے پرہیز کرنا ہے اور حتی الامکان گھر میں رہے، جاہل لوگ اپنے کفر و شرک کی رسموں پر بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں، سرمو ان سے انحراف نہیں کرتے خواہ وہ کیسی ہی بے تکی اور لایعنی ہو، لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کی شریعت کی رضاء رغبت سے پابندی کریں۔ (ع،س)

آغاز اسلام میں اس عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو جائے ایک سال تھی جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان میں مذکور ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ﴾ ......''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۴۰)

یعنی مرنے والا خاوند اپنی بیوی کے لیے یہ وصیت کر جائے کہ ایک سال تک اسے نان ونفقہ دیا جائے اور یہ کہ میرے ورثاء ایک سال تک میری بیوی کو رہائش فراہم کریں مگر یہ آیت منسوخ ہے۔ ناسخ آیت وہ ہے جس میں عدت وفات چار مہینے دس دن بتلائی گئی، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ ......''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۴)

فائدہ: یہ آیت، گو قرآنی ترتیب میں مقدم ہے مگر ناسخ ہے، منسوخ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت کے مطابق اب کسی خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش کی اور نان نفقہ کی۔ (ع،س)

عام اہل علم کے نزدیک جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کے لیے دوران عدت میں سوگ کرنا واجب ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ عدت وفات میں زیب وزینت اور خوشبو لگانا ترک کر دے، اس کیلئے اپنے سر کو کسی قسم کا تیل لگانا بھی جائز نہیں، خواہ وہ تیل خوشبو دار ہو یا بغیر خوشبو کے اس لیے کہ تیل لگانے سے بال خوبصورت اور چمک دار ہو جاتے ہیں، سوگ والی عورت ایسا سرمہ نہ لگائے جس میں خوشبو کی آمیزش ہو یا جس سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہو، مثلاً سیاہ سرمہ البتہ فارسی سرمہ لگانے میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ اس کے لگانے سے زینت حاصل نہیں ہوتی بلکہ آنکھ سے پانی ٹپکنے لگتا ہے اور آنکھ بدصورت ہو جاتی ہے۔

اگر سوگ والی عورت کو شدید اضطراری کیفیت درپیش ہو (مثلاً وہ دیہات میں یا کسی دور افتادہ مقام میں ہو جہاں

آشوب چشم وغیرہ کی کوئی اور دوا میسر نہ ہو) اور وہ زینت والا سرمہ لگانے پر مجبور ہو تو اکثر اہل علم نے ایسی صورتحال میں اسے رخصت دی ہے۔ جناب سالم بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، عطاء، نخعی، امام مالک اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: ایسی عورت رات کے وقت سرمہ لگائے اور دن کے وقت اسے صاف کردے، اسی طرح (الدمام) کا مسئلہ ہے اور وہ ہے آنکھوں کے اردگرد ایلوے کا لیپ کرنا، یہ بھی شدید مجبوری کے عالم میں کرنا چاہیے اور رات کے وقت کرنا چاہیے اور دن کے وقت اسے صاف کردینا چاہیے کیونکہ اس سے بھی آنکھیں خوبصورت ہوتی ہیں۔

(لہٰذا بطور علاج اجازت ہے بطور زینت نہیں) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوسلمہ کی وفات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میں نے اپنی آنکھوں پر ایلوا لگا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:......''ام سلمہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: یہ ایلوا ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک یہ چہرے کو مزین کردیتا ہے۔ لہٰذا صرف رات کو استعمال کرو اور دن میں اسے صاف کردیا کرو اور کسی خوشبو والی چیز کے ساتھ اور مہندی کے ساتھ کنگھی نہ کرو (سر نہ دھو) کیونکہ یہ خضاب ہے۔'' میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! تو پھر کس چیز سے میں کنگھی کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیری (کے پتوں) سے، اسے اپنے سر لیپ لیا کرو (بعد میں دھو ڈالا کرو)۔''

(ضعیف، ابوداود: ۲۳۰۵، نسائی: ۳۵۳۹)

(يَشُبُّ الْوَجْهَ) یعنی چہرے کو روشن کردیتا ہے، رنگدار بنا دیتا ہے اور خوبصورت کردیتا ہے، رَجُلٌ مَشْبُوْبٌ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے بال سخت سیاہ ہوں اور چہرہ گورا چٹا ہو۔

(۲۳۹۱)۔أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ حَفْصَةَ......

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاثٍ إِلا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلا ثُوبَ عَصْبٍ، وَلا تَكْتَحِلُ، وَلا تَمَسُّ طِيبًا إِلا إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ، أَوْ أَظْفَارٍ۔))

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کسی (میت) پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے شوہر کے، اس کے لیے چار ماہ دس دن سوگ کرے، کوئی رنگین کپڑے نہ پہنے مگر وہ کپڑا جس کی بنائی ہی رنگین دھاگوں سے ہو (یعنی دھاری دار چادر وغیرہ) نہ سرمہ لگائے نہ خوشبو استعمال کرے مگر حیض سے طہارت کے وقت معمولی قسط یا اظفار کی خوشبو استعمال کرسکتی ہے۔''

(۲۳۹۱) أخرجه البخاري: ۵۳۴۳، ومسلم: ۹۳۸.

شرح: اہل علم کا عمل اسی حدیث مبارکہ پر ہے کہ خاوند کی وفات کا سوگ کرنے والی عورت سفید نیز سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے پہن سکتی ہے جو بھڑکیلے، شوخ اور زینت دار نہ ہوں، اسی طرح وہ کپڑے جو معاشرے میں سوگ اور افسوس کی علامت بن چکے ہیں مثلاً سیاہ رنگ، اسی طرح میل خورے رنگ کے کپڑے مثلاً سرمئی اور مٹیالہ رنگ یا جن کپڑوں کو پہن کر انسان غم واندوہ کا منظر پیش کرے مثلاً پرانے ان دھلے اور بغیر استری کیے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں، رہے وہ ملبوسات، پہناوے اور رنگ جو زینت اور آرائش کے غماز ہیں مثلاً سرخ، زرد اور تازگی بخش سبز رنگ کے کپڑے نہ پہنے جائیں، ایسی عورت ڈیزائن دار، اٹھان رکھنے والے ریشمی ملبوسات اور زیورات نہ پہنے۔

جناب سفیان اور اہل رائے نے کہا: سوگ والی عورت کسی قسم کے رنگین کپڑے نہ پہنے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سیاہ رنگ کا لباس پہن سکتی ہے،، اس کے علاوہ نہیں۔

الـعـصـب: یہ کپڑوں کی ایک خاص قسم ہے، اس میں کاتنے والا شخص دھاگوں کو باندھ کر پہلے رنگ دیتا ہے پھر اس سے کپڑا بنتا ہے، جس سے بنے ہوئے کپڑے میں ڈیزائننگ آ جاتی تھی، اس کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں (کیونکہ کپڑا پہننے کے بعد اس کو رنگ نہیں دیا جاتا ہے) سوگ والی عورت کے لیے خوشبو کا استعمال جائز نہیں، اگر وہ حیض سے پاک ہو تو بدبو کو رفع کرنے کے لیے اپنی شرمگاہ کو معمولی قسط یا اظفار کی خوشبو لگا سکتی ہے۔

(الـنُبَذ) چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ (الـقُسْط) یہ ایک خوشبو دار لکڑ ہے جسے ہندوستان سے منگوایا جاتا ہے اور ادویہ میں استعمال کیا جاتی ہے۔

(الاَظْفَار) یہ ایک کالے رنگ کی خوشبو ہے جس کی دھونی دی جاتی ہے، یہ لفظ جمع کی صورت میں ہی مستعمل ہے، اس کا واحد نہیں۔ بعض روایتوں میں یوں بھی آیا ہے (نُبْـذَہ مِنْ کُسْتِ اَظْفَار) لیکن یہاں لفظ کست سے مراد قسط ہی ہے، اس جگہ بڑا قاف چھوٹے کاف سے بدل گیا ہے اور طاء تا سے بدل گئی ہے جیسے کافور کو قافور پڑھا جاتا ہے۔

جناب سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہم نے کہا کہ اگر شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت کو آشوب چشم کی بنا پر نظر ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو یا کوئی اور حتمی مرض لاحق ہو تو وہ سرمہ لگا کر اپنا علاج کر سکتی ہے خواہ اس میں خوشبو ہی کیوں نہ ہو، کیا طلاق کی عدت گزارنے والی عورت پر بھی دوران عدت سوگ کرنا واجب ہے؟ اگر وہ مطلقہ رجعیہ ہے تو عدت کے اندر اس کے لیے زیب وزینت ترک کرنا واجب نہیں بلکہ اسے زیب وزینت اختیار کرنی چاہیے کہ اس کے خاوند کا دل اس کی طرف پھر آئے اور وہ رجوع کر لے اور مطلقہ بائنہ، خلع کی عدت گزارنے والی اور مطلقہ ثلاثہ میں اختلاف ہے (بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں) پہلا قول یہ ہے کہ ایسی عورت پر بھی سوگ کرنا واجب ہے جس طرح خاوند فوت ہو جانے والی عورت پر ہے۔ اس کے قائل سعید بن مسیّب اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی عورت پر سوگ واجب نہیں۔ اس کے قائل جناب عطاء اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

فَصْلٌ فِي عِدَّةِ الْوَفَاةِ

وفات کی عدت کا بیان

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: خوب جان لو کہ شوہر کی وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے، خواہ عورت کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ (چھوٹی ہو یا بڑی) الا یہ کہ وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، اگر غیر حاملہ پر خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن کا عرصہ بیت جائے تو وہ حلال ہوگی (اوراب وہ آگے نکاح کرسکتی ہے) خواہ اس عرصے میں اسے حیض کی بندش کا سامنا ہی کیوں نہ رہا ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اگر اس عرصہ میں اسے کسی وجہ (بیماری وغیرہ) سے حیض آنا بند ہو جائے تو وہ حلال نہیں ہوگی تا آنکہ وہ اپنے حیض کے معمول کو برقرار دیکھے۔ سوگ کے احکام میں، آزاد، لونڈی، چھوٹی، بڑی اور مسلم اور ذمی کا کوئی فرق نہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: میرے خیال کے مطابق جس بچی کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی خوشبو نہیں لگانی چاہیے کیونکہ وہ بھی ایام سوگ میں ہے۔ اہل رائے کا موقف ہے کہ چھوٹی بچی اور ذمی خاتون پر سوگ نہیں ہے۔ رہی وہ عورت جو خاوند کی زندگی میں اس سے الگ ہونے والی ہے تو اگر میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی اور اسی دوران طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں، یعنی ایسی غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ ...... ''جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔'' (سورۂ احزاب: ۴۹)

(مدخولہ غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے) اور اگر وہ عورت مدخولہ اور حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ...... ''اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔'' (سورۂ طلاق: ۴)

اور اگر مدخولہ عورت حاملہ نہ ہو تو دیکھا جائے گا، اگر تو وہ ان عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا یا جن کا حیض عمر رسیدہ (آئسہ) ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا ہے، تو اس کی عدت تین مہینے ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ ''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اوران کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔'' (سورۂ طلاق: ۴)

اور اگر اس عورت کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ ''طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔'' (سورۂ بقرہ:۲۲۸)

اور اگر کسی عورت کو عمر رسیدگی (یعنی سن یأس) سے پہلے ہی حیض آنا بند ہو جائے تو ایسی صورت میں اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ اس کے لیے آگے نکاح کرنا جائز نہیں جب تک کہ تین حیضوں کا وقت نہ گزر جائے یا وہ سن یأس (ناامیدی کی عمر) کو پہنچ جائے تو پھر تین ماہ عدت گزارے، اس کے قائل سیدنا عثمان، علی، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔

جناب عطاء، شافعی اور اہل رائے یہی موقف رکھتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: ایسی عورت نو ماہ انتظار کرے، پھر اگر اسے خون آنا شروع نہ ہو تو وہ تین ماہ عدت گزارے۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے کہ جس کو ناامیدی کی عمر کو پہنچنے سے صرف نو ماہ باقی رہ گئے ہوں۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ وہ چار سال انتظار کرے اور یہ وضع حمل کی اکثر مدت ہے بعد ازاں تین ماہ عدت گزارے، امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ نہیں ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: جس خاتون کو عمر رسیدگی سے قبل حیض آنا بند ہو جائے اس کی عدت ایک سال ہے، جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: ایسی عورت ایک سال انتظار کرے، اگر حیض آ جائے تو ٹھیک وگرنہ وہ ایک سال کی مدت کے بعد تین ماہ گزارے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: استحاضہ کے مرض میں مبتلا عورت اپنی عدت حیضوں کے لحاظ سے پوری کرے گی، یہ اکثر اہل علم کا موقف ہے، پھر اگر استحاضہ میں مبتلا عورت اپنے معاملے کو یاد رکھے ہوئے ہے اور اسے حیض وطہر کی آمد وشد کا ادراک ہے اور وہ اپنی عادت سے بخوبی واقف ہے تو تین حیض گزرنے کے بعد وہ حلال ہو جائے گی اور اگر اسے اپنی عادت بھولی ہوئی ہے تو وہ اپنی عدت تین ماہ گزارے گی۔

جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: مستحاضہ کی عدت ایک سال ہے۔

فائدہ: امام صاحب نے اس فصل پر (عِـدَّةُ الْوَفَاة) کا عنوان قائم کیا ہے مگر فصل کے آخر میں جو مختلف عورتوں کا بیان ہے وہ طلاق کی عدتیں تو ہو سکتی ہیں وفات کی نہیں، اس سے شبہ سا پیدا ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، چھوٹی ہو یا بڑی، جوان ہو یا بوڑھی شوہر کی وفات پر اس کے لیے واجب ہے کہ چار ماہ دس دن عدت گزارے البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے۔ (ع،س)

(6)......بَابُ اِمْرَأَةِ الْمَفْقُوْدِ

لاپتہ شوہر کی عورت کے احکام ومسائل

(۲۳۹۲)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحِيرِيُّ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَنَا الرَّبِيعُ، أَنَا الشَّافِعِيُّ، نَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، عَنْ هُشَيْمِ بْنِ بَشِيرٍ......

عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيٍّ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ إِذَا قَدِمَ، وَقَدْ تَزَوَّجَتِ امْرَأَتُهُ: هِيَ امْرَأَتُهُ إِنْ شَاءَ طَلَّقَ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَلا تُخَيَّرُ۔

جناب سیار ابو الحکم بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لاپتہ شوہر کی بیوی کے بارے میں کہا کہ جب اس کا خاوند آجائے اور اس کی بیوی نے آگے شادی کر رکھی ہو تو وہ اسی کی بیوی شمار ہو گی، اس کی مرضی ہے اسے طلاق دے یا نکاح میں رکھے اور عورت کو اختیار نہیں دیا جائے گا۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کا کچھ اتا پتہ نہ چلے تو اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ ایسی صورت میں متعلقہ عورت اس وقت تک آگے نکاح نہیں کر سکتی جب تک اس کی خبر وفات کی صحت یا ثبوت طلاق کا یقین نہ ہو جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: لاپتہ آدمی کی بیوی چار سال انتظار کرے، پھر شوہر کے فوت ہونے کی عدت گزارے، یعنی چار ماہ دس دن اور اس کے بعد اگر چاہے تو شادی کر لے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اگر ایسی عورت عدت کے بعد شادی کر لے اور پھر خاوند آجائے تو اس کے خاوند کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنا دیا ہوا حق مہر وصول کر لے یا بیوی لوٹا لے، بعض لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو نہیں مانتے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اگر ایسی عورت عدت مکمل کرنے کے بعد آگے شادی کر لے، خاوند نے اس کے ساتھ تخلیہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، یعنی وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو تو پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہتا۔ جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے کہا: جب آدمی دوران جنگ لاپتہ ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال انتظار کرے۔

جب غائب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے یا پردیس میں فوت ہو جائے تو عورت کی عدت کا آغاز طلاق دینے یا شوہر کی وفات کے دن سے ہو گا، اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے حتی کہ اگر عورت کو طلاق کی اطلاع یا شوہر کی وفات کی خبر

(۲۳۹۲) أخرجه الامام الشافعي في "المسند": ۱۴۳۳.

عدت کا وقت گزر جانے کے بعد موصول ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں، وہ حلال ہے (نیا نکاح کرسکتی ہے) یہ قول سیدنا ابن مسعود، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔

جناب سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، ابن سیرین، عکرمہ، حماد بن زید، زہری، مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم یہی موقف رکھتے ہیں، مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسی خاتون کی عدت کا آغاز خبر موصول ہونے کے وقت سے ہوگا، جناب حسن بصری اور قتادہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

جناب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کسی شخص کی موت کا پتہ گواہوں سے لگے تو عدت کا آغاز موت کے وقت سے کیا جائے گا اور اگر کسی کی موت کا پتہ محض سننے سنانے سے چلے تو خبر موصول ہونے سے عدت کا آغاز کرنا چاہیے۔

فائدہ: اس مسئلے میں کوئی صحیح مرفوع روایت نہیں ہے اس وجہ سے اس مسئلہ میں بے حد اختلاف کیا گیا ہے، لیکن راجح مسلک یہ ہے کہ لا پتہ ہونے کے وقت سے چار سال گزر جانے کے بعد اس کی وفات کا حکم لگایا جائے گا، پھر اس کی عورت چار ماہ دس دن متوفی عنھا زوجھا کی عدت گزارے گی۔ اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکے گی، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ (مؤطا، کتاب الطلاق، باب عدة التي تفقد زوجها)

نیز محقق علمائے کرام نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (ع،س)

(7)......بَابُ اجْتِمَاعِ الْعِدَّتَيْنِ

ایک عورت کے لیے دو عدتوں کا یکجا ہو جانا

(٢٣٩٣)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ......

وَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ فِي عِدَّتِهَا، فَإِنْ كَانَ الَّذِي تَزَوَّجَهَا لَمْ يَدْخُلْ بِهَا، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ اعْتَدَّتْ بَقِيَّةَ عِدَّتِهَا مِنَ الْأَوَّلِ، ثُمَّ كَانَ خَاطِبًا مِنَ الْخُطَّابِ، وَإِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا، فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ اعْتَدَّتْ بَقِيَّةَ عِدَّتِهَا مِنَ الْأَوَّلِ، ثُمَّ اعْتَدَّتْ مِنَ الْآخَرِ، ثُمَّ لَمْ يَنْكِحْهَا أَبَدًا۔ قَالَ سَعِيدٌ: وَلَهَا مَهْرُهَا بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْهَا۔

جناب سلیمان بن یسار بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو عورت دوران عدت نکاح کرلے اگر تو اس کے خاوند نے دخول نہیں کیا تو ان کے مابین تفریق کرادی جائے گی، پھر وہ پہلے خاوند کی بقیہ عدت گزارے گی اور دوسرا خاوند نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ایک ہوگا (از سرے نو نکاح کا پیغام بھیجے گا) اور اگر دوسرے خاوند نے دخول کرلیا ہے تو پھر بھی ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔ جدائی کے بعد پہلے وہ پہلے خاوند کی باقی ماندہ

(٢٣٩٣) صحيح ...... أخرجه مالك في "المؤطا": ٥٤٥، وعبد الرزاق في "المصنف": ١٠٥٤٠.

عدت گزارے گی پھر دوسرے کی عدت پوری کرے گی اور پھر (دوران عدت نکاح کرنے والے سے) اس کا نکاح کبھی نہیں ہو سکے گا، جناب سعید نے کہا: عورت کو اس کا حق مہر دیا جائے گا کہ اس نے عورت کی شرمگاہ کو استعمال کیا ہے۔

شرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب ایک خاتون پر دو مختلف شخصوں کی طرف سے دو عدتیں جمع ہو جائیں، اس طرح کہ وہ ایک کی عدت گزار رہی تھی کہ دوسرے شخص نے شبہ (غیر صحیح شادی) کے ساتھ اس سے مجامعت کر ڈالی، ایسی صورت میں اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ دو عدتیں ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوں گی (بلکہ ان کو علیحدہ علیحدہ مکمل کیا جائے گا) ایسی خاتون کے معاملے کا بغور جائزہ لیا جائے گا، اگر اسے کسی ایک شخص سے حمل ہو گیا ہے تو حمل کی عدت کو مقدم کیا جائے گا، پھر اگر حمل پہلے شوہر سے ہے تو وضع حمل کے بعد وہ نئے سرے سے دوسرے شخص کی عدت کو پورا کرے گی اور اگر حمل دوسرے شخص سے ہے تو پہلے وہ دوسرے خاوند کی عدت کو بچہ جننے کے ساتھ پورا کرے گی، پھر وہ پہلے شوہر کی باقی رہ جانے والی عدت کو مکمل کرے گی۔ اور اگر وہ حاملہ نہیں تو اولاً پہلے شوہر کی عدت کو پورا کرے پھر نئے سرے سے دوسرے کی عدت کی تکمیل کرے۔

اگر عورت اثنائے عدت کسی سے نکاح کر لے تو ایسی صورت میں وہ وقت جو اس نے دوسرے شخص کے ساتھ گزارا ہے اس کا شمار کسی کی عدت میں نہیں ہوگا، ان کے مابین فوراً تفریق کرا دی جائے گی اور بعد از تفریق وہ اولاً پہلے شخص کی باقی ماندہ عدت کو پورا کرے گی، پھر از سرے نو دوسرے شخص کی عدت گزارے گی۔ دو عدتیں باہم ضم نہ ہونے کا موقف سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کا ہے نیز عمر بن عبدالعزیز اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ دو عدتیں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں، جب کسی عورت کو دوسرے شخص سے مجامعت کے بعد تین حیض کا عرصہ گزر جائے تو وہ دونوں کی عدت سے فارغ ہو جائے گی۔ اس کے قائل امام مالک اور اہل رائے ہیں۔ جناب ابراہیم نے کہا: جو عورت دوران عدت میں نکاح کر لے اور اس نکاح کے بعد اسے تین دفعہ حیض آ جائے تو وہ پہلے خاوند سے الگ ہو جائے گی لیکن اس عدت کو دوسرے کی طرف سے شمار نہیں کیا جائے گا۔ امام زہری کہتے ہیں کہ شمار کیا جائے گا اور سفیان نے بھی اسی رائے کو پسند کیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا (ثم لم ينكحها ابدا) پھر وہ اس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نکاح نہیں کر سکتی۔ اس قول میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکیلے ہیں کہ پہلے خاوند کی عدت گزارنے والی عورت سے شادی کرنے والا شخص پھر ہمیشہ کیلئے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ جبکہ عام اہل علم کا موقف ہے کہ ایسی عورت پہلے خاوند کی عدت گزار لینے کے بعد دوسرے کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(8)......بَابُ اسْتِبْرَاءِ أُمِّ الْوَلَدِ

ام ولد کا استبراء

فائدہ: ام ولد سے مراد وہ لونڈی ہے جس سے مالک کی اولاد ہو جائے اور استبراء سے مراد یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا اس کا رحم خالی ہے۔ (ع،س)

(٢٣٩٤)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا هَلَكَ سَيِّدُهَا حَيْضَةٌ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: آقا فوت ہو جانے کے بعد ام ولد کی عدت ایک حیض کی مدت کا گزر جانا ہے۔

شرح: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ام ولد کنیز کا آقا اور مالک فوت ہو جائے تو اس کیلئے انتظار کرنا واجب ہے (تا کہ رحم کے صاف ہونے کا یقین ہو جائے) اسے کتنا انتظار کرنا چاہیے اس مدت کے بارے میں اختلاف ہے، اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ایسی عورت اپنے خاوند کی وفات پر آزاد عورت کی طرح چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو خلط ملط مت کرو، جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، یعنی ام ولد (ان کی مراد یہ تھی کہ عورت خواہ آزاد ہو یا ام ولد سب کے لیے حکم ایک ہی ہے)۔ (صحیح، ابوداود: ٢٣٠٨)

اس موقف کے قائلین جناب سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، حسن اور ابن سیرین رحمہم اللہ ہیں، نیز امام اوزاعی اور اسحاق بن راھویہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہے، یہ موقف سیدنا علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جناب عطاء، نخعی، سفیان ثوری اور اہل رائے اسی کے قائل اور مُقِر ہیں۔

اور بعض کے نزدیک ایسی عورت کی عدت ایک حیض ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی روایت کیا گیا ہے، جناب عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، شعبی اور زہری رحمہم اللہ کا قول یہی ہے نیز امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ بعض حضرات نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ام ولد ہے جس کو اس کے آقا نے آزاد کر کے پھر اس سے شادی کر لی ہو، (یعنی اسے ام ولد سابقہ حیثیت کے اعتبار سے کہا جا رہا ہے جبکہ اب وہ آزاد عورت ہے) ایسی عورت کا آقا اور شوہر اگر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار مہینے اور دس دن ہے، یہ تمام اہل علم کی متفقہ رائے ہے۔

(٢٣٩٤) الاثر صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ١٢٥٩ .

جب ایک شخص اپنی ام ولد (لونڈی) سے شادی کر لے، پھر اس کا مالک فوت ہو جائے جبکہ وہ مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا اپنے خاوند کی عدت کی مدت سے گزر رہی ہو تو ایسی عورت کیلئے اپنے آقا کے لحاظ سے استبرائے رحم کرنا واجب نہیں (کیونکہ اس کے آقا کا تعلق اس کے ساتھ خدمت لینے کا ہے جنسی نہیں اور استبرائے رحم جنسی تعلق کی بنا پر لازم ہوتا ہے)۔(ع،س)

جب خاوند کی وفات آقا کی وفات سے پہلے واقع ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی طرف سے عدت دو ماہ اور پانچ دن گزارے، اگر آقا فوت ہو جائے یا اسے دو ماہ پانچ دن گزرنے سے قبل آزاد کر دے تو مذکورہ بالا دونوں کیفیتوں میں کیا وہ بطور لونڈی آدھی عدت پوری کرے گی یا بطور آزاد مکمل عدت چار ماہ دس پورے کرے گی؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔

اگر لونڈی کا آقا، اس کے خاوند کی عدت مکمل ہونے کے بعد وفات پائے یا اس کو آزاد کر دے تو ایسی لونڈی کے اوپر اپنے آقا کی طرف سے استبرائے رحم کرنا لازم ہے، اگر آقا اور شوہر کی وفات ایک ساتھ ہو اور یہ معلوم ہو نہ سکے کہ ان دونوں میں سے کس کی وفات پہلے ہوئی ہے؟ اگر تو ان دونوں کی موت کے درمیان دو ماہ پانچ دن سے کم کا فاصلہ ہو تو ایسی عورت پر چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا واجب ہے، اور اس پر اپنے آقا کی طرف سے استبرائے رحم کرنا واجب نہیں اس لیے کہ جس دن اس کے آقا کی موت واقع ہوئی تو وہ یا تو اپنے خاوند کی منکوحہ تھی یا اس کی عدت کی مدت میں تھی، اگر اس کے شوہر کی وفات پہلے ہو گئی ہو۔

اور اگر دونوں کی موت کے دوران دو ماہ پانچ دن یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو اس صورت میں وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی، اس میں ایک حیض دونوں میں سے بعد میں فوت ہونے والے کی موت سے ہے، اس لیے کہ اگر اس کے خاوند کی موت پہلے واقع ہوئی ہو تو اس پر اپنے مالک کی طرف سے استبرائے رحم کیلئے ایک حیض کا انتظار کرنا لازم ہے اور اگر آقا کی وفات پہلے ہوئی ہو تو اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کی طرف سے بطور عدت چار ماہ دس دن گزارے۔

(9)......بَابُ اسْتِبْرَاءِ الْأَمَةِ الْمَسْبِيَّةِ وَالْمُشْتَرَاةِ

قیدی یا خریدی ہوئی لونڈی کا استبراء

(٢٣٩٥)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمِيرَبَنْدِكُشَائِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَهْلٍ السِّجْزِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ السِّجِسْتَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي الْوَدَّاكِ......

(٢٣٩٥) صحيح ...... أخرجه ابو داود: ٢١٥٧، ٢١٥٨، والترمذي: ١٥٦٤.

عَـنْ أَبِـي سَعِيـدٍ الْخُدْرِيِّ، رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّمَ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَـاسٍ: ((لا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً۔))

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا: ''حاملہ عورت سے وضع حمل تک ہم بستری نہ کی جائے اور غیر حاملہ سے ایک ماہواری گزرنے تک ہم بستری نہ کی جائے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں ڈھیر سارے فقہی فوائد ہیں، ایک تو یہ کہ اگر کافر زوجین ایک ساتھ قیدی ہو جائیں یا دونوں میں سے ایک قید و بند سے دو چار ہو تو میاں بیوی کے درمیان نکاح ختم ہو جائے گا۔ اگر ان دونوں کے درمیان نکاح ختم نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قید کرنے والے کے لیے قید میں آنے والی لونڈی کے ساتھ وضع حمل کے بعد مجامعت کو جائز قرار نہ دیتے۔ اسی طرح غیر حاملہ کے ساتھ ایک حیض گزرنے کے بعد بغیر کسی لمبے چوڑے انتظار کے بعد فوراً وطی کی اجازت نہ دیتے اور جنگ اوطاس میں قید میں آنے والی لونڈیوں میں سے شادی شدہ لونڈیاں بھی تھیں، (لہٰذا ان کا نکاح بھی قید میں آنے کے بعد ختم ہو جائے گا)۔

اہل علم کے مابین اس مسئلہ میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک کے قید ہو جانے سے ان کا نکاح ختم ہو جاتا ہے البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ قید ہو کر آئیں تو کیا ان کا نکاح برقرار رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟ اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ ان کا نکاح ختم ہو جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں کے ساتھ وضع حمل یا ایک حیض گزرنے کے بعد مجامعت کو جائز قرار دیا ہے اور آپ نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا فرق بیان نہیں فرمایا، نیز اس بات کی بھی آپ نے کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ خاوند کے ہمراہ قید ہونے والی یا اس کے بغیر قید ہونے والی کا کیا حکم ہے اور آپ کے دور میں قید ہونے والی لونڈیوں میں مذکورہ بالا سبھی اقسام تھیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام کا حکم ایک جیسا ہی ہے۔ امام مالک، شافعی اور ابو ثور رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اہل رائے کا موقف ہے کہ اگر میاں بیوی ایک ساتھ قید میں آئیں تو دونوں اپنے نکاح میں برقرار رہیں گے۔

جناب ابو علقمہ ہاشمی نے سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقع پر ایک لشکر اوطاس کی طرف روانہ کیا، ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور ان سے قتال کیا، ان پر غالب رہے اور ان کی عورتیں ہاتھ آئیں تو کچھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مباشرت میں حرج جانا حالانکہ مشرکین میں ان کے شوہر موجود تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ آیت اتاری: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾.....

''اور خاوند والیاں (تم پر حرام ہیں) مگر جن کے مالک بن جائیں تمہارے داہنے ہاتھ۔'' (سورۂ نساء:۲۴) یعنی وہ تمہارے لیے حلال ہیں جب ان کی عدت پوری ہو جائے۔(صحيح مسلم: ١٤٥٦)

یہاں المحصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی بن جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے دونوں پکڑے جائیں (خواہ دونوں میں سے کوئی ایک پکڑا جائے) اور ان کے آقاؤں کیلئے استمتاع جائز ہے (اور اس کی عدت ایک حیض ہے)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شادی شدہ لونڈی ہے جسے کوئی شخص خرید لے اور انہوں نے اس کے بیچنے کو بمنزلہ طلاق قرار دیا ہے اور خریدنے والے کے لیے اس لونڈی سے مجامعت کو جائز کہا ہے جبکہ عام اہل علم کا موقف اس کے برعکس ہے اور وہ شادی شدہ لونڈی کے فروخت کرنے کو طلاق قرار نہیں دیتے (بلکہ آیت کریمہ کو جنگی قیدی لونڈیوں کے ساتھ خاص جانتے ہیں)۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ کسی لونڈی کے از سر نو مالک بننے سے اس کا استبرائے رحم واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا کسی لونڈی کا مالک بننے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استبراء سے پہلے اس سے قربت اور مجامعت کرے خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ ہو، اس نے وہ کسی مرد سے خریدی ہو یا عورت سے، اسی طرح مکاتبہ لونڈی اگر اپنی آزادی کی اقساط دینے سے عاجز آجائے یا فروخت کی ہوئی لونڈی، فروخت کنندہ کے پاس سودا ختم ہونے کے ساتھ یا کسی عیب اور بیماری کی وجہ سے واپس ہو جائے تو اس سے بھی مباشرت کرنا حرام ہے تا آنکہ استبرائے رحم نہ ہو جائے۔

جناب قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہم اللہ نے کہا: نابالغ لونڈی کا استبرائے رحم کرنا واجب نہیں، جناب لیث بن سعد بھی اسی کے قائل ہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کوئی شخص زیر مجامعت رہنے والی لونڈی ہبہ کر دے، یا فروخت کر دے یا اسے آزاد کر دے تو ایسی عورت کا ایک حیض انتظار کر کے استبرائے رحم کیا جائے گا اور کنواری لونڈیوں کا استبرائے رحم کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لونڈیاں جنگ میں ہاتھ آئیں ان سے استبراء سے پہلے قربت جائز نہیں، کیونکہ سیدنا رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین والے دن فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لے حلال نہیں کہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنا پانی دے۔'' آپ کی مراد تھی کہ حاملہ عورتوں سے مباشرت، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ قید میں آنے والی کسی عورت سے استبراء سے پہلے مباشرت کرے اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر

ایمان رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ غنیمت کو تقسیم ہو جانے سے پہلے فروخت کرے۔

(حسن، ابوداود: ۲۱۵۸، ترمذی: ۱۱۳۱)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ لونڈی کے آقا کے لیے استبرائے رحم کی مدت کے دوران میں اس سے جماع کرنا حرام ہے، البتہ مجامعت کے علاوہ استمتاع وغیرہ کے متعلق انہوں نے اختلاف کیا ہے، جناب حسن نے استبرائے رحم کی مدت کے دوران بوس وکنار اور استمتاع کرنے میں کوئی حرج نہیں جانا۔

جناب عطاء نے کہا: حاملہ لونڈی کی شرمگاہ استعمال کیے بغیر باقی جسم سے استمتاع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ ...... ''مگر اپنی بیویوں پر یا اپنی لونڈیوں پر۔'' (سورۂ مومنون: ۶)

بعض حضرات کا موقف ہے کہ ایسی لونڈی سے استمتاع اور مباشرت کرنا بھی جماع کرنے کی طرح حرام ہے، یہ امام شافعی کا قول ہے، امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ خریدی ہوئی لونڈی سے استمتاع حرام ہے البتہ جنگی قیدی بن کر آنے والی سے حرام نہیں، کیونکہ خریدی ہوئی لونڈی بسا اوقات کسی دوسرے شخص کی ام ولد ہوسکتی ہے، لہٰذا خریدنے والا شخص اس قسم کی لونڈی سے استمتاع کا مالک نہیں ہوسکتا اور قیدی لونڈی میں حمل ہونے سے ملکیت مانع نہیں ہوسکتی (لہٰذا اس سے استمتاع جائز ہے)۔

اس حدیث سے اس بات کا علم بھی ہوا کہ حاملہ لونڈی کا استبرائے رحم وضع حمل سے ہوتا ہے اور غیر حاملہ کا استبرائے رحم اگر اسے حیض آتا ہو تو ایک حیض ہے بخلاف عدت کے کہ اس کا لحاظ طہروں کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''اب اگر وہ طلاق دینا مناسب سمجھے تو حالت طہر میں اس سے ہم بستری سے پہلے طلاق دے، یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں عدت کو اطہار کے ساتھ خاص کیا ہے اور استبراء کو حیض کے ساتھ۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ کسی لونڈی کے ملکیت میں آنے کے بعد پورا ایک حیض بطور استبراء انتظار کرنا ضروری ہے لہٰذا اگر کوئی شخص لونڈی کو جاری حیض میں خریدتا ہے تو اس ادھورے حیض کو استبراء قرار نہیں دیا جائے گا۔

جناب حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب کوئی شخص لونڈی کو ایسی حالت میں خریدے کہ اسے حیض کی تکلیف جاری ہو تو یہی حیض بطور استبراء کافی ہے، اور اگر لونڈی کا شمار ایسی خواتین میں ہوتا ہے جنہیں حیض نہیں آتا تو ایسی لونڈی کا استبراء ایک ماہ کا انتظار ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تین ماہ انتظار کیا جائے۔ اس حدیث میں ان حضرات کی دلیل ہے جن کا موقف ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا اور یہ کہ حاملہ عورت کو گاہے گاہے آنے والا خون حیض نہیں ہوتا اگرچہ وہ حیض کے ایام اور حیض کے خون کا رنگ وروپ رکھتا ہو، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض آنے کو رحم کے صاف ہونے کی

دلیل بنایا ہے، (لہٰذا ثنائے حمل آنے والا خون حیض نہیں ہوسکتا)۔

اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا، لہٰذا اگر وہ کہیں خون دیکھے بھی تو اسے روزے اور نماز ترک نہیں کرنی چاہیے، جس طرح استحاضے والی عورت کا حکم ہے۔اس کے قائل جناب حسن، عطاء، ابراہیم، حکم بن عتیبہ اور اہل رائے ہیں، جبکہ ایک قوم کا موقف ہے کہ حاملہ مبتلائے حیض ہوسکتی ہے لہٰذا ایسی صورتحال درپیش ہونے کی صورت میں وہ روزے اور نماز چھوڑ دے گی، اسی طرح اس کا خاوند بھی اس سے مجتنب رہے گا جس طرح وہ غیر حاملہ ہونے کی صورت میں ان ایام میں اجتناب برتتا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسے ہی مروی ہے نیز امام زہری، شعبی، اوزاعی، مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، مگر حاملہ کو آنے والے حیض سے عدت پوری نہیں ہوگی کیونکہ بظاہر حیض کا آنا رحم کے خالی ہونے کی علامت ہے، جب اس سے قوی دلیل مل گئی تو حیض کا لحاظ رکھنا ساقط ہوجائے گا، اگر کوئی عورت بمطابق حیض عدت گزار رہی ہو اور زنا کی بنا پر حاملہ ہوجائے پھر اسی حمل میں خون دیکھے تو اسے عدت میں شمار کیا جائے گا (کیونکہ وہ حمل خاوند کا نہیں بلکہ بوجہ زنا ہے)

جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی خاتون درد ولادت کے وقت سے ایک دو روز قبل خون دیکھے تو وہ نفاس کا خون شمار ہوگا۔

(٢٣٩٦)۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَرَّ بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ، فَسَأَلَ عَنْهَا، فَقَالُوا: هَذِهِ أَمَةٌ لِفُلان، فَقَالَ: ((أَيُلِمُّ بِهَا)) فَقَالُوا: نَعَمْ، فَقَالَ: ((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ فِي قَبْرِهِ، كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لا يَحِلُّ لَهُ، أَمْ كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَهُوَ لا يَحِلُّ لَهُ؟))

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوے میں ایک عورت دیکھی جس کا حمل تقریباً پورے دنوں کا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شاید اس کے مالک نے اس سے مباشرت کی ہے؟'' انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا ہے کہ اسے لعنت کروں ایسی لعنت جو اس کی قبر تک اس کے ساتھ جائے، یہ اس بچے کو کس طرح اپنا وارث بنا سکے گا جبکہ اس کے لیے یہ حلال نہیں۔'' (کہ غیر کے نطفے اور غیر کے بچے کو اپنا بچہ بنائے)۔

(٢٣٩٦) أخرجه مسلم: ١٤٤١.

شرح الْمُجِحّ سے مراد قریب الولادۃ عورت ہے اور اس حدیث میں اس مسئلہ کی وضاحت ہے کہ حاملہ جنگی قیدی لونڈیوں سے مجامعت کرنا حرام ہے، نبی ﷺ کے الفاظ: ''کیسے اس نطفہ سے ہونے والے بچے سے غلاموں کی طرح خدمت لے سکے گا جبکہ یہ اس کیلئے حلال نہیں یا اس کو کیسے اپنا وارث (بیٹا) بنائے گا اور وہ بھی اس کیلئے جائز نہیں۔'' اس کا مطلب ہے اگر بالفرض اس کا اپنا نطفہ ہو اور اس نے اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کیا، اسے غلام بنایا اور اس سے غلاموں کی طرح خدمت لی تو یہ حرام ہے، اور پھر بیٹے کو غلام اور خادم کے درجے پر اتارنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اور اگر وہ نطفہ کسی اور کا ہے تو اس کے نسب کو تسلیم کرنا اور اسے اپنا وارث بنانا جائز نہیں، یعنی دونوں صورتوں میں اسے جماع سے بچنا چاہیے حتی کہ وہ بچہ جن دے، واللہ اعلم

بسا اوقات ابتدائے حمل میں، حمل کسی اور کا ہو تو وہ ختم ہو کر جفتی کرنے والا حمل ٹھہر سکتا ہے اور اس طرح معاملہ پیچیدہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(10)......بَابُ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ

بیوی کا خرچہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ﴾ ......''کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (حسب حیثیت) دے۔'' (سورۂ طلاق: ۷)

نیز اللہ جل ذکرہ کا فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ ......''یہ زیادہ قریب ہے کہ (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔'' (سورۂ نساء: ۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اس آیت کا مطلب ہے کہ تم اپنے اوپر ایسے افراد کی کثرت نہ کرو جن کی ضروریات زندگی تمہیں فراہم کرنا پڑیں اور ان کی عیال داری کا بار برداشت کرنا پڑے۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ بیوی کا خرچہ مرد کے ذمے ہے۔ امام کسائی نے کہا: جب کسی شخص کے بال بچے زیادہ ہوں تو اس کیفیت کو عَالَ الرَّجُلُ يَعُوْلُ کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے جبکہ ان معانی کے حصول کے لیے عمدہ اور نفیس لغت لفظ اعال کا استعمال ہے، عال يعول کا معنی ہے ظلم کرنا اور عَالَ يَعِيْلُ کا معنی ہے فقیر اور مفلس وقلاش ہونا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ ''یہ زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم وستم نہ کرو۔'' اور ان لاتعولوا کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ تم بیویوں کو ٹالتے نہ رہو۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''(اے مردو!) تمہارے ذمے ان عورتوں کا نان ونفقہ اور لباس ہے معروف کے مطابق۔'' (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: قرآن وسنت میں اس بات کی صراحت ہے کہ ایک مرد کے ذمے اپنی بیوی کا ناگزیر نان ونفقہ اور لباس کی فراہمی فرض ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اسی طرح ضروری علاج معالجہ بھی ہے، جس سے انسانی صحت برقرار رہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: خرچے کی دو قسمیں ہیں (۱) تنگ دست کا خرچہ (۲) خوشحال کا خرچہ۔

تنگ دست شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے علاقے کا عمومی کھایا جانے والا غلہ ایک مد نبی اکرم ﷺ کے دور کے پیمانے کے اعتبار سے اپنی بیوی اور اس کے خادم کو ادا کرے۔ اسی طرح ایک مکیال اپنے شہر کے اعتبار سے بطور سالن روغن زیتون یا گھی وغیرہ ادا کرے نیز بقدر ضرورت کم ازکم سرسوں کا تیل اور کنگھی پٹی (شیمپو وغیرہ) کا سامان دینا واجب ہے لیکن یہ چیز عورت کی خدمت گزار کو ادا کرنا واجب نہیں، اس طرح ہر آٹھویں دن رطل گوشت بھی ادا کرے، اور شہر کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تنگ دست آدمی کے لحاظ سے موسم سرما وگرما کا لباس دینا بھی فرض ہے۔

خوشحال اور کشادہ دست شوہر کے لیے واجب ہے کہ ہر روز دو مد غلہ نیز تنگ دست سے دوگنا سالن اور گوشت کی فراہمی واجب ہے، اسی طرح تیل اور سامان آرائش وزیبائش (میک اپ) کی ادائیگی لازم ہے، اسی طرح بیوی کے خدمت گزار اور نوکر کے لیے ایک مد اور دو تہائی مد غلہ ادا کرے، غلے میں کم ازکم مقدار مد مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں بحالت روزہ میاں بیوی کے تعلق کو قائم کرنے والے شخص کو ایک ٹوکرہ تھمایا تھا جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں اور یہ پندرہ صاع کھجوریں ساٹھ مساکین کا کھانا تھا، (جو کہ فی مسکین ایک مد بنتا ہے) اور زیادہ سے زیادہ مقدار دو مد مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حالت احرام میں سر منڈوانے والے کو فی مسکین دو مد غلہ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور یہ فدیہ جات میں سب سے زیادہ مقدار ہے اور متوسط پر ایک مد اور ایک نصف مد ہے، یعنی تنگ دست اور خوشحال شخص کی درمیانی مقدار اور بیوی کے خادم کے لیے ایک مد غلہ ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام اور ان کے مذہب کی تفصیل ہے۔

(۲۳۹۷)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، نَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(۲۳۹۷) صحیح ...... أخرجه الامام الشافعی فی "المسند": ۱۲۶۷ .

كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الأَجْنَادِ فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ نِسَائِهِمْ ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُنْفِقُوا، أَوْ يُطَلِّقُوا، فَإِنْ طَلَّقُوا، بَعَثُوا بِنَفَقَةِ مَا حَبَسُوا۔

نے لشکروں کے امراء کو لکھ بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خاوند جو ایک عرصہ سے اپنی بیگمات سے دور ہیں انہیں گرفتار کیا جائے پھر انہیں کہا جائے کہ وہ انہیں خرچہ دیں یا انہیں طلاق دیں، اگر وہ طلاق دیں تو درمیانی مدت کا خرچہ بھی ارسال کریں۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس فاروقی سرکاری فرمان سے پتہ چلا کہ خاوند اگر ایک عرصہ تک غائب رہے تو اس سے بیوی کا خرچہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ جتنا عرصہ وہ اپنی بیوی کا خرچہ روکے گا وہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ یہی معاملہ سالن، کپڑوں اور خادم کے اخراجات کا ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، جبکہ اہل رائے کا موقف ہے کہ جب تک قاضی (یا حاکم) خاوند کو بیوی کے خرچے کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے تو اس پر بیوی کے خرچے کی ادائیگی فرض نہیں، رہا عورت کا مرد کی اجازت کے بغیر گھر سے غائب رہنا یا گھر سے بھاگ جانا یا نافرمانی اور سرکشی کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کا خرچہ بذمہ خاوند لازم نہیں ہے۔ اگر خاوند حیض، نفاس، رتق اور قرن (یہ دونوں عورتوں کی شرمگاہ کے امراض ہیں) کی بنا پر مباشرت سے رکا رہے تو اس سے بیوی کا خرچہ ساقط نہیں ہوگا، اگر بیوی بچی ہو جو جماع کے قابل نہ ہو تو اس کا کوئی خرچہ نہیں اور اگر بیوی تو بڑی عمر کی ہو جبکہ خاوند کم سن ہو تو خاوند کے ذمے اس کا خرچہ لازم ہے، اسی طرح عورت کے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے سے اس کا خرچہ ساقط نہیں ہوگا۔

اگر کافرہ بیوی دخول کے بعد مشرف باسلام ہو جائے اور خاوند ابھی حالت کفر ہی میں ہو تو ایسی عورت کا خرچہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ بذمہ خاوند رہے گا کیونکہ اس نے اسلام قبول کر کے ایک مقدس فرض کی تکمیل اور ادائیگی کی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی عورت نماز پڑھے یا روزے رکھے۔ البتہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور عورت حالت کفر میں ہو تو اسے کوئی خرچہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ اسلام قبول نہ کرنے کی بنا پر نافرمان اور سرکش قرار پائے گی اور اس کا یہ عمل "نشوز" کے زمرے میں آئے گا۔

(11)......بَابُ نَفَقَةِ الْأَوْلَادِ وَالْأَقَارِبِ

بچوں اور قریبی رشتہ داروں کا خرچہ

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ ......''اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمے ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۳)

خاوند پر عورت کی روٹی کپڑے کی یہ ذمہ داری بچوں کے سبب سے ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ﴾ ......''اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو۔'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۳)

یعنی تم اپنے بچوں کے لیے دودھ پلانے والی تلاش کرو تو اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

(۲۳۹۸)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي......

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي، وَوَلَدِي إِلا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لا يَعْلَمُ، فَقَالَ: ((خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ۔))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ ابوسفیان بخیل انسان ہے اور وہ مجھے اور میری اولاد کو حسب ضرورت خرچ نہیں دیتا، اگر میں اس کے علم میں لائے بغیر اس کے مال میں سے کچھ حاصل کرلوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معروف انداز کے ساتھ تو اتنا خرچ لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو۔''

(۲۳۹۹)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ......

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ كَسْبُهُ، وَإِنَّ وَلَدَهُ مِنْ كَسْبِهِ۔))

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ عمدہ اور طیب کمائی وہ ہے جو آدمی اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور یقیناً بندے کی اولاد اس کی کمائی ہے۔''

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ایک انسان پر اس کے والدین اور بچوں کا خرچہ واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ عنہا سے کہا: (خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ) ......''معروف انداز کے ساتھ تو اتنا خرچ لے سکتی ہے جو تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ایک شخص پر بچوں کے خرچے کے واجب ہونے کی دلیل ہیں، پھر اگر بچوں کا خرچہ ایک شخص پر واجب ہے تو ماں باپ کا خرچہ اور نان ونفقہ اس کے ذمے بدرجہ اولیٰ واجب ہے کیونکہ ان کی حرمت، عزت اور تقدس بہت زیادہ ہے۔ امام رحمہ اللہ نے کہا: ایک خوشحال شخص

(۲۳۹۸) أخرجه البخاري: ۲۲۱۱، ومسلم: ۱۷۱٤ .

(۲۳۹۹) حسن ...... أخرجه ابوداود: ۳۵۳۰، وابن ماجه: ۲۲۹۱ .

پر ضروری ہے کہ وہ اپنے والد اور بچوں میں سے جو حضرات تنگ دست اور بیمار ہوں ان پر خرچ کرے البتہ جو لوگ خوشحال اور مالدار ہوں یا صحت مند اور قوی ہوں، اپنی ضروریات کے مطابق کما سکتے ہوں ان پر خرچ کرنا واجب نہیں، یہ امام شافعی کا مذہب ہے، باقی تمام فقہاء تنگ دستی اور غربت کی صورت میں تو خرچہ واجب قرار دیتے ہیں لیکن انہوں نے بیماری کی شرط نہیں لگائی، والدین اور بچوں کے علاوہ دیگر اعزہ واقارب کا خرچہ کسی شخص پر واجب نہیں ہے۔

اہل رائے نے ہر قسم کے بھائیوں، بھتیجوں، چچاؤں ماموؤں اور قریبی رشتہ داروں کا خرچہ بقدر ضرورت وکفایت واجب قرار دیا ہے، لیکن یہ خرچہ اس کے ذمہ قرض نہیں، اگر ایک تنگ دست باپ کو نکاح کی ضرورت ہو تو خوشحال بیٹے پر لازم ہے کہ اپنے والد کو عفت وپاکدامنی کا حصار فراہم کرے اور اسے شادی کے لیے مہر کی رقم ادا کرے یا لونڈی خریدنے کی رقم دے جس سے وہ ایک کنیز خرید لے، پھر بیٹے ہی کے ذمے اپنے والد کی بیوی اور لونڈی کا خرچہ ہے، لیکن باپ کے ذمے اپنے بیٹے کی شادی کا خرچ، اخراجات واجب نہیں۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میرے پاس مال ہے، جبکہ میرا والد میرے مال کی ضرورت محسوس کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے، بلاشبہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے، تم اپنی اولاد کی کمائی اپنے استعمال میں لا سکتے ہو۔''

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کسی شخص کے پاس جمع شدہ مال تو نہ ہو بلکہ تازہ محنت مزدوری کا سلسلہ ہی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی آمدن سے اپنے والدین اور بچوں پر خرچ کرے بلکہ ان کے لیے محنت مزدوری کرے، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بیٹے کی کمائی سے والد جتنا چاہے خرچہ لے سکتا ہے اس کے لیے شرعاً کوئی روک ٹوک نہیں، جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ والد بقدر ضرورت ہی خرچہ لے سکتا ہے زیادہ نہیں۔

(12)......بَابُ أَيِّ الْوَالِدَيْنِ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ

ماں باپ میں سے بچے کی کفالت کا زیادہ حقدار کون ہے؟

(٢٤٠٠)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ هِلالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ ، عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَيَّرَ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

(٢٤٠٠) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٢٢٧٧ ، والترمذي: ١٣٥٧ ، وابن ماجه: ٢٣٥١ ، والنسائي: ٣٤٩٦ .

غُلَامًا بَيْنَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ۔ ایک لڑکے کو اس کے والد اور والدہ (کسی ایک کے ساتھ رہنے کا) اختیار دے دیا۔

شرح ابو میمونہ راوی کا نام سلیم ہے، ہلال بن ابی میمونہ سے مراد ہلال بن علی بن اسامہ مدینی ہے، جناب عمارہ الجرمی سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے میری والدہ اور چچا کے مابین اختیار دیا تھا، پھر مجھ سے چھوٹے میری بھائی کے متعلق کہا: اگر یہ بھی اس کی عمر تک پہنچ گیا تو اس کو بھی اختیار دوں گا، میری عمر اس وقت سات سال یا آٹھ سال تھی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جب شوہر اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور ان کے درمیان کم سن بچے ہوں جن کی عمریں سات سال سے کم ہوں تو ماں ان کے پالنے پوسنے کی زیادہ حق دار ہے اگر وہ اس میں شوق اور دلچسپی رکھے اور باپ کے ذمے اخراجات کی فراہمی ہے اور اگر ماں بے رغبتی اور عدم دلچسپی سے کام لے تو والد پر ضروری ہے کہ وہ بچوں کی پرورش اور نگہداشت کے لیے اجرت پر کسی عورت کا بندوبست کرے، اگر ماں لونڈی ہو یا غیر ذمہ دار ہو یا کافرہ ہو اور باپ مسلمان ہو تو ایسی صورت میں ماں کو پرورش کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اہل رائے کا موقف ہے کہ ماں ہی پرورش و پرداخت کی زیادہ حق دار ہے خواہ ذمی (کافرہ) ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر ماں آزاد، مسلمان اور ذمہ دار ہو تو بچوں کی نگہداشت اسی کا حق ہے جب تک آگے نکاح نہ کرے، اگر نکاح کر لے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا الا یہ کہ بچے کے چچا کے ساتھ شادی کرے تب اس کا حق برقرار رہے گا، یہ موقف بعض اہل علم کا ہے، دوسری جگہ شادی کرنے کے بعد اگر اسے طلاق ہو جائے تو اس کا حق حضانت (بچوں کی پرورش کا حق) لوٹ آئے گا اور وہی بچوں کو سنبھالنے کی حقدار ہوگی خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اگر اسے رجعی طلاق ہوئی ہو تو پرورش کا حق ماں کو نہیں ملے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ایک مرتبہ نکاح کر لینے کے بعد اسے حق حضانت کبھی بھی نہیں ملے گا۔ جب بچوں کی ماں فوت ہو جائے یا وہ کنیز ہو یا وہ کافرہ ہو یا دوسرا نکاح کر لے تو ان صورتوں میں بچوں کی نانی (پڑنانی وغیرہ) پرورش کی زیادہ حقدار ہوگی جب تک آگے نکاح نہ کرے، پھر اگر نکاح کر لے تو اس کا ساقط حق ہو جائے گا الا یہ کہ وہ بچے کے دادا سے نکاح کر لے تب اس کا حق برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا اور اگر بچے کی ماں، نانی اور پڑنانی وغیرہ میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو والد پرورش کا زیادہ حق دار ہے، والد نہ ہونے کی صورت میں دادا کی بجائے والد کی مائیں (یعنی بچے کی دادی، پردادی وغیرہ) دیکھ بھال کی زیادہ حقدار ہیں، یاد رہے! باپ کے ہوتے ہوئے قریبی رشتہ دار خواتین میں سے کوئی بھی دیکھ بھال کی زیادہ حقدار نہیں سوائے نانی اور نانی کی ماؤں (یعنی پڑنانی) وغیرہ کے اسی طرح دادا کی موجودگی میں نانی، پڑنانی یا دادی پڑدادی کے اور کوئی زیادہ حق دار نہیں۔

بچے کی سب سے زیادہ مستحق اس کی ماں ہے، باپ سے بھی بڑھ کر۔ اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ جناب عمرو بن شعیب اپنے پڑدادا محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ جو میرا بیٹا

ہے، میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا، میری چھاتی (پستان) اس کے لیے مشکیزہ تھی اور میری آغوش اس کے لیے جائے قرار تھا، اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے اس بچے کو بھی چھین لینا چاہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے۔'' (حسن، ابوداود: ٢٢٧٦)

الحِوَاء سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کوئی اقامت اختیار کرے یعنی جہاں کوئی چیز سما جائے۔

فائدہ: حدیث ہذا میں مذکور تین اوصاف ایسے ہیں جو بچے کی پرورش میں ماں کے ساتھ ہی خاص ہیں لہٰذا پرورش کے استحقاق میں ماں کو باپ پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہے۔ (ع،س)

نانی حضانت اور پرورش کی باپ سے زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔

(٢٤٠١)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ......

أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، يَقُولُ: كَانَتْ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَوَلَدَتْ لَهُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ، ثُمَّ إِنَّهُ فَارَقَهَا، فَرَكِبَ عُمَرُ يَوْمًا إِلَى قُبَاءَ، فَوَجَدَ ابْنَهُ يَلْعَبُ بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَخَذَ بِعَضُدِهِ، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَى الدَّابَّةِ، فَأَدْرَكَتْهُ جَدَّةُ الْغُلَامِ، فَنَازَعَتْهُ إِيَّاهُ، فَأَقْبَلَا حَتَّى أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ، فَقَالَ عُمَرُ: ابْنِي، وَقَالَتِ الْمَرْأَةُ: ابْنِي، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: خَلِّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ، فَمَا رَاجَعَهُ عُمَرُ الْكَلَامَ۔

جناب قاسم بن محمد نے کہا: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک انصاری عورت تھی، اس نے جب عاصم بن عمر کو جنم دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا، ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہو کر قبا کی طرف جا رہے تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو مسجد کے صحن میں کھیل کود میں مصروف پایا تو اسے بازو سے پکڑ لیا اور اپنے سامنے سواری پر بٹھا لیا، انہیں بچے کی نانی نے جا لیا اور بچے کے بارے میں جھگڑنے لگی، چنانچہ وہ دونوں واپس ہو کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے، عورت نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: بچے کو نانی کے ہمراہ جانے دیجیے، اس فیصلے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی تبصرہ نہ کیا۔

شرح: جب کسی بچے کی پرورش، تربیت اور دیکھ بھال کے لیے بہت سارے قریبی رشتہ دار میسر ہوں تو بچے کی والدہ زیادہ استحقاق رکھتی ہے، اس کے بعد بچے کی نانی (اوپر تک) پھر بچے کی دادی (اوپر تک) پھر دادا کی ماں، پھر بچے کی سگی بہن، پھر بچے کی علاتی بہن، پھر بچے کی اخیافی بہن، پھر بچے کی خالہ، پھر پھوپھی۔

(٢٤٠١) اسناده مرسل ...... أخرجه مالك في "المؤطا": ١٤٩٨م.

یاد رہے! اگر بچے کی عمر سات سال سے کم ہو تو مذکورہ بالا ترتیب سے قریبی رشتہ دار خواتین اس کی دیکھ بھال کریں گی اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ قریبی مرد رشتہ دار کا کوئی استحقاق نہیں، اور جب بچے کی عمر سات سال ہو جائے اور وہ سن تمیز کو پہنچ جائے نیز معاملات میں عقل وشعور سے کام لینے لگے (اور اسے تربیت و پرورش کی یکسر محتاجی نہ رہے) تو اس صورت میں بچے کو ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا، بچہ خواہ لڑکا ہو خواہ لڑکی ہو، بچہ ماں باپ میں سے جس کو اختیار کرلے، اسی کے پاس ہی رہے گا، نبی ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کا یہ موقف ہے۔ امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام ثوری اور اہل رائے کا موقف ہے کہ جب تک بچہ از خود کھانے پینے اور پہننے نہ لگ جائے اسی طرح بچی جب تک جوان ہو کر حیض کی تکلیف سے دوچار نہ ہو جائے، ماں ان کی زیادہ حق دار ہے (یعنی بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ ماں کے پاس ہی رہے گا) اور جب اس کا حق ساقط ہوگا تو باپ ان کا زیادہ حق دار ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: (بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا) ماں لڑکی کی زیادہ حق دار ہے خواہ اسے حیض ہی کیوں نہ آنے لگے حتی کہ اس کا نکاح ہو جائے اسی طرح لڑکے کے بالغ ہونے تک ماں پرورش کی زیادہ مستحق ہے۔ جب بچے کی عمر سات سال یا اس سے زیادہ ہو جائے لیکن وہ کما حقہ عقل وشعور اور فہم وفراست نہ رکھتا ہو یا دیوانگی کے عالم میں بچہ جوان ہو تو ایسی صورتوں میں ماں زیادہ حق دار ہے جس طرح بچے (شیر خوار) کا معاملہ ہے، جب ایک بچہ جو سن شعور کو پہنچ چکا ہو، ماں باپ میں سے کسی ایک کو اپنا لے پھر اس سے پھر جائے اور دوسرے کو پسند کرلے تو ایسی صورت میں اسے دوبارہ پہلے کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس کی نفسیاتی کیفیت کا بغور جائزہ لیا جائے۔ اگر وہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں سخت متردد اور سرگرداں ہو تو یہ چیز اس کے خفیف العقل ہونے کی علامت ہے، اس صورت میں ماں ہی اس کی حضانت (پرورش) کی زیادہ حق دار ہے جس طرح شیر خوار بچے کا معاملہ ہے، واضح رہے! بچے کو ماں باپ کے درمیان اس وقت اختیار دیا جائے گا جب دونوں آزاد، مسلمان اور دینی اور شرعی لحاظ سے قابل اعتبار ہوں، اگر دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہو یا غلام ہو یا فاسق وفاجر ہو تو دوسرا بچے کی نگہداشت کا زیادہ مستحق ہوگا۔

جب بچے کی والدہ آگے نکاح کرلے تو بھی بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا اور بچہ باپ کے پاس رہے گا، جس طرح سن شعور کو پہنچنے والے بچے کو ماں باپ کے معاملے میں اختیار دیا جاتا ہے اسی طرح بچے کو ماں اور دادا کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ اسی طرح ماں اور چچا کے درمیان بچے کو اختیار دیا جائے گا، اور جب بچے کی پرورش کا استحقاق ماں کے لیے ثابت ہو جائے خواہ باعتبار حضانت ہو یا باعتبار اختیار ہو اور باپ کا پروگرام سفر کرنے کا بن جائے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بچے کو ماں سے چھین لے جائے البتہ اگر باپ دوسرے شہر نقل مکانی کر جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور دونوں شہروں

میں مسافت قصر (تقریبا ۲۲،۱/۲ کلومیٹر) جتنا فاصلہ حائل ہوتو والد ماں سے بچہ چھین کر اپنے ہمراہ لے جاسکتا ہے، اسی طرح ایسی صورت میں بچے کے عصبی رشتہ دار (ددھیال) بھی بچے کو ماں سے لے سکتے ہیں اور اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں تاکہ بچے کا نسب ضائع نہ ہو البتہ اگر بچے کی ماں بھی اس شہر چلے جانے پر رضامندی کا اظہار کرے تو اس سے بچہ نہیں چھینا جائے گا۔ جب تک بچہ ماں کے پاس ہو تو اسے یہ ہرگز نہیں چاہیے کہ وہ باپ کو اس سے ملنے کی اجازت نہ دے اور اسے لکھنے، پڑھنے اور صنعت وحرفت (ہنر مندی) کی تعلیم سے روکے اگر وہ اس کا اہل ہو اور رات اپنی ماں کے پاس آکر بسر کرسکتا ہو، اور اگر بچہ باپ کے پاس ہو تو اسے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ بچے کو اپنی ماں کے ساتھ ملنے ملانے سے روکے یا ماں کو اس کے پاس نہ آنے دے، اور اگر باپ کی نگہداشت میں لڑکی ہو تو والد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ماں کے لیے اپنی بیٹی کے ساتھ ملنے کے دروازے بند کرے البتہ وہ اپنی بیٹی کو ماں کے ہاں جانے سے روک سکتا ہے، الا یہ کہ اس کی والدہ مریض ہو تو پھر اس کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے جاسکتی ہے، اگر بچہ ماں کی غلامی کی وجہ سے غلام ہو رہا ہو تو آقا بچے کی دیکھ بھال کا زیادہ حق دار ہے بہ نسبت اس کے ماں باپ کے۔ اگر کسی شخص کی ملکیت میں ماں اور اس کا کم سن بچہ ہو اور وہ ان دونوں کے درمیان میں کسی کو آزادی دے کر تفریق ڈالنا چاہے تو یہ جائز ہے کیونکہ آزادی حضانت اور پرورش کے معاملے میں سدراہ نہیں ہوسکتی، ہاں اگر وہ ان دونوں میں سے ایک کو فروخت کردے اور یہ فروخت کا معاملہ اس وقت ہو جب بچے کی عمر سات سال تک پہنچ جائے تو جائز ہے کیونکہ اس عمر میں بچہ ماں کی دیکھ بھال سے قدرے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنے معاملے خود کرنے لگ جاتا ہے، ویسے بہتر یہ ہے کہ وہ ایسے نہ کرے اور اگر بچے کی عمر سات سال سے کم ہو تو ماں بیٹے یا بیٹی میں سے کسی ایک کو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ اس قسم کی بیع بعض اہل علم کے نزدیک مردود ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں کیونکہ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے: ''جو شخص ماں اور اس کے بچوں کے درمیان میں جدائی ڈالے گا، قیامت کو اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان میں جدائی ڈال دے گا۔'' (حسن، ترمذی: ۱۲۸۳، ابن ماجہ: ۲۲۵۰)

یہی حکم بچے اور اس کی دادی کے مابین جدائی کا ہے اسی طرح بچے اور اس کے باپ یا دادا کے درمیان جدائی کا ہے، بعض حضرات ایسے سودے کو ناپسندیدگی کے باوجود جائز قرار دیتے ہیں، اہل رائے کا بھی یہی موقف ہے، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح جانوروں کو ان کی ماؤں سے جدا کر کے بیچ دینا جائز ہے (اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کو ان کی ماؤں سے جدا کردینا بھی جائز ہے)

امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: جنگ میں قید ہو کر آنے والے قیدیوں کے درمیان میں تفریق کرنا تو جائز نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے البتہ اسلامی مملکت میں جنم لینے والے غلام ماں اور اولاد کے درمیان تفریق کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اکثر اہل علم نے دو بھائیوں کے درمیان بذریعہ بیع جدائی ڈالنے کی رخصت دی ہے۔ بعض حضرات نے اس سے منع بھی کیا

ہے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غریب سند کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام بھائی مرحمت فرمائے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تو نے اپنے غلام سے کیا سلوک کیا ہے؟'' میں نے آپ کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے واپس کر، اسے واپس کر۔''

(حسن، ابوداود: ٢٦٩٦، ترمذی: ١٢٨٤، ابن ماجہ: ٢٢٤٩)

جب جنگی قیدیوں میں بچہ اپنے ماں باپ میں سے کسی کے ساتھ قید ہو کر آئے تو حاکم وقت کو تقسیم کے موقع پر اجتہاد سے کام لینا چاہیے تاکہ دونوں کے درمیان جدائی نہ ہو، یہی حکم بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کا ہے، اگر حاکم وقت بلا ضرورت ان کے درمیان جدائی ڈال دے تو اہل علم کی ایک جماعت نے اسے ناپسند کیا ہے جبکہ اہل علم کی ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے الا یہ کہ جدائی کم سن بچے اور اس کے والدین کے درمیان ہو۔ پھر اس عمر کی تعیین میں اختلاف ہے جس میں والدین اور بچوں کے درمیان تفریق ڈالی جاسکتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: اس کی حد سات یا آٹھ سال کی عمر کو پہنچ جانا ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: بچہ اتنا بڑا ہو جائے کہ اسے معاملات میں ماں کی ضرورت نہ رہے اور وہ اپنے امور خود سرانجام دے لے، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اس کی حد بچے کا دانت نکالنا ہے۔

اہل رائے نے کہا: حتی کہ وہ بالغ ہو جائے، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: خواہ بچہ بڑا ہو جائے اور اسے احتلام آنے لگے تب بھی اسے جدا نہ کیا جائے، اہل رائے نے دو چھوٹے اور کم سن بھائیوں کے درمیان جدائی کرنا جائز قرار دیا ہے، اگر دونوں میں سے ایک بڑا ہو تو ان کے درمیان جدائی ڈالنا جائز نہیں۔

(13)......بَابُ حَدِّ الْبُلُوْغِ

بلوغت کی حد

(٢٤٠٢)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ......

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُحُدٍ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَرَدَّنِي، ثُمَّ عُرِضْتُ

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے جنگ احد والے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جبکہ میری عمر چودہ برس تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس کر دیا، پھر مجھے

(٢٤٠٢) أخرجه البخاري: ٢٦٦٤، ٤٠٩٧، ومسلم: ١٨٦٨.

عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَنِي، قَالَ نَافِعٌ: فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَقَالَ: هَذَا فَرْقٌ بَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَّةِ، وَكَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لابْنِ خَمْسَ عَشْرَةَ فِي الْمُقَاتِلَةِ، وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْهَا فِي الذُّرِّيَّةِ۔

غزوہ خندق والے سال آپ کے حضور پیش کیا گیا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ ﷺ نے مجھے (شریک جنگ ہونے کی) اجازت دے دی۔ جناب نافع نے کہا: میں نے یہ حدیث مبارکہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بیان کی تو انہوں نے کہا: یہ حدیث لڑنے والوں اور نہ لڑنے والوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور انہوں نے لکھ بھیجا کہ پندرہ سال کی عمر والے کا نام جنگ کرنے والوں میں لکھا جائے اور اس سے کم عمر والے کا نام بچوں میں تحریر کیا جائے۔

شرح: اکثر اہل علم کے نزدیک اسی حدیث مبارکہ پر عمل ہے، انہوں نے کہا: جب کسی بچے یا بچی کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو وہ بالغ شمار ہوگا، اس کے قائل سفیان ثوری، ابن مبارک، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ ہیں، اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو نو سال کی عمر کے بعد اور پندرہ سال کی عمر سے قبل احتلام ہو جائے تو اسے بھی بالغ افراد میں شمار کیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی لڑکی کو نو سال کی عمر کے بعد حیض آنے لگے تو اس پر بھی بلوغت کا حکم ہی لگایا جائے گا۔ واضح رہے کہ نو سال سے کم عمر میں احتلام اور حیض کے آنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ جب کوئی لڑکی پندرہ سال تک پہنچنے سے پہلے بچہ جنم دے دے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ چھ ماہ قبل بالغ ہوئی ہے کیونکہ چھ مہینے حمل کی کم از کم مدت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میری معلومات کی حد تک بہت جلد عارضہ حیض میں مبتلا ہو جانے والی خواتین علاقہ تہامہ کی ہیں، انہیں نو سال کی عمر میں حیض آنے لگتا ہے۔

جناب حسن بن صالح رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اپنی ایک پڑوسن کو دیکھا کہ وہ اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی ہے۔

جناب ابو العالیہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: چھوٹے بچے کی نیکیوں کو تو حیطہ تحریر میں لایا جاتا ہے لیکن اس کی برائیوں کو قید تحریر میں نہیں لایا جاتا اور جب کسی بچے کی عمر تیرہ برس ہو جاتی ہے تو اس کی نیکیوں اور برائیوں دونوں کو تحریر کیا جاتا ہے، جب اس بات کا تذکرہ جناب حسن کے سامنے ہوا تو انہوں نے کہا: یہ اس وقت ہے جب بچے کو اس عمر میں احتلام آنے لگے۔

امام احمد اور اسحق نے کہا: بلوغت کی تین علامات ہیں: عمر کا پندرہ سال کو پہنچ جانا یا احتلام ہونا، اگر کسی بچے کی عمر کا تعین نہ ہو سکے اور نہ اسے احتلام آئے تو پھر زیر ناف بالوں کا اگنا علامت بلوغت ہو گا، بیان کیا جاتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی زیر ناف بالوں کے اگنے کو بلوغت کی علامت قرار دیا ہے اور انہوں نے عمر کی بابت کہا کہ جب کوئی

لڑکا عمر کے اس حصے کو پہنچ جائے جس سے آگے بڑھنے سے پہلے عموماً لڑکوں کو عارضہ احتلام پیش آجایا کرتا ہے تو اس پر بالغ ہونے کا اطلاق ہوگا، اور امام مالک نے بلوغت کی حد پندرہ برس کو نہیں ٹھہرایا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کافروں کی اولاد کی علامت بلوغت زیر ناف بالوں کے اگنے کو قرار دیا ہے، یہ علامت مسلمانوں کی نہیں لہٰذا کافروں کے جن بچوں کے زیر ناف بال اُگے ہوں گے انہیں قتل کرنا جائز ہوگا اس لیے کہ کافر اپنے بچوں کی عمریں یاد نہیں رکھتے اس لیے ممکن نہیں کہ ان کے بالغ ہونے کی معرفت عمر اور ماہ وسال سے ہو اور ان کی بات کا اعتبار کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ قتل سے بچنے کے لیے جھوٹ بولتے ہوں (اس لیے ان کے حق میں بلوغت کی پختہ علامت زیر ناف بالوں کا اگنا ہی ہے)۔

جناب عطیہ قرظی سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں بنو قریظہ کے جنگی قیدیوں میں سے تھا، صحابہ کرام دیکھتے تھے، جس کے زیر ناف بال اُگے ہوتے اسے قتل کر دیا جاتا اور جس کے نہ اُگے ہوتے اسے چھوڑ دیا جاتا، میرے زیر ناف بال نہیں اُگے ہوئے تھے۔ (صحیح، ابوداود: ٤٤٠٤، ترمذی: ١٥٨٤، نسائی: ٤٩٩٦، ابن ماجه: ٢٥٤١)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: بلوغت کی حد اٹھارہ سال ہے، الا یہ کہ اس سے قبل احتلام ہو جائے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی حد سترہ برس ہے الا یہ کہ اس سے قبل اسے حیض آنے لگے۔

(14)......بَابُ نَفَقَةِ الْمَمَالِيْكِ

غلاموں پر خرچ کرنے کا بیان

(٢٤٠٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الأَعْمَشِ......

عَنِ الْمَعْرُورِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلَيْهِ بُرْدًا، وَعَلَى غُلَامِهِ بُرْدًا، فَقُلْتُ: لَوْ أَخَذْتَ هَذَا فَلَبِسْتَهُ، كَانَتْ حُلَّةً، وَأَعْطَيْتَهُ ثَوبًا آخَرَ قَالَ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ كَلَامٌ، وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً، فَنِلْتُ مِنْهَا، فَذَكَرَنِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي: ((أَسَابَبْتَ فُلَانًا؟)) قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ((أَفَنِلْتَ مِنْ أُمِّهِ؟)) قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ((إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ

جناب معرور بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان پر بھی ایک دھاری دار چادر ہے اور ان کے غلام پر بھی ایک لائنوں والی چادر ہے، میں نے عرض کیا: اگر آپ غلام والی چادر بھی لے لیتے تو آپ کا جوڑا (سوٹ) مکمل ہو جاتا اور اسے اور کپڑا فراہم کر دیتے، انہوں نے بیان کیا: میرے اور ایک شخص کے درمیان تلخ کلامی اور نوک جھونک ہوگئی، اس کی والدہ عجمی تھی چنانچہ میں نے اس کی والدہ کے بارے میں حرف گیری کی۔ اس شخص

(٢٤٠٣) أخرجه البخاري: ٣٠، ٢٥٤٥، ٦٠٥٠، ومسلم: ١٦٦١، ورواية البخاري مختصرة.

جَاهِلِيَّةٌ)) قُلتُ: عَلَى سَاعَتِي هَذِهِ مِنْ كِبَرِ السِّنِّ، قَالَ: ((نَعَمْ، هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلْ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلا يُكَلِّفْهُ مِنَ العَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ، فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ۔))

نے میری اس بات کا ذکر نبی کریم ﷺ کے حضور کر دیا، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے فلاں کو گالی گلوچ کیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے اس کی والدہ کی بابت بھی کچھ کہا ہے؟ میں نے کہا: ہاں جی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے اندر ابھی جاہلیت کے آثار باقی ہیں۔'' میں نے عرض کیا، کیا ابھی بھی جب کہ میں بڑھاپے اور عمر رسیدگی کی اس حد کو پہنچ گیا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، (یہ غلام) تمہارے بھائی ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے اس لیے جس کا کوئی بھائی اس کے قبضے میں ہو اسے وہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے، اگر وہ اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ ڈالے تو پھر اس کی خود مدد بھی کر دیا کرے۔''

شرح: (فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلْ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ) ''اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔'' یہ خطاب اہل عرب کو ہے جن کے پہناوے اور ماکولات ومشروبات ایک جیسے تھے، وہ سادہ، کھاتے اور موٹا چھوٹا پہنتے تھے ان کے لباس اور طعام میں تکلف نے راہ نہیں پائی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا: کہ وہ اپنے غلاموں کو اسی قسم کا لباس پہنائیں جو وہ خود پہنتے ہیں اور انہیں وہی کھلائیں جو خود نوش کرتے ہیں، رہے وہ لوگ جن کی گزران سلف کے سادہ طرز زندگی سے ہٹ گئی ہے، اور ان علاقوں کے باشندگان جن کی زندگی ہی اہل عرب کی روایتی سادگی اور بے تکلفی نہیں ہے، وہ عمدہ اور لذیذ کھانے، کھانے کے رسیا اور بیش قیمت پوشاک پہننے کے عادی ہیں اگر تو وہ اپنے غلاموں پر ترس کھائیں اور انہیں اپنی پر بہار زندگی میں شریک کریں تو یہ نہایت اچھی بات ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے علاقے کے عرف کے مطابق وہ اپنے غلاموں کو کھلائیں اور پہنائیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں مذکور ہے۔

(۲۴۰۴)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ،

(۲۴۰۴) أخرجه مسلم: ۱٦٦۲.

قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، قَالَ: نا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلانَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الأَشَجِّ، عَنْ عَجْلانَ أَبِي مُحَمَّدٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: ((لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وكِسْوَتُهُ بالمَعْرُوفِ، ولا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلا ما يُطِيقُ.))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دستور کے مطابق کھانا اور لباس غلام کا حق ہے اور اس پر کام کا بوجھ اس کی طاقت کے مطابق ڈالا جائے۔“

شرح: امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جو لونڈیاں خوبصورت نین نقشے والیاں اور حسن وزیبائش سے آراستہ ہوں انہیں عمدہ اور بہترین ملبوسات پہنائے جائیں بہ نسبت ان لونڈیوں کے جو خوبصورتی اور جمال میں ان سے کم ہوں اور آپ رضی اللہ عنہا کے فرمان کہ اس پر کام کا بوجھ اس کی طاقت کے مطابق ڈالا جائے، کا مطلب ہے کہ غلام سے یومیہ اتنا کام اور اس قدر مشقت لی جائے جس کا وہ تسلسل برقرار رکھ سکے۔ یہ نہ ہو کہ وہ ایک روز، دو روز یا تین روز کرنے کے بعد عاجز اور درماندہ ہو جائے تھک ہار کر بے ہمت ہو کر بیٹھ رہے۔ اس مسئلے کا لب لباب یہ ہے کہ غلام سے اسی قدر محنت مزدوری اور کام کاج کروایا جائے جس سے اس کی صحت نہ بگڑے اور وہ لاغر اور لاچار نہ ہو۔ اگر کوئی غلام نابینا ہو جائے یا کسی ناگہانی مرض کا شکار ہو جائے تو اس پر اس کا آقا خرچ کرے گا، اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ لونڈی سے اپنے بچوں کے علاوہ کسی اور کے بچوں کو دودھ پلوائے الا یہ کہ وہ صحت مند اور موٹی تازہ ہو اور اللہ کے فضل سے اس کے ہاں وافر دودھ ہو یا اس کا اپنا بچہ دودھ کے علاوہ دیگر اشیاء بھی کھانے لگ گیا ہو، جس سے دودھ کی کمی پوری ہو رہی ہو تو اس صورت میں کسی اور بچے کو دودھ پلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جب کسی شخص نے کوئی جانور، بکری یا اونٹ رکھ رکھا ہو تو اسے چاہیے کہ اس جانور کی ضرورت کے مطابق اس کے چارے کا بندوبست کرے، اگر نہ کر سکے تو حاکم وقت کو چاہیے کہ ایسے جانور کو اپنے قبضے میں کر لے یا اس سے خرید لے، اسی طرح بچوں والے جانوروں کا دودھ دوہتے وقت ان کے بچوں کی صحت اور ضرورت کا خیال رکھا جائے اور صرف ان کی حاجت سے زائد دودھ ہی دوہا جائے۔ یہ ساری باتیں امام شافعی رحمہ اللہ کی ہیں۔

(٢٤٠٥)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّاوُدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى بْنِ الصَّلْتِ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْهَاشِمِيُّ، حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ......

(٢٤٠٥) أخرجه مسلم: ٩٩٦.

عَنْ وَهْبِ بْنِ جَابِرٍ ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، فَقَالَ: إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُقِيمَ هَذَا الشَّهْرَ هَاهُنَا عِنْدَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، فَقَالَ: أَتَرَكْتَ لأَهْلِكَ مَا يَقُوتُهُمْ ، قَالَ: لا قَالَ: فَارْجِعْ ، فاتْرُكْ لَهُمْ مَا يَقُوتُهُمْ ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُولُ: ((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ۔))

جناب وہب بن جابر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں اس شہر میں بیت المقدس کے پاس رہائش پذیر ہو جاؤں، انہوں نے کہا: کیا تو نے اپنے گھر والوں کے لیے (سال بھر کے) راشن کا بندوبست کر دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تب انہوں نے کہا: گھر واپس چلا جا اور ان کی ضروریات کا اہتما کر کے آ، بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے: ''انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جن کے اخراجات کا یہ ذمہ دار ہو، انہیں ضائع کر دے۔''

شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (مَنْ يَقُوتُ) کا مطلب ہے کہ جن کے اخراجات اس کے ذمے ہیں، یا وہ افراد جو اس کے زیر کفالت ہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ اگر کسی شخص کے پاس مال ودولت کی کمی ہو اور وہ اپنے گھر والوں اور متعلقین کے مالی حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو تو اسے ان کو چھوڑ کر دوسروں پر صدقہ نہیں کرتے پھرنا چاہیے۔ ان کا خیال نہ رکھنا ان کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور گناہ ہے۔ اس طرح بندہ ثواب تو کیا حاصل کرتا ہے الٹا گناہ گار ہوتا ہے۔

(15)......بَابُ الأَكْلِ مَعَ الْخَادِمِ
خادم کے ساتھ کھانا تناول کرنا

(٢٤٠٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ، أَخْبَرَنِي حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامٍ ، وَقَدْ كَفَاهُ حَرَّهُ ، وَعَمَلَهُ ، فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ ، فَلْيَأْكُلْ مَعَهُ ، وَإِلا فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً مِنْ طَعَامٍ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی کا خادم کھانا لائے تو چونکہ اس نے کھانا تیار کیا ہے اور اس کے لیے گرمی برداشت کی ہے تو چاہیے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھالے، تاکہ وہ اس کے ساتھ

(٢٤٠٦) اسناده صحيح على شرط الشيخين ...... أخرجه الامام احمد فى "المسند": ٧٣٤٢ .

کھانا کھا سکے اگر ایسا نہ کرے تو خادم کو کھانے سے ایک آدھ لقمہ ضرور کھلا دے۔''

(٢٤٠٦/ م)۔وَأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا أَتَى خَادِمُ أَحَدِكُمْ بِطَعَامِهِ قَدْ وَلِيَ حَرَّهُ، وَمَشَقَّتَهُ، وَدُخَانَهُ، وَمَئُونَتَهُ، فَلْيُجْلِسْهُ مَعَهُ، فَإِنْ أَبَى، فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً فِي يَدِهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی کا خادم کھانا لائے تو چونکہ اس نے کھانا تیار کرنے میں گرمی، مشقت، دھواں اور تھکاوٹ برداشت کی ہے تو آقا کو چاہیے کہ اسے اپنے ہمراہ بٹھائے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو ضرور اس کے ہاتھ پر ایک آدھ لقمہ رکھ دے۔''

شرح: (أُكْلَة) کا الف کے اوپر ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی لقمہ بنتا ہے اور اگر الف کے اوپر فتحہ کے ساتھ (أَكْلَة) پڑھا جائے تو اس کا معنی ایک بار کھانا کھانا ہوتا ہے، بعض روایات میں (فَلْيُجْلِسْهُ، فَإِنْ اَبٰى، فَلْيُرَوِّغ لَهٗ لُقْمَةً فَيُنَاوِلْهُ اِيَّاهَا) '' آقا کو چاہیے کہ خادم کو اپنے ساتھ بٹھائے، اگر اس سے انکار کرے تو کم از کم ایک نوالہ گھی سے تر کر کے اسے کھانے کے لیے ضرور دے دے۔'' کے الفاظ مروی ہیں۔

التَّرْوِيْغ کا معنی ہے نوالے کو گھی وغیرہ سے تر کرنا، جب کوئی شخص کھانے میں مزید گھی وغیرہ ڈال کر اسے تڑکا لگا کر خوش ذائقہ بنا دے تو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے: رَوَّغَ فُلَانٌ طَعَامَهٗ، یعنی فلاں نے کھانے کو گھی سے تر بتر کر دیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں یہ بیان کردہ تخصیص اس خادم، غلام، نوکر یا شاگرد کیلئے ہے جس نے کھانے کو بنایا، سنوارا اور لذیذ بنایا ہو کہ اس کے دل میں کھانے کی طرف سخت میلان اور شدید خواہش کا پایا جانا ایک طبعی امر ہے اور اس کا ازالہ کم از کم ایک یا دو لقموں ہی سے ہو سکتا ہے۔

حدیث ہٰذا سے یہ بھی پتہ چلا کہ آقا اور مالک کے ذمے اپنے اور غلاموں کے ناؤ نوش میں مساوات رکھنا واجب نہیں، جب مالک خوش خوراک اور عمدہ ڈشوں کا دلدادہ ہو، ہاں اتنا ضرور واجب ہے کہ وہ اپنے خادم کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے جس سے اس کی صحت بحال رہے، جس طرح یہ بھی اس پر فرض نہیں کہ وہ اپنے نوکر کو بیش قیمت اور عمدہ لباس پہنائے البتہ اسے موسم کے مطابق ضرور لباس فراہم کرنا چاہیے۔ موسم گرما میں باریک اور ہلکا اور موسم سرما میں گرم اور موٹا لباس۔ واللہ اعلم!

(٢٤٠٦/ م) أخرجه البخاري: ٥٤٦٠، ٢٥٥٧، ومسلم: ١٦٦٣.

(16)......بَابُ ثَوَابِ الْمَمْلُوْكِ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ

جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اس کا ثواب

(٢٤٠٧)۔أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـحَسَـنِ الشِّيـرَزِيُّ، أَخْبَـرَنَـا زَاهِـرُ بْـنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ......

عَـنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَر، أَنَّ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِنَّ العبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّـدِهِ، وَأَحْسَـنَ عُبَـادَـة اللّٰـه، فَلَـهُ أَجْرُهُ مَرَّتين۔))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ جب ایک غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے۔“

(٢٤٠٨)۔أَخْبَـرَنَـا الإِمَـامُ أَبُـو عَـلِـيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، حَدَّثَنَا السَّيِدُ أَبُو الْحَسَنِ مُـحَـمَّـدُ بْـنُ الْـحُسَيْـنِ بْـنِ دَاوُدَ الْـعَلَوِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِبْرَاهِيم بْنِ بَالَوَيْهِ الْـمُزَكِّي، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ ح وأنا أَبُو عَلِيٍّ حَسَّانُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَنِيعِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُـو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ، حَـدَّثَـنَـا أَبُو الْحَسَنِ أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا معْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا......

حَـدَّثَـنَـا أَبُـو هُـرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نِعِمَّا لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَتَـوَفَّـاهُ الـلّٰـهُ يُـحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّـهِ، وَطَاعَةَ سَيِّـدِهِ، نِـعِـمَّا لَهُ نِعِمَّا۔))وأَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْـدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بُن بِشْـرَانَ، أَخْبَـرَنَـا إِسْـمَـاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيُّ، حَـدَّثَـنَـا عَبْـدُ الـرَّزَّاقِ، بِإِسْنَادِهِ مِثْلِهِ وَقَالَ: ((نِعِمَّا لِلْعَبْدِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کتنا خوش نصیب ہے وہ غلام جسے اللہ تعالیٰ فوت کرے تو وہ حسن وخوبی کے ساتھ اپنے رب کی بندگی اور اپنے آقا کی اطاعت کرنے والا ہو، آفرین ہے اس کیلئے، آفرین ہے اس کے لیے! ایک سند میں (نِـعِـمَّا لِلْعَبْدِ) کے الفاظ مذکور ہیں بجائے (نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ) کے (معنی دونوں کا ایک ہی ہے)۔

(٢٤٠٧) أخرجه البخاري: ٢٥٤٦، ومسلم: ١٦٦٤ .

(٢٤٠٨) أخرجه البخاري: ٢٥٤٩، ومسلم: ١٦٦٧، ورواية البخاري مختصرة .

(٢٤٠٩)۔أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، ......

عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: كَانَ جَرِيرٌ يُحَدِّثُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاةٌ۔))

امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی غلام (اپنے آقا سے) بھاگ جاتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

شرح: شعبی عن جریر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو غلام بھاگ جاتا ہے اس سے (اللہ تعالیٰ کا) ذمہ اٹھ جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم: ٦٩)

جناب شقیق بن سلمہ نے کہا: غلام کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ پانچ نمازیں پڑھے، رمضان المبارک کے روزے رکھے، جنابت کے غسل کا اہتمام کرے، اپنے آقا کی فرماں برداری کرے، وہ جنتی ہے اور اس کیلئے دوگنا ثواب ہے۔

جناب حسن رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایسے غلام کے بارے میں کہا جسے اس کا آقا کسی ضروری کام کے لیے روانہ کرے اور ادھر نماز باجماعت کھڑی ہو، اب وہ دونوں میں سے کونسا کام پہلے کرے؟ تو انہوں نے کہا: پہلے وہ اپنے آقا کے حکم کی بجا آوری کرے۔ امام رحمہ اللہ نے کہا: یہ اس وقت ہے جب نماز کے وقت میں وسعت ہو اور اس کے فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔

(17)......بَابُ وَعِيدِ مَنْ ضَرَبَ عَبْدَهُ أَوْ قَذَفَهُ

اپنے غلام کو مارنے اور اس پر تہمت لگانے کی وعید

(٢٤١٠)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّاوُدِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى بْنِ الصَّلْتِ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْهَاشِمِيُّ، حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ......

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا لِي، فَسَمِعْتُ قَائِلا مِنْ

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک کہنے والے کو سنا (وہ

(٢٤٠٩) أخرجه مسلم: ٧٠.

(٢٤١٠) أخرجه مسلم: ١٦٥٩.

خَـلْـفِـي اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ مَرَّتَيْنِ، فَالتَفَتُّ، فَإِذَا أَنَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ((لَـلّٰـهُ أَقْـدَرُ عَـلَيْكَ مِـنْكَ عَلَيْهِ)) قَالَ: فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوكًا بَعْدَهُ۔

کہہ رہا تھا) خبردار! اے ابومسعود! (دو مرتبہ کہا) میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ نبی کریم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے کہیں زیادہ قادر ہے جتنا تو اس غلام پر ہے۔'' راوی حدیث نے کہا: اس کے بعد میں نے کبھی کسی غلام کو نہیں مارا۔ ایک اور روایت میں اتنا مزید ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو آزاد نہ کرتا تو آگ تجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتی یا (فرمایا) تجھے جہنم کی آگ ضرور چھوتی۔''

(٢٤١١)۔أَخْبَرَنَـا عَبْـدُ الْـوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُـرَيْحٍ، أَخْبَـرَنَـا أَبُـو الْـقَـاسِـمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ......

عَـنْ هِلالِ بْنِ يَسَافٍ، قَالَ: كُنَّا نَبِيعُ الْبَزَّ فِي دَارِ سُـوَيْـدِ بْـنِ مُـقَـرِّنٍ، فَخَرَجَتْ جَارِيَةٌ، فَـقَـالَـتْ لِـرَجُـلٍ شَيْئًا مَـا أَدْرِي مَـا هُوَ، فَلَطَمَهَا، فَرَأَى ذَلِكَ سُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ، فَقَالَ: لَـطَـمْتَ وَجْهَهَا، لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مَا لَـنَـا إِلا خَـادِمٌ، فَـلَـطَـمَهُ رَجُلٌ مِنَّا، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَعْتِقَهُ۔

جناب ہلال بن یساف بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ سیدنا سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کے گھر میں کپڑا فروخت کر رہے تھے کہ ایک لونڈی ادھر کو آنکلی اس نے ایک شخص سے کچھ کہا، مجھے معلوم نہیں اس نے کیا کہا، چنانچہ اس شخص اسے تھپڑ مار دیا، اس منظر کو سیدنا سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، تو گویا ہوئے: تو نے اس کے رخسار پر طمانچہ مارا ہے، میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں (مقرن کے) سات بیٹوں میں سے ساتواں تھا (ہم سات بھائی تھے) ہمارا ایک ہی خادم (غلام) تھا، اسے ہم میں سے ایک نے طمانچہ مار دیا تو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اسے آزاد کر دیں۔

شرح: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: جس نے اپنے غلام پر کسی ایسے جرم کی حد لگائی جو اس نے کیا ہی نہیں یا اس کو طمانچہ مارا، تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے

(٢٤١١) أخرجه مسلم: ١٦٥٨.

آزاد کر دے۔'' (صحيح مسلم: ١٦٥٧)

(٢٤١٢)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ، حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا قَالَ ، جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے: ''جس نے اپنے غلام پر تہمت لگائی حالانکہ وہ اس سے بری ہے تو اسے روز قیامت کوڑے مارے جائیں گے الا یہ کہ اس کے اندر وہ عیب پایا جائے جیسے اس نے کہا۔''

(٢٤١٣)۔أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْقَطَّانُ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الدَّارَابِجِرْدِيُّ ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ عَبْدِ الْجَابِرِ ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ......

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ ، فَذَكَرَ اللّٰهَ ، فَلْيُمْسِكْ۔))

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو پیٹنے لگے اور وہ اللہ کا واسطہ دے، تو اسے رک جانا چاہیے۔''

(٢٤١٤)۔أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي ، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ الزِّيَادِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ حَفْصٍ التَّاجِرُ ، حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عَمَّارٍ ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى ، عَنْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ ، عَنْ مُرَّةَ الطَّيِّبِ......

عَنْ أَبِي بَكْرٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: ((لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّءُ الْمَلَكَةِ۔))

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بری مالکانہ صفات کا حامل شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا۔''

(٢٤١٢)۔ أخرجه البخاري: ٦٨٥٨ ، ومسلم: ١٦٦٠ .

(٢٤١٣) ضعيف ...... أخرجه الترمذي: ١٩٥٠ .

(٢٤١٤) ضعيف ...... أخرجه الترمذي: ١٩٤٦ ، وابن ماجه: ٣٦٩١ .

شرح جناب ایوب سختیانی نے راوی حدیث فرقد السبخی کے بارے کلام کیا ہے، یہ فرقد بن یعقوب ہیں، یہ جولاہے تھے اور اہل بصرہ کے عابدوں اور زاہدوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، یہ اصلاً آرمینیہ کے رہنے والے تھے پھر بصرہ سکونت پذیر ہو گئے تھے، یہ سبخہ بستی کی طرف منسوب ہیں کیونکہ وہیں فروکش تھے، ان کی وفات طاعون پڑنے سے پہلے ہو گئی تھی اور طاعون کی وبا سن ۱۳۱ھ میں پھوٹی تھی۔

(۲٤۱٥)۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الطَّحَّانُ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ قُرَيْشٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَكِّيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلامٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ سَفِينَةَ......

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ: ((الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔)) فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ وَمَا يَفِيضُ بِهَا لِسَانُهُ۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض وفات میں فرماتے تھے: ''نماز! اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔'' آپ مسلسل (یہ الفاظ) بولے جا رہے تھے جب کہ آپ کے الفاظ صحیح طور پر سمجھ نہیں آ رہے تھے۔

شرح راوی حدیث ابوخلیل، صالح بن ابی مریم ضبعی بصری ہیں، (وَمَا يَفِيضُ بِهَا لِسَانُهُ) اس لفظ کا تلفظ صاد غیر منقوط کے ساتھ ہے اور معنی ہے کہ آپ کی گفتگو سمجھ نہیں آ رہی تھی، اہل عرب کے محاورے (فُلَانٌ مَا يَفِيْصُ بِكَلِمَةٍ) کا مطلب ہے: فلاں صاحب اپنی بات بالکل نہیں سمجھا سکتے اور اپنے مافی الضمیر کو صحیح طور سے ادا نہیں کر پاتے اور (فُلَانٌ ذُوْ اِفَاصَةٍ) کا مطلب ہے کہ فلاں صاحب فصاحت و بلاغت اور قوت بیان کے حامل شخص ہیں یعنی زبان آور ہیں، رہا ضاد منقوط کے ساتھ بولا ہوا لفظ (الافاضة) تو اس کا معنی ہے مشغول ہونا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ ...... ''جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔'' (سورہ یونس: ٦١) یعنی جب تم اس میں مصروف اور منہمک ہوتے ہو۔ جناب طاؤس کا موقف تھا کہ فسق و فجور اور اوچھی حرکات سے روکنے کے لیے غلام کو قید و بند کیا جا سکتا ہے البتہ مارنا پیٹنا مکروہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے، اپنے خادم کو مت پیٹ، اپنی عورت کو مار لے، مروی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا خادم اس کے پیچھے پیچھے پیدل دوڑا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے بندے! اسے بھی سوار کر لے، یہ تیرا بھائی ہے اور یہ بھی تیری طرح جاندار ہے۔

(۲٤۱٥) صحيح ...... أخرجه ابن ماجه: ۱٦۲٥ .

(18)......بَابُ ثَوَابُ الْعِتْقِ

غلام آزاد کرنے کا اجر وثواب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ......"کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا۔" (سورۂ بلد: ۱۳) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ ......"سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا۔" (سورۂ بلد: ۱۱) یعنی اس نے دنیا میں کوئی گھاٹی عبور نہیں کی، اس کی وضاحت یہ ہے کہ عقبۃ گھاٹی کو کہتے ہیں یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو، یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ کی اطاعت اور بندگی میں نیز نیکی کے کاموں میں کوئی محنت ومشقت نہیں کی جیسے گھاٹی پر چڑھنے کے لیے سخت جد جہد کی ضرورت ہوتی ہے، پھر "گھاٹی میں داخل" ہونے کی تفسیر اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ﴾ ......"کسی گردن کو آزاد کرنا، یا بھوک والے دن کھانا کھلانا۔" (سورۂ بلد: ۱۳، ۱۴)

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: یعنی اس نے کوئی دشوار گزار گھاٹی عبور نہیں کی اور اس کا عبور کرنا، کسی گردن کو آزاد کرنا ہے، مراد یہی ہے کہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا گردن کو آزاد کرنے سے ہوگا۔

(٢٤١٦)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ ح وَأَخْبَرَنِي أَبُو حَامِدٍ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الصَّيْرَفِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الأَصَمُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ، أَخْبَرَنَا أَبِي، وَشُعَيْبُ بْنُ اللَّيْثِ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مُرْجَانَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ((مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے: "جس شخص نے کسی مومن گردن کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا حتی کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے۔"

(٢٤١٦) أخرجه البخاري: ٢٥١٧، ٦٧١٥، ومسلم: ١٥٠٩.

شرح راوی حدیث سعید بن مرجانہ سے مراد سعید بن عبداللہ ہیں اور مرجانہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ بعض اہل علم یہ پسند کرتے تھے کہ آزاد کیے جانے والا غلام خصی نہ ہوتا کہ حدیث مبارکہ میں بیان کردہ مکمل ثواب حاصل ہو۔

(٢٤١٧)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ السَّمْعَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجَوِيهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَالِمٍ الْحِمْصِيُّ، قَالَ:......

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي عَبْلَةَ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا بِأَرِيحَا، فَمَرَّ بِي وَاثِلَةُ بْنُ الأَسْقَعِ مُتَوَكِّئًا عَلَى أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ، فَأَجْلَسَهُ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيَّ، فَقَالَ: عَجَبٌ مَا حَدَّثَنِي الشيخ يعني وَاثِلَةَ، قُلْتُ: مَا حَدَّثَكَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَأَتَاهُ نَفَرٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ صَاحِبَنَا قَدْ أَوْجَبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَعْتِقُوا عَنْهُ رَقَبَةً يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔))

جناب ابراہیم بن ابی عبلہ بیان کرتے ہیں کہ میں اریحا کے مقام پر بیٹھا ہوا تھا، میرے پاس سے سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ گزرے جو کہ ابوعبداللہ (غریف) بن دیلمی پر سہارا لیے ہوئے تھے، ابن دیلمی نے انہیں بٹھا دیا، پھر میرے پاس آ کر کہا: بڑی تعجب خیز حدیث ہے جو مجھے شیخ یعنی واثلہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی۔ میں نے کہا: انہوں نے آپ کو کیا حدیث بیان کی ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شریک تھے، آپ کے پاس بنوسلیم کے کچھ افراد آئے اور انہوں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! ہمارے اس ساتھی پر جہنم واجب ہو چکی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی طرف سے غلام آزاد کر دو، اللہ عزوجل اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو آگ سے آزاد فرما دے گا۔''

شرح (اوجب) ''جہنم واجب ہوگئی۔'' یعنی اس نے ایسے کام کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے اس پر جہنم واجب ہوگئی ہے، ایسی کیفیت میں گناہ کے مرتکب شخص کے لیے قد اوجب کا لفظ بولا جاتا ہے، اسی نیکی اور بدی کے بیان کرنے کے لیے قد اوجبت کی اصطلاح چلتی ہے کیونکہ نیکی سے جنت واجب ہو جاتی ہے اور گناہ سے جہنم۔

(٢٤١٨)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ،

(٢٤١٧) ضعيف ...... أخرجه ابوداود: ٣٩٦٤.

(٢٤١٨) أخرجه البخاري: ٢٥١٨، ومسلم: ٨٤.

حَدَّثَنَا جعْفَرُ بْنُ عَوْن، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ......

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ، قَالَ: ((إِيمَانٌ بِاللَّهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ)) قَالَ: قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ، قَالَ: ((أَغْلاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا)) قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ، قَالَ: ((تُعِينُ صَانِعًا، أَوْ تَصْنَعُ لأَخْرَقَ۔)) قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ، قَالَ: ((تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ۔))

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔'' میں نے پوچھا: کس طرح کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو سب سے زیادہ بیش قیمت ہو اور مالک کی نظر میں جو بہت زیادہ پسند ہو۔'' میں نے عرض کیا: اگر میں یہ نہ کرسکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کسی ہنرمند شخص کی مدد کر یا کسی بے ہنر کی۔'' میں نے کہا: اگر میں یہ بھی نہ کرسکا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر لوگوں کو اپنے شر سے بچالے، بلاشبہ یہ بھی ایک صدقہ ہے جسے تم خود اپنے اوپر کرو گے۔''

شرح (أَوْ تَصْنَعُ لأَخْرَقَ) میں اخرق سے مراد بے ہنر شخص ہے، جو کسی فن اور کاریگری سے آشنا نہیں۔

(٢٤١٩)۔أَخْبَرَنَا الإِمَامُ أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقَاضِي، أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمِشٍ الزِّيَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ التَّاجِرُ، حَدَّثَنَا السَّرِيُّ بْنُ خُزَيْمَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ح وأنا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِيُّ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ الْيَامِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْسَجَةَ......

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي عَمَلا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: ((لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ، لَقَدْ

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسے عمل کی تعلیم دیں جو مجھے جنت میں لے جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چہ تو نے بات

(٢٤١٩) اسناده صحيح ...... أخرجه الامام احمد فى "المسند": ١٨٦٧٠ .

أَعْـرَضْـتَ الْـمَسْـأَلَةَ ، أَعْتِقِ النَّسْمَةَ ، وَفُكَّ الـرَّقَبَةَ ، قَـالَ: أَوَ لَيْسَتَـا وَاحِـدَةً)) قَالَ: لا ، عِتْـقُ النَّسْمَةِ: أَنْ تَنْفَرِدَ بِعِتْقِهَا ، وَفَكُّ الرَّقَبَةِ: أَنْ تُـعِيـنَ فِـى ثَـمَـنِهَـا وَالْمِنْحَةُ الْوَكُوفُ ، وَالْـفَـىءُ عَـلَـى ذِى الرَّحِمِ الظَّالِمِ ، فَإِنْ لَمْ تُـطِـقْ ذَلِكَ ، فَـأَطْـعِـمِ الْـجَـائِعَ ، وَاسْقِ الظَّمْآنَ ، وَمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ، فَـإِنْ لَـمْ تُـطِـقْ ذَلِكَ ، فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلا مِنْ خَيْرٍ۔))

مختصر کی ہے لیکن سوال جامع کیا ہے، تو کسی ذی روح کو آزاد کر یا گردن کو چھڑا دے۔'' اس شخص نے کہا: کیا یہ دونوں چیزیں الگ ہی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' نسمۃ کو آزاد کرنا یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کرے اور "فك الرقبة" یہ ہے کہ تو اس کی آزادی میں اپنا کچھ حصہ ڈالے۔ اور دودھ سے لبالب بھرے ہوئے جانور کا تحفہ دینا، اور ظالم رشتہ دار کے ساتھ بار بار تعلقات بحال کرنا، اگر تجھے ان امور کی طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر، اگر اس کی بھی سکت نہ ہو تو اپنی زبان کو خیر اور بھلائی کے علاوہ ہر چیز سے روک لے۔''

شرح (لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ) کا مفہوم ہے کہ تیرے سوال کے الفاظ مختصر اور گفتگو نپی تلی ہے اور (لَـقَـدْ أَعْـرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ) کا مطلب ہے کہ دو لفظوں میں جو تو نے پوچھ لیا ہے وہ بہت کچھ ہے، جس کے نتیجے میں جنت ملتی ہے، (اعتق النسمة) میں لفظ النسم سے مراد روح ہے یعنی کسی روح والی چیز کو آزاد کرنا۔ اس میں ہر قسم کے جانور اور چرند پرند آجاتے ہیں کیونکہ ان میں روح ہوتی ہے۔

(الْمِنْحَةُ الْوَكُوفُ) سے مراد وافر دودھ والا جانور ہے۔ بکری، گائے یا اونٹنی وغیرہ۔

وكف البيت کا معنی ہے: گھر کا بارش میں بہت زیادہ ٹپکنے لگنا، اور وکف الدمع کا معنی ہے: آنکھ سے آنسوؤں کا برسات کی طرح ٹپ ٹپ گرنے لگنا۔

(٢٤٢٠)۔أَخْبَـرَنَـا عَبْـدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِىُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَمْعَانَ ، حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ الرَّيَّانِىُّ ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ ، حَـدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ ، وَيَزِيدُ بْنُ عَبْدِ رَبِّهِ ، قَالا: نا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ ، عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ......

عَـنْ عَـمْـرِو بْنِ عَبَسَةَ ، أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِىَّ صَـلَّـى الـلّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: ((مَنْ بَنَى

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا: ''جس شخص نے مسجد اس لیے بنائی

(٢٤٢٠) صحيح ...... أخرجه ابوداود: ٤٢٠٢ ، والترمذى: ١٦٣٥ ، والنسائى: ٦٨٧ .

مَسْجِدًا لِيُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ فِيهِ، بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ أَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً، كَانَتْ فِدْيَتَهُ مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.))

کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے، اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کیا جائے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان جان کو آزاد کیا وہ اس کے لیے جہنم سے فدیہ بن جائے گی اور جس شخص کے بال اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفید ہو جائیں قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور کا باعث ہوں گے۔‘‘

شرح حیوہ بن شریح سے مراد ابن یزید حمصی ہے۔

(19)......بَابُ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ مِنْ عَبْدٍ

مشترکہ غلام میں اپنا حصہ آزاد کرنے کے احکام

(۲۴۲۱)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ، وَأُعْطِيَ شُرَكَاؤُهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ.))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے کسی مشترک غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ غلام کی پوری قیمت ادا ہو سکے تو اس کی قیمت انصاف کے ساتھ لگائی جائے گی اور باقی شرکاء کو ان کے حصے کی قیمت (اسی کے مال سے) دے کر غلام کو اسی کی طرف سے آزاد کر دیا جائے گا، ورنہ غلام کا جو حصہ آزاد ہو چکا وہ ہو چکا۔‘‘

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے مشترکہ غلام میں اپنے حصے کو آزاد کر دیا اور وہ شخص مالدار اور صاحب حیثیت ہے اور باقی ساجھیوں کے حصص دینے کی طاقت رکھتا ہے تو اپنا حصہ آزاد کرنے کو بنیاد بنا کر مکمل غلام اس کی طرف سے آزاد کر دیا جائے گا اور قیمت کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کی جائے گی اور نہ غلام کو محنت مزدوری کر کے باقی حصص ادا کرنے کے لیے کہا جائے گا (بلکہ اپنا حصہ آزاد کرنے والا ہی باقی حصہ داروں کو صحیح تخمینہ کے مطابق ان کے حصوں کی قیمتیں ادا کر دے گا تا کہ آزادی کا پورا ثواب سمیٹے، اس حکم میں کامل نیکی کرنے کی تجویز ہے، (ع۔س)

اور اس صورت میں مکمل ولاء (آزادی کی نسبت) اسے ہی ملے گی اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا نادار اور تنگ دست ہو تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے ساجھیوں کا حصہ غلام ہی رہے گا، اسے ان کی آزادی کے لیے مجبور نہیں

(۲۴۲۱) أخرجه البخاري: ۲۵۲۲، ومسلم: ۱۵۰۱.

کیا جائے گا اور نہ غلام سے باقی حصوں کی آزادی کیلئے مشقت کروائی جائے گی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔

جناب ربیعہ اور امام مالک نے کہا: اپنا حصہ آزاد کر دینے کی بنا پر باقی حصے داروں کے حصص آزاد نہیں ہوں گے جب تک ان کے حصوں کی قیمت نہ چکائی جائے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم مسلک بھی یہی ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو جناب سالم اپنے والد محترم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں اور وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب ایک غلام کے دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے اور وہ مالدار ہو تو غلام کی صحیح قیمت لگائی جائے گی، نہ کم نہ زیادہ، پھر اسے (اس کی طرف سے) آزاد کر دیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: ١٥٠١)

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اپنا حصہ آزاد کرنے والا، اپنے شریک کا حصہ آزاد نہیں کرے گا بلکہ اس حصے کی آزادی کے لیے غلام خود کوشش اور محنت مزدوری کرے گا، جب غلام دوسرے حصے کی قیمت ادا کرے تو اس مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی اور آزادی کی نسبت دونوں کو ملے گی۔ یہ قول جناب سفیان ثوری، اہل رائے اور اسحاق کا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا شریک خوشحال اور صاحب ثروت ہے تو باقی حصے کے مالک شریک کو اختیار حاصل ہوگا۔ چاہے تو اپنا حصہ خوش دلی سے آزاد کر دے اور اگر چاہے تو یہ معاہدہ کر لے کہ غلام محنت ومشقت کر کے اپنے حصے کی قیمت اسے ادا کر دے، پھر جب غلام قیمت ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا اور آزادی کی نسبت دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی (یعنی آدھا حصہ آزاد کرنیوالے شریک اور غلام کے درمیان کیونکہ باقی آدھے کی اس نے کوشش کی ہے) اور چاہے تو آزاد کنندہ اپنے شریک کے حصے کی ضمانت لے لے اور اس کے بعد وہ شریک غلام سے مزدوری کروائے، جب غلام اس کی قیمت ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ ولاء پوری کی پوری پہلے کو ہی ملے گی۔

جناب قتادہ کا موقف ہے کہ اگر آزاد کنندہ کے پاس مال نہیں ہے تو غلام اپنے حصے کی آزادی کے لیے محنت ومزدوری کرے گا اور اگر اس کے پاس مال ہے تو غلام کی صحیح عدل وانصاف پر مبنی قیمت لگائی جائے گی (اور اس سے آزاد کرنے کے لیے کہا جائے گا)۔ جو حضرات غلام سے محنت مزدوری کروانے کے قائل ہیں ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ہے۔

(٢٤٢٢)۔أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعَيْمِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: ((مَنْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

(٢٤٢٢) أخرجه البخاري: ٢٥٠٤، ٢٥٢٧، ومسلم: ١٥٠٣.

أَعْتَقَ شِقْصًا فِي عَبْدٍ ، أُعْتِقَ كُلُّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ ، وَإِلا يُسْتَسْعَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ۔))

فرمایا: ''جس نے کسی (مشترکہ) غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اگر اس کے پاس مال ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا، ورنہ باقی حصوں کو آزاد کرانے کے لیے اس سے محنت مزدوری کرائی جائے، لیکن اس سلسلے میں اس پر کوئی مشقت نہ ڈالی جائے۔''

شرح: (غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ) ''اس پر مشقت نہ ڈالی جائے۔'' بعض حضرات نے اس کی وضاحت میں کہا کہ اس کی قیمت مارکیٹ ریٹ سے زیادہ اور مہنگی نہ لگائی جائے۔

جناب شعبہ اور ہشام نے اس حدیث مبارکہ کو جناب قتادہ سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں بزرگ قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کرنے والے باقی راویوں سے زیادہ مضبوط حافظے والے ہیں لیکن انہوں نے سعایۃ (غلام سے محنت مزدوری کرانے) کا ذکر نہیں کیا۔ ہمام نے جناب قتادہ سے روایت کیا ہے تو سعایۃ کو جناب قتادہ کا کلام باور کرایا ہے اور اس کا تذکرہ حدیث کے متن میں نہیں کیا۔

بعض حضرات نے السعـایۃ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آزاد کرنے والا آقا اگر نادار ہے تو غلام دوسرے آقا کی خدمت بجالائے گا اور اس صورت میں (غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ) کا مطلب ہوگا کہ غلام سے اس کے حصے کے بقدر خدمت اور کام کاج لیا جائے، زیادہ نہیں، یعنی جتنا وہ غلام ہے اسی قدر اس سے محنت کرائی جائے، حدیث میں مذکور لفظ ''شقصا'' کا معنی حصہ ہے۔ لفظ الشقص اور الشقیص ، حصے کے معنی میں مستعمل ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ اگر کوئی شخص غلام میں موجود اپنا حصہ آزاد کرتا ہے تو اس کے شریک کا حصہ از خود آزاد ہو جائے گا میں اس بات کی دلیل ہے کہ آزادی کے معاملے میں وہ اثر ورسوخ اور غلبہ حاصل ہے جو دیگر معاملات میں حاصل نہیں۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر کہا جائے گا کہ اگر کوئی شخص ایسے غلام کا ایک بڑا حصہ آزاد کر دے جس پر اس کا مکمل قبضہ ہے تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے جسم کے ایک بڑے حصے کا نام لے کر اسے طلاق دے ڈالے مثلاً یوں کہے کہ تیرے آدھے دھڑ کو طلاق ہے یا تیرے جسم کے تیسرے حصے کو طلاق ہے تو سارے جسم کو ہی طلاق پڑ جائے گی، طلاق کے مسئلہ میں تو تمام اہل علم متفق ہیں، اکثر اہل علم کا آزادی کے بارے میں بھی یہی موقف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص اپنے غلام کے ایک مخصوص حصے کا نام لے کر آزاد کر دے مثلاً کہے: تیرا ہاتھ آزاد ہے یا تیرا پاؤں آزاد ہے یا تیرے بال آزاد ہیں تو وہ پورا ہی آزاد ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنی بیوی کے وجود میں سے کسی معین حصے کا نام لے کر اسے طلاق دے ڈالے تو طلاق پڑ جائے گی جس طرح جسم کے ایک بڑے

اور عمومی حصے کو طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص مخصوص وقت کے لیے طلاق دیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ تجھے ایک ماہ کے لیے طلاق، تو اسے ہمیشہ کے لیے طلاق پڑ جائے گی، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کرے کہ تجھے آدھی طلاق ہو تو بھی مکمل طلاق ہی پڑے گی، اور اگر کوئی شخص اپنے غلام کو یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تیرا آدھا جسم آزاد ہے یا تیرا پاؤں یا ہاتھ آزاد ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ اب فوت شدہ کی ملکیت اور قبضہ وفات کے ساتھ ختم ہو گیا ہے (کیونکہ مرنے کے بعد وہ مالک نہیں رہا اب اس میں وراثت پڑے گی) اور اگر مرض وفات میں اس کے بعض حصے کو آزاد کر دیتا ہے تو اس کا باقی حصہ بھی آزاد ہو جائے گا خواہ وہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(20)......بَابُ مَنْ أَعْتَقَ مَمَالِيكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرَهُمْ

جس شخص نے اپنے غلاموں کو بوقت وفات آزاد کر دیا اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہیں

(٢٤٢٣)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالَا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الْأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ......

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ، فَأَعْتَقَ سِتَّةَ مَمَالِيكَ، وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، أَوْ قَالَ: أَعْتَقَ عِنْدَ مَوْتِهِ سِتَّةَ مَمَالِيكَ لَهُ، وَلَيْسَ لَهُ شَيْءٌ غَيْرُهُمْ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ فِيهِ قَوْلًا شَدِيدًا، ثُمَّ دَعَاهُمْ، فَجَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی اور اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا، اس شخص کے پاس ان کے سوا کوئی اور مال نہ تھا، یا راوی نے کہا: اس شخص نے بوقت موت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی سخت بات فرمائی۔ پھر ان غلاموں کو بلوایا اور انہیں تین حصوں میں تقسیم کر دیا، پھر ان میں قرعہ اندازی کر کے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام ہی رہنے دیا۔

شرح اسماعیل بن علیہ عن ایوب کی سند سے مروی ہے کہ راوی نے کہا: اس شخص نے وفات کے وقت چھ غلاموں کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس ان کے سوا کوئی اور مال نہ تھا۔

(٢٤٢٣) أخرجه مسلم: ١٦٦٨ والفاظه متقاربة.

ابو مہلب کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے اور بعض نے کہا: معاویہ بن عمرو ہے اور یہ ابو قلابہ کے چچا تھے، اور ابو قلابہ کا نام عبدالرحمان بن زید الجرمی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مرض وفات میں دی جانے والی آزادی اور اسی طرح مرض الموت میں دیا جانے والا عطیہ موت کے ساتھ معلق عطیہ کی طرح ہے ایک تہائی مال میں جاری ہونے کے اعتبار سے، نیز اس مسئلہ میں بھی کہ جن افراد کے لیے وصیت جائز نہیں ان کے لیے مرض وفات میں عطیہ دینا بھی جائز نہیں (یعنی میت کے ورثاء کے لیے) اور یہ دونوں امور دو احکام میں باہم مختلف ہیں، وہ عطیہ جو کرنے والے کی موت کے ساتھ معلق ہے، اس میں رجوع جائز ہے یعنی وہ اس سے منحرف ہوسکتا ہے اس لیے کہ اس کے مرنے سے قبل ابھی دوسرے شخص کو ملکیت ہی حاصل نہیں ہوئی لیکن دی ہوئی چیز سے واپسی اور رجوع کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ اب اس چیز کا دوسرا شخص مالک بن چکا ہے۔

وہ چیز جو عطیہ کردی گئی ہے اس میں اسبق فالاسبق کے اصول کو برتا جائے گا یعنی سب سے پہلے جس کا تذکرہ ہے اس کو دیا جائے گا لیکن وہ عطیہ جو مرنے کے ساتھ معلق ہے اس میں اس اصول کی رعایت ضروری نہیں جب تک عطیہ کرنے والے کے الفاظ اور بیان میں اس کی وضاحت نہ ہو، مثلاً اگر اس نے اپنی مرض وفات میں اپنے تین غلاموں سے بایں الفاظ کہا: سالم آزاد ہے، غانم آزاد ہے اور زیاد آزاد ہے، اور اس کے ایک تہائی مال سے صرف ایک ہی آزاد ہو سکتا ہو تو ان میں سے صرف پہلے کو آزادی ملے گی اور اگر اس کے ایک تہائی مال میں دو غلاموں کے آزاد ہونے کی گنجائش ہو تو پہلے مذکور دو غلاموں کو آزادی ملے گی۔

اور وہ عطیہ جو موت کے ساتھ معلق ہے اس کا معاملہ کچھ دوسرا ہے، مثلاً اگر کہنے والا یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو سالم آزاد ہے، غانم آزاد ہے اور زیاد آزاد ہے اور اس کے ایک تہائی مال میں صرف اور صرف ایک غلام کی آزادی کی ہی گنجائش ہو تو پہلے مذکور کو آزاد نہیں کیا جائے گا بلکہ تینوں میں قرعہ ڈالا جائے گا اور اگر آزاد کنندہ نے اپنے بیان میں لفظ ثم جس کے معنی میں تاخیر ہے استعمال کیا ہو، مثلاً یوں کہا ہو کہ جب میں مر جاؤں تو سالم آزاد ہے، پھر غانم آزاد ہے، پھر زیاد آزاد ہے یا اس نے صرف اتنا کہا ہو کہ سالم آزاد ہے اور ورثاء نے غانم کو آزاد کر دیا اور اس کے ایک تہائی مال میں صرف ایک کی آزادی کی ہی گنجائش ہے تو صرف پہلا غلام ہی آزاد ہوگا۔

حدیث ہذا میں قرعہ ڈالنے کا ثبوت ہے، جب کوئی شخص اپنی مرض وفات میں یا مرنے کے بعد ایک ساتھ اپنے غلاموں کو آزادی کا مژدہ سنا جائے (اور اس کے ترکہ میں سب کو آزاد کرنے کی گنجائش ہو) تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا تاکہ آزادی پانے والے کا تعین ہو سکے، مثلاً اگر کسی شخص کے تین غلام ہوں اور سب کی قیمتیں بھی برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ ڈالتے وقت دو پرچیاں غلامی کی اور ایک آزادی کی ہوگی۔ پھر جس کے نام سے آزادی کی پرچی نکل

آئے وہ آزاد ہوگا اور اس وقت سے اسے آزاد سمجھا جائے گا جب سے اس کی آزادی کا اعلان ہوا تھا اور اس دوران اس کا کمایا ہوا مال اس کی ذاتی ملکیت سمجھا جائے گا اور باقی دونوں غلام ہی رہیں گے۔

اور اگر وہ چھ ہوں تو ان کی قیمتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کو تین گروپوں میں تقسیم کیا جائے گا اور ایک گروپ دو افراد پر مشتمل ہوگا اور اگر ان کی قیمتوں میں تفاوت ہو مثلاً تین غلاموں کی قیمت ایک ایک سو روپے ہو اور باقی تینوں کی قیمت پچاس روپے ہو، تو کم قیمت والے ایک غلام کو زیادہ قیمت والے ایک غلام سے ملا کر ایک ایک جوڑا بنایا جائے گا اور پھر ان کے درمیان آزادی کے لیے قرعہ ڈالا جائے گا جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہو چکا (یعنی دو پرچیاں غلامی کی اور ایک پرچی آزادی کی)۔

اور اگر بلحاظ تعداد ان کے جوڑے بنائے جانے اور ان کے تین گروپ تشکیل دینے میں قیمت کی برابری ممکن نہ ہو تو بلحاظ قیمت انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، مثلاً صورتحال کچھ اس طرح ہو کہ ایک غلام کی قیمت سو روپے ہو، پھر دو غلاموں کی قیمت سو روپے ہو اور پھر تین غلاموں کی قیمت سو روپے ہو تو ایسی صورت میں ایک سو روپے قیمت والے کو ایک گروپ، باقی دونوں کو دوسرا گروپ اور تینوں کو تیسرا گروپ سمجھا جائے گا۔

اور اگر کسی کے غلام تین ہوں، ایک کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہو، دوسرے کی ایک سو روپے اور تیسرے کی قیمت پچاس روپے ہو (اور آزاد کنندہ کے مال کا ایک تہائی حصہ ایک سو روپے بنتا ہو) تو ان کے درمیان قرعہ ڈالتے ہوئے دو پرچیاں غلامی کی ہوں گی اور ایک پرچی آزادی کی۔ پھر اگر قرعہ اس غلام کے نام نکل آئے جس کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہے تو اس کے دو حصے آزاد ہو جائیں گے اور ایک حصہ غلام ہی رہے گا۔

اور اگر قرعہ اس کے لیے نکل آئے جس کی قیمت سو روپے ہے تو وہ مکمل آزاد ہو جائے گا اور اگر قرعہ اس کے لیے نکل آئے جس کی قیمت پچاس روپے ہے تو وہ بھی سارے کا سارا آزاد ہو جائے گا، پھر قرعہ دوبارہ باقی دونوں کے درمیان ڈالا جائے گا۔

اور قرعے کی دو پرچیاں ہوں گی ایک غلامی والی اور ایک آزادی والی، پھر اگر آزادی والی پرچی اس غلام کے نام نکل آئے جس کی قیمت ایک سو روپے ہے تو وہ آدھا آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے نام نکل آئے جس کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ہے تو اس کا تیسرا حصہ آزاد ہو جائے گا۔

اہل علم کی ایک جماعت ایسی صورت میں قرعہ ڈالنے کی قائل ہے، جناب عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ان کے مابین قرعہ نہیں ڈالا جائے گا بلکہ ہر غلام کا ایک تہائی حصہ آزاد ہو جائے گا اور ہر غلام اپنے باقی ماندہ دو تہائی غلامی والے حصے کے لیے محنت مزدوری کرے گا اور ورثاء کو رقم کی ادائیگی

کرے گا تا آنکہ وہ مکمل آزاد ہو جائے۔ اس کے قائل امام شعبی، نخعی اور اہل رائے ہیں، جس طرح اگر کوئی شخص اپنے تمام غلاموں کو ہبہ کردے یا کسی کو دینے کی وصیت کرجائے جبکہ ان غلاموں کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی مال نہ ہو، تو ہبہ اور وصیت کو ایک غلام میں بذریعہ قرعہ یکجا نہیں کیا جائے گا بلکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک ثلث (۱/۳) حصہ آزاد ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ آزادی کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، یہ ایسا قیاس ہے جس کا رد سنت مطہرہ سے نہیں ہوتا۔

آزادی کی بنیاد چونکہ غلبہ اور مکمل کنٹرول پر ہے اس بنا پر اگر کوئی شخص اپنی مرض وفات میں کسی غلام کو آزاد کردے اور اُس غلام کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس غلام کا ایک تہائی حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس کے باقی دو حصے وارثوں کے حق میں غلام ہی رہیں گے اور اہل رائے کے نزدیک باقی دو تہائی حصے کی آزادی کے لیے اس سے محنت مزدوری کروائی جائے گی۔

(21)......بَابُ الْعِتْقِ عَنِ الْمَيِّتِ
فوت شدہ کی طرف سے کسی کو آزاد کرنا

(٢٤٢٤)۔أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَخْبَرَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ......

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الأَنْصَارِيِّ، أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوصِي، ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ، فَهَلَكَتْ وَقَدْ كَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ: أَيَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، قَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ، قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ: إِنَّ أُمِّي هَلَكَتْ فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((نَعَمْ))

جناب عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی ماں نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا، پھر اسے صبح تک موقوف کردیا اور اسی اثنا میں وہ فوت ہوگئیں اور وہ غلام آزاد کرنے کا پختہ ارادہ کر چکی تھیں، عبدالرحمان نے بیان کیا کہ میں نے جناب قاسم بن محمد سے پوچھا: اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کردوں تو کیا اس کا انہیں کچھ فائدہ پہنچے گا؟ قاسم بن محمد نے کہا: سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، میری والدہ فوت ہو چکی ہیں، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے آزاد کروں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''

شرح: امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث منقطع ہے اور حدیث متصل اور صحیح وہ ہے جو عبیداللہ بن عبداللہ

(٢٤٢٤) صحيح ...... أخرجه النسائي: ٣٦٥٨ دون القصة، ولفظه متقارب.

نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اور ان کے ذمے ایک نذر ہے۔ امام مالک نے جناب یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا کہ عبدالرحمان بن ابوبکر ایک مرتبہ سوئے تو ابدی نیند ہی سو گئے تو ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے بہت ساری گردنوں (غلاموں) کو آزاد کیا۔ (مؤطا امام مالك: ١٥١٧)

(22)......بَابُ مَنْ يُعْتَقُ بِالْمُلْكِ

ملکیت میں آتے ہی کونسا غلام آزاد ہو جائے گا

(٢٤٢٥)۔أَخْبَـرَنَا ابْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ الْجُرْجَانِيُّ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِ بْنُ مُحَمَّدٍ الفَارِسِيُّ ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْجُلُودِيُّ ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ ، حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ سُهَيْلٍ ، عَنْ أَبِيهِ......

عَـنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا ، فَيَشْتَرِيَهُ ، فَيُعْتِقَهُ۔))

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بچہ اپنے باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا مگر صرف اس صورت میں کہ وہ اسے غلام پائے تو خرید کر آزاد کردے۔''

شرح: اہل علم کے نزدیک اسی بات پر عمل ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آباء میں سے یا ماؤں میں سے یا اپنی اولاد میں سے یا اپنی اولاد کی اولاد میں سے کسی کو خریدے یا کسی اور سبب سے اس کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا خواہ اس کی طرف سے آزادی کا لفظ بولا جائے یا نہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آنے والے الفاظ (فیعتقه) ''کہ وہ اسے آزاد کرے۔'' سے آپ کا مقصود یہ نہیں کہ محرم رشتہ دار کی آزادی کے لیے آزادی کا لفظ بولنا شرط ہے بلکہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خرید لینا اسے غلامی سے نجات دلا دیتا ہے۔

اہل علم نے والدین اور بچوں کے علاوہ دیگر محرم رشتہ داروں کے بارے میں اختلاف کیا ہے (کہ کیا وہ بھی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائیں گے یا نہیں) اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ جو شخص کسی قریبی رشتہ دار کا مالک ہے، مثلاً بھائی، بھتیجے، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ کا تو وہ آزاد ہو جائیں گے، ایسا موقف سیدنا عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اس موقف کی مخالفت منقول نہیں۔ یہی قول جناب حسن بصری، جابر بن زید، عطاء، شعبی، زہری، حکم اور حماد رحمہ اللہ کا ہے نیز یہی مسلک سفیان ثوری، اہل رائے، احمد اور اسحاق رحمہما اللہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی محرم رشتہ دار کا مالک بنا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔'' (صحیح، ابوداود: ٣٩٤٩، ترمذی: ١٣٦٥، ابن ماجه: ٢٥٢٤)

(٢٤٢٥) أخرجه مسلم: ١٥١٠.

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: صرف والد اولاد اور بہن بھائی آزاد ہوں گے، ایک قوم کا موقف ہے کہ صرف آباء واجداد، یعنی ماں باپ اور اولاد آزاد ہوگی (ان کے علاوہ اور کوئی قریبی آزاد نہیں ہوگا) امام شافعی بھی اسی موقف کے قائل ہیں، اہل ظاہر کا موقف ہے کہ والد بھی بیٹے کی ملکیت میں آنے کے بعد آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں: (فیشتریه فیعتقه) ''الا یہ کہ اسے خرید کر آزاد کردے۔'' جب کسی چیز کو خریدنا درست ہوا تو اس سے ملکیت اور قبضہ ثابت ہو گیا اور کسی چیز کے ملکیت میں آنے کے بعد مالک کے اختیارات اس پر جاری ہو جاتے ہیں (اب وہ آزاد کرے یا نہ یہ مالک کی مرضی ہے) اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سنداً معروف نہیں سوائے حماد بن سلمہ کی سند سے، بعض راویوں نے اس حدیث کو قتادہ عن الحسن، عن عمر کی سند سے بیان کیا ہے اور بعض نے اسے جناب حسن سے مرسل بیان کیا ہے۔

فائدہ: محرم کی ملکیت کو آزادی کا باعث قرار دیا گیا ہے، سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق حسن ہے لہٰذا اہل ظاہر کا موقف حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔ (ع،س)

(23)......بَابُ بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

مدبر غلام کو فروخت کرنا

فائدہ: مدبر غلام اسے کہتے ہیں جس کا مالک اسے کہہ دے: تو میری وفات کے بعد آزاد ہے۔ (ع،س)

(٢٤٢٦)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكِسَائِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ الخلالُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ ح وأنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الصَّالِحِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْعَارِفُ، قَالا: أنا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْحِيرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ الأَصَمُّ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ، أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

سَمِعَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: دَبَّرَ رَجُلٌ مِنَّا غُلامًا لَهُ، لَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟)) فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ النَّحَّامُ، قَالَ عَمْرٌو: فَسَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ: عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ فِي إِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، وَزَادَ أَبُو الزُّبَيْرِ، يُقَالُ لَهُ: يَعْقُوبُ۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر قرار دے دیا، اس کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا؟'' اسے نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے خرید لیا، جناب عمرو (بن دینار) نے کہا: میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے، وہ ایک قبطی غلام تھا، اس کی وفات سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال ہوئی اور ابوزبیر نے اتنا مزید بیان کیا کہ اس کا نام یعقوب تھا۔

(٢٤٢٦) أخرجه البخاري: ٢١٤١، ٢٢٣٠، ٢٤٠٣، ٦٧١٦، ومسلم: ٩٩٧ .

(٢٤٢٧)۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ ابْنُ بِنْتِ مَنِيعٍ ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ......

عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ عَبْدًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَعْتَقْتَ غُلامَكَ عَنْ دُبُرٍ مِنْكَ؟)) قَالَ: نَعَمْ ، قَالَ: ((مَنْ يَشْتَرِيهِ ، أَوْ مَنْ يَبْتَاعُهُ مِنِّي؟)) فَابْتَاعَهُ النَّحَّامُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَقَالَ: ((أَنْفِقْ عَلَى نَفْسِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْكَ شَيْءٌ ، فَعَلَى أَهْلِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِكَ شَيْءٌ ، فَعَلَى ذِي قَرَابَتِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ ، فَهَكَذَا ، وَهَكَذَا۔)) وَلَمْ يَحْفَظْ زُهَيْرٌ كَيْفَ صَنَعَ؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے اپنا ایک غلام مرتے وقت آزاد کردیا، اس کے پاس اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا۔ راوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تو نے اپنا غلام اپنے بعد آزاد کردیا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں جی! آپ نے کہا: اسے مجھ سے کون خریدے گا یا (من يبتاعه منى) کے الفاظ آپ نے بولے (معنی دونوں کا ایک ہے) چنانچہ نخام نے اسے ۸۰۰ درہم کے عوض خرید لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس رقم کو اپنے اوپر خرچ کر، اگر کوئی چیز بچ رہے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کر، اگر اہل خانہ کی ضروریات سے زائد ہو تو اپنے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کر، اگر پھر بھی بچ رہے تو فلاں فلاں جگہ پر خرچ دے۔'' زہیر راوی کو یہ یاد نہ رہ سکا کہ اس نے رقم کو کیسے خرچ کیا۔

شرح: ابوالزبیر نے بیان کیا کہ اس غلام کو حضرت نعیم بن عبداللہ عدوی رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس رقم کو ایسے ایسے خرچ کر۔'' آپ کا مطلب تھا، اپنے سامنے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں (موجود افراد پر) خرچ کر۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: مدبر غلام کو فروخت کرنے کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، ایک جماعت مطلق طور پر اس کو فروخت کرنے کے جواز کی قائل ہے۔ ایسا موقف مجاہد، طاؤس اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ امام شافعی، احمد اور اسحق رحمہ اللہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں، ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے، مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدبر قرار دی ہوئی کنیز کو فروخت کردیا جس نے ان پر جادو کردیا تھا، اور اپنے بھتیجے کو حکم دیا کہ اسے ان دیہاتیوں کے ہاتھ فروخت کرآئے جو بدخلق اور اپنی زیردست چیز کے ساتھ برا سلوک کرنے والے ہوتے ہیں۔ (صحيح، مسند امام احمد: ٢٤١٨١)

(٢٤٢٧) أخرجه مسلم: ٩٩٧ ، ورواه البخارى مختصرا: ٢١٤١ .

ایک جماعت کا یہ موقف بھی ہے کہ جب کسی غلام کی تدبیر مطلق ہو تو اسے فروخت کرنا جائز نہیں، مثلاً مالک یوں کہے: جب میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے اور اس کی آزادی کو کسی شرط یا زمانے سے مشروط قرار نہ دے، یہ قول جناب سعید بن مسیّب، شعبی، نخعی، زہری رحمہ اللہ کا ہے، یہی مذہب سفیان ثوری، اوزاعی اور اہل رائے کا ہے، اور ان حضرات نے مدبر غلام کے معاملے کو ام ولد پر قیاس کیا ہے، کیونکہ دونوں کی آزادی کا تعلق آزاد کنندہ کی موت کے بعد ہے۔

بعض حضرات نے حدیث مبارکہ (جس میں مدبر کی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے) کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس سے مراد مشروط اور مقید تدبیر ہے، مثلاً کہنے والا یوں کہے کہ اگر اس مرض میں میری وفات واقع ہو جائے، یا میں فلاں مہینے میں فوت ہو جاؤں تو تو آزاد ہے (تو اس صورت میں (مقید مدبر کی) فروخت جائز ہے وگرنہ نہیں) لیکن پہلا موقف ہی اولیٰ ہے، اس لیے کہ حدیث میں واضح طور پر مدبر غلام کو فروخت کر دینے کا تذکرہ ہے اور لفظ تدبیر جب مطلقاً استعمال ہو تو اس سے مطلق تدبیر ہی مراد ہوتی ہے کچھ اور نہیں، اور واضح رہے کہ مدبر غلام کا معاملہ ام ولد کی طرح بھی نہیں ہے کہ اس پر قیاس کیا جائے، اس لیے کہ ام ولد میں آزادی کا سبب حد درجہ مضبوط اور مؤکد ہے بہ نسبت مدبر غلام کے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر میت کا ترکہ سارے کا سارا قرض کی نظر ہو جائے تو ام ولد کو قرضہ اتارنے کی مد میں نہیں دیا جائے گا بلکہ اسے ضرور آزاد کر دیا جائے گا بجائے مدبر غلام کے کہ ایسی صورت میں اس کی آزادی روک لی جائے گی اور دوسری دلیل یہ کہ ام ولد کی آزادی مرنے والے کے اصل مال سے واقع ہوگی اور مدبر کی آزادی ثلث (۱/۳) سے ہوگی، تو دونوں کے درمیان فرق صاف ظاہر ہو گیا۔

جناب لیث نے کہا: مدبر کی بیع ناپسندیدہ ہے الا یہ کہ اس شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اسے آزاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، امام مالک رحمہ اللہ نے اس صورت میں مدبر غلام کی فروخت کو جائز قرار دیا ہے جب میت پر اتنا قرضہ ہو کہ اس کا سارا ترکہ اس قرض کی نظر ہوتا ہو، رہا تدبیر کنندہ کی زندگی میں اس کو بیچنا تو یہ امام مالک کے نزدیک کسی طور درست نہیں، ایسا موقف جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے، نیز انہوں نے فیصلہ کیا کہ مدبر غلام جب کوئی جرم کر لے تو اسے مظلوم کے حوالہ کیا جائے۔ وہ اس سے اپنے زخم کی دیت کے مطابق خدمت لے، پھر جب وہ ادائیگی مکمل کر لے گا تو اپنے مالک کی طرف لوٹ جائے گا اور جن لوگوں کے نزدیک مدبر غلام کو فروخت کرنا جائز ہے، ان کے نزدیک اس قسم کے جرم میں غلام کو فروخت کر دیا جائے گا (اور مظلوم کا ہرجانہ پورا کیا جائے گا) جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے مدبر غلام کی بیع کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب مالک کو اس کی ضرورت پڑے اور وہ محتاج ہو جائے۔ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ مدبر کی لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز ہے جیسے ام ولد کے ساتھ مباشرت جائز ہے، جناب نافع نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دو کنیزوں کو مدبر قرار دے دیا اور وہ ان سے جماع کرتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال مدبر غلام کی تدبیر کو الفاظ کے ساتھ ختم کر دینے کے بارے میں مختلف ہیں۔ ایک قول میں انہوں نے اس کی تدبیر کو الفاظ کے ساتھ ختم کر دینے یعنی رجوع کرنے کو جائز قرار دیا ہے جس طرح اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اس کے قائل مجاہد اور طاؤس ہیں اور اسی کو امام مزنی نے پسند کیا ہے، اس لیے کہ تدبیر کا عمل (غلام کو مدبر قرار دینا) وصیت کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، کل جائداد کے ایک ثلث میں جاری ہونے کے اعتبار سے، اور ایک انسان کے لیے اپنی وصیت میں رجوع جائز ہے تو مدبر غلام میں بھی رجوع جائز ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ غلام کو مدبر کر دینے والے کے لیے اپنی بات سے پھرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کو فروخت کر دینا جائز ہے، اس شرط کے پائے جانے سے قبل جو آزادی کے ساتھ مشروط ہے، واللہ اعلم۔

اور مدبر غلام کی آزادی میت کی کل جائداد کے ایک تہائی مال سے وقوع پذیر ہوگی۔ یہ عام اہل علم کا موقف ہے، ویسے جناب ابراہیم، سعید بن جبیر اور مسروق رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ مدبر غلام کو کل مال سے آزاد کیا جائے گا۔

(24)......بَابُ عِتْقِ أُمِّ الْوَلَدِ

ام ولد کی آزادی کا بیان

فائدہ: ام ولد وہ لونڈی جس کا مالک اس سے ہم بستری کرے اور اس سے اولاد ہو جائے تو وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ (ع،س)

(٢٤٢٨)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَاشِمِيُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، ......

عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهَبُهَا، وَلَا يُوَرِّثُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ مِنْهَا مَا عَاشَ، فَإِذَا مَاتَ، فَهِيَ حُرَّةٌ۔

جناب نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمہ اللہ نے کہا: جس لونڈی نے اپنے مالک کے ہاں اولاد جن دی تو اس کا مالک نہ اسے فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ ترکے میں تقسیم ہو سکتی ہے، البتہ جب تک وہ زندہ رہے اس کے جسم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جب وہ فوت ہو جائے تو لونڈی آزاد ہے۔

شرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ام ولد کو اس کا (مالک کے ہاں) اولاد جننا آزادی دلوا دیتا ہے خواہ وہ نامکمل بچہ ہی جنم دے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا وَلَدَتْ أَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ أَوْ بَعْدَهُ۔)) ......"جب کسی شخص کی لونڈی اس کی

(٢٤٢٨) صحيح ...... أخرجه مالك فى "المؤطا": ١٥٠٩ .

اولاد جن دے تو وہ لونڈی اس کی وفات کے بعد آزاد ہے، آپ ﷺ نے عن دبر منه کے الفاظ فرمائے یا بعده کے۔ (ضعیف، ابن ماجه: ۲٥۱٥)

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور جب اس کا مالک فوت ہو جائے تو وہ اس کے مرتے ہی اصل مال سے آزاد ہو جائے گی اور اس کی آزادی کا معاملہ میت کے ذمے موجود قرضوں اور اس کی کی ہوئی وصیتوں سے پہلے کا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں ام ولد لونڈیوں کو فروخت کیا تھا، پھر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے ہمیں منع کر دیا، تو ہم رک گئے۔ (صحیح، ابو داود: ۳۹٥٤)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ممکن ہے آغاز اسلام میں ام ولد کا بیچنا جائز ہو پھر اس سے منع فرما دیا ہو لیکن یہ بات زیادہ مشہور نہ ہوئی اور فروخت کرنے والوں کے علم میں نہ آئی ہو۔ اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں بھی بیچنے والوں کا یہ عمل نہ آسکا ہو، اس لیے کہ آپ کا دور خلافت انتہائی مختصر اور مصروف تھا، آپ اہم ملی، سیاسی اور عسکری مہمات میں بے حد مشغول تھے، مرتدین سے محاذ آرائی پورے زور شور سے جاری تھی، اس معاملے کا اظہار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ جب یہ بات ان کے علم میں آئی تو انہوں نے اس سے منع فرما دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں متضاد باتیں مروی ہیں، سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ام ولد لونڈیوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔

مروی ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ام ولد کو اس کے بچے کے حصے سے آزاد کیا جائے گا۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے عبیدہ نے بیان کیا کہ میری اور شریح کی طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ میں اختلاف اور تشتُّت کو بہت ناپسند جانتا ہوں، تم ام ولد کے بارے میں ویسے ہی فیصلے کرو جیسے پہلے کیا کرتے تھے، تاکہ لوگوں کی اجتماعیت برقرار رہے یا میں اسی موقف پر فوت ہو جاؤں جس پر میرے دو پیش روؤں کی وفات واقع ہوئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ تبصرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی موافقت بھی جماعت صحابہ کے ساتھ تھی اور ان کا متفقہ موقف یہ تھا کہ ام ولد کو فروخت نہ کیا جائے اور جب صحابہ کا اس مسئلہ کے متعلق باہمی اختلاف ایک اتفاقی رائے کے ساتھ ختم ہو گیا اور پھر اسی کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ گزر گیا تو یہ رائے (کہ ام ولد کو فروخت نہ کیا جائے) اجماع صحابہ قرار پائی۔

ام ولد کے لیے وصیت کرنا جائز ہے، پھر ام ولد کی آزادی اصل ترکے سے ہوگی اور اس کے لیے وصیت میت کے ایک تہائی مال سے ہوگی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہر ام ولد کے لیے چار چار ہزار درہم کی وصیت کی تھی۔ مکاتب غلام کی بیع اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جب ام ولد کے ہاں بچے کی ولادت ہو جائے خواہ شادی کے نتیجہ میں خواہ بدکاری کے نتیجہ میں تو دونوں صورتوں میں بچے کا معاملہ ماں کے حکم کے تابع ہے، بچہ ماں کے آقا اور مالک کا غلام ہوگا، وہ اس سے اپنی خدمت لے اور مزدوری کروائے، البتہ اس کو فروخت کرنا جائز نہیں اور مالک کی وفات کے ساتھ وہ اس کے اصل مال سے آزاد ہو جائے گا یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب بچے کی پیدائش اس کی اپنی لونڈی سے ہو اور اگر کوئی شخص کسی کی ملکیتی لونڈی کے ساتھ نکاح کرے اور اس سے بچے ہوں تو وہ بچے لونڈی کے مالک کے غلام ہوں گے اور جب والد اپنے ان بچوں کو خرید لے گا تو وہ اس کی ملکیت میں آنے کے بعد آزاد ہوں گے اور ان کی آزادی کی نسبت اسے (والد کو) ہی حاصل ہوگی۔ اگر وہ لونڈی کو خرید لیتا ہے تو بعض اہل علم کے ہاں اس کے لیے ام ولد والا حکم ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کا تعلق ایک غلام سے ہے۔ امام مالک اور شافعی کا یہ قول ہے (یعنی اس کا بچہ جس کی وجہ سے اس نے ام ولد بننا تھا وہ غلام ہے) اہل رائے کے نزدیک اس کا حکم ام ولد والا ہی ہوگا۔

اگر کوئی آدمی کسی کی لونڈی سے شبہ کی بنا پر بچہ پیدا کرتا ہے، پھر اس کا مالک بن جاتا ہے تو کیا اس لونڈی کا حکم ام ولد والا ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ ام ولد نہیں بنے گی کیونکہ اس کی ملکیت میں بچہ پیدا نہیں ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ام ولد ہی ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ایک آزاد شخص سے ہے یعنی اس کا خاوند آزاد ہے جو اس بچے کا باپ ہی ہے۔ اہل رائے کا بھی یہی قول ہے۔

مدبر لونڈی، مکاتب لونڈی یا ایسی لونڈی جس کی آزادی معلق ہو، کا بچہ ماں کے آزاد ہونے تک ماں ہی کے مرتبے میں ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں امام شافعی کے مختلف اقوال ہیں۔ درست قول یہ ہے کہ تدبیر اور تعلیق تو بچے کے حق میں ثابت نہیں ہوگی البتہ کتابت کا حکم بچے کے حق میں بھی ثابت ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بچے کی بیع ممنوع ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ماں ہی کے حکم میں ہوگا۔

ہر حاملہ لونڈی کا بچہ تدبیر، مکاتبت اور تعلیق میں اپنی ماں ہی کی طرح ہوگا، ماں آزاد ہوگی تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا اور اگر ماں غلام ہوگی تو وہ بھی غلام ہوگا۔

(25)......بَابُ المُكَاتَبِ

غلام سے آزادی کے معاہدے کا بیان

فائدہ: مکاتب ایسے غلام کو کہتے ہیں جس سے مخصوص معاوضے کے بدلے آزادی کا معاہدہ ہو۔ (ع،س) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ ......''تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو اگر تمہیں ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو۔'' (سورۂ نور: ۳۳)

امام مجاہد اور عطاء نے کہا: خیر سے مراد مال ہے، ابن جریج نے کہا: میں نے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے غلام کے پاس مال ہے اور وہ مکاتب بننا چاہتا ہے تو کیا مجھ پر واجب ہو جائے گا کہ میں اس سے مکاتبت کر لوں؟ انہوں نے کہا کہ میرا خیال تو یہی ہے کہ (ایسی حالت میں کتابت کا معاملہ) واجب ہو جائے گا۔ عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے پوچھا: کیا آپ اس سلسلے میں کسی سے روایت بھی بیان کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ (پھر انہیں یاد آیا) اور مجھے انہوں نے خبر دی کہ موسیٰ بن انس نے انہیں خبر دی کہ سیرین (ابن سیرین رحمہ اللہ کے والد) نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مکاتب ہونے کی درخواست کی (یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) جو مالدار بھی تھے لیکن سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، اس پر سیرین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کتابت کا معاملہ کر لے، انہوں نے پھر انکار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت پڑھی: ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ ...... ''اگر تم کو ان میں بھلائی نظر آتی ہو تو ان سے مکاتبت کر لو۔'' چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کتابت کا معاملہ کر لیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: ''بھلائی نظر آنے'' کا واضح اور ظاہر معنی غلام کے بارے میں اور مکاتبت کے سلسلہ میں یہ ہے کہ اس میں کمائی کرنے کا ملکہ ہو، نیز وہ صدق و امانت کے وصف سے متصف ہو، اگر کسی غلام میں یہ اوصاف ہوں تو مجھے یہی بات پسند ہے کہ اس کے ساتھ مکاتبت کرنے سے گریزاں نہ ہوا جائے۔

(٢٤٢٩)۔ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الشِّيرَزِيُّ، أَنَا زَاهِرُ بْنُ أَحْمَدَ، أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الهاشميُّ، أَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ ......

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ: الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ كِتَابَتِهِ شَيْءٌ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکاتب غلام ہی ہے جب تک اس پر کتابت کی مد سے کچھ بھی باقی ہے۔

شرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: (ایسی صورت میں) وہ غلام ہی ہے خواہ زندہ رہے خواہ مر جائے خواہ جرم کرے جب تک اس کے ذمے مکاتبت کی کچھ رقم بھی باقی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: جناب عمرو بن شعیب اپنے پردادا محترم سے بیان کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب غلام ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔'' (حسن، ابوداود: ٣٩٢٦)

جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکاتب پر جب تک اس کی کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہو وہ غلام ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کی مانند مذکور ہے، ایک مرتبہ جناب سلیمان بن یسار نے ان سے اندر آنے کی

(٢٤٢٩) صحيح ...... أخرجه مالك في "المؤطا": ١٥٢٨ .

اجازت طلب کی، انہوں نے آواز سے پہچان لیا اور کہا: اے سلیمان، اندر آجاؤ، تو اس وقت تک مملوک ہی ہے جب تک تیرے ذمے کتابت کا کچھ بھی باقی ہے۔

امام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کتابت تمام اہل علم کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور کتابت اس معاہدے کو کہتے ہیں جو مالک اور غلام کے درمیان شرائط مقررہ کے ساتھ طے ہو جائے کہ غلام اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔ مکاتبت طے پاتے ہی غلام اپنا آزادانہ کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی قیمت ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اور قسطوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچ رہے گا اس کا مالک غلام ہی ہوگا اور آزادی میں اس کی اولاد اس کے تابع ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی غلام کی آزادی کی اقساط کم از کم دو ضرور ہونی چاہئیں اس سے کم قسط بنانا جائز نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتابت میں ایک قسط بنانا اور فوراً ادائیگی کر دینا جائز قرار دیا ہے۔

اگر مکاتب غلام اپنی آزادی کی اقساط ادا کرنے سے عاجز آجائے خواہ وہ رقم تھوڑی ہی ہو تو آقا اس کے معاہدے کو فسخ کر سکتا ہے اور اسے دوبارہ غلام بنا سکتا ہے۔ اگر کوئی غلام معاہدہ کرنے کے بعد اور پہلی ادائیگی سے بھی پہلے فوت ہو جائے تو اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ ایسا غلام، غلام ہی فوت ہوتا ہے اور اس کی کتابت کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے خواہ اس نے اتنی جائداد چھوڑی ہو جس سے اس کی اقساط کی ادائیگی ہو سکتی ہو یا نہ چھوڑی ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھی جائے جس طرح فروخت شدہ چیز اگر خریدنے والے کے قبضے میں آنے سے پہلے تلف ہو جائے تو سودا فسخ ہو جاتا ہے، اسی کے قائل سیدنا عمر، ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں، نیز یہی موقف عمر بن عبدالعزیز، زہری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم ہے، امام شافعی، احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ اگر مرنے والا اتنی جائداد چھوڑ جائے جس سے اس کی کتابت والی قسطوں کی ادائیگی ہو سکتی ہو تو وہ آزاد ہوگا اور اگر اس کا ترکہ قسطوں سے زائد ہو تو زائد مال اس کے آزاد بچوں میں تقسیم ہوگا، ایسا موقف سیدنا علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جناب عطاء، طاؤس، نخعی، حسن، شریح، مالک، ثوری اور اہل رائے اسی کے قائل ہیں اور جب مکاتب غلام نے اپنی زندگی میں معاہدہ کتابت کی کچھ قسطیں ادا کر دی ہوں تو اکثر اہل علم کے نزدیک وہ اس وقت تک آزاد نہ ہوگا بلکہ اس کا کچھ حصہ بھی آزاد نہ ہوگا جب تک کہ وہ آخری قسط کی ادائیگی کو یقینی نہ بنائے، اس کے قائل، ثوری، شافعی، اہل رائے، احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

بعض حضرات کا موقف ہے کہ وہ اپنی ادائیگی کے بقدر آزاد ہوگا یعنی جتنی اس کی طرف سے ادائیگی ہو چکی وہ اسی قدر آزاد ہوگا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، امام نخعی بھی اسی کے قائل ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب پر جب کوئی حد لازم آرہی ہو یا کسی کا وارث بن رہا ہو تو جس نسبت سے آزاد ہو چکا ہو اسی حساب سے حد لاگو ہوگی یا وراثت کا حصہ پائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکاتب غلام جس قدر اپنی کتابت کو

ادا کر چکا ہو اس نسبت سے آزاد آدمی کی دیت دی جائے اور جس قدر باقی ہو اس میں غلام کی دیت دی جائے۔

(صحیح، ابوداود: ٤٥٨٢، ترمذی: ١٢٥٩)

یحییٰ بن کثیر نے عکرمہ سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے، اور خالد حذاء نے عکرمہ سے اور انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کے طور پر روایت کیا ہے۔

جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ مکاتب غلام اگر قتل ہو جائے اور اس کی قسطیں ابھی باقی ہوں تو اس کے قاتل کے ذمے (دیت نہیں بلکہ) غلام کی قیمت کی ادائیگی لازم ہے، سوائے ابراہیم نخعی کے۔ ان کا موقف مندرجہ بالا حدیث کے ظاہر کے موافق ہے اور باقی حضرات نے شاید یہ سمجھا کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے تو اسی کے مطابق قول کرنا واجب ہے۔ اگر یہ منسوخ نہ ہو یا کسی حدیث کے معارض نہ ہو جو اس سے اولیٰ ہو۔

امام زہری رحمہ اللہ نے نبہان سے بیان کیا جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکاتب تھے، وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جب کسی کا غلام مکاتب ہو جائے اور اس کے پاس اس قدر مال ہو جو وہ ادا کر سکتا ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس سے پردہ کرو۔'' (ضعیف، ابوداود: ٣٩٢٨، ترمذی: ١٢٦١، ابن ماجہ: ٢٥٢٠)

عام اہل علم کے نزدیک یہ حکم تورع، احتیاط اور تقویٰ وطہارت پر مبنی ہے، اس لیے کہ وہ کسی وقت بھی اپنی اقساط ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے اس لیے احتیاط بہتر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ اقساط ادا کرنے سے قبل ہی آزاد ہو گیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: غلام کے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مکاتبت کے طے شدہ معاہدے سے کچھ رقم چھوڑ دے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ ...... ''اور اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے انہیں بھی دو۔'' (سورۂ نور: ٣٣)

امام شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی دلیل اخذ کی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک غلام سے غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے معاہدہ پینتیس ہزار درہم میں کیا، پھر پانچ ہزار درہم آخر میں چھوڑ دیے، اہل علم کی ایک جماعت اس کے وجوب کی قائل نہیں۔ جب کوئی مالک اپنے غلام سے کتابت فاسدہ کر لے تو وہ معاہدے کے مطابق مال کی ادائیگی کر کے آزاد ہو جائے گا اور اس کی اولاد اور اس کا کمایا ہو مال اس کے تابع ہو گا جیسا کہ کتابت صحیحہ میں ہوتا ہے البتہ بعض احکام ومسائل میں کتابت کے ان دونوں معاہدوں کے درمیان کچھ فرق پایا جاتا ہے، مثلاً کتابت صحیحہ میں مالک معاہدہ فسخ کرنے کا مجاز نہیں الا یہ کہ مکاتب آزادی کی قسطیں ادا کرنے سے عاجز آ جائے، اسی طرح یہ معاہدہ مالک کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا اور غلام اپنی طے شدہ اقساط کی مکمل ادائیگی کے بعد آزاد ہو جائے گا اور کتابت فاسدہ میں مال کی ادائیگی سے پہلے پہلے مالک معاہدہ ختم کر سکتا ہے اور معاہدہ فسخ ہونے کے بعد اگر غلام مال کی ادائیگی کرے گا تو اسے آزادی نہیں ملے گی، اسی طرح یہ معاہدہ مالک کی وفات کے ساتھ ہی دم توڑ جائے گا اور واجب الاداء

اقساط کی ادائیگی کے بعد بھی غلام آزاد نہیں ہوگا۔ جب غلام ادائیگی مکمل کر کے آزاد ہو جائے تو مالک کتابت صحیحہ میں رجوع کا حقدار نہیں رہتا البتہ کتابت فاسدہ میں اسے رجوع کا حق رہتا ہے، یعنی آقا اس کی گردن کی قیمت ادا کر کے اسے دوبارہ غلام بنا سکتا ہے اور وہ بھی دوبارہ مالک کا غلام بن سکتا ہے اپنا دیا ہوا مال وصول کر کے۔

(26)......بَابُ الْعِتْقِ عَلَى الْخِدْمَةِ

خدمت کی شرط پر غلام کو آزاد کرنا

(٢٤٣٠)۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَحْمَدَ الْمَلِيحِيُّ، أَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي شُرَيْحٍ، أَنَا أَبُو الْقَاسِمِ الْبَغَوِيُّ، نَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنِي حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ......

عَنْ سَفِينَةَ، قَالَ: أَعْتَقَتْنِي أُمُّ سَلَمَةَ، وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ أَنْ أَخْدِمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَاشَ۔

سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آزاد کیا تو مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ میں جب تک زندہ رہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہوں۔

شرح امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی مالک اپنے غلام سے کہے: میں تجھے اس شرط پر آزاد کرتا ہوں کہ تو ایک ماہ میری خدمت کرے گا اور وہ اس شرط کو قبول کر لے تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اور ایک ماہ کی خدمت اس کے ذمے ہوگی اور اگر وہ کہے کہ میں تجھے اس شرط پر آزاد کرتا ہوں کہ تو ہمیشہ ہمیشہ میری خدمت کرے گا، یا مطلقاً اس طرح کہے کہ تو میری خدمت کرے گا اور غلام اس شرط کو قبول کر لے تو فوراً آزاد ہو جائے گا اور اس کے ذمے ہوگا کہ ایک گردن کی قیمت اپنے آقا کو ادا کرے، اور سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا تو انہوں نے کہا: میں تجھے آزاد کرتی ہوں اور تجھ پر یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تو زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرے گا۔ میں نے کہا: اگر آپ مجھ پر یہ شرط نہ بھی لگائیں تو میں جب تک زندہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوں گا، چنانچہ انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور یہ شرط مجھ پر عائد کر دی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر یہ شرط آزادی سے متعلق ہو تو قیمت کی ادائیگی غلام کے ذمہ ہے نہ کہ مالک کے ذمہ اور اگر آزاد کرنے کے بعد لگائی جائے تو اس شرط کا کوئی لحاظ نہیں اور غلام کے ذمے کچھ ادائیگی لازم نہیں آتی۔ اکثر فقہائے کرام کا یہی موقف ہے، امام ابن سیرین اس قسم کی شرط کے ثبوت کے قائل تھے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: غلام شرط لگانے والے سے خدمت خرید لے، ان سے دریافت کیا گیا: کیا درہموں کے عوض خرید لے؟ انہوں نے کہا: ہاں

فائدہ: یعنی اس خدمت کا الگ سے معاوضہ طے کر لے، جس طرح مزدور کسی کام کا معاوضہ طے کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اب ان کا غلام نہیں رہا جتنی خدمت کرے گا اتنا معاوضہ پائے گا۔ (ع،س)

(٢٤٣٠) حسن ...... أخرجه ابوداود: ٣٩٣٢، وابن ماجه: ٢٦